نرائے عدالت
انسانی

باسمہٖ سبحانہٗ

کتابِ مستطاب

ندائے عدالت انسانی

مصنفہ

جارج جرداق بیروت (لبنان)

مترجمہ

علامہ سید محمد باقر النقوی ظلہ مدیر "اصلاح"

ناشر

مکتبۃ الہمدانی متصل حویلی محلہ شیعان لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منعم حقیقی کا لاکھوں لاکھ شکر کہ محض اس کے لطف و عنایات کے سہارے ۳ ہزار صفحات پر سات جلدیں سوانحِ عمری حضرت امیر المومنین مکمل کرنے کے بعد دسمبر ۶۲ء میں سبط اکبر یعنی سوانح عمری حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس پُر آشوب زمانہ میں جب کہ دین اور پیشوایان دین سے لوگوں کی دلچسپی ختم ہو چکی ہے، اتنی ضخیم جلدیں اور حقائق و معارف کے بیش بہا ذخیرے شائع کرنا ہمارے بس کی بات نہ تھی، یہ قادر و قیوم ذاتِ احدیت کی تائید اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام کا صدقہ ہے کہ ہم ان مجلدات کی اشاعت پر قادر ہوئے اور ان مجلدات نے پرستارانِ حق و صداقت اہل ایمان و اربابِ ولا کی نگاہوں میں شرفِ قبول بھی پایا۔

اب ہم سوانح عمری حضرت امیر المومنین کی آٹھویں جلد شروع کر رہے ہیں یہ سوانح عمری بیروت کے ایک نامور عیسائی محقق جارج جرداق نے پانچ جلدوں میں لکھی ہے۔ عرب ممالک میں اس کتاب نے بڑی غیر معمولی مقبولیت پائی اور اسلامی علماء کے علاوہ غیر مسلم دانشوروں نے بھی مصنف کو بڑی گراں قدر لفظوں میں خراج تحسین ادا کیا۔ اردو میں اس کی اشاعت غالباً سب سے پہلی دفتر اصلاح سے ہو رہی ہے۔

دو باتیں ابتدا میں عرض کر دینی ضروری ہیں ایک یہ ہے کہ مولف ایک ترقی پسند ادیب اور عیسائی مکتبہ خیال سے تعلق رکھتا ہے ضروری نہیں کہ اس کی لکھی ہوئی ساری باتیں ہمارے لئے قابلِ قبول ہوں جہاں جہاں بھی اس کی عبارتیں حقیقت و واقعہ کے خلاف نظر آئی ہیں ہم نے ان کی طرف اشارہ کر کے فقہ حقہ امامیہ کا صحیح نظریہ اور اصل حقیقت واضح کر دی ہے پھر بھی ممکن ہے ہماری نظر خطا کر گئی ہو کچھ ایسے مقامات بچ رہے ہوں جہاں تعرض کرنا ضروری ہو اور ہم تعرض نہ کر سکے ہوں، لہٰذا ناظرین اسے ہماری ارادی لغزش پر محمول نہ فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب جدید عربی انشاپردازی کا نمونہ ہے جہاں ہم سے ممکن ہو سکا ہے لفظی ترجمہ کیا ہے جہاں دشواری محسوس ہوئی ہے وہاں صرف مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں مطالب تشنہ محسوس ہوئے ہیں، اپنی طرف سے اضافے کر دیئے ہیں۔

خداوندِ رحیم و کریم سے التجا ہے کہ جس طرح سابقہ جلدیں پسندیدۂ مومنین ہوئیں یہ جلد بھی قبولیت کی حامل ہو۔

وما توفیقی الّا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب۔

مکتوبہٖ
محمد باقر النقوی

مقدمہ

ازقلم، میخائیل نعیمہ

بزرگوں کی تاریخ ہمارے لئے عبرت و تجربہ ایمان و آرزو کا سرچشمہ ہے۔ ایسا سرچشمہ جو کبھی خشک نہ ہوگا۔ بزرگان جہاں مثل ان بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں کے ہیں جن پر ہم انتہائی اشتیاق اور دلچسپی سے پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے روشنی کے منارے ہیں جن سے ہمارے گرد و پیش کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں۔ انہیں بزرگوں کی وجہ سے ہمیں اپنی ذات پر بھروسہ ہوا جینے کی اُمید بندھی اور زندگی کی نیک بختیوں سے بہرہ ور ہوئے اور اغراض و فوائد سمجھ میں آئے مگر یہ بزرگان جہاں نہ ہوتے تو ان کی اور بے سمجھی طاقتوں سے نپٹتے ہیں ہم پر مایوسیوں کا غلبہ ہوتا اور موت کے آگے ہم سپر انداختہ ہو جاتے اور کہتے موت۔ اہم تیرے غلام اور تیرے قیدی ہیں تو جس طرح چاہے ہمارے ساتھ پیش آ۔

مگر ہم نے کسی دن بھی اپنے کو ناامیدیوں کے حوالے نہ کیا اور نہ کبھی اپنے کو حوالے کریں گے کیونکہ فتح یابی و کامرانی ہمارا حصّہ ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم سے پہلے بہت سے لوگ فتحیاب و کامیاب ہوئے۔ علی ابن ابی طالب انہیں کامیاب ہونے والوں میں سے ایک ہیں۔ یہ موت پر فتح پانے والے ہمیشہ ہمارے ساتھ ہیں اگرچہ زمان و مکان کے فاصلے ہمارے ان کے درمیان حائل ہیں مگر نہ تو زمانہ ہمیں ان کی باتیں سننے سے مانع ہے نہ فاصلے کی دوری ہماری نگاہوں کو ان کی صورتیں دیکھنے سے روک سکتی ہے۔

میں نے جو کچھ عرض کیا اس کا بہترین ثبوت یہ کتاب ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب انسانیت کے ایک بڑے بزرگ کی تاریخ ہے جو اگرچہ عرب میں پیدا ہوا تھا مگر اس کی ذات عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں، اس کے عنایات و کرم کے چشمے اسلام نے ظاہر کئے مگر وہ اسلام ہی میں منحصر نہیں۔ اگر علی فقط اسلام ہی کے لئے ہوتے تو لبنان کے ایک عیسائی فاضل کے دل میں جذبہ بے اختیار شوق نہ پیدا ہوتا اور ۱۹۵۶ء میں وہ علی کے حالات اور ان کی زندگی کے واقعات کی تحلیل و تجزیہ

اور تفحص و تلاش کے درپے نہ ہوتا نہ ان کے مقدمات کے دلفریب فیصلے، دلچسپ واقعات اور بہادری و شجاعت کے محیر العقول کارنامے اس کے لئے ایسے باعث کشش ہوتے کہ وہ شاعرانہ نغمہ سرائیاں کرنے پر مجبور ہوتا۔

یکہ تازی امام صرف میدان جنگ ہی تک محدود نہیں بلکہ آپ اپنی روشن ضمیری، پاکدلی، جادو بیانی، کمال انسانیت حرارت ایمان، بلندی ہمت، محروم کی ہمدردی، مظلوم کی نصرت اور حق و صداقت کی پیروی میں بھی یکہ تاز اور عدیم النظیر تھے ایسے کہ تیرہ سو برس گزر جانے کے باوجود آپ کے محیر العقول کمالات اور یکہ تازیاں ہمارے لئے مشعل راہ اور زندگی کو خوشگوار و پاکیزہ بنانے میں انتہائی مفید و منفعت بخش ہیں۔

ہم نہیں چاہتے کہ اس کتاب کے مطالعے سے پہلے اس کے دلچسپ اور افادیت سے بھرے ہوئے مقامات کی نشاندہی کریں کیوں کہ ایسے مقامات ایک دو نہیں بہتیرے ہیں مختصراً ہم اتنا ہی کہتے ہیں کہ مصنّف نے بہت سے دلچسپ مباحث کا ایک گلدستہ تیار کیا ہے جو رنگا رنگ خوش نما پھولوں کی طرح نظر نواز اور نغمہ ہائے دل آویز کی طرح روح افزا ہے۔

دوسری بات یہ کہ مصنّف نے واقعات کی تشریح پوری طرح کی ہے اور سیاست و مذہب اور سماجی اور مالی مسائل میں امیر المومنین کے نظریات و عقائد کو کافی شرح و بسط سے ذکر کیا ہے۔ علاوہ اس کے امیر المومنین کی زندگی میں پیش آئے ہوئے واقعات کی بڑی عمدگی سے وضاحت کی ہے اور نئے نئے مطالب بیان کئے ہیں جو پہلے کے مورخین بیان نہ کر سکے تھے۔

کوئی مورّخ و مصنّف کتنا ہی چابکدست اور غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک کیوں نہ ہو، ہزار صفحوں میں بھی امیر المومنین کی پوری تصویر کشی کرنے پر قادر نہیں نہ ان ہولناک واقعات کو پورے طور سے بیان کر سکتا ہے جو امیر المومنین کے زمانے میں پیش آئے۔

عرب کے اس محیر العقول نادر روزگار انسان نے جو باتیں سوچیں کہیں اور عمل میں لائیں وہ ایسی باتیں ہیں کہ نہ کسی کان نے پہلے سنیں نہ کسی آنکھ نے پہلے دیکھیں کوئی مورّخ زبان اور قلم سے ان باتوں کو کتنا ہی شرح و بسط سے کیوں نہ بیان کرے پھر بھی وہ اس سے کہیں بیش از بیش ہیں، اس بناء پر آپ کی جتنی بھی سوانح کی جائے وہ لا محالہ ناقص ہوگی۔

لیکن اس قسم کی کتاب میں مصنّف کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ امیر المومنین کے افعال و اقوال کی ہر ممکن ذرائع سے تلاش و جستجو کرے، پھر انتہائی غور و فکر کے ساتھ ان افعال و اقوال کی گہرائیوں تک پہنچے اور ان کو اس طرح پیش کرے کہ امیر المومنین کی تصویر سامنے آجائے جیسا کہ اس کتاب کے مصنّف نے کیا ہے۔

مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کا لائق و فائق مصنّف، جیسا کہ وہ ماہر انشاء پرداز تحقیق کا دلدادہ اور انصاف کا شیدائی ہے علی کی تصویر کشی میں بڑی حد تک کامیاب ہوا ہے جسے دیکھ کر آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ تصویر ایسے انسان کی ہے جو پیغمبر خدا کے بعد بزرگ ترین انسان تھا۔

میخائیل نعیمہ

گہوارۂ نبوت

عرب کی سرزمین بڑی حیرت انگیز اور اعجاز آمیز ہے، یہ کیفیت اس کی آئندہ بھی رہے گی۔ بڑے بڑے صحرا ہیں کہ اگر بارش سے محروم نہ ہوتے اور سرسبزی و شادابی انہیں نصیب ہوتی تو یہ سرزمین دنیا کے بھوکوں کا پیٹ بھرتی اور عالم کے لباس سے محروم انسانوں کو لباس پہناتی۔ ایسے ایسے لق و دق صحرا ہیں جن کی وسعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مگر افسوس کہ یہ سرزمین ہمیشہ ریگستان رہی۔ اس میں جا بجا ریت کے ٹیلے ہیں، چھوٹے چھوٹے بے آب و گیاہ پہاڑ ہیں اور پتھریلی زمینیں ہیں جن پر نہ تو کاشت کی جا سکتی ہے اور نہ وہ رہنے بسنے کے لائق ہیں۔ زراعت ممکن ہوتی تو آبادی بھی ہوتی۔ باوجودیکہ یہ سرزمین تین طرف سے سمندر سے گھری ہوئی ہے پھر بھی بارش انتہائی کم ہوتی ہے اور گرمی کے زمانہ میں تو سخت و شدید گرمی پڑتی ہے۔

کسی کسی حصہ میں بارش بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہاں کی ہوا میں خنکی آجاتی ہے مگر ان اطراف میں بادِ سموم اتنی چلتی ہے کہ ہر شاخ اور ہر سبزہ خشک ہو جاتا ہے بلکہ گرمی کے مارے جانور تک مر جاتے ہیں۔

شعرائے عرب بادِ صبا کو جو ہمیشہ پورب سے چلتی ہے بہشت کی نسیم سے تشبیہ دیتے ہیں۔

ایسی نہریں جو برابر جاری رہیں ان کا سرزمین عرب میں کوئی وجود نہیں البتہ جب کبھی بارش ہوتی ہے اور ندی نالے بہ نکلتے ہیں تو لوگ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے بند باندھ کر پانی کا ذخیرہ کر لیتے ہیں جو کچھ ہی مدت کے لئے کافی ہوتا ہے۔

عرب کا جانور اونٹ دیگر مقامات کے جانوروں سے امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔ خداوند عالم نے اسے لمبے لمبے پیر دیئے ہیں تاکہ دور دراز کی مسافتیں آسانی سے طے کر سکے اور لق و دق صحراؤں میں تھک نہ جائے۔ کھر ایسے دیئے ہیں جن کی وجہ سے اس کے پیر ریت میں دھنستے نہیں اور جس قدر راستے دشوار گذار اور سنگلاخ ہیں اسی قدر اس جانور کو قوت صبر اور برداشت کی طاقت بھی خدا نے عطا کی ہے۔ پھر گرمی اور شدتِ تشنگی سے مقابلہ کی اسے قوت بھی بخشی ہے۔ ایسا معدہ دیا ہے جس میں کئی کئی دن کے لئے پانی جمع کر لیتا ہے، پانی نہ میسر آنے کی صورت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا مالک کسی نہ کسی ذریعہ اس کے معدے کا پانی نکال کر اپنی تشنگی بجھاتا ہے۔ عرب والوں نے اونٹ کے ہزاروں نام رکھ چھوڑے ہیں۔

اس سرزمین پر سبزہ کا وجود شاذ و نادر ہے۔ کانٹے دار جھاڑیاں ہیں وہ بھی پانی کی کمی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے سوکھی کملائی۔ وہاں کے گھر عام طور پر خیمے ہیں جو نہ گرم ہواؤں ہی سے بچا سکتے ہیں نہ حرارت آفتاب ہی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اس خیمہ میں رہنے اور زیر آسمان زندگی گذارنے میں کوئی فرق نہیں۔ انہیں وجوہ سے وہاں کی آبادی بہت کم ہے اور جو ہے بھی وہ جا بجا بٹی ہوئی ہے اور وہاں کے لوگ ایک جگہ جم کر رہنے نہیں پاتے، برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے رہتے ہیں۔

عرب کے رہنے والوں کی غذا خشک خرما ہے اور اونٹ یا شکار میں ہاتھ آئے جانوروں کا تھوڑا بہت گوشت، صحرا میں ہمیشہ رہنے کی وجہ سے ان کی فطرت میں کشت و خون اور جنگ و جدال داخل ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے صحراؤں اور وادیوں میں آفتاب کی تمازت ایسی سخت و شدید ہوتی ہے اور زمین ایسی تپ جاتی ہے کہ لوگ ریت پر جانور بھون لیتے ہیں ایک ہی جیسے ریت سے بھرے ہوئے صحرا و بیابان مختصر آبادی حالات کی یکسانیت بڑی تھکا دینے اور زندگی کو ناگوار بنا دینے والی ہوتی ہے۔ آرزو اور امید جو زندگی کی مسرتوں کا سرمایہ ہوتی ہے، اس صحرا میں اس کا کہیں وجود نہیں۔

ایسے مشکل حالات اور اس طرح کی زندگی کی یکسانیت کی وجہ سے صحرا میں رہنے والے عربوں کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز اور دنیا کے گوناگوں طور طریقے سے واقف ہوں نہ سود و بہبود خیر و صلاح کی فکر ہی ان کے دل پر پیدا ہونی ممکن تھی۔ نیکی و پرہیزگاری جو انسان کے دل کو ایمان قبول کر لینے پر آمادہ کرتے ہیں، بے آب و گیاہ زمین پر اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی خصلتیں تو سرسبز و شاداب زمینوں میں نشو و نما پاتی ہیں نہ کہ پتھریلی اور خشک زمینوں میں۔ نیز ایسے لوگوں میں پیدا ہوتی ہیں جو ہر طرح کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کے دلوں میں جو زندگی سے محروم ہوتے ہیں۔ اس زمانہ کے چند چھوٹے چھوٹے شہر یا مختصر سی آبادیاں کسی گنتی میں نہیں ایک تو اس لئے کہ ان کی تعداد بہت کم تھی، پھر ان کی حیثیت صحرائے بے آب و گیاہ اور نامناسب ہواؤں کی زد میں گڑے ہوئے چند خیموں سے زیادہ نہ تھی البتہ طائف اور مدینہ میں نسبتاً زندگی کے کچھ وسائل میسّر تھے۔

رہ گیا مکہ تو وہ بت خانہ تھا اس کے باشندے تجارت پیشہ تھے اور ان کی نظر میں ایک دینار کسی انسان کی جان سے زیادہ قیمتی نہ تھا۔

جہنّم کی طرح تپتے ہوئے ریگزار میں فقر و فاقہ کی زندگی، حال کی شکستہ خاطری اور مستقبل کی ناامیدی، بس یہ تھا جزیرۃ العرب

تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس صحرا کے پڑوس میں ایسی سرسبز و شاداب زمینیں بھی موجود ہیں جہاں غذا بھی میسّر اور پانی بھی اور تمام عیش و آرام کے اسباب بھی پھر بھی ایسے انسان بھی تھے جو ان تمام آسائشوں کو نظرانداز کر کے اس ریگزار اور بنجر زمین پر ایسے فقر و فاقہ اور ذلّت و نکبت کی زندگی بسر کرنے کو زیادہ محبوب رکھتے تھے انہوں نے صحرا سے قدم باہر نکالنا ہی نہیں چاہا اور اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ کہ یہ لوگ اپنے وطن کو سارے جہاں پر ترجیح دیتے ہیں اور وہاں سے ہٹنا چاہتے ہیں نہ دوسری جگہ کو اپنا وطن بنانا پسند کرتے ہیں۔ یہ صحرائے عرب کا معجزہ تھا، پیغمبر جب کہ ابھی مبعوث بھی نہ ہوئے تھے۔

لیکن یہ تمام بہتے ہوئے سرد و شیریں چشمے، یہ تمام سرسبز و شاداب زمینیں وہ باغ و بہار فضائیں دنیا بھر کی دولت و ثروت غرض وہ تمام نعمتیں اور آسائشیں جو دوسرے مقامات کو حاصل تھیں سرزمین عرب کے ان تمام نعمتوں کا اگر آپ اس چیز سے موازنہ کریں جو سرزمین عرب سے نمودار ہوئی تو ان کی کوئی قدر و قیمت نگاہ میں باقی نہیں رہتی۔ اس معجزات

کی سرزمین صحرائے عرب نے دنیا میں وہ چیز پیش کی جو ان تمام نعمتوں سے عظیم اور بالاتر ہے۔

وہ بزرگ ہستی جس نے تمام انسانوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا جس کی وجہ سے حقیقت کے سرچشمے صاف ہوئے زندگی کی قدر وقیمت ظاہر ہوئی۔ نیکی و رستگاری نے عظمت پائی اور حقیقت سربلند ہوئی۔ محمد بن عبداللہ اور ان کے بہترین رفیق علیؑ بن ابی طالب۔

محمد مصطفےٰ ایسے بزرگ اور ان کے چچا زاد بھائی کا اس سرزمین عرب میں جہاں انسان کی جان ایک دینار کے برابر قیمت رکھتی تھی پیدا ہونا نبوت کے بعد اس صحرا کا دوسرا معجزہ تھا۔

دعوتِ محمدؐ

چمکتے ہوئے آفتاب جیسی روشن آنکھیں نورِ خورشید سے بڑھ کر روشن حقیقت لبوں پر، یثرب و طائف کے چمن سے زیادہ تر و تازہ دل، حجاز کی چاندنی راتوں سے زیادہ پسندیدہ اخلاق و عادات، تیز و تند ہواؤں جیسی جولانی طبع۔ زبان میں جادو، دل میں آسمانی روشنی شمشیرِ براں جیسی ارادوں کی پختگی اور زبان پر خدائی باتیں۔ یہ تھے محمد بن عبداللہ۔ عرب کے نبی یہ تھے بتوں کی شکست و ریخت کرنے والے پیغمبر وہ بت جنہوں نے بھائی کو بھائی سے جدا کر رکھا تھا صرف انہی بتوں کے توڑنے والے نہیں بلکہ مال کے بتوں کے غارت کے بتوں کے تعصب کے بتوں کے بھی توڑنے والے تھے۔

پست ہمت قریشیوں کو دنیا سے بس اتنی ہی غرض تھی کہ بدو عربوں کے ہاتھ سے پیسہ نکل کر ہماری جیب میں آجائے اور زندگی کی قدر وقیمت ان کے نزدیک اس کے سوا کچھ اور نہ تھی کہ ذاتی منفعت کی خاطر اونٹ پر بیٹھ کر حدی خوانی کرتے ہوئے ہزاروں سختیوں کے ساتھ صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانیں اور پھر اپنے شہر مکہ پلٹ آئیں وہ مکہ بت پرستی کا شہر تھا اور جہاں صرف درہم و دینار کی عزت تھی۔

دفعتہً ان کے کانوں میں وہ صدا پہنچی جس نے ان کے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ان کی خواہشیں خاک میں مل گئیں دنیا نے ان سے یہ کہتے ہوئے منہ پھیر لیا کہ:

انسان کی قیمت وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو اور صحرا نشین بدوؤں کی غرض خلقت وہ نہیں جو تمہارے ذہن نشین ہے؛ یہ آواز محمد مصطفےٰ کی تھی۔

قبیلہ اسد اور بنی تمیم والے کسی حد تک احمق و جاہل تھے جو اپنی لڑکیوں کو بغیر کسی سبب کے زندہ در گور کر دیتے تھے

ایسا کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی سوا اس کے کہ ایک عادت چلی آرہی تھی۔ مشیت الٰہی سے انہیں ضد تھی۔ فطرت کا حسن انہیں ناپسندیدہ تھا۔ یہ آواز جو انتہائی شفقت و محبت کی ترجمان تھی ان کے کانوں میں آئی کہ

"اے لوگو! لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے باز رہو۔ بندگانِ خدا لڑکی بھی اسی طرح خدا کی مخلوق ہے جس طرح لڑکے۔ بندگانِ خدا میں سے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کو زندگی کی نعمت سے محروم کرے وہ خدا ہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔

یہ آواز محمد مصطفےٰ کی آواز تھی۔

عرب والے ہمیشہ باہم برسرپیکار رہتے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، معمولی معمولی باتوں پر برسہا برس کشت و خون جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہتا وہ اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹتے اور اس پر فخر و مباہات کرتے، لڑ بھڑ کر مرجانا اور اپنی جہالت پر قربان ہوجانا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بچے چیختے چلاتے اور اس حالت میں پلتے بڑھتے کہ ان کے دل میں نہ تو کسی کی محبت ہوتی اور نہ ہمدردی۔

اس عالم میں ایک آواز پہلی ہی آواز سے متصل ان کے خیموں میں گونجی۔ گھن گرج سے زیادہ سخت اور آندھیوں کے جھکڑ سے زیادہ دہشتناک کہ

"یہ تم کیا کر رہے ہو۔ تم لوگ آپس میں کٹے مرتے ہو حالانکہ تم سب ایک خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ لڑائی شیطانی کاموں میں سے ہے۔ صلح و آشتی تمہارے لئے مناسب ہے وہ نعمت جس کے لئے تم جنگ و جدال کرتے ہو وہ فقط صلح ہی کے ذریعہ نصیب ہوسکتی ہے۔

یہ آواز بھی محمدؐ کی آواز تھی۔

عربوں سے بڑھ کر کوئی قوم متکبر اور خود پسند نہ رہی ہوگی، وہ غیر عرب والوں کو اپنے سے پست سمجھتے تھے حد یہ ہے کہ وہ غیر عربوں کو انسان ہی میں نہیں شمار کرتے تھے۔ یہ بدترین خصلت پیغمبرِ اسلام پر انتہائی شاق تھی۔ آپ نے ان متکبروں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"لیس لعربی فضل علی اعجمی الا بالتقویٰ والانسان اخوالانسان احب اوکرہ"

کسی عرب کے رہنے والے کو غیر عرب پر فخر نہیں سوا بسبب پرہیزگاری کے انسان انسان کا بھائی ہے چاہے اسے پسند ہو یا ناپسند۔

یہ آواز محمدؐ کی آواز تھی۔

وہ ستم رسیدہ آوارہ و پریشان حال افراد بادِ سموم نے جن کے چہرے کی رونق جھلس دی تھی، سماج اور معاشرہ نے جنہیں نکال باہر کرکے عرصۂ حیات ان پر تنگ کر رکھا تھا اور وہ ریت کے ذرّوں سے بھی زیادہ لوگوں میں حقیر و ذلیل تھے جن کی زندگی انتہائی تیرہ و تاریک ہو چکی تھی، یہی لوگ پیغمبر اسلام کے سچے رفیق تھے جس طرح فقیر و نادار اور سماج کے نکالے ہوئے افراد حضرت عیسٰی بن مریم کے رفقاء و احباب تھے اور جس طرح تمام بزرگانِ جہاں کے رفیق فقرا اور نادار انسان ہوا کئے پیغمبر اسلام نے انہیں لوگوں کے لئے ڈکٹیٹرانہ حکومت کی روک تھام کی غلامی اور بندگی کو منع کیا اور انسان کو اپنے ہی جیسے انسان کی بندگی سے آزاد کیا اور بیت المال کو قائم کیا تاکہ اس سے بلا تخصیص سبھی فائدہ اٹھائیں لوگوں کی کوششوں کا رُخ رفاہِ عامہ کی طرف موڑا تاکہ ہر ایک کو فائدہ پہنچے اکابر قریش کو جو آپ کے عزیز و اقارب تھے قدم قدم پر سرزنش کی تاکہ وہ اپنی حالت کو درست کریں اور نیکیوں کی طرف متوجہ ہوں اور پورے دل کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ رہیں کہ اس نے منتشر اور پراگندہ موجودات کو ایک رشتہ میں پرو رکھا ہے۔

لیکن قریش والے نادانوں اور بے سمجھ بچوں کو بھڑکاتے کہ آپ کو پتھروں سے ماریں اور آپ کا مذاق اڑائیں۔

وہ ستم دیدہ و بے خانماں افراد مظلوم و مجبور غلام جن کی ایک فرد موذن پیغمبر بلال بھی تھے ان کے دل یہ آواز سن کر کھل اُٹھے کہ

"تمام انسان خدا کا دیا کھاتے ہیں، سب سے خدا کو محبوب وہ ہے جو خلقِ خدا کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔"

یہ آواز محمدؐ کی آواز تھی۔

اور وہ لوگ جو آپ کے دشمن تھے، آپ پر پتھر پھینکتے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے انہوں نے یہ صدائے جانفزا سنی۔

ولو کنت فظًّا غلیظ القلب لانفضّوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ انّ اللّٰہ یحبّ المتوکلین۔

اور اگر تم بد مزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے پس (اب بھی) تم ان سے درگزر کرو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو اور ان سے کام کاج میں مشورہ کر لیا کرو (مگر) اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو (کیونکہ) جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے۔

یہ آواز محمدؐ کی آواز تھی۔

وہ لوگ جو بہتر زندگی کے لئے راہِ خدا میں سر دھڑ کی بازی لگاتے تھے اور بت پرستی اور بدکاری کے خلاف آپ کی حمایت و نصرت پر کمربستہ تھے جنہیں یہ فکر دامنگیر رہتی کہ کہیں میدانِ قتال میں حقوق رائگاں اور اخلاقِ کریمانہ برباد نہ ہو جائیں، ان کے دلوں پر یہ پاکیزہ کلمات پتھر کی لکیر بنے ہوئے تھے کہ۔

لاتغدروا ولاتغلوا ولاتقتلوا ولیدا ولا امرأة ولا شیخا فانیا ولا منغرلا بصومعته ولا تحرقوا نخلا ولا تقطعوا شجراً ولا تہدموا بناء ۔

خبردار غداری نہ کرنا، خیانت کے مرتکب نہ ہونا، کسی بچے کو قتل کرنا، عورت کو نہ سن رسیدہ مرد ضعیف کو نہ ایسے راہبوں کو جو گرجا میں گوشہ نشین ہوں نہ کسی درخت خرما کو جلانا نہ کسی درخت کو کاٹنا نہ کسی عمارت کو منہدم کرنا۔

یہ آواز محمدؐ کی آواز تھی۔

عرب والوں نے یہ آسمانی آواز محمد بن عبداللہ سے سُنی اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں انہوں نے یہ آواز پھیلا دی۔ بڑے بڑے جابر بادشاہوں اور صاحبان تخت و تاج کو اس آواز میں ڈھک لیا، انسانوں میں بھائی چارہ قائم کر کے ایمان کے رشتہ میں ایک دوسرے کو منظم کیا اور انسان اور خدائے وحدہ لاشریک میں وابستگی پیدا کی۔

محمد ابن عبداللہ کا سایہ اتنا پھیلا اور اتنا ہمہ گیر ہوا کہ پُرانی دنیا بھی اس سایہ تلے آگئی اور آتے ہی مشرق سے لے کر مغرب تک کی زمین خیر و معرفت اور صلح و آشتی کے پھل پیدا کرنے لگی۔ پیغمبر نے بالائے بام ہاتھ بڑھا کر دوستی و برادری کے بیج پھینکے آپ کا وہ ہاتھ اب تک بڑھا ہوا ہے اور اسی طرح تخم ریزی کر رہا ہے۔ اسی لئے دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں محمدؐ کے نام لیوا موجود نہ ہوں۔ ایک آدمی ہند میں ہے دوسرا اندلس میں۔ لیکن دونوں ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہیں۔ پیغمبر نے مشرق والوں کو وہ عزت بخشی اور وہ فخر و ناز دے گئے جو ان کے سر پہ درخشندہ تاج بنا ہوا ہے۔

پیغمبر کی یہ آواز انسانی بھائی چارے کی دعوت تھی۔ اس آواز نے حاکموں کے ہاتھوں کو رعیت اور ان کے زر و مال تک پہنچنے سے روک دیا۔ تمام انسانوں کو برابر کے حقوق دئے چھوٹے بڑے حاکم و محکوم عربی و عجمی سبھی کو، کسی کی تخصیص نہیں کیونکہ تمام انسان خدا کے بندے اور اسی کے خوان کرم سے روزی پاتے ہیں۔

اس آواز نے عورتوں کو مردوں کے ظلم سے رہائی دلائی۔ مزدور کو سرمایہ دار کے ظلم سے نجات بخشی، غلاموں خادموں کو آقا کی بندگی کی ذلت سے آزاد کیا۔ تمام انسانوں کو حکومت میں دخیل بنایا، افلاطون اور دیگر فلاسفہ کے نظریہ کے خلاف جو پیشہ وروں کاریگروں کو ان کے ذلیل پیشہ کی وجہ سے شہری حقوق سے محروم قرار دیتے ہیں۔ اور جنہوں نے انسانوں کو حقوق اور پیشہ کے لحاظ سے کئی طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

سود خوری اور ایک انسان کے دوسرے انسان کو لوٹنے سے منع کیا۔

پیغمبر کی آواز کے بعد علی ابن ابی طالب کی آواز تھی جنہوں نے انسانوں کو مکارم اخلاق کی طرف دعوت دی۔

تاریخ عالم پر ایک نظر

"علی ابن ابی طالب بزرگوں کے بزرگ اور ایک ایسی منفرد ہستی تھے جس کی نظیر نہ مشرق میں پیدا ہوئی نہ مغرب میں نہ پہلے نہ بعد"

شبلی شمیل

اپنے گوش ہوش کو تاریخ عالم پر لگاؤ تو ایسے امرِ عظیم کی خبر سنو گے کہ دسیوں صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس کا جواب پیدا نہیں ہو سکتا۔ اپنے دل و دماغ سے واقعات دنیا کا جائزہ لو تو ایک ایسی شاندار شخصیت تم کو ہمہ تن جذب کرے گی کہ اس کے بلند خیالات کے سامنے ہر چیز پست نظر آتی ہے، نہ اس کے نزدیک دنیا اور زندگانی دنیا کی کوئی حقیقت ہے نہ اولاد اعزہ اور دولت و سلطنت کی کوئی وقعت۔

یہ ہستی اتنی بلند و بالا ہے کہ اس کو معمولی انسانوں کی صف میں نہیں بٹھایا جا سکتا اور اس کی نگاہ عقل اتنی گہری ہے کہ اس کو آدمیوں کی عقل و فکر سے صرف نام کی مشابہت ہے۔

دل کے کان کھول کر سنو تو زمانے کی تاریخ تم کو راہِ حق و عدالت کے ان شہیدوں کا افسانہ سنائے گی جن کے خون سے آسمان کا کنارا گلرنگ ہے اور افق کی طرف دیکھنے سے تم کو دوہری سرخیاں نظر آئیں گی، ایک فطری سرخی اور دوسری شہیدانِ راہِ حق و انصاف کے خون کی سرخی۔

تاریخِ مشرق پر ایک نگاہ ڈالو اور فہم و ادراک کی اس عظیم طاقت کا پتا لگاؤ جو ہر دائرہ فکر بلند کا مرکز اور ہر صحیح دلیل و منطق کی اصل ہے۔ زندگی دنیا اور حیاتِ آخرت کے بارے میں ہر جدید تحقیق اور نئی رائے اسی سے وابستہ ہے۔ بشری نظام، قوانین تمدنی اصول اور اخلاقی قواعد میں جو گہرا نظریہ تمہارے علم میں آیا ہو وہ اسی سرچشمے سے جاری ہوا ہے۔ یہ قاعدے جماعتِ انسانی کے باہمی ارتباط و امداد اور شرکتِ کار پر مبنی ہیں۔ کونسی قوتِ فکر[1] ہے جس نے حکمت میں ایک نیا مسلک اور تازہ روش اختراع کر کے لوگوں کے سپرد کی اور اگلے لوگوں نے اس کو پیچھے آنے والوں تک پہنچایا؟ ہر شخص نے اپنی سمجھ کے مطابق اس سے

---

[1] چونکہ اس کتاب کا مصنف عیسائی ہے۔ لہٰذا اس نے اس سے زیادہ توقع بھی نہ رکھنا چاہیے کہ وہ امیرالمومنین علیہ السّلام میں ایک مافوق البشر قوتِ فکر تجویز کرے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے علوم کو غور و فکر سے نسبت نہ دینا چاہیے کیونکہ وہ وحی و الہام سے ماخوذ ہیں اور پیغمبر و جبرئیل کے توسط سے منجانب خدا آپ کے قلب پر ان کا فیضان ہوا ہے اور فکر و نظر چاہے جس قدر عمیق اور مافوق العادت ہو اس سے ایسے علوم کا صدور ممکن نہیں ہے جیسے حضرت کو حاصل تھے بلکہ ان کا عشرِ عشیر بھی ناممکن ہے۔

فائدہ اٹھایا ہے، لیکن ابھی تک کوئی اس کے حقیقی فلسفے اور گہرائی تک نہیں پہنچا۔ ضرورت اس کی ہے کہ دوسرے دماغ اور دوسری عقلیں ان مطالب سے تازہ ترین انکشافات کریں۔

کونسا وہ روشن خیال ہے جو خود رنج و تعب میں ہے اور دوسرے لوگ اس کی وجہ سے نعمت و راحت میں ہیں؟ جس نے دوست و دشمن دونوں کے لئے راستہ اختیار کیا اور کر رہا ہے، ایسا دانشمند جو ہر چیز کے اسباب و نتائج سے بحث کر کے دوسروں کے لئے کشف و وضاحت کرنے پر دل و جان سے آمادہ ہے۔

ایسا باریک بین عالم جس نے ہر مطلب میں غور و خوض کیا ہے اور کسی چیز کا علم اس سے پوشیدہ نہیں ہے یہاں تک کہ جو کام لوگوں نے ابھی انجام نہیں دئے ہیں بلکہ دماغوں میں صرف ان کا تخیل قائم ہوا ہے وہ بھی اس کو معلوم ہیں۔

زورِ طبیعت ایسا کہ مشرق میں جو علم اس کے بعد ظاہر ہوا وہ بھی اسی سے وابستہ ہے بلکہ سب کا سرچشمہ اور بنیاد وہی ہے۔

کبھی تم نے ایسی رسا اور کامل عقل دیکھی ہے جس نے بزرگ ترین حقیقت کو پہچان لیا ہو؟ اور وہ حقیقت اجتماعی رشتے کی اصل جماعت کی تشکیل کا سبب اور ہر ایک کے اپنے ایک مخصوص راستے پر چلنے کا باعث ہے اس کی وجہ کیا ہے کہ ایک گروہ ایک راستے پر چلتا ہے اور دوسرا کسی دوسرے راستے پر؟

اس مطلب کو جسے حضرت نے تیرہ سو سال سے مدت پہلے سمجھ لیا تھا۔ آج اس کو مشرق و مغرب کے علماء نے اپنی بحث کا جدید موضوع قرار دیا ہے۔ اس سے میری مراد وسائل زندگی کی ضرورت اور سامانِ معیشت ہے جس کو پانے کے لئے لوگ مختلف راہوں کو دوڑ رہے ہیں۔ ایک جماعت اپنے حدود سے آگے بڑھ کر قواعد عدالت کو نظر انداز کئے ہوئے ہے اور دماغوں کو غلط راستے پر لگانے کی کوشش کر رہی ہے، سرمایہ دار طبقہ دولت حاصل کرنے کے لئے برسرِ حکومت افراد سے کام لینے اور رعایا کو قابو میں رکھنے کے لئے اور بدعت تراش لوگ اپنے اطاعت گزاروں اور حلقہ بگوشوں کو اکٹھا کرنے کے لئے بے معنی حیلہ سازی اور غلط منطق سکھانے میں مشغول ہیں تاکہ اپنا ناجائز مقصد حاصل کر سکیں۔

کیا تم اس عقل کو پہچانتے ہو جو ایک ہزار سال قبل اس حقیقت کو معین کر جائے جو ہزاروں اوہام باطلہ کو منسوخ کرنے والی ہو اور کہہ جائے کہ اگر کوئی شخص بھوکا رہتا ہے تو محض اس وجہ سے کہ اس کا حصہ دوسرے نے لیا ہے؟ اور پھر بتائے کہ میں نے کوئی ایسی وافر نعمت نہیں دیکھی جس کے ساتھ کوئی ضائع شدہ حق موجود نہ ہو۔ اپنے ایک عامل کے پاس احتکار کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کام میں عام لوگوں کا نقصان اور حکام کے لئے عیب ہے لہذا احتکار سے منع کرو۔[1]

[1] مسیحی انسان کی نگاہ میں یہ بات تعجب خیز ہے کہ کوئی شخص ہزار سال قبل اس چیز کا ادراک کرلے جس کو آخری زمانے کے فلاسفہ زحمت کے ساتھ حاصل کر سکے ہیں لیکن ایک مسلمان کے لئے یہ چیز عجیب نہیں ہے کیونکہ وہ علی علیہ السلام کے علم کو پیغمبرؐ اور وحی و الہام سے ماخوذ اور خدا تک منتہی سمجھتا ہے پس حضرت کے لئے یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ ایک معمولی مطلب کو پہلے ہی سمجھ لیا۔

ایک مرد بزرگ اور عقل مدبر نے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ پہلے انسانیت کا صحیح راز دریافت کیا اور معلوم کیا کہ فضائل و مکارم الاخلاق پسندیدہ انہیں لوگوں کی سرشت میں رکھے گئے ہیں جن کے لئے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی نظر میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی اور ان کے حق میں ہر ظلم اور نقصان رسانی کو جائز سمجھتے تھے۔

اٹلی کے بت تراش رفائیل نے مادر عیسیٰ کا مجسمہ اٹلی کی ایک دیہاتی کاشتکار عورت کی صورت میں تیار کیا اور ہر قسم کے اچھے انسانی صفات اس میں نمایاں کئے۔ ٹالسٹائے، والٹر اور گوئٹے نے بھی اپنی دماغی کاوش اور تخیل سے اسی کو تجویز اور ثابت کیا جس کی تصویر کشی رفائیل نے اپنے ہاتھوں سے کی تھی، لیکن اس بزرگوار نے سینکڑوں برس پہلے ہی اس مفہوم کو واضح کر دیا۔ امراء و حکام منافع خوروں اور خود غرض لوگوں کا مقابلہ کیا، مظلوموں کے بارے میں ان کے غلط اور بیہودہ اندازِ خیال کی مخالفت کی اور قسم کھا کر کہا کہ خدا کی قسم میں ظالم سے مظلوم کا حق وصول کروں گا۔ اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اس کو کھینچتا ہوا سرچشمہ حق کی طرف لاؤں گا چاہے اس کو ناگوار ہی ہو۔

ان باتوں سے جو آپ نے اپنے زمانے والوں کے لئے کہیں ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس دور کے لوگوں کو اچھی طرح سے پہچان لیا تھا، وہ تھا ان بے حقیقت امراء اور سرداروں کا گروہ جو اپنی نالائقی کے باوجود عہدے پائے ہوئے تھے اور ان محکوم و مجبور اور بدنصیب لوگوں کی جماعت جن کو سوا اطاعت کے کوئی چارہ نہ تھا۔ آپ نے اختصار کے ساتھ کہا اسفلکم اعلاکم واعلاکم اسفلکم تمہارے زیر دست لوگ بلند مرتبہ اور تمہارے زبردست لوگ پست و ذلیل ہیں[لہ]

اس کلام سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ محکوم و زیر دست لوگ اپنی مجبوری اور با اقتدار طبقے کے ظلم کی وجہ سے اپنے مکارم اخلاق اور صفاتِ حمیدہ کے اظہار سے محروم ہیں اور بڑے لوگ اپنے عیوب کو لباسِ فاخرہ کے پردے میں چھپائے ہوئے ہیں۔

اس بزرگ ہستی نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ حقیقت اور فضیلت ایک امر مسلّم اور ازلی چیز ہے جو ہمیشہ تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ سارے انسان اپنی دل کی گہرائیوں میں اس کے معتقد ہیں اگرچہ ہر شخص ایک نئے طریقے سے اس کی تاویل کرتا ہے۔ قدیم سے قدیم آئینیں اسی کے سائے میں چل رہی ہیں لیکن اس کو جانتی نہیں۔ انہوں نے اپنے خیالات و عقائد کو اپنے آبا و اجداد سے وراثت میں پایا ہے

لہ امیر المومنین کا یہ ارشاد اس فتنے کی طرف اشارہ ہے جو آپ کے زمانہ خلافت میں اٹھایا گیا اور جس نے جماعت اسلام کو زیر و زبر کر دیا۔ مصنف نے جو استنباط کیا ہے وہ اگرچہ اس کلام سے مستفادہ نہیں ہوتا لیکن ایک امر مسلّم ہے اور حضرت کے دیگر ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ پیغمبروں کے مبعوث ہونے کی بہترین غرض اور ان کی کامیابی کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے انفرادی حریت اور آزادیٔ فکر کو رواج دیا۔ اس لئے کہ جابر حکومتوں میں اور نمرود و فرعون وغیرہ کے دورِ استبداد میں لوگوں کی جان اور مال سب انہیں ظالم حکمرانوں کے قبضہ اختیار میں تھا لہٰذا قوتِ فکر مفلوج اور طبیعتیں و دم بخود تھیں۔

اور انہیں کو پسند کر لیا ہے، اس لئے کہ ان کو مان لینے سے تحقیق و تجسس کی مشقت سے ان کو نجات مل گئی اور تقلید کی عادت اُن کی فطرت بن گئی ہے۔

سارے عقائد و خیالات کی بنیاد یہی ہے کہ ایک حقیقت مطلق موجود ہے اور بحث و نظر کی بنیاد اسی پر قائم کرنا چاہیے دل و دماغ اور اس عادت و خصلت نے جو ان سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر کیفیت اور شوق اور نفس کی ہر صفت نے چاہے وہ جس شکل و صورت میں ہو اس حقیقت مطلق کو حاصل کرنے کے لئے علی ابن ابی طالبؑ کے وجود میں ایک دوسرے کی اعانت کی اور علیؑ نے اس کو پالیا اور اپنے دل و دماغ سے یقین کر لیا کہ جس چیز کی بنیاد حق پر قائم ہو وہ متزلزل نہیں ہوتی، چنانچہ آپ خود اس استقلال کا نمونہ تھے کہ فتح ہو یا شکست، آپ دونوں حالتوں میں اپنے کو غالب پاتے تھے۔ جنگ کا میدان ہو یا سیاست کا ہر مقابلے میں غالب یا مغلوب ہوتا آپ کے نزدیک برابر تھا کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ حقیقت میرے ساتھ ہے اور آپ خود ہی اس کے میزان اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے تھے۔

سارے کرۂ زمین کی تاریخ میں ایسے مستحکم عقیدے کا کوئی جوانمرد نہیں مل سکتا جس میں کسی قسم کی سستی پیدا نہ ہو اور بغاوت کی آتش فشانی اس کو لرزہ براندام نہ کر سکے۔ عقیدے کو ڈانواڈول کرنے والی اس سے بڑھ کر کون سی چیز ہوگی کہ دشمن انتہائی طاقتور اور آپس میں متحد ہوں اور کسی شخص پر جس قدر ممکن ہو بُری تہمتیں، یہاں تک کہ کفر و گمراہی کے الزامات بھی لگا رہے ہوں؟ اور موت کی دھمکی یا موت سے زیادہ عقیدے کو خاکستر بنانے والی اور کونسی نے آتش فشانی ہوگی؟ لیکن علیؑ ان میں سے کسی ایک سے بھی شکست نہیں ہوئے اور کوئی مانع ان کو ان کے راستے سے منحرف نہیں کر سکا۔ عقیدے کی ترویج کسی قیمت پر اپنی کوشش اور لگن سے باز نہیں آئے اور اس کام سے نہ کوئی فائدہ اٹھانا چاہا، نہ جاہ و مال کی خواہش کی۔ آپ کا نفع صرف عقیدے کی کامیابی تھا۔

تاریخ عالم میں تم نے کوئی ایسا لطف و کرم اور محبت و شفقت سے سرشار صاحب دل پایا ہے جس کو چاروں طرف سے حریص مطلب پرستوں، سرکش جاہ طلبوں اور کینہ پرور سنگدلوں نے گھیر رکھا ہو اور اپنے فوائد کے لئے ایک دوسرے کو پھاڑ کر کھائے جا رہے ہوں اور وہ لطف و محبت سے لبریز بیانات کے ذریعہ ان کو صلح و سلامتی کی دعوت دے رہا ہو، پھر بھی وہ لوگ اس سے لڑنے کے لئے یک دل اور یک زبان ہو رہے ہوں۔

آج جس قدر اقوال موجود ہیں اور جن کو لوگ بولتے یا لکھتے ہوں اور ہر شخص ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اپنی خصلت اور فطرت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ ان میں سے کلمات طہارت و عصمت کو تم نے کسی کے اندر ان کے حقیقی مفہوم کے ساتھ پایا ہے ہوں کی پاکیزگی، نیت کی صفائی اور ایسی طہارت کو جس میں کسی برائی اور گندگی کی آمیزش اور آلودگی نہ ہو[1]

---

[1] ہمارے عقیدے میں امیر المومنین علیہ السلام خطا سے معصوم تھے اور ان کا علم و عقیدہ وحی و الہام سے ماخوذ تھا، اسی وجہ سے اپنی حقانیت پر یقین رکھتے تھے اور حقیقت مطلق کو دریافت کر لیا تھا لیکن دوسرے لوگ نیک صفات کو ایک امر موہوم اور ایفائے عہد کو خیال باطل سمجھتے تھے۔

اگر ہم کسی محسوس چیز سے تشبیہہ دینا چاہیں اور کہیں کہ اس شبنم یا صبح کی برف کے مانند ہے جو پھول کی پنکھڑی پر جمی ہوئی ہو تب بھی ہم نے صحیح نہیں کہا کیوں کہ یہ قلب و روح کی باطنی طہارت ہے جو رات یا صبح سے نہیں بلکہ پاکیزہ خیالات سے پیدا ہوئی ہے یہ خالص اور کسی آمیزش سے پاک طہارت اس صاحبدل کے نزدیک اسی قدر عزت رکھتی ہے جس قدر جاڑوں میں سردی سے کانپتے ہوئے لوگوں کے نزدیک دھوپ اور گرمیوں میں جھلستی ہوئی کھیتی کے لئے پانی۔

دنیا کی بزرگ ہستیوں کے درمیان جو شخص محبت و وفا میں سب سے آگے تھا، وہ علیؑ تھا۔ وفا ان کی سرشت و عادت اور ان کی جان و دل میں پیوست تھی۔ لوگوں سے محبت رکھتے تھے لیکن اس کو خود اپنی ذات سے وابستہ نہیں کرتے تھے۔ اپنا عہد پورا کرتے تھے وفاداری ان کی ذات کی حقیقت تھی۔ انہوں نے اپنی فطری اور گہری ذہانت سے دریافت کیا کہ آزادی سب سے مقدس چیز ہے۔ ساری دنیا اس کی خواہاں ہے اور کسی نعمت کو اس کے برابر نہیں سمجھتی۔ صحیح قوتِ فکر اور اچھی خصلت آزاد آدمیوں میں ہوتی ہے اور سچی محبت اور خالص وفاداری بغیر آزادی کے ممکن نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ بدترین بھائی وہ ہے جس کے لئے تکلف کرنا پڑے اور بہترین شخص وہ ہو گا جو ایسا نہ ہو۔

کیا تم کسی ایسے فرمانروا کو پہچانتے ہو جس نے ہمیشہ پیٹ بھر کے روٹی کھانے سے اس لئے پرہیز کیا کہ اس کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو شکم سیری نصیب نہیں ہے؟ نفیس کپڑا اس وجہ سے نہیں پہنا کہ بہت سے انسان موٹی کملی اوڑھ کر بسر کرتے ہیں پیسہ کبھی اس سبب سے جمع نہیں کیا کہ فقیر اور حاجت مند آدمی بہت ہیں؟ اپنی اولاد اور دوستوں کو وصیت کی کہ میرے قدم بہ قدم چلو۔ مسلمانوں کے بیت المال سے بغیر استحقاق کے مطالبہ کرنے پر اپنے بھائی کو ایک دینار دینے سے انکار کر دیا۔ اپنے اصحاب و تابعین اور اعمال سے رشوت میں ایک روٹی وصول کرنے پر سخت بازپرس کرتا تھا، چنانچہ ان میں سے ایک شخص کو ان الفاظ میں تنبیہہ کی اور بیت المال میں خیانت کرنے سے باز رکھا کہ خدا کی قسم اگر تم نے لوگوں کے مال میں کچھ بھی خیانت کی تو تم پر ایسی سخت کارروائی کروں گا کہ مفلوک الحال گراں بار اور بے آبرو ہو جاؤ گے (قليل الوفر ثقيل الظهر ضئيل الامر) اور دوسرے کو اس فصیح و بلیغ عبارت کے ساتھ مخاطب کیا۔

مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے زمین پر جھاڑو پھیر دی جو کچھ تمہارے زیر قدم تھا اس پر قابض ہو گئے اور جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں آیا اس کو کھا گئے۔ پس اپنا حساب میرے پاس روانہ کرو۔"

ف انسان خود مختاری کو پسند کرتا ہے اسی وجہ سے اگر کسی شخص کو قید خانے میں بند کر دیا جائے اور اس کے لئے ہر طرح کے وسائل معاش اور سامانِ راحت مہیا کر دیا جائے پھر بھی وہ اپنی آزادی کو ترجیح دیتا ہے۔ انبیاء جابر بادشاہوں سے مقابلہ کرتے تھے اور ان پر غالب آتے تھے، جس کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے تھے انسان اپنی جان و مال پر اختیار رکھتا ہے، لیکن سلاطین لوگوں کے اختیارات سلب کر کے اپنے ارادے کو زبردستی ان کے سر منڈھتے تھے۔

بلغنی انک جردت الارض فاخذت ما تحت قدمیک واکلت ما تحت یدیک فارفع الی حسابک۔

پھر ایک رشوت خوار کو جو بے بس لوگوں کا مال ہڑپ کر کے اپنی جیبیں بھرتا تھا زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا کہ "خدا سے ڈرو اور لوگوں کا مال ان کو واپس کر دو۔ اگر تم نے اس کو واپس نہ کیا اور خدا نے مجھ کو تم پر قابو دیا تو خدا کے روبرو جو کچھ میرا فرض ہے تمہارے بارے میں اس کو انجام دوں گا اور تم پر وہ تلوار لگاؤں گا کہ میں نے جس پر بھی اس کا وار کیا وہ داخل جہنم ہو گیا۔

تم نے کوئی ایسا بادشاہ سنا ہے جو اپنے ہاتھ سے چکی پیسے اور اس سے اپنی خوراک کے لئے ایسی خشک روٹی تیار کرے جو زانو سے دبا کر توڑی جا سکے؟ اپنے ہاتھوں سے اپنی جوتیوں میں پیوند لگائے؟ مال دنیا میں سے تھوڑا یا بہت کچھ بھی پس انداز نہ کرے کیونکہ اس کا مقصد سوا مصیبت زدوں اور مظلوموں کی امداد کے اور کچھ نہیں تھا تاکہ ظالموں سے ان کا حق وصول کرے اور ان کی زندگی کو خوش حال بنائے؟ کبھی کھانے پینے اور چین سے سونے کی فکر میں نہیں رہا کیونکہ اس کے ملک میں بعض آدمی ایک ایک روٹی کو محتاج تھے بہت سے پیٹ بھوکے اور بہت سے جگر بریاں تھے؟

جس کی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ ہے اور کیا کہنا اس فقرہ کی بلاغت کا "آیا میں صرف اس بات پر قناعت کر لوں کہ لوگ مجھ کو امیر المومنین کہتے ہیں اور زمانے کی سختیوں میں ان کا شریک نہ بنوں؟

ملک اور بادشاہی اگر حق کو قائم کرنے اور باطل کو زائل کرنے کے لئے نہ ہو تو وہ علیؑ کے نزدیک دنیا کی پست ترین چیزوں سے بھی زیادہ پست تھی۔

ان تمام انسانوں کے اندر جو عدالت میں مشہور ہوئے کون بزرگوار ایسا ہے کہ اگر ہفت اقلیم کے سارے باشندے اس کے خلاف اجماع کر لیں تب بھی یہ کہنا لازم ہے کہ وہ حق پہ ہے اور سارے مخالفین باطل پر؟ کیونکہ اس کی راستی اور عدالت اکتسابی نہیں بلکہ ذاتی تھی جس کے بعد دوسروں نے اس سے سبق حاصل کیا۔ اس کے قوانین سیاست و حکومت کے بنائے ہوئے نہیں تھے بلکہ حکومت و سیاست خود ان قوانین کی بنیاد پر قائم تھی۔ مقصد کوئی ایسا راستہ انتخاب نہیں کیا تھا جو اس کو مسند حکومت تک پہنچا دے بلکہ وہ راہ اختیار کر لی جس سے پاک و صاف دلوں میں اپنی جگہ بنا لے۔ عدالت اس کی روح کا جزو اور اس کے قلب میں پیوست تھی جس نے دوسرے فضائل و کمالات کو بھی اپنے ساتھ سمیٹ لیا تھا۔ اس کے لئے عدالت سے ہٹنا اور اپنے فطری تقاضے سے اختلاف ممکن نہ تھا۔ عدالت ایک ایسا مادہ اور عنصر تھی جو اس کے اعضاء و جوارح اور عناصر بدن میں شامل اور خون کے مانند رگوں میں دوڑی ہوئی تھی۔

تم نے تاریخ کے صفحات پر کوئی ایسا بہادر پایا ہے جس کے مقابلے پر ہوس پرستوں کا ایسا گروہ آیا ہو جس میں خود اس کے اعزہ بھی شامل ہوں اور آپس میں جنگ ہوئی ہو پھر جو لوگ فتحیاب ہوں وہ مغلوب ہو گئے ہوں اور وہ شکست کھانے کے بعد غالب رہا ہو؟ اس لئے کہ اس کے دشمن انسانیت سے دور تھے۔ اور انہوں نے حیلہ سازی اور رشوت

طلبی اور مکر و فریب کو اپنا آلۂ کار بنا کر ظالمانہ حیثیت سے تلوار اٹھائی تھی لیکن وہ فضیلتِ انسانی، حقوقِ بشری کی رعایت اور ترویجِ عدالت و مساوات کے راستے میں اپنے روشن دل اور دور بین عقل کے ساتھ کسی قسم کی منفعت بلکہ اپنی ہستی سے بھی درگزرا، اور یہی سبب تھا کہ ان کی فتح و فیروزی درحقیقت شکست تھی اور اس کی شکست فضائلِ انسانی کے لئے ایک عظیم کامیابی تھی۔

تم نے صفحاتِ تاریخ پر کسی ایسے دلیر جنگجو کا پتہ لگایا ہے جو اپنے مخالفین سے بھی انتہائی محبت رکھتا ہو اور چاہتا ہو کہ اُن کو انسانی صفات سے متصف دیکھے؟ دشمنوں کے حق میں اس کی مہربانی اس حد تک پہنچ جائے کہ اپنے ساتھیوں کو ان کے بارے میں اس طرح وصیت فرمائے: "جب تک وہ خود لڑائی شروع نہ کریں تم ان سے جنگ کی ابتداء نہ کرنا، جب بحکم خدا ان کو ہزیمت ہو تو جو شخص میدان سے پیٹھ دکھائے اس کو قتل نہ کرنا، بھاگے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا، مجبوروں اور زخمیوں کو قتل نہ کرنا، اور عورتوں کو تکلیف نہ پہنچانا۔"

جب گیارہ ہزار دشمنوں کی فوج جو ناحق اس کے خون کی پیاسی تھی اس پر پانی بند کر دے تاکہ وہ پیاس سے دم توڑ دے، اور وہ ان سنگدلوں کو بھگا کر دریا پر قبضہ کرلے تو انہیں لوگوں کو پانی کی طرف دعوت دے اور کہے کہ جس طرح ہم اور ہمارے ساتھی پانی لے رہے ہیں اور پرندے پیاس بجھا رہے ہیں، تم بھی پانی لے جاؤ اور سیر و سیراب ہو؟ فرماتا تھا کہ "جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے اس کا اجر اس آدمی سے زیادہ نہیں ہے جو انتقام لے سکتا ہو پھر بھی درگذر کرے اس لئے کہ ایسا شخص خدا کے فرشتوں میں سے ایک ہے"؛ جس وقت ایک شقی نے اس کے سر پر ضربت لگائی اور وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو قاتل کے بارے میں اپنے اصحاب سے فرمایا: "اگر اس کو معاف کر دو تو یہ تقویٰ و پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے"۔

ایسا دلیر جنگ آزما جس نے اپنی بے نظیر شجاعت کو شفقت و مہربانی کے ساتھ جمع کر رکھا تھا۔ دشمنوں کے اس گروہ کے لئے جو مخالفت میں یکزبان تھے، صرف زبانی عتاب پر اکتفا کی، حالانکہ اگر چاہتا تو ایک ضربِ شمشیر سے ان کو خاک میں ملا دیتا۔ عتاب اور فہمائش کے موقع پر بغیر سلاحِ جنگ کے سر برہنہ ان کی ملاقات کے لئے گیا۔ البتہ وہ اسلحے میں اس طرح غرق تھے کہ ان کے چہرے خود اور زرہ کے سوراخوں سے بمشکل نظر آتے تھے۔ اس کے بعد ان کو پرانی دوستی اور برادری کی یاد دلائی اور شدت سے گریہ کیا کہ انہوں نے یہ غلط راستہ کیوں اختیار کیا۔ جب اچھی طرح سمجھ لیا کہ ان کے دلوں پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے اور وہ سوا میرا خون بہانے کے اور کچھ نہیں چاہتے تب بھی خود سے آغازِ جنگ نہیں کیا بلکہ اس قدر تاخیر کی کہ انہیں لوگوں نے جنگ شروع کی۔ اس وقت مظلوموں کی خاطر تلوار کھینچی بعد ان پر ایسا حملہ کیا کہ ان کے اعضاء میں تھرتھری پڑ گئی، طوفان کی طرح ان کو درہم برہم کر دیا۔ ریگِ بیاباں کی طرح ان کو فضا میں منتشر اور پراگندہ کر دیا، ان کی آرزوؤں کو برباد کر دیا، ان کینہ پرور ظالموں کو خاک و خون میں غلطاں کر دیا جو کھلم کھلا عداوت اور بغاوت کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر فتح و کامرانی کے بعد ان کے کشتوں پر زار زار گریہ کیا، باوجودیکہ وہ خود غرضی اور دنیا پرستی کے مارے ہوئے تھے اور بدترین حرص و ہوس نے ان کو اس درجۂ ہلاکت میں لا ڈالا تھا۔

شاہانِ دنیا کی تاریخ میں تم نے کوئی ایسا بادشاہ سنا ہے جس کے لئے فرمانروائی اور ثروت کے وہ سارے اسباب فراہم تھے جو دوسرے کو حاصل نہ تھے پھر بھی اپنے لئے رنج و افسوس کا انتخاب کیا؟ حسب و نسب کا بلند تھا لیکن کہا کہ کوئی شرافت کوشش و انکسار کے مانند

نہیں "ایک جماعت اس کو دوست رکھتی تھی تو اس کے بارے میں فرمایا کہ "جو شخص مجھ کو دوست رکھتا ہو وہ اپنے لئے فقیری کا خرقہ تیار کرلے "ایک گروہ نے اس کی محبت میں غلو کیا تو فرمایا کہ "میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاکت میں مبتلا ہوئے۔ غلو کرنے والا دوست اور کینہ جو دشمن "اپنے حق میں کہا کہ "خداوندا میری ان خطاؤں کو بخشدے جن کو لوگ نہیں جانتے۔" ایک فرقے نے اس کو اپنا خدا سمجھ لیا تو اس کو سخت ترین سزا دی۔ دوسرا ایک گروہ جو اس کو دوست نہیں رکھتا تھا۔ اس کو بھائی کی طرح نصیحت کی۔ ایک جماعت نے اس کو گالی دی، اس کے ہمدردوں کو اچھا نہیں معلوم ہوا اور انہوں نے بھی گالی دے کر عوض لیا تو فرمایا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ میرے دوست ہو کر گالی بکنے والے بنو۔ لوگوں نے اس سے دشمنی کی، اس کے ساتھ بدی کی۔ اس کی غیبت کی اور اس کے مقابلے پر لڑنے آئے پھر بھی فرماتا تھا کہ "اپنے بھائی کے ساتھ احسان کرکے اس کی تنبیہہ کرو۔ اور انعام واکرام کے ذریعہ اس کی طبیعت میں اصلاح کرو"

نیز فرماتا ہے کہ "تمہارا بھائی مہر و الفت کا رشتہ توڑنے میں تم سے زیادہ طاقتور نہیں ہے، اگر تم اس کو جوڑنے کی کوشش کرو اور ظلم و ایذا رسانی میں تم سے زیادہ تیز دم نہیں ہے اگر تم نیکی اور احسان کا برتاؤ کرو"

لوگوں نے اس کو ترغیب دی کہ ظالمین کے ساتھ لطف و مدارات کا برتاؤ کرے تاکہ اس کی سلطنت مستحکم ہوجائے، تو فرمایا کہ "تمہارا دوست وہ ہے جو تم کو برائی سے باز رکھے اور تمہارا دشمن وہ ہے جو تم کو بُرے کام کی ترغیب دے" پھر فرمایا "سچائی کو اختیار کرو چاہے اس میں تمہارا نقصان ہی کیوں نہ ہو اور جھوٹ سے پرہیز کرو چاہے اس سے تم کو فائدہ ہی کیوں نہ پہنچتا ہو"

کسی شخص پر احسان کیا تھا لیکن وہ لڑنے کے لئے مقابلے پر آگیا تو خود اپنی طرف خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "اگر کوئی شخص تمہاری نعمت کا شکر ادا نہ کرے تو اس سے تمہارا احسان منقطع نہ ہونا چاہیئے"

ایک مرتبہ اس کے سامنے دنیا کی نعمتوں پر گفتگو ہو رہی تھی تو کہا "دنیاوی نعمتوں میں سے خوش اخلاقی کی نعمت کافی ہے"

لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ دوسرے بادشاہوں کی طرح فتح یابی کے لئے ہر ممکن وسیلے سے کام لئے تو فرمایا کہ "جس کے دل پر گناہ غالب آگیا وہ فاتح نہیں ہے اور جو شخص عمل بد کے ذریعے غالب آئے وہ دراصل مغلوب ہے"

اپنے دشمنوں کی ان بداعمالیوں سے چشم پوشی کرتا تھا جن کا علم سوا اس کے دوسروں کو نہ ہو اور بار بار فرماتا تھا کہ جوانمرد کی بہترین عادت یہ ہے کہ دیکھی ہوئی بات کو ان دیکھی قرار دے دے۔

دشمن اور نادان دوست اگر کوئی ایسی بات زبان سے نکالتے تھے جو لوگوں کو اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی تو فرماتا تھا کہ "جو بات تم کسی سے سنو اور اس میں کوئی نیک احتمال ہو تو بدگمانی نہ کرو"

تم کسی ایسے دینی پیشوا کو جانتے ہو جو اپنے حکام کو ان الفاظ میں ہدایت دے کہ "لوگ یا تو دین میں تمہارے بھائی ہیں یا خلقت میں تمہارے مساوی، لہٰذا ان کے ساتھ اس طرح سے درگزر اور چشم پوشی کا سلوک کرو جس طرح سے تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارے ساتھ کرے"

تم کسی ایسے بادشاہ کو پہچانتے ہو جس نے حق کو قائم کرنے کے لئے سلطنت سے ہاتھ دھولیا ہو؟ اور کبھی ایسے صاحب ثروت کو دیکھا ہے جس نے اپنے سارے مال سے زندہ رہنے کے لئے صرف روٹی پر قناعت کی ہو؟ اور زندگی اس کی نظر میں خلق خدا کو

فائدہ پہنچانے کا نام ہو؛ البتہ دنیا اس کے علاوہ کسی اور کو فریب دے (قلتغو غیرہ)

مشرقی دنیا کے آثار میں آیا تم نے نہج البلاغہ کو پڑھا ہے کہ کتنے بلیغ اور مؤثر انداز میں اپنی فکر و قوتِ متخیلہ اور جذبۂ انسانیت سے کیسے کیسے نادر اور انوکھے فقرات اخذ کر کے ان کو باہم ترتیب دیا ہے؛ اور جب تک زمانے میں انسان کا وجود باقی اور فکر و خیال اور انسانی جذبات موجود ہیں اس کتاب کی جاذبیت قائم رہے گی۔ سارے موزوں اور ایک دوسرے سے مربوط اجزائے کلام نگاہِ احساس میں انتہائی خوش آئند اور نظرِ عقل میں بہت ہی عمیق اور پُر معنی ہیں۔ پورے جوش اور ولولے کے ساتھ حقیقت اور واقعیت کو بیان کیا ہے۔ اور ماورائے عالم کی بھی خبر دی ہے۔ نادر مطالب کو حسین عبارت میں ضم کیا ہے اور جمالِ صورت کو کمالِ معنی کے ساتھ اکٹھا کر دیا ہے۔ اس کو اپنے سامنے رکھو تو ایک سیلابِ عظیم اور طوفانی سمندر نظر آئے گا۔ یہ حوادث روزگار کے مانند ہے جس کو بدلنا ممکن نہیں ہے اور ایک حرف بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو بات کچھ کی کچھ ہو جاتی ہے۔ اس کا حُسنِ بیان گوشِ خرد میں سرور انگیز نغمے سے بھی زیادہ روح افزا ہے اور اس کا ظاہری جمال نگاہِ عقل میں زنگارنگ اور دل آویز نقوش سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ ایک نوادر و عجائبات سے بھری ہوئی دنیا ہے جو ہر قسم کی خوبصورت چیزوں سے پاٹ دی گئی ہے۔

چشم و گوش کے لئے لذت اور عقل و ہوش کے لئے آزمائش ہے۔ اگر زبانِ ملامت کھولی ہے تو آندھیوں اور طوفانوں میں اس کے تحمل کی تاب نہیں۔ اگر زجر و توبیخ میں لب کشائی کی ہے تو گویا ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بادلوں کی سی گرج کے ساتھ مجرمین کے سروں پر چنگاریوں اور بجلیوں کی بارش کر رہا ہے۔ اگر منطقی استدلال پر توجہ کی تو ہوش و خرد کو مسخر کر لیا اور سوا اپنی قائم کی ہوئی حجت و برہان کے ہر دلیل کا دروازہ بند کر دیا۔ اگر تمہارے دل کو کسی چیز کی طرف متوجہ کرنا چاہے تاکہ تم اس پر غور کرو تو تمہاری حس اور عقل کو بہت نرمی کے ساتھ اپنی جگہ سے ہٹا کر اس رُخ پر موڑ دیتا ہے جدھر وہ چاہتا ہے اور اس چیز کی حقیقت تک پہنچا دیتا ہے۔ نیز اس کی تحقیق کے لئے تمہاری ساری طاقت اکٹھا کر دیتا ہے۔ جب نصیحت کرتا ہے تو پدرانہ شفقت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور اتنی محبت کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں معین کی جا سکتی۔ جب شکایتِ زمانہ، جمالِ آفرینش اور کمالِ ہستی پر تقریر کرتا ہے تو اپنا مطلب ستاروں کے نور کی روشنائی سے تمہارے صفحۂ دل پر نقش کر دیتا ہے۔

بلاغت میں ساری بلاغتوں سے بلند ہے۔ ایک ایسا قرآن ہے جو اپنی منزل سے تھوڑا سا نیچے آ گیا ہے۔ عربی زبان کے تمام محاسن جو اس وقت تک تھے یا آئندہ ایجاد ہونے والے تھے اس کے بیان میں فراہم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس کے متکلم کے بارے میں کہہ دیا گیا کہ "اس کا کلام خدا کے کلام سے پست اور مخلوقات کے کلام سے بالاتر ہے"۔

عقل کا ایسا سرمایہ، علم کا اتنا بلند پایہ اس حد کی بلاغت اور ایسی کامل شجاعت جس کے ساتھ ایسی محبت و عنایت ہو کہ اس کی کوئی حد ہی تصور میں نہ آ سکتی ہو، اگر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی کو حاصل ہو جائے تو انسان کی آنکھیں خیرہ کر دینے کے لئے کافی ہے، تو اگر ایک ہی فردِ بشر کے اندر ان سب کا اجتماع ہو جائے تو کیا عالم ہو۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ مفکر اور ادیب دانشمند، منتظم، حاکم اور سپہ سالار دفعتاً سارے انسانوں، حاکموں اور جنگی سپاہیوں سے

کنارہ کش ہوکر اور محبت وعنایت کا طریقہ اختیار کرکے اس طرح گوشہ نشین ہوجاتا ہے کہ کسی کے ساتھ سروکار نہیں رکھتا، صرف یہ چاہتا ہے کہ انسانی خصوصیات میں تحریک پیدا کرے اور احساسات کو برانگیختہ کرے۔ دل کے کانوں میں اُن لطیف وعمدہ باتوں کو جو گرمی محبت اور شدت جذبات کی دلیل ہیں بہت نرمی اور آہستگی کے ساتھ پہنچاتا ہے کہ "دوستوں کا نہ ہونا بمنزلہ غربت ہے"، "دوسروں کی مصیبت پر خوشی نہ مناؤ"۔

"نرمی اور بخشش کے ذریعہ اپنے کو لوگوں سے قریب کرو"، "جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے درگذر کرو، جو شخص تم سے اپنی بخشش کو الگ رکھے تم اپنی بخشش سے اس کو محروم نہ کرو، جو شخص تم سے رشتہ منقطع کرے تم اس سے نیا رشتہ قائم کرو اور جو شخص تمہارے ساتھ دشمنی کرے، تم اس کے دوست رہو"۔

ایسا بزرگ انسان جو بلندیٔ فکر میں دنیا کے مفکروں سے خیر خواہی میں زمانے کے نیکوکاروں سے، علم کی زیادتی میں عالم کے دانشمندوں سے، وقت نظر میں عرصۂ گیتی کے محققین سے، عطوفت ومہربانی میں سارے محبت کرنے والوں سے ترک دنیا میں تمام پرہیزگاروں سے اور اصلاحی نظریات میں قوم کے جملہ مصلحین سے آگے نکل گیا ہے۔ دردمندوں کا شریکِ غم، مصیبت میں مظلوموں کا ساتھی، دنیا کے ادیبوں کو ادب سکھانے والا اور دلیروں کے لئے ہنر آموز ہے۔ ترویج حق کے لئے جان کو ہتھیلی پر لئے ہوئے ہے، ہر انسانی فضل وکمال کی بلندترین منزل سے بھی اونچا جاچکا ہے، اور ان تمام صفات میں اس کا قول وعمل یکساں ہے۔ کسی نیک کام میں سُستی نہیں کی ہے اور ہر ایک میں پیش پیش رہا ہے۔ یہ انسان اس قدر بزرگ وبرتر تھا کہ اس پر دشمنوں کا غلبہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور دوسروں کی فتحیابی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ اس زمانے میں ہر چیز الٹی ہوگئی تھی۔ داہنا بائیں کی جگہ پر اور بایاں داہنے کی جگہ پر تھا پست وبلند، نور وظلمت اور زمین وآسمان سب ہی اپنی اپنی جگہ پر برعکس صورت میں نظر آتے تھے۔

علیؑ کی حیثیت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تاریخ ان کو پہچانے یا نہ پہچانے اور اس وجہ سے ان کی شان میں زیادتی یا کمی معلوم ہو۔ ان حالات کے باوجود تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ علیؑ فکر بشری کی عمیق ترین منزل تھے حق وحقیقت کی راہ میں اپنی جان قربان کی شہیدوں کے باپ، عدالت کے منادی اور مشرق کے وہ یکتا انسان تھے جو ہمیشہ کے لئے زندہ اور باقی ہیں۔

اے زمانے! کیا ہوجاتا اگر تو ہم لوگوں پر مہربانی کرتا اور ہر دور میں ایک علیؑ جیسا جوانمرد اسی دل ودماغ اور زبان وذوالفقار کے ساتھ عطا کردیا کرتا!۔

پیغمبرؐ اور ابو طالبؑ

جب ہم تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کرکے صرف ظاہری حالات پر نہیں بلکہ حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی حالت اور سرگذشت بھی وہی ہے جو محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی تھی، اور آپ کا نیز آپ کے ساتھیوں کا طرزِ عمل معاویہ اور اس کے ہمراہیوں کے مقابلے میں ویسا ہی تھا جیسا رسول اللہ اور مسلمانوں کا ابوسفیان و ابوجہل اور باقی قریش کے مقابلے میں تھا۔ ان دونوں کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ کو ایک حکومت کی تشکیل اور اشرافِ قریش کی جماعت کو زیر کرنے کی طاقت حاصل ہوئی لیکن علی علیہ السلام کے حالات و کیفیات بدلے ہوئے تھے اور آپ اپنے مخالفین کو قابو میں نہیں لا سکے۔

اگرچہ علی علیہ السلام بنی امیہ کے مانند لوگوں کی گردنوں پر حکومت نہیں کر سکے لیکن نیک بخت انسانوں کے پاک دلوں پر حکمرانی کرنے سے محروم نہیں رہے، اور آپ ایک انسانِ کامل کے صفات سے اس قدر آراستہ تھے کہ دلوں پر حکومت کریں۔

قبل اس کے کہ ہم علیؑ کے بارے میں گفتگو شروع کریں، لازمی ہے کہ ان سے قبل کے معاملات پر ایک ملکی نظر ڈالتے ہوئے اس رابطے کو واضح کر دیں جو علی علیہ السلام کو محمد ابن عبد اللہ صلعم سے وابستہ کرتا ہے۔ یہ رابطہ ان کے حالات زندگی کے مفصّل حوادث اور جزئیات میں بھی موجود تھا اور روحانی و باطنی خصوصیات میں بھی جو ایک گھرانے کے اندر جمع ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ایک کامل ترین فرد اور ابوطالبؑ کے فرزند ان کے قدم بہ قدم اور ان کے بعد دوسروں سے کامل تر تھے۔ جس وقت رسولؐ محبتِ پدری اور شفقتِ مادری سے محروم ہوئے تو ان کے دادا عبد المطلب جو علی علیہ السلام کے بھی دادا تھے ان کی کفالت پر کمر بستہ ہوئے۔ آپ کے دادا آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اپنے کو آپ پر قربان کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اپنے پوتے پر نظریں جمائے ہوئے حاضرینِ بزم سے کہتے تھے کہ اس بچے کی شان بہت بلند ہے۔ آپ کے دادا اس خرد سالی ہی میں آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور اپنی عام نشست میں آپ کو خانۂ کعبہ کے سائے میں اس جگہ بٹھاتے تھے جہاں ان کے بھائیوں کے لئے بھی گنجائش نہیں تھی۔

جب آپ کے دادا نے انتقال فرمایا تو آپ کے چچا اور علی علیہ السلام کے باپ ابوطالبؑ نے کفالت کی ذمہ داری سنبھالی۔ رسولؐ اپنے چچا کی سرپرستی میں بہت آرام سے رہے اور ان کی شفقت و حُسن تربیت سے جو انہوں نے عبد المطلبؑ سے ورثہ میں پائی تھی بہرہ مند ہوتے رہے۔ وہ نیک اخلاق جو خاندان عبد المطلب کے خصوصیات میں سے تھے۔ محمد صلعم کی روح میں پیوست اور آپ کے اعمال و افعال میں نمایاں تھے۔ گویا کہ جب خدا نے اپنے رسولؐ کو بنی ہاشم میں سے منتخب کیا تو اس بزرگوار چچا کو بھی ان کی تربیت کے لئے چُن لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سروشِ غیبی نے ابوطالبؑ کو آگاہ کر دیا تھا کہ تمہارے بھتیجے کے معاملے میں ایک

رمز ہے اور دوسرے اس سے واقف نہ تھے۔ ایک مرتبہ قحط اور خشک سالی کے زمانے میں اس بچے کو باہر لے گئے اور انتہائی انکسار کے ساتھ درخواست کی کہ خانۂ کعبہ سے پیٹھ لگا کے خدا سے بارش کی دعا کرے۔ اس بچے نے چچا کی خواہش پوری کی اور انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اس وقت آسمان پر ابر کا کوئی نشان نہیں تھا لیکن دفعتہً بادل ہر طرف سے گھر کے آگئے اور اتنا پانی برسا کہ زمین سیراب ہوگئی اور مردہ کھیتی میں جان آگئی۔ لوگوں نے ابوطالبؑ سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ انہوں نے کہا میرا بھتیجا محمدؐ ہے اور میں نے اس کے بارے میں کہا ہے ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ　　　ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

یعنی وہ سفید چہرے والا جس کے روئے روشن کے وسیلے سے بادلوں سے پانی طلب کیا جاتا ہے۔ وہ یتیموں کا پناہ دہندہ اور بیواؤں کا محافظ ہے۔

یہ روایت جو کچھ بھی ہو چچا بھتیجے کے درمیان انتہائی خلوص و محبت کا پتا دیتی ہے۔ ابوطالب ہمیشہ اس بچے کی خدمت میں رہتے تھے اور اس کے لئے شفقت و مہربانی میں کوئی فروگزاشت نہیں کرتے تھے

یہاں تک کہ ایک مرتبہ شام کی طرف گئے اور اپنے بھتیجے کو بھی جن کا سن چودہ سال کے قریب تھا ساتھ لے گئے۔ مدین، وادی القریٰ اور دیار ثمود سے گزرنے کے بعد شام کے باغات کے قریب مختلف مناظر کی سیر سے دل بہلا رہے تھے، کہنا چاہیئے کہ ابوطالب موجودات کے اندر جن اسرار و رموز کا مطالعہ کر رہے تھے وہ محمدؐ کی روح میں بھی جلوہ گر ہو گئے، ظاہر و باطن اشیاء کے غم انگیز یا مسرت آمیز مناظر محمد صلعم کے دل میں ایک دوسرے سے مل جل کر اس میں انسانیت کامل کی رُوح اور اسرار وجود کی تصویر کشی کر رہے تھے ہاں گویا اس چچا اور بھتیجے کے لئے خدا کی مشیت یہی تھی کہ آنکھیں کھول کر سلسلۂ وجود کے ارتباط اور ستاروں کے انتظام کا مشاہدہ کریں اور آسمان کے ستاروں، فضا کی صفائی، زمین کی حرکت اور زندگی کے ہنگامے میں ازلی اور ابدی جمال کا نظارہ کریں۔ اپنے بھتیجے کے بارے میں ابوطالبؑ کے جو خیالات تھے ان کو بحیرا راہب نے اور تقویت دے دی، جب اس نے آگاہ کیا کہ آئندہ عالم کے اندر ان کی شان بہت عظیم ہوگی۔ چنانچہ ابوطالبؑ نے ان کو زیادہ سے زیادہ شفقت و محبت سے دیکھنا شروع کیا اور طے کر لیا کہ ان کی نگہداشت اور ہمدردی میں کوئی سعی و کوشش اٹھا نہ رکھیں گے کیوں کہ سمجھتے تھے کہ ان ذوات میں کوئی راز ہے

جس وقت ابوطالبؑ سنتے تھے کہ مکے کے لوگ محمدؐ کو امین کہتے ہیں تو فرط شوق سے ان کا دل تڑپنے لگتا تھا اور آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

زنان قریش کی سردار خدیجہ نے محمد صلعم سے خود تزویج کی درخواست کی باوجودیکہ اس سے قبل اشراف قریش اور صاحبان جاہ و جلال کی تحریک نامنظور کر چکی تھیں، محمد صلعم کے واحد معتمد علیہ اور مشیر کار ابوطالبؑ تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی ان سے مشورہ کیا چونکہ ابوطالب اخلاقِ محمدیؐ سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ سوا نیکی اور بھلائی کے اور کسی چیز کی طرف ان کو رغبت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی خواہش کو قبول کیا جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ چاہتے تھے وہ وہی تھا جس پر ابوطالبؑ دل سے راضی تھے۔

جب غارِ حرا میں محمد صلعم پر وحی نازل ہوئی تو آپ کے ساتھ سب سے پہلے آپ کی بیوی خدیجہ اور آپ کے ابن عم علی ابن ابی طالبؑ نے نماز پڑھی۔ یہ دونوں سب سے پہلے لوگ ہیں جو محمد صلعم پر ایمان لائے۔ جس وقت علی علیہ السلام کے ایمان لانے کی اطلاع ان کے باپ ابو طالب کو ملی تو انہوں نے اپنے فرزند سے کہا بیٹا کونسا عمل ہے جس کو تم انجام دے رہے ہو علی علیہ السلام نے کہا بابا جان میں رسولِ خدا پر ایمان لایا ہوں جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور یہ نماز انہیں کی پیروی میں پڑھتا ہوں۔ ابو طالبؑ نے کہا اے فرزند وہ تم کو سوا خیر و نیکی کے اور کسی چیز کی طرف دعوت نہیں دیں گے لہٰذا ہمیشہ ان کی اطاعت کرتے رہنا۔

جس وقت پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو جعفر ابن ابی طالبؑ کو مہاجرین کا سردار بنایا اور آپ ان تمام لوگوں میں اپنے ابنِ عم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

ابو طالبؑ اسلام کے اندر پہلے وہ شخص تھے جنھوں نے محمد صلعم کی تعریف میں شعر کہے اور لوگوں کو ان کی نصرت پر آمادہ کیا ایک مرتبہ اہل قریش کا ایک گروہ ابو طالبؑ کے پاس آیا اور خواہش کی کہ محمد کو ہمارے سپرد کیجئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک ہم سب ختم نہ ہو جائیں نہ ہم ان کو تمہارے سپرد کریں گے، نہ ان کی مدد سے منھ موڑیں گے۔

ابو طالبؑ اپنی زندگی کے کسی لمحے میں یہ نہ بھولے کہ محمد صلعم زمانے کی ایک عظیم شخصیت ہیں اور یہ کہ اسی طرح اُن کے بھائی عبداللہ اور باپ عبدالمطلب بھی دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے۔

جب ابو طالبؑ کا وقتِ وفات قریب آیا تو انہوں نے اپنی جماعت کے بہت سے آدمیوں کو اپنے سرہانے جمع کیا اور کہا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ محمدؐ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا کیوں کہ یہ اہل قریش کے درمیان امین اور عرب کے اندر راست گوئی میں مشہور ہیں اور ساری خوبیاں ان کی ذات میں اکٹھی ہیں گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مساکین، [illegible] نشین و تہیدست لوگ ان کے گرد جمع ہیں، ان کی دعوت کو قبول کیا ہے اور ان کی باتوں کی تصدیق کی ہے، ان کی تحریک عالمت بلند ہو چکی ہے اور سب ان کے ساتھ موت کے ہولناک طوفان میں کود رہے ہیں۔ قریش کے رؤسا اور بڑے بڑے لوگ ذلیل ہو گئے ہیں۔ کمزور افراد سربلند ہو چکے ہیں، جو لوگ سب سے زیادہ ان کی دشمنی کر رہے تھے۔ وہ سب سے زیادہ تابع فرمان ہیں اور جو اشخاص زیادہ دور تھے وہی ان کی خدمت سے زیادہ فیض یاب ہیں۔

اے اہل قریش ان کی مدد کرو اور ان کی حرمت کا لحاظ رکھو، خدا کی قسم جو بھی ان کے راستے پر چلے گا وہ رستگار ہوگا اور جو بھی ان کی رائے پر عمل کرے گا وہ نیک بخت ہو جائے گا۔ اگر میں زندہ رہتا تو موت مجھ کو مہلت دیتی تو میں مصائبِ زمانہ کو ان سے دفع کرتا کیوں کہ یہ سچے اور امانت دار ہیں۔ ان کی دعوت کو قبول کرو، ان کی نصرت میں ایک دوسرے کے شریک رہو اور ان کے دشمن سے جنگ کرو کیوں کہ جب تک زمانہ باقی ہے یہ تمہارے لئے شرف و آبرو کا سرمایہ ہیں۔

ابو طالبؑ نے بیالیس ۴۲ سال تک رات دن پیغمبرؐ کی خدمت کی، ان کی حمایت میں قریش سے ٹکر لی اور اُن کے

اعلانِ رسالتؐ کی طرف داری کی، یہاں تک کہ دنیا سے اٹھ گئے۔

ابوطالبؑ کی رحلت کے بعد پیغمبرؐ نے محسوس کیا کہ وہ اپنے سب سے بڑے پشت پناہ سے جو ان کے لئے مضبوط سہارا اور ان کی ذات سے قریش کی ایذا رسانی کو دفع کرنے والا تھا محروم ہو گئے۔ جس خاندان میں پیغمبرؐ نے پرورش پائی تھی ابوطالبؑ اس کے بزرگ، اور دشمنوں کے مقابلے میں ان کے مددگار تھے۔ ان پر اپنی جان قربان کرتے تھے اور قریش کے سرکش لوگوں کی عداوتوں کو ان سے دور کرتے تھے جیسا کہ خود حضرت نے فرمایا کہ "جب تک میرے چچا ابوطالبؑ زندہ رہے قوم مجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی"۔

ایسی حالت میں بھی محمد صلعم بہت صابر اور خوددار تھے اور باوجودیکہ ان کے دشمن بے شمار اور دوست تھوڑے سے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ وہ دعوائے رسالتؐ میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ پھر اس قدر غم و اندوہ کا کیا باعث تھا جو چچا کی موت سے ان پر طاری ہوا؛ اصل میں اس کا سبب انتہائی محبت تھی، اس لئے کہ انسان ہر اُس شخص کو عزیز رکھتا ہے جو اس کے ساتھ مہربانی اور اس کی حمایت کرے۔ یہ بہتے ہوئے آنسو گواہ تھے کہ محمد صلعم کو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے ہاتھوں سے ایسی چیز نکل گئی ہے جو جان کے برابر تھی۔

پیغمبرؐ اور علیؑ ابنِ ابی طالب علیہ السلام

خاندانِ ابوطالبؑ میں ایک انتہائی نیک اور پاک و پاکیزہ روح موجود تھی جو عالمِ ہستی پر انوکھے انداز سے نظر ڈالتی اور سب کو ایک دوسرے سے مرتبط اور متحد دیکھتی تھی۔

یہ روح پیغمبرؐ اور علیؑ میں بہت قوی تھی اور ان دونوں ہستیوں کے درمیان بہت مضبوط رشتہ تھا کیوں کہ علیؑ نے بچپن سے عہدِ شباب تک انہیں کی گود میں پرورش پائی تھی جب ہم نے مان لیا کہ اخلاقِ حسنہ کا کسی قلب و روح میں فطری طور پر راسخ ہونا ممکن ہے تو ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ علی ابنِ ابی طالب محمد صلعم کی نبوت پر ایمان اور ان کی حمایت کی صفت لے کر پیدا ہوئے تھے اس لئے کہ خاندان ابوطالبؑ کے وہ خصوصیات و فضائل جن میں محمد صلعم نے پرورش پائی تھی۔ ان کے پسرِ عم کی طرف پیدائشی حیثیت سے منتقل ہوئے تھے [1]

علیؑ کی خصلت ابوطالبؑ کے خاندانی فضائل و کمالات کے ساتھ ابھری یہی وہ جگہ تھی جہاں انہوں نے پہلی بار محمد صلعم کی باتیں سنیں اور یہیں سے دعوتِ اسلام کی ابتدا ہوئی۔

علیؑ کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں گزری تھی کہ محمد صلعم نے ان کو اپنی ذات سے وابستہ کر لیا اور ان کو اپنا بھائی کہا۔

علی علیہ السلام خطبۂ قاصعہ میں خود اپنی ذات پر محمد صلعم کی توجہ کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:۔

"تم رسولِ خدا کے نزدیک میری منزلت کو جانتے ہو کہ میں ان کے قریب ترین عزیزوں میں سے تھا اور مجھ کو ایک خاص درجہ حاصل تھا۔ مجھ کو بچپن ہی سے اپنے سایۂ عاطفت میں رکھا، مجھ کو اپنے سینے سے لگاتے تھے اور اپنے بستر پر سلاتے تھے، میرا جسم ان سے متصل رہتا تھا اور میں ہمیشہ ان کی خوشبو سونگھتا تھا۔ انہوں نے کبھی میری گفتگو میں جھوٹ اور میرے کردار میں غلطی نہیں پائی جس طرح اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اسی طرح میں ان کی پیروی کرتا تھا۔ وہ ہر روز ایک علم بلند کرتے تھے اور مجھ کو اپنی متابعت کا حکم دیتے تھے" [2]

---

[1] محترم ناظرین متوجہ رہیں کہ اس کتاب کا مصنف عیسائی ہے اور وہ ابوطالبؑ کے گھر میں پیغمبر اور امیر المومنینؑ کی جس طرح سے مدح کرتا ہے وہ وہی ہے جتنا ایک مسیحی شخص کا عقیدہ ہو سکتا ہے اور اس کے قلم سے اس سے زیادہ کی توقع نہ رکھنا چاہیئے، ورنہ ہم مسلمانوں کے عقیدے کے موافق اور صحیح یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی نبوت اور امیر المومنینؑ کی ولایت پر ابوطالبؑ یا ان کے خاندان اور اس زمانے کے طور طریقے اور ماحول کا کوئی اثر نہیں تھا، یہ سب وحی والہامِ خداوندی کے ذریعہ سے تھا، اس لئے کہ خاندان کے دیگر افراد میں سے ایک بھی حتیٰ کہ خود ابوطالبؑ بھی نبوت و ولایت کے اسرار میں شریک نہ تھے

[2] جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں مؤلف کتاب عیسائی ہے لہٰذا امیر المومنینؑ کے اس کلام میں سے جو کچھ حضرت خاتم الانبیاء کی نبوت اور وحی پر دلالت

بچپن ہی کا وہ زمانہ ہے جب بچّے کے اندر اخلاق فاضلہ کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے۔

علی علیہ السلام نے محمد صلعم کے ساتھ کافی زندگی خلوت میں بسر کی، ان کے طرزِ عمل کی پیروی کی اور اپنی قوم سے الگ رہے جو جہالت کی تاریکی میں سرگرداں اور اپنی موروثی عادتوں میں سختی سے جکڑی ہوئی تھی۔

علی علیہ السلام برسوں اپنے ابنِ عم کے کنارِ عاطفت میں رہ کر اس پاک پاکیزہ فضا میں سانس لیتے رہے، اور ان کے نزدیک انتہائی ممتاز اور محبوب تھے۔ پیغمبرؐ کے اصحاب اور پیروؤں میں سے کسی کو بھی سوا علیؑ کے یہ چولی دامن کا ساتھ اور بھائی چارہ نصیب نہیں ہوا۔ علیؑ نے اسی راستے پر آنکھیں کھولیں جو ان کے ابنِ عم نے کھولا تھا۔ خدا کی پرستش کو محمدؐ کی نماز سے سیکھا اور ان کی مہربانی، شفقت اور برادری سے بہرہ اندوز تھے۔ محمدؐ سے ان کو وہی نسبت ہے جو ابوطالبؑ سے محمدؐ کو حاصل تھی۔ علی علیہ السلام کے دل نے پہلی بار جب الفت کا احساس کیا تو انہوں نے اپنے پسرِ عم محمد صلعم سے محبت کی، ان کی زبان جب پہلی مرتبہ گویائی سے آشنا ہوئی تو محمدؐ سے گفتگو کی اور اظہارِ ہمت و مردانگی کی پہلی ہی منزل میں نصرتِ پیغمبرؐ پر کمربستہ ہوگئے۔ محمد صلعم کے انصار ان کو دوست رکھتے تھے اور حضرتؐ کے دشمن بھی ان کی حرمت کو پہچانتے تھے۔ علی علیہ السلام ان کے ایسے پروردہ اور شاگرد تھے کہ پیغمبرؐ کے نفس اور ان کے اجزائے وجودی میں سے ایک جزو بن گئے تھے۔

آغازِ رسالت میں بزرگانِ قریش کا ایک گروہ جو بُت پرستی سے بیزار تھا عقل کے فیصلے سے ان کا گرویدہ ہوا، غلاموں اور بے آسرا لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے عدل و انصاف کی خواہش میں ان کا اقرار کیا تاکہ ان کی پناہ میں ظلم سے نجات پائیں، اور پیغمبرؐ کی فتح و کامرانی کے بعد ایک تیسرا گروہ ان سے ملحق ہوا کیوں کہ اس کے پاس اب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا، وہ چاہتا تھا کہ اسی بہانے سے ان کی بارگاہ میں رسوخ پیدا کرے اور اکثر بنی امیہ اسی طبقے میں سے تھے۔ یہ لوگ مختلف اوقات میں مسلمان ہوئے جو اگرچہ اطاعت و انقیاد کے اظہار میں ایک دوسرے سے مشابہ تھے لیکن ان کے ایمان کا وزن الگ الگ تھا۔ البتہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی ولادت اور نشو و نما چونکہ معدنِ رسالت سے ہوئی تھی لہٰذا ان کا ایمان پیدائشی اور فطری تھا اور وہ بطنِ مادر سے اسلام کی صفت لے کر متولد ہوئے تھے۔ ان کے ایمان لانے کا سبب دوسروں کے مانند نہیں تھا اور حادثاتِ زندگی یا عمر سے اُس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے باطنِ قلب اور حقیقت و روح سے اسلام کا اظہار کیا کیوں کہ علیؑ کا اسلام اس سے کہیں زیادہ مستحکم تھا کہ حوادثِ عمر اس پر اثر انداز ہو سکیں بلکہ جس طرح پانی اپنے قدرتی سرچشمے سے ابلتا ہے اور جواہرات کان سے پیدا ہوتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵)

کرتا ہے۔ اس کو عمداً حذف کر دیا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

ولقد قرن اللہ بہ من لدن ان کان فطیما اعظم ملک من ملائکتہ یسلک بہ طریق المکارم ومحاسن الاخلاق العالم لیلہ ونہارہ لقد کنت اتبعہ الخ

اسی طرح ایمان ان کے باطن روح سے جوش مارتا تھا۔ اس لئے کہ جس عمر میں ایک بچہ اپنے ذہنی تصورات کو بیان نہیں کر سکتا انہوں نے نماز کا فریضہ ادا کیا اور خدا و رسولؐ کی گواہی دی، بغیر اس کے کہ کسی سے حکم حاصل کریں یا کسی سے صلاح و مشورہ کریں۔ صدرِ اول کے مسلمان ابتدا میں قریش کے بتوں کو سجدہ کرتے تھے، لیکن علیؑ نے پہلی ہی بار محمد صلعم کے خدا کا سجدہ کیا۔ یہ اس شخص کا ایمان ہے جس کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ پیغمبرؐ کی خیر خواہی اور ہمدردی میں نشو و نما پائے۔ حضرتؐ کے بعد حق پسندوں کا پیشوا ہو اور حادثات زمانہ کی خوفناک طوفانی موجوں میں کشتیٔ نجات کا ناخدا بنے۔

یہ میرا بھائی ہے

اس یقینی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ اس کی تائید میں چند حدیثیں پیش کر دوں، تاکہ بخوبی معلوم ہو جائے کہ پیغمبرؐ اور ان کے ابنِ عم کے درمیان باطنی اخوت کس منزل پر تھی، فضائل پیغمبر کس حد تک علیؑ کو میراث میں پہنچے۔ علیؑ کی روح نے کس طرح سے نبوت کا رنگ اختیار کیا، آپ پیغمبرؐ کے نزدیک کس قدر عزیز و محبوب تھے اور اپنے قلب و زبان سے کہاں تک حضرت کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ اس کے بعد ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام کے ان اعلیٰ قوانین کے ماتحت جو دین کے استحکام کا سبب بنے علی علیہ السلام کے لئے خلافت کا راستہ ہموار کر رہے تھے، اس لئے کہ آپ علیؑ کے آئینے میں اپنی صورت دیکھ رہے تھے اور جو اخلاقِ حسنہ اور فضائل و مکارم پیغمبرؐ کے اندر تھے وہ علیؑ کے اندر بھی جلوہ گر تھے، جیسا کہ ہم آگے تفصیل سے بیان کریں گے۔ طبرانی نے ابنِ مسعود سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا "علیؑ کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے" اور سعد ابنِ وقاص کی روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا "جو شخص علیؑ کو آزار پہنچائے اس نے مجھ کو آزار پہنچایا۔"

یعقوبی نے اپنی تاریخ جزو دوم میں نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ حجۃ الوداع کے بعد جب مدینہ کی طرف واپس ہو رہے تھے تو مقام جحفہ کو جحفہ کے قریب غدیر خم کے مقام پر ٹھہر کے خطبہ پڑھا اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھُمَّ وال من والاہ وعاد من عاداہ یعنی جس شخص کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔ خداوندا دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے اور تفسیر کبیر فخر الدین رازی میں مروی ہے کہ اس کے بعد عمر ابن خطاب نے علیؑ سے ملاقات کی اور ان سے کہا "اے علیؑ مبارک ہو تم کو، تم میرے مولا ہوئے اور ہر مسلمان مرد و عورت کے بھی مولا ہو گئے۔"

اس حدیث کو ترمذی، نسائی اور احمد بن حنبل جیسے بہت سے مورخین اور علماء نے رسول اللہ کے سولہ صحابیوں سے مستند کیا ہے اور بہت سے شاعروں نے نظم بھی کیا ہے۔ جن میں سب سے پہلے حسان بن ثابت انصاری کہتے ہیں۔

يناديهم يوم الغدير نبيهم ... بخم واسمع بالنبي مناديا

فقال فمن مولاكم ووليكم ... فقالوا ولم يبدوا هناك التعاميا

الهك مولانا وانت نبينا ... ومالك منا بالوصاية عاصيا

فقال له قم یا علی فاننی رضیتك من بعدی اماما وهادیا

فمن کنت مولاه فهذا ولیه فکونوا له انصار صدق موالیا

یعنی غدیر کے روز پیغمبرؐ نے ان لوگوں کو مقام خم پر بلا کر اپنی آواز سب کے کانوں میں پہنچائی اور کہا کہ کون ہے تمہارا مولا اور سردار؛ پس لوگوں نے تجاہل سے کام نہیں لیا اور کہا کہ آپ کا خدا ہمارا مالک ہے اور آپ ہمارے نبی ہیں اور ہم آپ کی نافرمانی کرنے والے نہیں ہیں۔ پس آپ نے کہا کہ اٹھو اے علیؑ کیوں کہ یقیناً میں نے اپنے بعد تم کو امام اور پیشوا منتخب کیا۔ پس جس شخص کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کے مولا ہیں، لہٰذا ان کے سچے دوست اور مددگار رہنا۔

جن شعرا نے اس روز کا ذکر کیا ہے ان میں سے ابو تمام طائی بھی ہے۔ اس کے علاوہ کمیت اسدی نے اپنے قصیدۂ عینیہ میں پوری تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے منجملہ اس کے کہتا ہے:-

ویوم الدوح دوح غدیر خم ابان له الولایة لو اطیعا

ولم ار مثل ذالك الیوم یوما ولم ار مثله حقا اضیعا

غدیر خم کے میدان میں حضرت سرورِ کائناتؐ نے آپ کی خلافت کا اعلان کیا کہ کاش پیغمبرؐ کی بات مان لی جاتی نہ تو غدیر کے ایسا اہم دن میں نے دیکھا۔ اور نہ ایسا حق کبھی ضائع ہوتے دیکھا۔

کتاب آلِ ابن خالویہ سے بروایت ابو سعید خدری منقول ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ ابن ابی طالبؑ سے فرمایا۔ تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہاری عداوت نفاق، سب سے پہلا شخص جو بہشت میں داخل ہوگا وہ تمہارا دوست ہے اور سب سے پہلا شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا وہ تمہارا دشمن ہے۔"

اہلِ روایت کا عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ نے بارہا علیؑ کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ "یہ میرا بھائی ہے۔"

یہ حدیث ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کے ایک جلسے میں فرمایا کہ "اگر تم آدمؑ کا علم، نوحؑ کا عزم، ابراہیمؑ کی خصلت، موسیٰؑ کی مناجات، عیسیٰؑ کا زہد اور محمدؐ کی ہدایت ایک ذات کے اندر جمع دیکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو دیکھو جو تمہاری طرف آرہا ہے۔" لوگوں نے گردنیں اٹھائیں تو دیکھا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے رسولِ خدا سے علیؑ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا۔ علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو؛ علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو؛ علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو؛ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد تمام مومنین کے سردار ہیں۔"

پیغمبرؐ نے علیؑ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کے ہمراہیوں میں سے ایک جماعت نے ان سے خواہش کی کہ صدقے کے اونٹ ہمارے سپرد کر دیجئے تاکہ ہم ان پر سوار ہوں اور اپنے اونٹوں کو سستانے کا موقع دیں۔ علی علیہ السلام نے ان کی بات نہیں مانی جب سب مدینے واپس آئے تو رسول اللہ کی خدمت میں شکایت لے گئے اور سعد بن مالک شہید ان لوگوں کی طرف سے

گفتگو کر رہے تھے۔ علیؑ نے ہمارے ساتھ بدسلوکی اور سختی کی، اور جو کچھ پیش آیا اس کا کچھ حوالہ دیا۔ اثنائے سخن میں پیغمبرؐ نے اس کی ران پر ہاتھ مارا اور بلند آواز سے فرمایا "اے سعد ابنِ مالک علیؑ کی شکایت بند کرو، خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ خدا کی راہ میں وقف ہیں۔"

ان حدیثوں سے اور ان کے علاوہ جن کا میں نے تذکرہ نہیں کیا ہے ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام کو اپنا بھائی سمجھتے تھے اور علیؑ بھی اس برادری سے بہت خوش تھے۔ نیز پیغمبرؐ ایک انسانِ کامل کے اُن خصوصیات و فضائل کی طرف جو علیؑ کی شخصیت میں مجسم ہو گئے تھے لوگوں کو متوجہ کرتے رہتے تاکہ سب جان لیں کہ وہ بہترین انسان ہیں جو آپ کے بعد شرائطِ رسالتؐ کو انجام دے سکتے ہیں۔

صحیح روایات میں کچھ ایسی حکایتیں وارد ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ فطری حالات بھی محمدؐ اور علی علیہما السلام کی ہم آہنگی میں مساعدت کرتے تھے اور واقعات و ماحول کی اس طرح تشکیل کرتے تھے کہ علی علیہ السلام سے ایسے خصوصیات ظاہر ہوں جن میں کوئی دوسرا اُن کا شریک نہ ہو۔

ایک یہ کہ علیؑ کعبہ میں پیدا ہوئے جو مسلمانوں کا قبلہ ہے اور یہ ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جب دعوتِ اسلامی صرف محمد صلعم کی روح میں پل رہی تھی اور آپ نے ابھی اسے ظاہر نہیں کیا تھا۔ آپ کا قیام علیؑ کے پدرِ بزرگوار ابوطالبؑ کے گھر میں تھا۔ علیؑ نے آنکھیں کھول کر محمد صلعم اور خدیجہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور یہ پہلے شخص تھے جو ایمان لائے حالانکہ ابھی جوان بھی نہیں ہوئے تھے۔ جب لوگوں نے ان پر عتاب کیا کہ تم بغیر اپنے باپ سے پوچھے کیوں اسلام قبول کیا؟ تو فوراً جواب دیا کہ "خدا نے مجھ کو پیدا کیا۔ بغیر اس کے کہ ابوطالبؑ سے پوچھے۔ پس کیا ضرورت ہے کہ اس کی اطاعت و بندگی کے لئے میں اپنے باپ سے اجازت لوں؟"

اسی حالت پر مدتیں گزر گئیں کہ دینِ اسلام صرف محمدؐ صلعم کے گھر میں محصور تھا اور فقط پیغمبر ان کی زوجہ خدیجہ ان کے ابنِ عم علیؑ اور ان کے غلام زید بن حارثہ مسلمان تھے۔

جس روز پیغمبرؐ نے اپنے خاندان والوں کو کھانے کی دعوت دی اور چاہا کہ ان سے گفتگو کر کے اسلام کی تبلیغ کریں تو آپ کے چچا ابولہب نے آپ کی بات کاٹ کے لوگوں کو بھڑکا دیا، یہاں تک کہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور محمد صلعم کو چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ حضرتؐ نے ان کو دوبارہ مدعو کیا اور کھانے کے بعد کہا کہ "میں عرب میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو اپنے اعزہ کے لئے مجھ سے بہتر تحفہ لایا ہو، تم میں سے کون میری مدد کرتا ہے؟" لوگوں نے انکار کیا اور چاہتے تھے کہ پہلی دفعہ کی طرح گھر سے چلے جائیں کہ اتنے میں علی علیہ السلام نے جو ابھی بچہ تھے اور سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے، اٹھ کر کہا "یا رسول اللہ میں آپ کا مددگار ہوں اور جو شخص آپ کے مقابلہ پر آئے گا اس سے جنگ کروں گا۔" بنی ہاشم ہنسنے لگے اور قہقہے کی آواز بلند ہوئی، اس کے بعد ابوطالب اور علی علیہ السلام کو دیکھ کر مذاق اڑاتے ہوئے باہر چلے گئے۔ ہر لڑائی میں پیغمبرؐ کا علم علی کے ہاتھ میں رہا۔ انہوں نے اپنی شجاعت و

مردانگی، اپنے خون، اپنے قلب و زبان اور اپنی ہستی کو اپنے ابنِ عم پیغمبرؐ اور ان کے دین کی فتح وفیروزی کے لئے وقف کر دیا محمد صلعم کے دشمنوں کو عاجز کر دیا اور کسی موقع پر جوانمردی سے دریغ نہیں کیا۔ جنگ خندق میں جب دشمن کے خوف نے اصحاب پیغمبرؐ کو بیقرار اور اُن کے دلوں کو مضطرب بنا رکھا تھا تو علی علیہ السّلام سردارانِ قریش کے مقابلے میں پہاڑ بن کر کھڑے ہوگئے اور وہ کام کر دکھایا کہ مسلمانوں کو اپنی فتح کی امید بندھ گئی اور قریشیوں اور اُن کے پہلوانوں کو شکست اٹھانا پڑی۔

جنگ خیبر میں علی علیہ السّلام کا جہاد بہت زبردست اور حیرت انگیز تھا۔ خیبر کے قلعے باوجود اپنی اسقدر مضبوطی کے ان کے ہاتھوں فتح ہوئے، حالانکہ اُن کے اندر آزمودہ کار جنگجو بہادروں کا مجمع تھا اور اصحابِ رسولؐ کے دلوں میں خوف اور رعب بیٹھا ہوا تھا۔ خلاصہ یہ کہ قلعے کے گرد مسلمانوں کے محاصرے نے طول کھینچا اور قلعے کے سپاہی اس کی حفاظت میں جان کی بازی لگائے ہوئے تھے اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر محمدؐ کے مقابلے میں شکست کھا گئے تو جزیرۂ عرب سے ان کا اقتدار ختم ہو جائے گا اور اُن کی تجارت وسرداری فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔

رسول اللہ نے حضرت ابوبکر کو قلعہ فتح کرنے کے لئے بھیجا، انہوں نے اپنی اہلیت کے مطابق مردانگی دکھانے کی کوشش کی اور بغیر قلعہ فتح کئے واپس آگئے۔ دوسرے روز حضرت عمر ابن خطاب کو بھیجا لیکن وہ بھی ابوبکر کی طرح بیک بینی و دو گوش پلٹ آئے اور اس بلند قلعے اور مسلح پہلوانوں کے سامنے کوئی کام نہ دکھا سکے، اس وقت رسولِ خدا نے علی ابنِ ابی طالبؑ کو بلایا اور قلعہ فتح کرنے کا حکم دیا۔ علی علیہ السّلام خوشی سے جھومتے ہوئے اپنے اس عقیدے کی راہ میں جو ان کی رگ رگ میں پیوست تھا، یہ خدمت انجام دینے کے لئے روانہ ہوئے۔

جب قلعے کے نزدیک پہنچے اور دشمنوں کو معلوم ہوا کہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ جنگ کرنے آئے ہیں جنہوں نے کسی لڑائی میں شکست نہیں کھائی اور کوئی پہلوان ان کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکا تو قلعے سے کئی دستے ایک ساتھ نکل پڑے اور ان میں سے ایک شخص نے علی علیہ السّلام پر ایسی ضرب لگائی کہ سپر آپ کے ہاتھ سے گر گئی، علی علیہ السّلام نے قلعے کا پھاٹک اکھاڑ لیا اور اس کو سپر کی طرح ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ قلعہ فتح کر لیا اور یہ قلعہ اس وقت تک فتح نہیں ہوا جب تک اس مورچے پر کثیر تعداد میں سوار قتل نہیں ہوئے جن میں پہلا نمبر حارث ابن ابی زینب کا تھا۔

اس مقام پر ایک بہت تعجب خیز امر ہے، تاریخ اسلاف میں ہم کو ایسے بہت سے پہلوان نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے عقیدے کی راہ میں لڑائیاں لڑی ہیں لیکن دل میں صلح کے خواہشمند تھے اور اس کی آرزو رکھتے تھے کہ کاش ان کا کام کسی اسطریقے سے بن جاتا کہ جنگ نہ کرنا پڑتی۔ ان کے علاوہ ہم ایسے بہادروں کو بھی جانتے ہیں جنہوں نے اپنے مقصد کے لئے شہادت حاصل کی۔ لیکن اس طرح کی لڑائیاں اور شہادتیں زیادہ تر بغیر غور وتامل کے ہوتی ہے اور ابتدائی تیاری، پہلے سے آمادگی، ایک مدت تک نوبت کے انتظار میں بیٹھنے اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کا تصور قائم کرنے کے بعد واقع نہیں ہوا کرتیں، بلکہ یہ ناگہانی اتفاقات ہیں جو دفعتہً ہیجانِ غیرت اور جوشِ حمیت کے موقع پر اور کبھی شورش وانقلاب کے سلسلے میں اور دیکھنے والوں کی موجودگی میں زیادہ تر پیش آتے

ہیں، البتہ علی ابن ابی طالبؑ کا معاملہ ان سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے جنہوں نے محمد ابن عبداللہ کے اور اپنے عقیدے کی حمایت، اخوت کی رعایت اور حق کی راہ میں اپنے کو ایسے خطرے میں ڈال دیا جس سے عجیب تر اور بہتر واقعہ تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا، اور یہ ان دونوں بزرگواروں کی یگانگی و ہم آہنگی کی سب سے روشن دلیل ہے۔

جب قریش کی ایذار سانی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور کوشش کر رہے تھے کہ محمد صلعم کو قتل کر کے اسلام کو نیست و نابود کر دیں تو محمد صلعم ابوبکر کے گھر گئے اور ان کو آگاہ کیا کہ قریش نے چونکہ آپس میں صلاح و مشورہ کر کے میرے قتل کا منصوبہ بنایا ہے لہٰذا میں اب ہجرت کروں گا۔ ابوبکر نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی اور پیغمبرؐ نے اس درخواست کو قبول کر لیا۔ جس وقت ان دونوں نے ہجرت کا قصد کیا تو یقین رکھتے تھے کہ قریش ان کا تعاقب کریں گے اس وجہ سے محمد صلعم نے تجویز کیا کہ راستے سے ہٹ کے چلیں تاکہ قریش ان کا سراغ نہ پائیں اور ایسے وقت گھر سے نکلیں جس وقت ان کے باہر جانے کا گمان نہ ہو۔ جس رات محمد صلعم نے مکے سے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا اسی شب قریش کے لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کے لئے طاقتور اشخاص کا ایک گروہ تیار کر کے ان کو آپ کے گھر کے چاروں طرف لگا رکھا تھا تاکہ آپ رات کی تاریکی میں ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائیں لیکن محمد نے اسی شب میں خفیہ طور پر اپنے پسرِ عم علی ابن ابی طالبؑ سے کہہ دیا تھا کہ میری سبز چادر اوڑھ کے میرے بستر پر سو رہنا، اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ میرے بعد مکہ میں ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ لوگوں کی جو امانتیں میری سپردگی میں ہیں ان کو واپس کر دو۔

علی علیہ السلام نے نبیؐ کے فرمان کو انتہائی مسرت و رغبت کے ساتھ تسلیم کیا جیسا کہ پیغمبرؐ کے لئے ہر فداکاری میں آپ کا شیوہ تھا، ادھر قریش کے لوگ حضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور ایسا مضبوط گھیرا ڈالا تھا کہ سوا ان کے دمِ شمشیر کے ہوا کو بھی گزرنے کی مجال نہیں تھی۔ وہ لوگ سوراخوں سے آنکھ لگا کر دیکھتے تھے تو ایک شخص کو حضرتؐ کے بستر پر سوتا ہوا پاتے تھے لہٰذا مطمئن تھے کہ محمد صلعم بھاگے نہیں ہیں۔ رات کے پچھلے پہر جب ان کی آنکھیں بستر رسول پر کسی کو محو خواب دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت خود پیغمبرؐ ابوبکر کے گھر میں تھے، پھر ان کے ہمراہ غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے۔ قریش والے پتہ لگا کر یہاں بھی پہنچے لیکن خدا نے ان کو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا۔

اس فداکاری اور سرفروشی کی نظیر بہت شاذ و نادر ملتی ہے۔ انسان موت اور زندگی کے درمیان متردد ہو جاتا ہے کہ فضائل و مکارم کو جو حقیقی سرمایۂ حیات اور وجود انسانی کا سب سے قیمتی ماحصل ہیں نظر انداز کر کے جسمانی راحت کو اختیار کرے اور حیاتِ مادی کی پست و حقیر لذتوں پر جو درحقیقت عین فنا ہے، قناعت کرے یا اپنی ہستی کو مکارمِ اخلاق اور حقیقی شرف و بزرگی کی تحصیل میں وقف کر دے وجودِ جسمانی پر جو عالمِ وجود کی روح کلی سے کوئی ارتباط نہیں رکھتا توجہ نہ کرے اور حصولِ مقصد کے لئے خطرناک راستے پر قدم بڑھا دے اس موقع پر شہادت اور موت اس کی دلیل ہے کہ حقیقی زندگی اس کی نظر میں عیش فانی نہیں بلکہ حیات باقی ہے۔

ہاں یہ ایثار و قربانی بہت کمیاب ہے، سقراط اور اس کے ایسے دوسرے افراد نے اپنی خوشی سے موت کو قبول کیا[1]

[1] سقراط بقائے روح اور عالم آخرت کا معتقد تھا، چنانچہ لوگوں نے اسی جرم میں اس کے قتل کا حکم دیا اور اس کو شوکران کا عرق جو ایک زہر ہے دیا گیا ہے جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے پی کر جان دے دی۔

تو علیؑ ابن ابی طالب نے بھی اپنی مرضی اور اختیار سے اپنی جان کو پیغمبرؐ کے اوپر فدا کیا، لیکن میدانِ جنگ میں اپنے پاؤں سے موت کے سامنے جانا یا اپنے ہاتھ سے زہر کا پیالہ پی لینا علیؑ کے کام سے زیادہ آسان ہے۔ کس قدر دشوار ہے اس شخص کے بستر پر سونا جس کو ظالموں نے مجرم سمجھ کے اس کے قتل کا تہیہ کر رکھا ہو اور جہاں ان کے چنگل سے نجات پانا ممکن نہ ہو، وہ چند قدم کے فاصلے سے اس کو دیکھ رہے ہوں اور یہ بھی ان کی باتیں سُن رہا ہو۔ ہر لمحہ ان کی حرکات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ اس کے قتل کا اشارہ کر رہے ہیں، ان کی خون آشام تلواروں کو اپنے سر کے اوپر چمکتا ہوا پا رہا ہو اور اسی عالم میں ساری رات گزار دے۔

علی علیہ السلام نے اس خطرناک منزل میں محمد صلعم کی تقلید کی اور اپنے عم بزرگوار کے فرزند سے یہ قوتِ مقاومت سیکھی۔ ان کا بسترِ رسولؐ پر سونا دعوتِ پیغمبرؐ کی راہ میں اُن کے جہاد اور کوشش کا ایک نمونہ تھا۔ یہ خوفناک مرقع ہمارے لئے امامؑ کی طبیعت اور خصلت کو بے نقاب کرتا ہے کہ ان کے اعمال بغیر کسی تصنع کے ان سے اس طرح صادر ہوتے تھے جیسے موتی صدف سے باہر آتا ہے، نیز ان کی قوتِ فکر، دماغی طاقت اور باریک بین عقل کو پہنچواتا ہے۔ کیوں کہ اتنی عمر میں دعوتِ اسلامی کی حقیقت کو کماحقہٗ سمجھ لینا کسی کے لئے ممکن نہیں تھا[1]۔

اس کارنامہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیاوی زندگی سے کس قدر بے اعتنا تھے، آپ انتہائی صدق و اخلاص کے مالک تھے اور سوا مکارم الاخلاق کے کسی اور چیز پر التفات نہیں فرماتے تھے۔ اپنے کو دوسروں پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور مظلوموں کی حمایت میں قتل ہو جانے پر بھی راضی تھے تاکہ ان کو چھٹکارا حاصل ہو اور پیغمبرؐ کی تبلیغ رسالت انجام کو پہنچے۔ ہر مرحلے کو سہل و آسان سمجھتے تھے اور اس میں کوئی تکلف نہیں کرتے تھے۔ وفا، مردانگی، پاکبازی، شجاعت اور دوسرے انسانی صفات علیؑ میں جمع تھے، یہ فداکاری ان کی آئندہ جانفشانیوں کا ایک نمونہ تھی۔ محمد صلعم اور علی علیہ السلام کے درمیان دوستی اور برادری کا رشتہ مستقل تھا اور دعوتِ اسلام کی پیروی کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ ان کی باہمی شرکت کا اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جب سے محمدؐ نے ابطالبؑ کو پہچانا اور علی علیہ السلام نے محمد صلعم کو جس وقت سے یہ تینوں ہستیاں ایک گھر میں ساکن ہوئیں جس کی بنیاد فضیلت و تقوے کی شرافت پر رکھی گئی تھی تو یہ خانۂ ابوطالبؑ کے خصوصیات سے تھا کہ علی علیہ السلام اور خود ابوطالبؑ اسی مقام پر محمد صلعم کی منزلت سے آگاہ ہوئے اور اس کو بخوبی پہچان لیا۔ جیسا کہ اسی چیز نے ابوطالبؑ کو شفقت اور مہربانی آپ کے راستے کی پیروی۔ نیز علیؑ کو فکرِ دقیق، محبت عمیق اور حدِ اعجاز تک فداکاری پر تیار کیا۔ رسول اللہؐ نے خود بھی اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور علیؑ کو عزیز رکھتے تھے۔ پھر تنہا اپنی ہی محبت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ برابر دوسرے لوگوں کے نزدیک بھی ان کو محبوب بناتے تھے تاکہ آپ کے بعد اُن کے لئے خلافت کا راستہ صاف رہے آپ چاہتے تھے کہ لوگ علی کو انہیں صفتوں کے ساتھ پہچان لیں اور آپ کی رحلت کے بعد معتقد رہیں کہ علیؑ خود محمدؐ ہیں اور گویا آپ بعد وفات بھی زندہ ہیں لہٰذا باختیارِ خود محبت و اطمینان

---

[1] حضرت کی عمر ۲۲ سال تھی۔

کے ساتھ ان کا انتخاب کریں نہ اس بناء پر کہ خاندانِ بنی ہاشم سے اور پیغمبرؐ کے ابنِ عم ہیں، اس لئے کہ محمد صلعم خود اس قسم کی عصبیتوں سے جنگ کرتے تھے اور سختی کے ساتھ ان کو ممنوع قرار دیا تھا۔ چنانچہ بنی ہاشم کو جو آپ کے اہل خاندان تھے، حکومت و ولایت اور دنیاوی منافع سے دور رکھا جیسا کہ خود اپنی ذات کو ان فوائد سے محروم رکھا تھا۔[1]

امامؑ کے اوصاف و خصائل

جن لوگوں نے امام علیؑ ابن ابی طالبؑ علیہ السلام کے اوصاف بیان کئے ہیں، ان میں سے صاحبِ کتاب ذخائر العقبیٰ کہتے ہیں کہ آپ کا قد و قامت معتدل اور معمولی طور پر نیچا تھا، صاف گندمی رنگ اور محاسن سفید و بلند تھے، آنکھیں کشادہ اور سیاہ تھیں خوش رُو، خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے، گردن بلند تھی، گویا خالص چاندی کی ایک صراحی تھی، شانے چوڑے تھے، ہاتھ کے جوڑ بند ایسے تھے جیسے شیرِ غرّاں کے، کیوں کہ بازوؤں اور کلائیوں میں زیادہ امتیاز نہیں تھا بلکہ گویا ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے تھے۔ ہاتھ اور پنجے سخت فربہی میں اوسط درجے کے اور بھرے ہوئے تھے۔ پنڈلیوں کا گوشت بھرا ہوا اور نیچے کا حصہ باریک تھا۔ اور اسی طرح بانہوں کا گوشت بھی پیغمبرؐ کی طرح آپ کی رفتار بھی پُر سکون تھی، جب جنگ کے لئے بڑھتے تھے تو تیز چلتے تھے اور کسی دوسری چیز کی طرف مڑ کے نہیں دیکھتے تھے جسم کی طاقت اتنی کہ عقل اس کو سمجھنے سے قاصر تھی، اکثر سواروں کو جو آپ کے چنگل میں آجاتے تھے بغیر کسی زحمت و تکلیف کے ایک خرد سال بچّے کی طرح ہاتھ سے اٹھا کر زمین پر پٹک دیتے تھے اور اگر کبھی کسی پہلوان کا بازو ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ مشہور ہے کہ آپ نے کسی شہسوار سے مقابلہ نہیں کیا مگر یہ کہ اس کو زیر کر دیا۔ چاہے وہ جس قدر قوی ہیکل اور پہلوانی میں شہرۂ آفاق رہا ہو، کبھی بہت بڑے دروازے کو جس کے کھولنے اور ہلانے سے کئی پہلوان بھی عاجز تھے اٹھا لیتے تھے اور اس کو سپر کی طرح ہاتھ میں لے کر اس سے اپنی حفاظت کرتے تھے، کبھی ایک ہاتھ سے اتنا بڑا پتھر زمین سے اٹھا کر الگ پھینک دیتے تھے کہ بہت سے جوانمرد مل کر اس کو جنبش بھی نہیں دے سکتے تھے۔ کبھی میدانِ جنگ میں ایسا نعرہ مارتے تھے کہ دلیر بہادروں کا پتا پانی ہو جاتا تھا چاہے وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، اور آپ کے مزاج میں تکلیفوں کیلئے

---

[1] پیغمبرؐ نے زکوٰۃ کو جو اس زمانے میں بیت المال کی ایک معتدبہ رقم تھی۔ بنی ہاشم پر حرام فرما دیا تھا۔ یہاں تک زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھی ان کو نہیں بھیجتے تھے تاکہ لوگ جان لیں کہ آپ زکوٰۃ کو اپنے خاندان کے مصرف میں نہیں لاتے تھے اور اس کو وصول کرنے کی غرض صرف فقراء و مساکین کی مدد اور عام مسلمانوں کی دیگر ضروریات ہیں۔

قوت برداشت ایسی تھی کہ گرمی اور سردی سے کوئی نقصان پہنچے کا خوف نہ تھا، جاڑوں کے کپڑے گرمیوں میں پہنتے تھے اور گرمیوں کے جاڑوں میں۔

خُلقِ عظیم

ایک شخص کسی قضیے میں عمر ابن خطاب کے پاس علی علیہ السلام کی شکایت لے گیا۔ عُمر اس وقت خلیفہ تھے۔ انہوں نے دونوں کو طلب کیا اور علی سے کہا کہ اے ابو الحسن اپنے فریقِ مخالف کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ علی علیہ السلام کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ تو عمر نے ان سے کہا اے علیؑ کیا تم کو اپنے مخالف کے برابر کھڑے ہونے سے انکار تھا: آپ نے فرمایا، نہیں ایسا نہیں ہے لیکن میں نے دیکھا کہ تم نے میرے حریف کے درمیان مساوات نہیں برتی۔ مجھ کو کنیت کے ساتھ مخاطب کر کے میری تعظیم کی اور اس کو کنیت کے ساتھ خطاب نہیں کیا[1]۔

لوگوں کی اور بالخصوص بزرگ شخصیتوں کی سرشت اور خصلت کو پوری تشریح سے بیان کرنا بہت دشوار ہے اس لئے کہ نفسانی صفتیں ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتی ہیں، ہر صفت دوسری صفت سے مربوط، ایک عادت دوسری عادت کا سبب اور وہ کسی تیسری کا نتیجہ ہے یا دونوں کسی ایک کا معلول ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ لہٰذا میرا مقصد یہ ہے کہ علی علیہ السلام کے صفاتِ نفسانی میں سے چند صفتوں پر کئی پہلوؤں سے غور کرنے کے بعد ایک ہی ذات کے اندر اُن سب کا موازنہ کروں تاکہ اس عقلی تحلیل اور جائزے سے کچھ مقدمات مرتب کر سکوں اور نتائج نکال سکوں۔ شروع میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے صفات کو ہر موضوع میں آپ کے ساتھ معاملات اور مشہور و معروف اعمال اور افعال سے اخذ کر کے اجمال و اختصار کے ساتھ پیش کروں تاکہ جب ہم ان کی سرشت اور عادت و خصلت کو پہچان لیں تو آئندہ فصلوں میں ہماری تفصیلی بحث انہیں صفات و اخلاق کے حدود میں ہو۔

اب ہم آپ کی عبادت سے کلام کا آغاز کرتے ہیں

علی ابن ابی طالب تقویٰ اور پرہیزگاری میں مشہور تھے اور آپ کے بہت سے کام اپنی ذات، اپنے آدمیوں اور دوسرے لوگوں کے لئے محض پارسائی کی وجہ سے ہوتے تھے۔ میرا عقیدہ ہے کہ علی علیہ السلام کا تقوےٰ دوسرے پرہیزگاروں کے مانند

---

[1] اہلِ عرب میں بزرگ ہستیوں کو نام لے کر پکارنا جائز نہیں تھا۔ جس کو تعظیم کے ساتھ مخاطب کرنا چاہتے تھے۔ اس کو کنیت سے پکارتے تھے۔

حالات وکیفیات کے اثر سے نہیں پیدا ہوا تھا، جیسا کہ اکثر متقی اشخاص کی عبادت کمزوری نفس کی بنا دپر یا زندگی کے مقابلے سے بھاگنے اور لوگوں سے کنارہ کشی یا اپنے اسلاف کی تقلید میں ہوا کرتی ہے اور واقعات زندگی کے اثرات اس کی تائید کردیتے ہیں، کیوں کہ لوگ عادتاً موروثی رسموں اور اپنے بزرگوں کے نمونۂ عمل کو قابلِ احترام سمجھتے ہیں[1]

بلکہ امامؑ کا تقوےٰ ایک مضبوط بنیاد پر قائم اور عالم ہستی کے سارے اجزاء میں پائے جانے والے اس باہمی رشتے سے منسلک تھا جس نے ہر چیز یہاں تک کہ آسمان اور زمین کو بھی ایک دوسرے سے وابستہ کردیا ہے اور آپ کی عبادت درحقیقت زندگی اور سعادت انسانی راستے میں سعی پیہم اور فتنہ وفساد سے جنگ تھی۔ آپ ہر پہلو سے بُرائی اور خباثت کا مقابلہ کرتے تھے۔ ایک طرف سے نفاق اور مطلب پرستی وخودغرضی کا، اور ایک جانب سے بے غیرتی، پستی وذلت، ناکارگی، بیچارگی اور دوسرے صفاتِ ذمیمہ کا جو اس اُلٹے زمانے میں رائج تھے۔ علی علیہ السلام کے نزدیک تقویٰ کی حقیقت یہ تھی کہ حق وانصاف کی راہ میں جان پر کھیل جاتے تھے۔ آپ نے خود ایمان کے لئے یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ "تمہارے ایمان کی منزل یہ ہے کہ سچائی کو جھوٹ پر ترجیح دو چاہے سچائی میں تمہارا نقصان اور جھوٹ میں تمہارا فائدہ ہی کیوں نہ ہو"

آپ کا تقوےٰ اسی علامت کے مطابق تھا جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ علی علیہ السلام نے اسی سچائی کی وجہ سے شہادت حاصل کی بلکہ اگر زندوں کو شہید کہا جاسکے تو آپ زندگی میں بھی شہیدِ راہِ صداقت تھے۔

اگر کوئی شخص امام علیہ السلام کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا دقّت نظر کے ساتھ مطالعہ کرے تو اُس کو معلوم ہوگا کہ آپ سیاست اور حکومت کی طرح عبادت میں بھی اپنا ایک مخصوص طریقہ رکھتے تھے۔ جس میں بہت مضبوط تھے اور جس کا اسلوب سخت ومستحکم تھا۔ علیؑ اس شاعر کے مانند جو جمالِ فطرت میں ہمہ تن محو ہوگیا ہو۔ ایک مطلق اور غیر محدود ہستی کے سامنے کھڑے ہوکر نفس پاکیزہ اور تہِ دل سے مکمل توجہ کے ساتھ اس سے راز ونیاز میں مصروف ہوتے تھے۔

حضرت کا یہ کلام آزاد عبادت گزاروں اور بزرگانِ اہلِ تقویٰ کے لئے ایک بڑی ہدایت ہے کہ "ایک گروہ نے نعمتوں کی اُمید میں خدا کی عبادت کی جو تاجروں کی عبادت ہے، ایک گروہ نے عذابِ الٰہی کے خوف سے عبادت کی جو غلاموں کی عبادت ہے"

امام علیہ السلام کی عبادت اکثر بندوں کے مانند نہ خوف وہراس کی وجہ سے تھی نہ تجارت کے لئے اور نہ بہشت کی امید میں بلکہ بزرگ لوگ جیب رونقِ عالم، وجودِ مطلق اور غیر متناہی مبدا ہستی کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے مقابلے میں اپنے کو

---

[1] ناظرین یاد رکھیں کہ مصنف عیسائی ہے اور ان لوگوں کے نزدیک عبادت گوشہ گیری اور رہبانیت کا نام ہے لیکن اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اسی وجہ سے اسلام کے پارسا اور پرہیزگار افراد نہ جدوجہد سے خائف تھے نہ انسانوں سے بھاگتے تھے بلکہ کبھی کبھی تو جس مقام پر مصلحتاً پُرسکون خاموشی کی ضرورت تھی وہاں بھی فرطِ جوش میں بہادری کے ساتھ اپنی جان کی بازی لگا دیتے تھے اور اب بھی ایسا کرتے ہیں۔

عجز و بندگی پر مجبور پاتے ہیں۔ اس عبادت کی اصل و بنیاد عقل و وجدان اور معرفت قلب کا کمال ہے۔

جس شخص کے نزدیک عبادت ایسی ہی ہو جیسی علیؑ کے نزدیک تھی تو وہ لامحالہ زندگی کو اسی نظر سے دیکھے گا جس نظر سے علیؑ نے دیکھا۔ وہ زندگی کو دنیاوی فوائد اور فانی لذتوں کے لئے نہیں ڈھونڈتا بلکہ مکارم اخلاق کے حصول اور ان مقاصد کو انجام دینے کے لئے تلاش کرتا ہے جو اس کے نفس کے ساتھ میل کھاتے ہوں۔ اس جہت سے علی علیہ السلام نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور نام و نمود سے پرہیز کیا۔ آپ اپنے زہد میں اسی طرح سچے تھے جس طرح اپنے اعمال و اقوال اور نیت میں صادق تھے۔ لذتِ دنیا سے اسی طرح بے رغبت تھے جس طرح اسبابِ سلطنت، لوازمِ حکومت اور ان چیزوں سے بے پرواہ تھے جن پر دوسرے لوگ نظریں جمائے ہوئے تھے اور جن کی کشش اُن کے رگ و پے میں پیوست تھی۔ اپنے بیٹوں کے ساتھ ایک جھونپڑی میں بسر کرتے تھے اور اسی گھر میں رہ کر فرمانروائی بھی کرتے تھے۔ آپ کی امارت سلطنت کی صورت میں نہیں بلکہ خلافت کی حقیقت میں تھی۔ جَو کی وہ روٹی نوش فرماتے تھے جس کے لئے آپ کی بیوی اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں۔ حالانکہ آپ کے گورنر اور حکام شام و مصر اور عراق کے بہترین لذات و نعمات اور محصول سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ اپنی زوجہ کو چکی پیسنے کی زحمت دینا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور خود ہی آسیا گردانی فرماتے تھے۔ باوجودیکہ مومنین کے امیر تھے پھر بھی ایسی خشک روٹی تناول فرماتے تھے جو زانو سے دبا کر توڑی جا سکتی تھی۔ جب جاڑے کا زمانہ آتا تھا اور سخت سردی پڑنے لگتی تھی تو ٹھنڈک سے بچانے والا کوئی کپڑا آپ کے پاس مہیا نہ ہوتا تھا بلکہ اسی گرمیوں کے ہلکے کپڑے پر قناعت کرتے تھے۔

ہارون بن عنترہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں قصرِ خورنق میں علی علیہ السلام کے پاس پہنچا تو جاڑوں کی فصل میں ایک پرانی چادر کندھوں پر ڈالے ہوئے تھرتھرا رہے تھے۔ میں نے کہا یا امیرالمومنینؑ خدا نے بیت المال میں آپ کا بھی ایک حصہ معین کیا ہے لیکن اس کے باوجود آپ اپنے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ فرمایا خدا کی قسم میں تمہارے مال میں سے کوئی پیسہ بھی نہیں لیتا اور یہ وہی چادر ہے جو میں مدینے سے اپنے ساتھ لایا ہوں، آپ نے اس مکان میں اسی طرح قناعت کی زندگی بسر کی۔ یہاں تک کہ ابن ملجم کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ رعایا کے اندر آپ سے زیادہ سادہ اور قناعت کے ساتھ گزارنے والا کوئی ایک شخص بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں دنیا سے اُٹھ گئے۔ حالانکہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔

دنیا سے اس قدر بے اعتنائی درحقیقت علی علیہ السلام کی اسی شجاعت و مردانگی سے مرتبط تھی۔ بعض لوگ سمجھتے تھے کہ یہ دونوں صفتیں ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ آپ کی شجاعت و مردانگی، دراصل روح کی بزرگی اور بلند مقصد کی راہ میں سعی و کوشش کا نام اور اپنے ذاتی فائدے سے ہٹ کر دوسروں کے نفع مجبوروں اور مظلوموں کی امداد نیز پنجۂ ظلم سے اُن کی رہائی کے لئے تھی۔ ایسی صورت میں آپ ہرگز اس پر تیار نہیں تھے کہ جس شہر میں بہت سے فقیر اور پریشان حال اشخاص بستے ہوں وہاں آپ دنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں۔

عمر ابن عبدالعزیز اس خاندانِ بنی امیہ کا خلیفہ تھا جو علیؑ کو دوست نہیں رکھتا تھا آپ کو طرح طرح سے بدنام کرنے کی کوشش

کرتا تھا اور برسرِ منبر آپ کو دشنام دیتا تھا، اس کے باوجود آپ کی پاکیزہ سیرت نے اس کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ: دنیا کے سب سے زیادہ زاہد و پرہیزگار انسان علی ابن طالبؑ ہیں:

مشہور ہے کہ علی علیہ السلام نے پتھر پر پتھر اور اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی اور نہ سے نے کو نہیں جوڑا یعنی نہ کل کا مکان بھی نہیں بنایا، قصرِ ابیض میں بیٹھنے سے انکار کر دیا حالانکہ انہیں کے لئے بنایا گیا تھا، تاکہ ان کا گھر فقیروں کے گھروں سے بہتر نہ ہو جو لکڑی کی جھونپڑیوں میں رہ رہے تھے۔ علی علیہ السلام کا یہ ارشاد آپ کے طرزِ زندگی کا آئینہ دار ہے کہ "آیا میں اتنے ہی پر اکتفا کر لوں کہ لوگ مجھ کو امیرالمومنین کہتے ہیں اور مصائبِ زمانہ میں ان کا شریک نہ ہوں"

ابنِ اثیر نے روایت کی ہے کہ جب علی علیہ السلام نے فاطمہؑ دخترِ رسولؐ سے شادی کی تو ان دونوں کا بستر صرف ایک گوسفند کی کھال تھی، رات کو اس پر سوتے تھے اور دن کو اسی پر اونٹ کو چارہ دیتے تھے۔ خادم ایک سے زیادہ نہیں رکھا۔ جب خلافت حاصل ہوئی تو اصفہان سے کچھ مال آیا جس کو سات حصّوں پر تقسیم کیا۔ یہاں تک کہ اس میں ایک روٹی تھی۔ اس کے بھی سات ٹکڑے کر دیئے۔

جوانمردی ہر پہلو سے علیؑ کے اندر مجسّم اور ہر اُس خوبی کو جمع کئے ہوئے تھے جو اس صفت کے لئے مناسب ہے عالی ظرفی اور چشم پوشی دونوں مردانگی کے جوہر ہیں اور یہ امامؑ کی عادت میں داخل تھے۔ چنانچہ اسی سبب سے کسی کو تکلیف پہنچانا پسند نہیں کرتے تھے ہر چند کہ اس نے خود آپ کو ستایا تھا یا کسی کی طرف دستِ ظلم دراز نہیں کرتے تھے حالاں کہ جانتے تھے کہ وہ آپ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسی عادت و خصلت نے بنی امیہ کو دشنام دینے سے آپ کو باز رکھا۔ اگرچہ وہ لوگ ہر طرف سے آپ پر بدگوئی اور دشنام کے تیر چلا رہے تھے، اس لئے کہ بزرگ ہستیوں کی طبیعت سے یہ چیز دُور ہے کہ دشمنوں کو گالی کے بدلے گالی دیں۔ بلکہ بنی امیہ پر سب و شتم کرنے سے اپنے اصحاب کو منع بھی فرمایا۔ جنگِ صفین میں آپ نے سنا کہ اصحاب میں سے کچھ لوگ شام والوں کو گالی دے رہے تھے تو فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالی بکنے والے بنو، ہاں اگر اُن کے افعال بیان کرو اور ان کی حالت کا ذکر کرو تو تمہاری بات حق بجانب اور اتمامِ حجت کے لئے کافی ہوگی۔ گالی کے عوض کہو کہ "خداوندا ہمارا اور ان کا خون محفوظ رکھ۔ ہمارے اور ان کے دلوں کو گمراہی سے نجات دے اور ہماری ہدایت کر تاکہ جس نے حق کو نہ پہچانا ہو وہ پہچان لے اور جو شخص ظلم و ضلالت میں آلودہ ہے وہ اس سے باز آجائے۔

دشمنوں کے ساتھ درگزر اور چشم پوشی میں تاریخ کے اندر آپ کی نظیر نہیں تھی، آپ کی معافی اور درگذر پر دلالت کرنے والی حکایتیں شمار سے باہر ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ لڑائی کے موقع پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے تھے کہ جب دشمن بھاگ کھڑا ہو تو اس کو قتل نہ کرو، جو مجبور اور زخمی ہو، اس کی مدد کرنے سے دریغ نہ کرو، کسی کو برہنہ نہ کرو اور کسی کا مال اس سے نہ چھینو۔!

مزید برآں جنگِ جمل میں اپنے دشمنوں کے کشتوں پر نماز پڑھی اور ان کے لئے خدا سے استغفار کیا۔ جس وقت اپنے انتہائی سخت دشمنوں عبداللہ ابن زبیر، مروان ابنِ حکم اور سعید ابنِ عاص پر قابو پایا تو ان کے ساتھ معافی اور نیکی کا سلوک کیا اور ان کو

سزا دینے سے اپنے اصحاب کو باز رکھا، حالانکہ وہ سب کچھ کر سکتے تھے اور خود ان لوگوں کو بھی رہائی کی توقع نہیں تھی۔ آپ کی چشم پوشی کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس وقت عمرو عاص پر غالب آئے تو باوجودیکہ علیؑ کے لئے اس کا خطرہ معاویہ سے کم نہیں تھا لیکن منہ پھیر لیا۔ اور اس کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا۔ عمرو عاص نے تو احسان کے بعد بھی علی علیہ السلام سے دشمنی کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ عمرو نے جب ذوالفقار کو اپنے سر کے اوپر پایا تو اس کو امید تھی کہ اس خاص حرکت سے جس کو وہ عمل میں لایا علیؑ اپنی آنکھیں بند کر لیں گے اور اس کو چھوڑ دیں گے۔[1]

اگر علی علیہ السلام نے اس وقت عمرو کو قتل کر دیا ہوتا تو مکر و حیلہ اور معاویہ کا لشکر ہی نیست و نابود ہو جاتا۔

جنگِ صفین میں معاویہ اور اس کے ساتھیوں نے چاہا کہ علیؑ کو تشنگی سے زیر کریں لہٰذا کچھ روز تک آپ کے اور فرات کے درمیان حائل رہے اور کہتے تھے کہ ہم تم کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیں گے۔ یہاں تک پیاس سے مر جاؤ۔ لیکن اس کے بعد آپ نے معاویہ کے ساتھ کیا کیا؟ حملہ کر کے ان لوگوں کو دریا سے الگ کر دیا لیکن ساتھ ہی اجازت بھی دے دی کہ جس طرح میری فوج پانی پی رہی ہے تم بھی پیو۔ اگر چاہتے تو آپ بھی تو ان پر پانی بند کر سکتے تھے۔ یقیناً اس طرح آپ کو فتح حاصل ہوتی اور وہ لوگ موت کے خوف سے شکست مان لیتے۔

ایک مرتبہ سنا کہ آپ کے دو آدمی عائشہ پر بھی کچھ بُرے الزامات لگا کر سخت و سُست کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے جنگِ جمل کی آگ بھڑکائی اور علیؑ کو قتل کرنا چاہا۔ علی علیہ السلام کے حکم سے دونوں کو سو سو تازیانے لگائے گئے۔

جنگِ جمل میں فتح پانے کے بعد آپ عائشہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کو احترام کے ساتھ روانہ کیا اور خود کئی میل تک ان کو رُخصت کرنے گئے، کچھ لوگ راستے میں اُن کی خدمت کے لئے بھی روانہ کئے جن کو تاکید کی کہ ان کو عزت و حرمت اور آرام کے ساتھ مدینے پہنچائیں۔ کہتے ہیں کہ قبیلۂ عبدالقیس کی بیس عورتیں ان کے ساتھ بھیجیں جو مردوں کی طرح سروں پر عمامے رکھتے اور تلواریں حمائل کئے ہوئے تھیں۔ راستے میں ایک روز عائشہ نے علیؑ علیہ السلام کو بُرا کہا اور اضطراب ظاہر کرتے ہوئے زبان پر لائیں کہ علیؑ نے میرے ساتھ ان مردوں اور فوجیوں کو بھیج کے میری بے پردگی چاہی ہے، جب مدینے پہنچیں تو ان عورتوں نے عمامے اتار پھینکے اور کہا ہم مرد نہیں عورتیں ہیں۔[2]

---

[1] کہتے ہیں کہ جنگِ صفین میں عمرو عاص علی علیہ السلام کے مقابلے پر آیا تو بہت ڈرا اور سوا اس کے کوئی چارہ نہیں دیکھا کہ چت لیٹ کر اپنی شرمگاہ کھول دے تا کہ علی علیہ السلام آنکھیں بند کر لیں اور وہ بھاگ جائے۔ چنانچہ اس نے یہی کیا اور اپنی جان بچائی۔

[2] اس حکایت کو معتبر مورخین نے نقل نہیں کیا ہے اور کسی ایسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے جو قابلِ اعتماد ہو۔ نیز امیر المومنینؑ کی سیرت سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ اس وضع و قطع کے ساتھ اتنی عورتوں کی بے پردگی گوارا کریں۔ اس کے علاوہ عائشہ کی ہوشمندی بھی اس کی مقتضی نہیں ہے کہ بصرے سے مدینہ تک اتنی طویل مسافت میں اُن کو اس کا پتہ نہ چل سکے کہ میرے ہمراہ مرد نہیں عورتیں ہیں۔

علی علیہ السلام اس قدر شجاعت کے مالک ہونے کے باوجود ظلم وستم سے اجتناب کرتے تھے۔ راویانِ اخبار اور اصحاب تاریخ کا اجماع ہے کہ آپ جنگ سے بیزار تھے۔ سوا اس موقع کے جب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ رہ جائے۔ آپ ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ دشمنوں سے معاملات اس طرح طے ہوجائیں اور حالات اس طرح درست ہو جائیں کہ خون نہ بہے اور لڑائی کی نوبت نہ آئے۔ اپنے فرزند حسن علیہ السلام سے فرماتے رہتے تھے کہ "کسی کو جنگ کی دعوت نہ دینا" امام کا کلام تہِ دل سے صادر ہوتا تھا کیوں کہ جو وصیت اپنے بیٹے کو فرمائی اس پر خود بھی مدتوں عمل پیرا رہے اور بغیر مجبوری کے جنگ نہیں کی۔

مثال کے طور پر جب خوارج کی فوج سامانِ جنگ فراہم کرنے کی تیاری کر رہی تھی تو اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا کہ خوارج کے تیار ہونے سے پہلے ہی اُن پر حملہ کر دیا جائے۔ علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ "جب تک وہ مجھ سے خود لڑائی کی ابتدا نہیں کریں گے۔ میں جنگ نہیں چھیڑوں گا" آپ کو انسانیت اور ایمان و عرفان مجبور کرتے تھے کہ اُن لوگوں کو وعظ و پند کے ذریعہ گمراہی سے باز رکھیں۔ ایک روز مجمع کے اندر موعظہ فرما رہے تھے، بہت سے خارجی بھی سُن رہے تھے جو امامؑ کو کافر سمجھتے تھے ان میں سے ایک شخص نے جو حضرت علیؑ کی بلاغت کلام سے متعجب اور شیریں بیانی و تاثیر سخن سے متحیّر ہو رہا تھا کہ "خدا اس کو قتل کرے۔ کس قدر بافہم اور دانشمند کافر ہے!" پیروان علی علیہ السلام نے چاہا کہ اس کو قتل کر دیں تو آپ نے آواز دی کہ اُس نے زبان سے بُرا کہا ہے لہٰذا اس کا بدلہ زبان ہی کے ذریعے لینا چاہیئے۔ یا پھر اُس خطا سے درگذر کرنا چاہیئے۔

ہم اس کے قبل بیان کر چکے ہیں کہ معاویہ کی فوج نے چاہا تھا کہ علی علیہ السلام کو پانی سے محروم کر کے اُن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔ لیکن آپ نے اس بدسلوکی کا جواب احسان سے دیا اور پانی کی بندش نہیں کی بلکہ اجازت دے دی کہ میرے اصحاب کی طرح معاویہ کا لشکر بھی پانی لے جائے۔

اس کے علاوہ معاویہ کے ساتھ اسی قسم کے اور واقعات بھی پیش آئے۔ جن کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انصاف و مروّت، ظلم وستم سے پرہیز، اور احسان کرنے میں ایسے ہی تھے جیسا کہ علوی رُوح قدسی کے لئے سزاوار تھا۔

منجملہ ان حکایتوں کے ایک مؤرخ کہتا ہے کہ جنگِ صفین کے زمانہ میں ایک شخص کریز بن صباح حمیری معاویہ کے لشکر سے نکل کر میدان میں آیا اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دی کہ کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے؟ اصحاب علی علیہ السلام میں سے ایک شخص نکلا اور قتل ہو گیا، اس نے دوبارہ مبارز طلب کیا، دوسرا مجاہد گیا اور قتل ہوا، اس نے تیسری مرتبہ اپنا مقابل مانگا اور تیسرا جانے والا بھی شہید ہو گیا۔ جب چوتھی بار اس نے نعرہ مارا تو کوئی شخص نہیں نکلا بلکہ صفِ اوّل کے لوگ ہٹ کے پیچھے والی صف میں آ گئے۔ علی علیہ السلام کو خطرہ محسوس ہوا کہ صفوف لشکر میں خوف و ہراس پھیل جائے گا۔ لہٰذا اس اپنی قوّتِ بازو پر ناز کرنے والے مردِ میدان کے مقابلے میں خود ہی تشریف لے گئے اور اس کو مار گرایا، پھر مبارزہ طلبی کی اور اُن لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو کریز بن صباح نے آپ کے اصحاب کے ساتھ کیا تھا۔ یہاں تک کہ تین

پہلوانوں کو قتل کرنے کے بعد بآوازِ بلند فرمایا جس کو ہر شخص نے سُنا کہ "اگر تم نے آغازِ جنگ نہ کیا ہوتا تو ہم تم سے ہرگز جنگ نہ کرتے" اور اپنی جگہ واپس آگئے۔

روزِ جمل کا یہ ماجرا بھی منقول ہے کہ جب دشمنوں نے آپ پر ہجوم کیا اور آپ کے مقابلے پر لشکر لا کھڑا کیا تو آپ نے بھی اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ صفیں آراستہ کر لیں۔ اس کے بعد ہدایت دی کہ "جب تک حجت تمام نہ کرو۔ نہ کوئی تیر پھینکنا نہ نیزہ لگانا نہ تلوار چلانا" آپ چاہتے تھے کہ جنگ نہ کرنا پڑے اور ان سے صلح کے ذریعے بات طے ہو جائے تاکہ نہ کسی کا خون بہے نہ کوئی قتل ہو۔ ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ لشکر مخالف سے ایک دشمن نے تیر چلایا اور علی علیہ السلام کا ایک ساتھی مارا گیا، علیؑ نے صدا دی کہ "خداوندا گواہ رہنا" دوسرا تیر آیا اور اصحاب حضرت میں سے دوسرا شخص قتل ہوا اور آپ نے کہا "خداوندا گواہ رہنا" اس کے بعد عبد اللہ ابن بدیل کو بھی ایک تیر لگا اور اُن کا بھائی اُن کو علیؑ کے سامنے لایا، آپ نے پھر کہا "خداوندا گواہ رہنا" اور جنگ شروع ہو گئی۔

ظلم و جور سے الگ رہنا علی علیہ السلام کا ایک اخلاقی اصول اور آپ کی عادت و فطرت میں شامل تھا۔ آپ عہد و پیمان نہیں توڑتے تھے اور پرانے دوستوں سے دشمنی نہیں کرتے تھے جب تک وہ خود عہد شکنی یا محبت کے عوض دشمنی نہ کریں۔ دوستی کی بہترین صورت اور وفاداری کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بہادر میدانِ جنگ میں کھڑا ہو کر اپنے پُرانے دوست ملاقاتیوں کو جو اب دشمن ہو کر اُس سے لڑنے آئے ہیں۔ اسی برادرانہ نظر سے دیکھے، اُن کو صلح و آشتی کی دعوت دے اور سابق ہمدردی و محبت کی یاد دلائے تاکہ شاید عہد شکنی اور خیانت سے باز آجائیں یا سلاح جنگ ان کے ہاتھ سے لے لے اور مشکل و پیچیدہ کاموں کو صلح و صفائی کی صورت میں حل کرے، کیوں کہ ایسے دشمن سے جو پہلے دوست رہ چکا ہو ایک دم سے جنگ نہ شروع کر دینا چاہیئے۔ شاید پچھلے زمانہ کی یاد اس کے دِل کو نرم کر دے اور جنگ و مخالفت سے روک دے۔

اگر ایفائے عہد اور دوستی کی سابق مراعات علی علیہ السلام کی رُوح میں غالب نہ ہوتی تو دشمن کے دفعیہ میں اس کا سہارا نہ لیتے۔ امامؑ کی عہد شناسی اور اس نیک خصلت کی مضبوطی پر دلیل قاطع وہ برتاؤ ہے جو آپ نے زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ کیا۔ یہ دونوں علی علیہ السلام کے دوستوں اور مددگاروں کو آپ سے جدا کر کے دشمنوں کی طرف لے گئے تھے اور عائشہ کو بہکا کر آپ کے مقابلے پر لائے تھے۔

دوست ہوں یا دشمن جو خبر دینے والے اس موقع پر موجود تھے انہوں نے روایت کی ہے کہ جب طلحہ و زبیر نے جنگ کا ارادہ کیا، بیعت توڑ ڈالی اور جنگِ جمل میں بدباطنی کا مظاہرہ کیا تو علی علیہ السلام سر برہنہ بغیر زرہ اور سلاح جنگ کے ان کی طرف گئے، مطلب یہ تھا کہ میں صلح کی نیت رکھتا ہوں، اور آواز دی کہ اے زبیر میرے پاس آؤ! زبیر آلاتِ حرب سے لیس آئے، عائشہ نے سُنا تو فریاد کرنے لگیں کہ حیف ہے لڑائی سے اس لئے کہ جانتی تھیں کہ علیؑ کے سامنے جو دشمن جائے گا چاہے وہ جتنا دلاور اور بہادر اور طاقتور ہو ضرور مارا جائے گا۔ اور یقیناً زبیر بھی اگر جنگ کرتے تو بچ کے نہ جاتے۔ لیکن

علی علیہ السلام نے زبیر کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے، عائشہ اور اُن کے ہمراہی بہت گھبرائے ادھر آپ ان کو لپٹائے ہوئے تھے کیوں کہ خلوص اور محبت کا رشتہ بزرگوں کے دلوں میں ہرگز نہیں ٹوٹتا۔ علی نے گزشتہ باہمی محبت کے لہجے میں پوچھا کہ افسوس ہے تم پر اے زبیر! کیا سبب ہوا کہ تم مجھ سے لڑنے آئے؟ زبیر نے کہا عثمان کا خون۔ علی علیہ السلام نے کہا خدا قتل کرے اس کو جو ہم میں سے خونِ عثمان میں زیادہ شامل رہا ہو۔

پھر پچھلے پیمانِ رفاقت اور برادری کو یاد دلایا اور گفتگو کے درمیان کئی مرتبہ رو دیئے لیکن زبیر جان و دل سے لڑائی پر تلے ہوئے تھے اور امام کے مقابلے پر یہاں تک جمے رہے کہ قتل ہو گئے ان کا قتل ہونا علی علیہ السلام پر جو عہدِ محبت کی رعایت میں وفادار تھے بہت گراں گزرا۔

آپ گوشہ خلفاء کو رائے و مشورہ دینے میں دریغ نہیں کرتے تھے، ان کے اقوال و افعال میں امداد کرتے تھے اور ان کی وفاداری میں اپنے تینوں بیٹوں کے نام انہیں کے ناموں پر ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے[1]

جس وقت طلحہ مارے گئے تو علی علیہ السلام ان کے سرہانے کھڑے ہوئے اور وہ عمل کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی آپ اُن کی لاش کے پاس کھڑے ہوئے سخت اندوہ و غم کے ساتھ زار زار رو رہے تھے اور سابق رفاقتوں کی یاد میں ان کی طرف دیکھ کر مرثیہ کہہ رہے تھے کہ "اے ابو محمد مجھ کو ناگوار ہے کہ تم کو زیرِ آسمان مقتول دیکھوں، کاش کہ آج سے بیس سال قبل خدا نے میری روح قبض کر لی ہوتی کہ یہ دن نہ دیکھتا"۔

لیکن یہ جواں مرد جو دوستی میں ایسا ثابت قدم تھا اس کے دوستوں نے حقِ دوستی کا لحاظ نہیں رکھا اس لئے کہ ان کو اس کی امید نہ تھی کہ یہ اپنی فطرت و خصلت کے تقاضے سے منہ موڑ کر اُن کے ہاتھوں کو لوگوں کے حقوق چھیننے کے لئے آزاد چھوڑ دیگا

حضرت علی علیہ السلام فرماتے تھے کہ "اگر ساتوں اقلیم اور جو کچھ آسمان کے نیچے ہے سب مجھ کو دے دیا جائے تاکہ خدا کی نافرمانی کروں اور کسی چیونٹی سے ایک جَو کا چھلکا بھی ظلم سے چھین لوں تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ میرے نزدیک یہ ساری زمین اس ایک پتی سے زیادہ حقیر ہے جو کسی ٹڈی کے منہ میں دبی ہوئی ہو"

اس بارے میں علی علیہ السلام کا قول و عمل دونوں یکساں تھے۔ دوسروں کی طرح نہیں جن کی باتیں ان کے عمل سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں جو سرشت اور خصلت آپ کے اس کردار کا باعث تھی۔ اسی کی تحریک سے یہ الفاظ بھی آپ کی زبان پر جاری ہوتے

---

[1] علی علیہ السلام کا ہر عمل اسلام کے فائدے کے لئے تھا۔ اسی لئے خلفاء کی مدد بھی کرتے تھے اور اپنے حق کے لئے دین کا مفاد ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ اور جو نام عرب میں عام طور پر رائج تھے ان کو اس وجہ سے قابلِ ترک نہیں سمجھتے تھے کہ خلفاء کے نام ان کے موافق ہیں۔

[2] طلحہ ابوبکر کے قبیلے بنی تیم سے تھے اور ان کو خلافت کی ہوس اس لئے پیدا ہوئی کہ پچیس سال قبل انہیں کے خاندان کی ایک فرد اس منصب پر پہنچ چکی تھی

تھے۔ علی علیہ السلام لوگوں پر ہر ایک سے زیادہ مہربان تھے اور ہر شخص سے زیادہ ان کی ایذا رسانی سے پرہیز کرتے تھے۔ اُن کے لئے اپنے کو بھول جاتے تھے کیوں کہ اپنی ذات سے اس بے اعتنائی کو اپنی زندگی کا لازمی جزء سمجھتے تھے۔ آپ کی ساری زندگی مظلوموں اور مجبوروں کی حمایت کے لئے وقف تھی تاکہ ایسے ظالموں سے ان کا عوض لیں جنھوں نے اپنے کو بلندی نسب اور نسلی امتیاز کی بناء پر ہر طرح کے ظلم و نقصان رسانی کا حقدار سمجھ لیا تھا۔

علی علیہ السلام نے قبیلۂ قریش سے اس لئے مخالفت اور جنگ کی کہ وہ ذاتی منفعت، کسبِ جاہ و مال اور فرمانروائی کے لئے خلافت کے خواہاں تھے۔ آپ نے خلافت بلکہ دنیاوی زندگی سے چشم پوشی کی اور ہر چیز سے اس لئے دست بردار ہو گئے کہ آپ اہلِ دنیا کے شانے سے شانہ ملاکر چلنا پسند نہیں کرتے تھے اور اس چیز پر راضی نہیں تھے کہ بے بس اور کمزور افراد کو ان کی ہوا و ہوس کا تختۂ مشق بننے دیں۔

علی علیہ السلام کی مہربانی عام لوگوں پر اتنی زیادہ تھی کہ آپ کے بھائی عقیل نے جب بیت المال سے اپنے حق سے کچھ زیادہ وظیفہ طلب کیا تو آپ نے اُن کو بے نیل مرام پلٹا دیا اور وہ معاویہ کے پاس چلے گئے۔ علی علیہ السلام نے بھائی کی جدائی گوارا کر لی لیکن اس پر راضی نہیں ہوئے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے تھوڑا بھی بغیر حق کے صرف نہ کریں۔

علی علیہ السلام سارے انسانوں کے لئے ایک شفیق باپ کے مانند تھے۔ حکام اور گورنروں کو نرمی و مہربانی کی ہدایت فرماتے تھے ظلم کرنے والوں کے ساتھ سختی و درشتی کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کو سخت سزا دیتے تھے۔ آپ کی یہ وصیتیں برابر والیان حکومت کے کانوں میں پہنچتی رہتی تھیں کہ "لوگوں کی فریاد کو پہنچو اور ان کی ضرورتوں کی کفالت کرو کیوں کہ تمہارا سرمایہ انہیں کے ہاتھوں میں ہے کسی شخص کو اس کی حاجت سے محروم نہ کرو اور اس کے مقصد میں مانع نہ ہو، خراج کے لئے کسی کے لئے جاڑے یا گرمی کے کپڑے نہ بیچو، ایسا چوپایہ نہ لو جو ان کے کام آتا ہو اور ایک درہم کے لئے کسی کو تازیانہ نہ مارو۔"

علی علیہ السلام وہ تھے جنہوں نے اشتر نخعی کا عہد نامہ اس خوبی کے ساتھ تحریر فرمایا۔ جس وقت ان کو ولایت مصر اور اس کے اطراف کا حکم بنا کر بھیجا تو ان کے مکتوب میں لکھا۔" ان لوگوں کے ساتھ درندہ جانوروں کی طرح نہ رہو، ان کی روزی کو مالِ غنیمت نہ سمجھو اس لئے کہ مصر والے ان دو قسموں میں سے کسی ایک میں داخل ہیں، یا تو دینی حیثیت سے تمہارے بھائی ہیں یا بشری خلقت کے لحاظ سے تمہارے مساوی، ان کی لغزشوں سے درگذر کرو، ان کی خطاؤں کو معاف کرو جس سے تم خود امیدوار ہو کہ خدا تمہارے جرم و گناہ کو بخش دے، کسی کو معاف کر دینے پر پشیمان نہ ہو اور سزا دینے میں ضد سے کام نہ لو۔"

پھر ان سے فرماتے ہیں کہ:۔

" احتکار سے منع کرو۔" احتکار کے بارے میں سخت گیری ہی علی علیہ السلام سے معاویہ اور ان کے گروہ کی مخالفت کا بڑا سبب تھی کیوں کہ وہ ملک و دولت اور مالِ غنیمت کو اپنے لئے چاہتے تھے۔ اور علی علیہ السلام سارے انسانوں کے لئے۔

انسانوں کے ساتھ علی علیہ السلام کا لطف و کرم اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آپ نے اپنے نابکار قاتل ابن ملجم سے بھی نیک

سلوک کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ ہم بعد میں اس کا تذکرہ کریں گے۔

حضرت نے حسنؑ وحسینؑ علیہما السلام کے نام اپنی وصیت میں فرمایا ہے کہ "حق بات کہو، ظالم کے دشمن رہو اور مظلوموں کے حامی"۔ نیز وصیت کی کہ ظالم کے دشمن رہو چاہے وہ تمہارا عزیز قریب ہی ہو اور مظلوم کے مددگار بنو۔ چاہے وہ غیر اور اجنبی ہی ہو۔ آپ کی یہی کوشش رہتی تھی کہ ظالموں کی گوشمالی کریں اور لوگوں کے سروں سے اُن کے پنجۂ ظلم کو دفع کریں، آپ نے اس راہ میں اپنے دل و زبان اور شمشیر و خون سے سعی کی، مظلوم کے مددگار اور ظالم کے دشمن رہے اس منزل میں آپؑ تنہا تھے اور جب تک زندہ رہے سستی سے کام نہیں لیا۔

علی علیہ السلام کے عدل و انصاف پر تعجب نہ کرنا چاہیئے بلکہ اگر آپ عادل نہ ہوتے تب تعجب ہوتا۔ آپ کی عدالت میں جو روایتیں منقول ہیں وہ تاریخِ انسانیت کی بیش بہا میراث ہیں اور انسان کو ایسے واقعات پر فخر و مباہات کرنا چاہیئے۔

آپ کے بھائی نے بیت المال سے خاص طور پر وظیفہ طلب کیا اور آپ نے انکار کر دیا کہ یہ میرا مال نہیں ہے جو کسی کو یونہی بخش دوں۔ دوسرے مجبور و محتاج لوگ بھی ہیں جو تم سے زیادہ اس مال کے مستحق ہیں اور اُن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

عقیل نے کہا کہ اگر اس مال میں سے آپ میرے لئے وظیفہ مقرر نہیں کرتے تو میں معاویہ کی طرف جاتا ہوں لیکن اس بات کا علی علیہ السلام نے کوئی اثر نہیں لیا اور اپنے عزم سے منحرف نہیں ہوئے۔

آپ کے بھائی معاویہ سے جا ملے اور کہتے تھے کہ "معاویہ میری دنیا کے لئے بہتر ہیں"۔ معاویہ کا برتاؤ عقیل کے خیال پر پورا اُترا، کیوں کہ بیت المال معاویہ کے ہاتھ میں ایک ایسا آلۂ کار تھا جس سے وہ اپنی سلطنت کی بنیاد مضبوط کرتے تھے۔ اپنے مقاصد کی تکمیل کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ بنی امیہ کی گئی گزری سیاست و بزرگی کو پھر سے تازہ کریں۔

امام علیہ السلام رعایا کے مقابلے میں اپنی برتری نہیں جتاتے تھے اور عدالت کے اجلاس میں اُن کے دوش بدوش حاضر ہوتے تھے، اس لئے کہ رُوحِ عدالت آپ کے دل کی گہرائیوں میں راسخ تھی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک عیسائی شخص کے پاس اپنی زرہ دیکھی، اس کو فیصلے کے لئے قاضی کے پاس لے گئے جس کا نام شریح تھا۔ جب دونوں قاضی کے سامنے پہنچے تو علی علیہ السلام نے کہا کہ یہ میری زرہ ہے جس کو نہ میں نے بیچا ہے نہ کسی کو دیا ہے۔ قاضی نے اس شخص سے پوچھا کہ تم امیر المومنینؑ کے دعوے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مسیحی نے کہا یہ زرہ میری ہے، اس کے باوجود میں امیر المومنینؑ کو جھوٹا نہیں سمجھتا ہوں۔ اس وقت شریح نے علی علیہ السلام کی طرف رُخ کر کے پوچھا کہ آیا آپ کے پاس کوئی گواہ ہے کہ یہ زرہ آپ کی ہے؟ آپ نے ہنس کر کہا کہ شریح نے ٹھیک کہا واقعی میرا کوئی گواہ نہیں ہے۔ شریح نے اس مسیحی شخص کے حق میں فیصلہ دیا اور وہ زرہ لے کر روانہ ہوا۔ امیر المومنینؑ پیچھے سے اس کو دیکھتے رہے۔ ابھی وہ چند قدم بھی نہیں گیا تھا کہ یہ کہتا ہوا پلٹا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس طرح کا حکم پیغمبروں کے احکام میں سے

ہے۔ جو شخص مومنین کا امیر ہو وہ بھی جیسے انسان کے ساتھ اس قاضی کے اجلاس پر حاضر ہو جو خود اسی کا ماتحت ہے اور قاضی بھی امیر کے خلاف فیصلہ کرے! پھر کہا، خدا کی قسم اے امیر المومنینؑ زرہ آپ ہی کی ہے اور میں اپنے دعوے میں جھوٹا تھا۔

اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ عیسائی علی علیہ السلام کی فوج کا ایک وفادار سپاہی ہے اور وہ جنگ نہروان میں خوارج کے مقابل تمام پہلوانوں سے زیادہ جد وجہد کر رہا تھا۔

ابن ابی رافع سے منقول ہے وہ کہتے ہیں: میں علی ابن ابی طالبؑ کے بیت المال کا مہتم اور اس کا کاتب تھا۔ بصرے کے مال میں سے ایک موتیوں کا گلوبند بھی ہماری بیت المال کی تحویل میں آیا تھا۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی دختر نے میرے پاس کہلا بھیجا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ ایک موتیوں کا گلوبند امیر المومنینؑ کے بیت المال میں ہے اور وہ تمہارے اختیار میں ہے، اس کو بطور عاریت میرے پاس بھیج دو تاکہ عید الضحیٰ کے روز پہن لوں۔ اس کے بعد واپس کر دوں گی۔ میں نے اس شرط کے ساتھ اس کو بھیج دیا کہ اس کے تلف ہونے یا خراب ہو جانے کی آپ ذمہ دار ہوں گی اور تین روز کے اندر اندر مجھ کو واپس مل جانا چاہیے جس کو انہوں نے منظور کر لیا۔

اتفاق سے امیر المومنین علیہ السلام کی نظر اس گلوبند پر پڑ گئی۔ آپ نے اس کو پہچان لیا اور اپنی بیٹی سے کہا یہ ہار تمہارے پاس کیوں کر پہنچا؟ بیٹی نے کہا امیر المومنین کے خزانچی ابن ابی رافع سے اس ضمانت پر عاریت لیا ہے کہ عید الضحیٰ کے دن تک پہن کے تین روز میں واپس کر دوں گی۔

امیر المومنین علیہ السلام نے مجھ کو بلایا اور فرمایا کہ آیا تم مسلمانوں کے ساتھ خیانت کو جائز سمجھتے ہو؟

میں نے عرض کیا میں اس خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے حق میں کوئی خیانت کروں۔ فرمایا پھر بغیر میری اجازت اور مسلمانوں کی رضامندی کے تم نے فلاں گلوبند میری بیٹی کو عاریت کیوں دیا؟

میں نے عرض کیا یا امیر المومنینؑ وہ آپ کی بیٹی ہیں۔ انہوں نے اس کو اپنی آرائش کے لئے مجھ سے عاریت مانگا اور میں نے اس ضمانت پر ان کو بھیج دیا کہ بعینہٖ اس کو واپس کر دیں گی تاکہ اس کو اس کی جگہ پر رکھ دوں۔

۱؎ آج دنیا کے آزاد ممالک میں عدالتوں اور قاضیوں کو مستقل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ کوئی شخص ان کو معزول نہیں کر سکتا تاکہ نڈر ہو کر بڑے آدمیوں کی مرضی کے خلاف بلکہ اپنے ارکان حکومت کے برخلاف بھی فیصلہ کر سکیں۔ لیکن ابھی اسلامی عدالت کی منزل اس سے بلند ہے جہاں امام اور خلیفہ قاضی کو برطرف کرنے کا حق رکھتا تھا پھر بھی عادل قضاۃ امرا کے خلاف رائے دیتے تھے اور معزولی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اگر اس کے برعکس کرتے تھے تو بدنام و ذلیل ہو جاتے تھے۔ اور امیروں کے برخلاف حکم دینے سے قوم کے اندر ان کا اوج و شرف اور مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔ ۲؎ ہم شروع کتاب میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ کتاب عیسائی فاضل کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی لکھی ہوئی تمام باتیں قابل قبول نہیں کیوں کہ اس کے پیش نظر تمامتر سواد اعظم کی کتابیں رہی ہیں اور انہیں کی احادیث و روایات اس نے اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔

فرمایا آج ہی اس کو واپس لاؤ اور آئندہ کبھی ایسا اقدام نہ کرنا ورنہ تم کو اس کی سزا دوں گا۔

یہ بات آپ کی دختر تک پہنچی تو انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ میں آپ کی بیٹی اور پارۂ جگر ہوں، مجھ سے زیادہ کون اس کو پہننے کا حقدار ہو سکتا ہے؟ امیر المومنینؑ نے فرمایا اے دختر ابو طالبؑ حق کے راستے سے قدم نہ ہٹاؤ۔ کیا مہاجرین و انصار کی ساری عورتیں اس روز اسی طرح کے گلو بند سے اپنی زینت کرتی ہیں؟ بالآخر میں نے وہ گلو بند دختر امیر المومنینؑ سے واپس لے کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

علی علیہ السلام چھوٹے اور معمولی کاموں میں بھی عدالت کا لحاظ رکھتے تھے۔ اگر آپ کے اور دوسرے افراد کے درمیان دو چیزوں کی تقسیم کی ضرورت ہوتی تو مال کے انتخاب کا اختیار دوسرے شخص کو دیتے تھے تاکہ اس کو یہ خیال نہ ہو کہ اچھا حصہ بڑے آدمیوں کے لئے ہے اور گھٹیا حصہ زیر دست لوگوں کے لئے۔

ایک روز اپنے غلام کے ہمراہ ابو النوار جامہ فروش کے پاس تشریف لے گئے اور دو لباس خریدے اپنے غلام سے فرمایا کہ ان میں سے جو چاہے منتخب کرلے، غلام نے ایک اٹھا لیا اور علی علیہ السلام نے دوسرا

آپ نے اپنے اعمال اور حکام کو جو فرمان اور خطوط لکھے ہیں وہ سب انصاف کے محور پر گردش کرتے ہیں۔

اپنے اور بیگانے سبھی علی علیہ السلام کی مخالفت میں متفق ہو گئے تھے جس کا سبب یہ تھا کہ عدل و انصاف کی منزل میں آپ کو ترجیح نہیں دیتے تھے اور اپنے اعزہ و اقربا کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں فرماتے تھے کسی کی باتیں آپ کے اوپر اثر انداز نہیں ہوتی تھیں اور صرف حق کی بات کو قبول فرماتے تھے۔

جب عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنے اعزہ و احباب اور مخصوصین کو جاہ و ثروت حاصل کرنے کی پوری چھوٹ دے دی اور غلط مشورہ دینے والوں کی پیروی کی۔ مروان سب سے زیادہ ان کے مزاج میں دخیل تھا۔ انہوں نے ابوبکر کی اس حکیمانہ وصیت پر عمل نہیں کیا جو انہوں نے اپنے جانشین عمر کو کی تھی۔ ابوبکر نے کہا تھا کہ "جو لوگ اپنا پیٹ بھرنے کی فکر اور جاہ و دولت حاصل کرنے کی تاک میں ہیں۔ ان کو اپنا مقرب نہ بنانا۔ اس چیز پر فریفتہ نہ ہو جانا کہ یہ رسول اللہ کی صحبت میں بیٹھے ہیں اور آں حضرتؐ کی خدمت سے مشرف ہوئے ہیں۔ ہر شخص کی طبیعت کا جائزہ لینا کہ وہ کیسا انسان ہے"

علی ان حریص لوگوں سے بیزار تھے، چنانچہ جب خلافت آپ تک پہنچی تو چاہا کہ ان کے ساتھ عادلانہ سلوک کریں۔ پس کچھ لوگوں کو معزول کیا اور ایک گروہ کی ہوس ملک و مال پر پابندی لگائی۔

لہ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان دین دوسرے لوگوں سے زیادہ زیردستوں کے حق کا لحاظ رکھتے تھے اور جو لوگ لامذہب بن کر محتاجوں کی حمایت کا اظہار کرتے تھے اور دین کو کمزوروں کے حقوق میں مخل سمجھتے تھے، انہوں نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہرگز وہ برتاؤ نہیں کیا ہے جو علی علیہ السلام فرماتے تھے۔

ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ اسلام کے اصول کو مسخ کرکے اس کو فرمانروائی وحصول جاہ ودولت کا آلۂ کار بنادے اور سلطنت اسلامی کو اپنے خاندان کی موروثی جائداد قرار دے دے۔ علی علیہ السلام نے ان لوگوں سے جنگ کی اور برابر یہ بلند الفاظ ان کے کانوں تک پہنچاتے رہے کہ "میں جانتا ہوں تم کو بغاوت اور شرانگیزی سے کونسی چیز باز رکھ سکتی ہے۔ لیکن جو تمہارے لئے باعث خوشحالی ہے وہ میرے لئے سبب فساد ہے۔"

ان لوگوں کے ساتھ آپ کا معاملہ جس منزل تک پہنچا وہ ظاہر ہے کہ ارباب ظلم وجور مغلوب ہوکر مکروحیلہ سازی سے کام نکالنے لگے، اور علی وپیروان علیؑ کے دلوں میں جذبۂ عدالت نے کامیابی حاصل کی اگرچہ بظاہر یہ حضرات مظلوم ہوئے۔ جب علی علیہ السلام ابن ملجم کی ضربت سے شہید ہوئے تو ایک نخعی عورت ام الہیثم نے آپ کا مرثیہ کہا جس کی ایک یہ بیت حضرت کے بارے میں لوگوں کی رائے اور حضرت کے عدل وداد کی معرفت کو نمایاں کرتی ہے۔

یقیم الحق لا یرتاب فیہ   ویعدل فی العدی والاقربینا

یعنی حق کو قائم کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کرتے اور اپنے بیگانے سب کے ساتھ عدل وداد سے کام لیتے ہیں

صفائی اور بیباکی بزرگ انسانوں کی خصلت ہے اور یہ علی علیہ السلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کیونکہ یہ صفت آپ کی سرشت وعادت اور دوسرے صفات کمال کے ساتھ ایک ہی اصل سے وابستہ تھی۔ صفائی وراستی، بیباکی ومردانگی اور اس طرح کی ساری صفتیں باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اسی بناء پر جو کام انجام دینا چاہتے تھے اس کو پوشیدہ نہیں رکھتے تھے اور اپنے عزم ونیت کے خلاف کسی چیز کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ باوجودیکہ ہر شخص سے بہتر جانتے تھے کہ اگر حیلہ سازی سے کام لیں تو دشمنوں کے شر سے نجات مل سکتی ہے پھر بھی ان کے مقابلے میں مکروفریب سے کام نہیں لیا۔

امام علیہ السلام کے صدق واخلاق کے بارے میں ہم جو کچھ پہلے بیان کرچکے ہیں اس سے حضرت کی صفائی وبیباکی کا پورا ثبوت ملتا ہے اور اس سے بہت سے شواہد وقرائن سمجھ میں آسکتے ہیں۔

آپ کے اصول واخلاق میں سے ایک صفت ہر کام میں سادگی تھی۔ آپ تکلف سے متنفر تھے اور کہتے تھے "سب سے برا بھائی وہ ہے جس کے لئے رنج وتکلیف میں مبتلا ہونا پڑے۔" نیز کہتے تھے: "اگر مومن اپنے بھائی سے تکلف کرے گا تو گویا اس نے اس سے جدائی اختیار کی۔" آپ جو رائے ظاہر فرماتے تھے یا جو نصیحت دیتے تھے یا جو مال عطا فرماتے تھے اس میں خودنمائی کا دخل نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی طبیعت میں یہ خصلت اس قدر راسخ تھی کہ مطلب پرست لوگ کسی حیلہ سے آپ کو اپنے مقاصد کی انجام دہی پر مجبور نہیں کرپاتے تھے۔ چاپلوس اور خوشامدی اشخاص کو آپ اپنی طرف متوجہ کرنے سے مایوس تھے۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ آپ سنگدل اور کج خلق ہیں اور لوگوں پر تکبر کرتے ہیں۔ لیکن امام نہ سنگدل تھے نہ کج خلق اور نہ متکبر، بلکہ بغیر تکلف اور ریاکاری کے جو آپ کی سرشت اور فطرت کا تقاضا تھا اس کا اظہار فرمادیتے تھے۔

جو لوگ آپ کے گرد اکٹھا تھے ان میں سے زیادہ تر ذاتی منفعت کے خواہش مند تھے۔ علی علیہ السلام ان کے بارے میں بد گمان ہوئے اور اپنے سوءِ ظن کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اُن کی طرف سے آپ کا جو خیال تھا اس کا اظہار نہ تکبر سے تھا نہ تملق سے۔

علی علیہ السلام تکبر سے بیزار اور عجب و خود پسندی سے دور تھے بلکہ اکثر اپنی اولاد و اصحاب اور عمال کو غرور و خود پسندی سے منع فرماتے تھے۔ اُن کو نصیحت کرنے میں آپ کے یہ الفاظ بھی تھے کہ "خود پسندی سے پرہیز کرو۔" اور فرماتے تھے۔

"یہ سمجھ لو کہ خود پسندی ایک مذموم صفت اور عقل کے لئے آفت ہے۔"

آپ تکلف سے نفرت کرتے تھے، یہاں تک کہ جو لوگ آپ کی مدح و ثنا میں حد سے بڑھ جاتے تھے ان کو بھی منع فرماتے تھے اور کہتے تھے "جو کچھ تم کہتے ہو میں اس سے کمتر ہوں۔"

کبھی ایسا ہوتا کہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اس کی جو قلبی کیفیت آپ کے علم میں ہوتی تھی اس کو پوشیدہ نہیں فرماتے تھے بلکہ کہہ دیتے تھے کہ "تم اپنے دل میں جو اعتقاد رکھتے ہو، میں اس سے بالاتر ہوں۔"

علی علیہ السلام ان دوستوں کی افراط کو جو آپ کی محبت میں غلو کرتے تھے اسی طرح ناپسند فرماتے تھے جس طرح دشمنوں کی تفریط کو۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "دو قسم کے لوگ میرے بارے میں ہلاک ہوئے۔ افراط سے کام لینے والے دوست اور کینہ رکھنے والے دشمن" اس لئے کہ ہر افراط میں تکلف کے آثار پائے جاتے ہیں۔ نہ متکبر آپ تھے نہ خواہ مخواہ انکسار کیوں کہ دونوں چیزیں تکلف ہیں، بلکہ جیسے تھے اپنے کو ویسا ہی ظاہر کرتے تھے۔ آپ تصنع، ریا اور نفاق سے پاک تھے۔ آپ کا ایسا بے تکلف انسان ملنا دشوار ہے۔ آپ نے خرمے خریدے اور چادر میں باندھ کر گھر کی طرف لے جا رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے دیکھا تو عرض کیا کہ ہم کو دیجئے تاکہ ہم پہنچا دیں، انتہائی سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ گھر کا ذمہ دار ان کو لے جانے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

غلط مشہور ہے کہ مصنوعی تواضع و انکسار فضائل نفس میں داخل ہے جیسا کہ خود ہو اس سے اپنے کو پست ظاہر کرنا جھوٹ اور تکلف ہے۔ علیؑ اس قسم کے متواضع نہیں تھے اور متکبر بھی نہیں تھے۔ بغیر تواضع اور تکبر سے کام لئے جو کچھ تھے اسی کو ظاہر کرتے تھے۔ کیوں کہ یہ دونوں جوانمردوں کی صفتیں نہیں ہیں۔ کتاب "عبقریۃ الامام" کے مصنف کہتے ہیں کہ "علی میدان جنگ میں دشمنوں کے مقابل سر برہنہ تشریف لے جاتے تھے۔ درآں حالیکہ وہ لوگ فولاد و آہن میں غرق ہوتے تھے۔ کیونکر کہا جا سکتا ہے آپ کا یہ عمل ریا و نفاق پر مبنی تھا۔"

علی علیہ السلام کی ایک صفت پاک نفسی تھی۔ کسی شخص سے کینہ نہیں رکھتے تھے اور اپنے انتہائی سخت اور کینہ توز دشمنوں کے لئے بغض رکھنا پسند نہیں کرتے تھے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اپنے فرزندوں اور دوستوں کو اپنے قاتل ابن ملجم کے اقربا کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اپنے دشمن طلحہ کے جنازے پر جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے گریہ کیا اور انتہائی شفقت اور سوز دل کے ساتھ مرثیہ کہا۔ باوجودیکہ خوارج نے امام سے اس قدر دشمنی اور جنگ و جدل روا رکھی تھی اور آپ کا قاتل بھی انہیں میں سے تھا بلکہ ان لوگوں نے معاویہ و عمرو عاص سے کم رنج و اذیت نہیں پہنچائی تھی لیکن حضرت نے اپنے پیروؤں اور اصحاب کو ہدایت

فرمائی کہ میرے بعد خوارج سے جنگ نہ کرنا۔ اس ممانعت کا سبب یہ تھا کہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں اور نادانستہ طور پر گمراہ ہوگئے ہیں۔ حق کے طلب گار تھے لیکن اس کی تشخیص میں خطا کر گئے ہیں برخلاف معاویہ اور اُن کے اصحاب کے جو دیدہ و دانستہ باطل کے طالب تھے اور اس کو حاصل بھی کیا۔

علی علیہ السلام کے اخبار و حالات میں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکتی جو آپ کی کینہ جوئی پر دلالت کرتی ہو۔ ہر حال میں آپ کا اعتماد راستی، درستی، صاف گوئی اور تلوار کی طاقت کے اوپر تھا۔

مردانِ بزرگ کینہ پرور نہیں ہوتے اور ظلم و ناانصافی کو بھی برداشت نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر ظلم کرتا ہے اس سے برہم ہوتے ہیں۔

علی علیہ السلام باوجودیکہ خود کسی سے کینہ نہیں رکھتے تھے لیکن ایک کینہ جو گروہ میں گرفتار تھے۔ آپ کی پُرمغز باتیں آپ کے غم و اندوہ کا پتہ دیتی ہیں، ایسا تلخ اندوہ و غم جو دلسوزی اور مہربانی سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ کو اس کا افسوس تھا کہ لوگ خود ہی اپنا نقصان کیوں کرتے ہیں۔

علی علیہ السلام کی ایک اور صفت جس میں آپ ممتاز تھے اور دوسرے فضائل اس کی تکمیل کرتے تھے اپنے افعال و عقائد کی درستی پر آپ کا اعتماد تھا اور جب کوئی کام انجام دیتے تھے تو اس کی درستی اور اپنی حقانیت کا یقین رکھتے تھے[1] جس وقت جزیرۃ العرب کے نامی پہلوان عمرو ابن عبد ود سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا تھا تو پیغمبرؐ اور اصحاب نے آپ کو اس قصد کے خطرناک انجام سے متنبہ کیا، لیکن آپ نے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی، کیوں کہ اپنی دلیری کے ساتھ دل میں جوش حمایت بھی رکھتے تھے۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ جب دشمن آپ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے تو بغیر کسی محافظ اور نگہبان کے جو آپ سے ان کے شر کو دفع کرے، تنہا نماز میں مشغول ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے آپ کو ضربت لگائی۔ یہی چیز ایک بڑا ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ آپ کو اپنے اعمال کی درستی پر پورا بھروسا تھا۔ کیوں کہ صحیح راستے پر چلنے والا انسان کسی چیز سے خوف نہیں کرتا۔

علی علیہ السلام کی ساری گفتار اور کردار اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے کاموں کی صحت و درستی کا پورا اعتقاد رکھتے تھے اور اس عقیدے میں انتہائی استوار تھے۔ اس لئے کہ آپ کے سارے کام آپ کی عقل اور بلند ترین صلاحیتوں کے ذریعے انجام پاتے تھے۔[2]

[1] اس لئے کہ معصوم تھے اور آپ کے عقائد وحی و الہام سے ماخوذ تھے۔

[2] بلکہ آپ معصوم تھے اور آپ کا ہر قول و عمل وحی و الہام اور احادیث پیغمبرؐ کے ماتحت ہوتا تھا۔ اسی بنا پر آپ کو اپنے خیالات اور اقدامات کی صحت میں کوئی شک نہیں تھا۔ اگر محض عقل و فکر کی بنیاد ہو تو احکام عقل میں خطا ممکن ہے۔

جس وقت لوگ آپ کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ دوست اور ایک گروہ دشمن، تو آپ دشمنوں کی مخالفت سے خوف زدہ نہیں ہوئے اور ان کی سختی کے مقابلے میں سپر نہیں ڈالی کیوں کہ اپنے عدل و راستی پر ایمان رکھتے تھے اور اپنے عمل کی صحت کے معتقد تھے۔ اسی حالت میں فرمایا ہے کہ "اگر میں مومن کی ناک پر تلوار ماروں کہ مجھ کو دشمن رکھے تو وہ میرا دشمن نہ ہوگا اور اگر دنیا کی ساری نعمتیں منافق کے اوپر انڈیل دوں تاکہ مجھ کو دوست رکھے تب بھی وہ میرا دوست نہ ہوگا۔"

اور اسی مقصد کے تحت فرماتے ہیں: "مجھ کو اس سے کوئی خوف نہیں ہے کہ میں تن تنہا ان لوگوں سے جنگ کروں اگرچہ ساری دنیا ان کے لشکر میں جمع ہو جائے۔"

جس وقت یہ سنا کہ مدینے والوں کی ایک جماعت معاویہ سے مل گئی ہے تو سہل ابن حنیف کو جو آپ کی طرف سے عامل مدینہ تھے لکھا کہ "امابعد مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تمہارے شہر کے لوگوں کا ایک گروہ خفیہ طور پر معاویہ سے مل گیا ہے، لیکن تم اس چیز سے غمگین نہ ہونا کہ کچھ لوگ تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تمہاری مدد نہیں کریں گے۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے ظلم و جور سے گریز نہیں کی ہے اور عدل و داد کا دامن نہیں تھاما ہے۔"

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں	مبارک نہ ہو وہ مشکل جس کو حل کرنے کے لئے آپ نہ ہوں
پیغمبرؐ	اے ابوالحسنؑ! — عمر ابن خطاب

امامؑ کی قوّتِ ادراک اور فہم و فراست

علی ابن طالبؑ قوت ادراک میں یگانۂ روزگار تھے۔ علوم اسلامی آپ کے محورِ فکر پر گردش کرتے ہیں۔ آپ عربی معلومات کا سرچشمہ تھے عرب کے اندر کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کو آپ نے وضع نہ کیا ہو یا اس کے وضع میں حصہ نہ لیا ہو۔ علوم تمدنی میں آپ کی بلاغت اور انتہائی مہارت کو ہم اس کے بعد تفصیل سے بیان کریں گے کیوں کہ اس کے لئے علیحدہ سے بحث و تشریح کی ضرورت ہے۔ اس باب میں آپ کی فقہ، قضاوت علم کلام و عربی اسی طرح کے دیگر علوم سے بحث کرتا ہوں۔ لیکن اختصار کے ساتھ، کیوں کہ دوسرے لوگ بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور اس سلسلہ میں گہری تحقیق سے کام لے چکے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے تفصیل اور شرح و بسط سے کہا ہے، اس کو میں اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں اور جس موقع پر انہوں نے اختصار کیا ہے یا کوئی تعرض نہیں کیا ہے اس کی تفصیل دے رہا ہوں۔

پہلے قرآن و حدیث سے آغازِ کلام کرتا ہوں پھر دوسرے علوم کا تذکرہ کروں گا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ علیؑ کے بارے میں

رسولؐ کا یہ ارشاد کہ:

اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اور اس کا دروازہ ہیں.

کیونکر صحیح اترا.

علیؑ نے اپنے پسرِ عم کی تربیت میں پرورش پائی، ان کی شاگردی کی، ان کی عادت اور سیرت کو اپنایا، میراثِ پیغمبرؐ آپ کے دل و دماغ میں پیوست ہوئی. قرآن میں حکیمانہ عقل و نظر کے ساتھ غور و تامل کیا اور اس کے باطن و حقائق کو دریافت کیا، حالاتِ زمانہ نے ایسی صورت اختیار کی کہ قرآن میں غور و فکر کرنے کا آپ کو کافی موقع ملا جتنی مدت تک ابوبکر، عمر، اور عثمان خلافت میں مشغول رہے. آپ کی توجہ قرآن کی طرف رہی، اس کے الفاظ و معانی پر حاوی ہو گئے، آپ کی زبان اسی کے اوپر رواں اور آپ کا دل اسی میں غرق رہا. احادیثِ پیغمبرؐ میں آپ کا علم ایسا تھا کہ کوئی دوسرا آپ کی ہمسری کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں ہے کیوں کہ آپ ہمیشہ پیغمبرؐ کے ساتھ رہے، ہر صحابی اور مجاہد سے زیادہ آں حضرتؐ کی صحبت سے فیض حاصل کیا، جو کچھ دوسروں نے سنا وہ آپ نے بھی سنا اور جو کچھ آپ نے سنا وہ دوسروں نے نہیں سنا. مشہور بات ہے کہ علیؑ نے پیغمبرؐ کے علاوہ کسی اور سے حدیث کی روایت نہیں کی، اس لئے کہ آپ کو اطمینان تھا کہ احادیثِ رسولؐ کا ایک لفظ بھی آپ کے گوش و دل سے مخفی نہیں ہے. آپ سے پوچھا گیا کہ

. کیا وجہ ہے کہ آپ علمِ حدیث میں سارے اصحاب پر فوقیت رکھتے ہیں؟

فرمایا جو کچھ میں پوچھتا تھا آں حضرتؐ اس کا جواب دیتے تھے اور جو نہیں پوچھتا تھا اس کو خود ہی مجھ سے بیان فرماتے تھے.

علی ابن ابی طالب علیہ السلام فقہ اور اسلامی معلومات میں ہر ایک شے سے بالاتر تھے. جیسا کہ ہر ایک سے بہتر اس پر عمل فرماتے تھے. جو لوگ آپ کے عہد میں تھے. انھوں نے آپ سے زیادہ فقیہہ اور آپ سے زیادہ کامل فتوے دینے والا نہیں پایا ابوبکر و عمر ہر اس مشکل میں جس کا حل دشوار ہوتا تھا ہمیشہ علی علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے اور مشورہ میں آخری رائے آپ ہی سے طلب کرتے تھے. یہ دونوں خلیفہ آپ کی رائے اور دانشمندی سے بہت زیادہ مستفید ہوئے اور دوسرے اصحابِ پیغمبرؐ بھی آپ کی طرف رجوع کرتے تھے. کوئی شخص مسائلِ شریعت میں آپ کے برہان سے بہتر برہان پیش نہیں کر سکا.

فقہ میں علی علیہ السلام کا علم صرف نصوص و احکام تک محدود نہیں تھا بلکہ دیگر علوم میں بھی جن کو جاننا فقہا کے لئے ضروری ہے جیسے علمِ حساب وغیرہ، آپ کی مہارت جملہ معاصرین سے زیادہ تھی.

ابوحنیفہ جن کو فقہ میں امام اعظم کہا جاتا ہے اور جو دوسری صدی میں عہدِ امیرالمومنینؑ کے بعد گزرے ہیں، آپ کے شاگرد تھے کیوں کہ جب اپنی فقہ کو جعفر ابن محمد علیہما السلام کے سامنے پیش کیا تو اس کا سلسلہ آپ کے پدرِ بزرگوار سے علی ابن ابی طالب علیہ السلام تک منتہی ہوا. اسی طرح مالک ابن انس بھی چند واسطوں سے علی علیہ السلام کے شاگرد تھے. مالک نے فقہ کو ربیعہ سے

حاصل کیا۔ ربیعہ نے عکرمہ سے، عکرمہ نے عبداللہ سے اور عبداللہ نے علیؑ سے۔ عبداللہ بن عباس سے جو سب کے استاد تھے پوچھا گیا کہ:۔

"آپ کے علم کو آپ کے ابنِ عم کے علم سے کیا نسبت ہے؟" ابنِ عم سے مراد علی علیہ السلام ہیں جواب دیا کہ:۔
"وہی نسبت جو ایک قطرے کو سمندر سے ہو سکتی ہے۔"

صحابہ نے باتفاق پیغمبرؐ سے روایت کی ہے کہ اقضاکم علی یعنی تم سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔
علیؑ علمِ قضا میں زمانے کے سارے انسانوں سے زیادہ ماہر تھے اس لئے کہ قرآن و شریعت کی آگاہی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، اور اسلام کے اندر حکم و قضا کا دار و مدار انہیں دو چیزوں پر ہے۔
فہم و فراست اور قوتِ فکر و خرد میں بھی ایسے تھے کہ اختلاف کے محل میں زیادہ قرینِ صواب اور مطابقِ عقل حکم کو اختیار کرنے کی ہر ایک سے بہتر صلاحیت رکھتے تھے آپ کا وجدان اس قدر قوی تھا کہ ہر پہلو سے صحیح رُخ کو سمجھنے اور عقل و وجدان کی بنیاد پر عادلانہ حکم دینے پر قادر تھے۔ عمر ابنِ خطاب سے منقول ہے کہ:۔

"مبارک نہ ہو وہ مشکل جس کو حل کرنے کے لئے آپ موجود نہ ہوں اے ابوالحسن۔"

علی علیہ السلام حکم و قضا میں دعوے کرنے والوں کی بھی رعایت کرتے تھے اور قوم و عوام النّاس کا بھی لحاظ رکھتے تھے آپ کا یہ دُہرا پاس و لحاظ ایک دوسرے سے وابستہ اور لازم و ملزوم تھا۔ آپ وہ پہلے قاضی ہیں جنہوں نے عوام کے حق کو فلسفی اور حکیمانہ نظریہ سے ثابت کیا اور فرمایا کہ اس حق کی رعایت حاکموں کے فرائض میں سے ہے۔ دعویٰ داروں سے قطع نظر تمام انسانوں کے درمیان عمومی نظم و نسق کی جہت سے بھی عدالت کی رعایت ضروری ہے۔ لوگوں پر کچھ ایسی ذمہ داریاں ہیں جن کو اُس قوم کی اصلاح کے لئے انجام دینا ان کا فرض ہے جس کے اندر وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔
انسانوں کے درمیان ایک قسم کا ربط موجود ہے اور اجتماعی قوانین نے ان کو ایک دوسرے سے متحد کر دیا ہے۔ ان قوانین کا احترام و لحاظ قوم کی اصلاح کے لئے ضروری ہے نہ کہ محض انفرادی اغراض کے لئے۔
علی علیہ السلام نے اپنے احکام اور فیصلوں میں اس اصول کا پورا خیال رکھا ہے جس کی آج کے متمدن لوگ سختی سے پابندی کر رہے ہیں، اجتماعی قوانین اور قومی ارتباط کو قائم فرمایا اور حقوق و فرائض میں سب کو ایک فرد کے مانند سمجھا ہے۔
ایک رات علی علیہ السلام نے ایک آواز سنی کہ کوئی مصیبت زدہ فریاد رس کو پکار رہا ہے، آپ فوراً اس کی طرف دوڑ پڑے اور کہا کہ "فریاد رس آپہونچا"، آپ نے دیکھا کہ ایک شخص نے دوسرے کا گریبان پکڑ کے اس کو روک رکھا ہے جب اس نے آپ کو دیکھا تو اپنے حریف کو چھوڑ دیا اور علی علیہ السلام سے مخاطب ہوکے کہا کہ میں نے اس شخص کے ہاتھ نو درہم قیمت پر کپڑا فروخت کیا اور شرط کو فسخ بھی نہیں کیا۔ اس نے مجھ کو کھوٹے درہم دیئے اور جب میں نے اُن کو بدلنے کے لئے کہا تو اس نے منظور نہیں کیا بلکہ مجھ کو گالی دی اور ایک زوردار تھپڑ مارا۔

علی علیہ السلام نے خریدار سے فرمایا کہ یہ درہم واپس لے کر دوسرے ادا کرو۔ پھر مدعی سے پوچھا کہ اس کے تھپڑ مارنے پر تمہارا کوئی گواہ ہے؟ اس نے ثبوت پیش کیا تو آپ نے مارنے والے کو بیٹھنے کا حکم دیا اور مضروب سے کہا کہ اس سے قصاص لو۔ اس نے کہا میں اس کو معاف کئے دیتا ہوں۔

علی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ مدعی اپنے حق سے دستبردار ہوگیا اور معاف کر دیا تو اس کو قصاص لینے پر مجبور نہیں کیا لیکن اس چیز کو ملحوظ رکھا کہ عام لوگوں کے حق کی رعایت کرنا لازمی ہے اور میرا فرض ہے کہ ظالم گناہگار کو سزا دوں تاکہ افراد کے درمیان انصاف کا رشتہ مضبوط رہے اور قوم کا حق ضائع نہ ہو۔

نیز آپ نے خیال کیا کہ ہر جماعت میں طاقتور اور ظالم اشخاص کافی ہیں جو ضعیفوں کے مال اور حقوق کو زبردستی چھینتے ہیں اور مظلوموں کو خوف یا اپنی کمزوری کی وجہ سے ان کو واپس لینے یا مطالبہ کرنے کی قدرت نہیں ہے اور ان کا حق بھی برباد نہ ہونا چاہیئے، پس میرے سوا کون ہے جو ان کی حمایت کرے اور ان کا عوض لے تاکہ وہ اپنی اجتماعی زندگی سکون سے بسر کر سکیں اور اس کا یقین رکھیں کہ قومی حقوق میں افراد کے اندر کوئی امتیاز نہیں ہے اور ان کے حقوق محفوظ ہیں۔ لہٰذا علی علیہ السلام نے اس مضروب کو چھوڑ دیا اور مارنے والے کا ہاتھ پکڑ کے اسی مضروب کے سامنے اس کے چہرے پر نو طمانچے مارے اور فرمایا "یہ حاکم کا حق ہے"۔

علی علیہ السلام کسی چیز کے ظاہر پر اکتفا نہیں کرتے اور چاہتے تھے کہ تمام امور کی کنہہ اور حقیقت تک پہنچ جائیں قرآن اور دین میں حکیمانہ غور و خوض کیا جس طرح دوسرے مفکر دنیاوی امور میں غور و فکر کرتے ہیں۔

یقیناً علی علیہ السلام کی روح ایسی قدسی قوت رکھنے والا انسان صرف دین کے ظاہرا احکام و فرائض معینہ کی تعمیل اور عبادت کے ظاہری شرائط پر اکتفا نہیں کرتا۔ زیادہ لوگ دین اور معاملات و قضایا کے احکام کو فقط سطحی حیثیت سے دیکھتے ہیں لیکن علی علیہ السلام نے ان کے باطن اور کنہہ و حقیقت پر بھی نظر ڈالی، ان چیزوں کو اپنی فکر و تحقیق اور غور و تامل کا موضوع قرار دیا، اور ثابت کیا کہ دین ایسے اصول و معانی پر قائم ہے جو ایک دوسرے سے مربوط اور وابستہ ہیں۔ اسی سے علم کلام اور اسلامی فلسفے کی تدوین ہوئی علی علیہ السلام پہلے متکلم اور علم کلام کے موجد ہیں"۔

قدیم متکلمین اسی سرچشمے سے سیراب ہوئے کیوں کہ علم کلام کے مبادی اور اصول اُن کو آپ ہی سے پہنچے۔ اور آخر کے متکلمین بھی آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے بھی آپ ہی سے ہدایت حاصل کی۔

واصل ابن عطا فرقہ معتزلہ کا راس و رئیس ہے، یہ اسلام کا پہلا فرقہ ہے جس نے دین میں عقل کو دخل دیا اور کوشش کرتا تھا کہ دینی مسائل عقلی قواعد پر ٹھیک اتریں اور دین کی صحت عقل سے ثابت ہو۔

واصل ابن عطا ابو ہاشم ابن محمد بن حنفیہ کا اور ان کے باپ محمد علی ابن ابی طالبؑ کے شاگرد تھے۔

یہی بات اشاعرہ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کیوں کہ وہ لوگ معتزلہ کے شاگرد تھے جنہوں نے واصل بن عطا سے

اور اس نے چند واسطوں سے علی علیہ السلام سے علم حاصل کیا۔ علم تصوف کی اصل و بنیاد نہج البلاغہ کے اندر ہے۔ اہلِ تصوف مسلمان قبل اس کے کہ یونانی فلسفے سے آگاہ ہوں، علی علیہ السلام کے ارشادات، کو اپنا ماخذ قرار دے چکے تھے، جب کہ ابھی یونان وھند کا فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہی نہیں ہوا تھا۔

مشیتِ الٰہی یہی تھی کہ علی علیہ السلام دینی علوم کے مانند عربی علوم میں بھی رُکن اور مرکز کی حیثیت سے رہیں۔ زمانے بھر کے لوگوں میں سے ایک بھی عربیت میں آپ کا ہمسر نہیں تھا۔ نحو کے کمال، زبان کی فصاحت اور فکر کی قوت نے آپ کو صحیح عربی لغت کے اصول و قواعد مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ اور آپ نے اُن کو دلیل و برہان سے مضبوط کیا۔ منطقی استدلال و قیاس میں آپ کی قدرتِ فکر کو اس چیز سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ علومِ عربی کی بنیاد سب سے پہلے آپ ہی نے قائم کی اور دوسروں کے لئے راستہ ہموار کیا۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ علی علیہ السلام علمِ نحو کے بانی ہیں۔

ایک روز ابوالاسود جو آپ کے اصحاب اور شاگردوں میں سے تھے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ سر جھکائے ہوئے کچھ سوچ رہے ہیں۔

انہوں نے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین آپ کس چیز پر غور فرما رہے ہیں؟

فرمایا۔

میں نے تمہارے شہر (یعنی کوفہ) میں ایک بات ایسی سنی جس کو کہنے والے نے غلط طریقے سے ادا کیا لہٰذا میں نے چاہا کہ زبان عرب کے اصول میں ایک بنیادی کتاب لکھ دوں، اس کے بعد کاغذ کا ایک ورق ابوالاسود کے سامنے ڈال دیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ کلام کی تین قسمیں ہیں۔

اسم، فعل اور حرف الخ

آپ کے اس واقعے کو دوسرے طریقے سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ ابوالاسود نے علی علیہ السلام کے سامنے شکایت کی کہ لوگ کثرت سے غلط زبان بولتے ہیں کیوں کہ جب سے اہلِ عرب فتوحات کے بعد عجم والوں سے گھل مل گئے ہیں۔ ان کی گفتگو میں غلط محاورات داخل ہو گئے ہیں۔

امام نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکایا، اس کے بعد ابوالاسود کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ جو کچھ میں بول رہا ہوں اس کو لکھ لو۔ ابوالاسود کاغذ اور قلم لے کر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا۔

کلام عرب اسم، فعل اور حرف سے مرکب ہے۔ اسم اس چیز کی خبر دیتا ہے جو اس لفظ سے موسوم ہے۔ فعل اس کی حرکت اور عمل کا پتہ دیتا ہے اور حرف اس مفہوم کو بتاتا ہے جو نہ اسم ہے نہ فعل۔

اشیاء کی تین قسمیں ہیں

ظاہر اور مضمر اور وہ چیز جو نہ ظاہر ہے نہ مضمر۔
اور قسم آخر سے آپ کا مقصود بقول بعض نحویین کے اسم اشارہ ہے۔ پھر ابوالاسود سے فرمایا کہ اسی نحو یعنی اسی طریقے پر مطلب کی تشریح اور تکمیل کرلو۔ چنانچہ اسی روز سے اس علم کو علمِ نحو کہنے لگے۔
علی علیہ السلام کے دیگر خصوصیات میں سے اعلیٰ ذہانت اور زود فہمی بھی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دوستوں کی بزم ہو یا دشمنوں کا مجمع، آپ بغیر کسی سابق تیاری اور توجہ کے کوئی ایسا برجستہ حکیمانہ مقولہ اور نفیس بات ارشاد فرماتے تھے جو ضرب المثل بن جاتی تھی اور ایک زبان سے دوسری زبان پر گشت کرتی رہتی تھی۔ مشکل حسابات میں فوراً جواب دیتے تھے جب کہ اس زمانے کے لوگ ان مسائل کو ایسی چیستان اور معما سمجھتے تھے جس کو حل کرنے اور آسان بنانے میں عقل شاذ و نادر ہی کامیاب ہو سکتی تھی۔
روایت میں ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور شکایت کی کہ اس کا بھائی انتقال کر گیا ہے اور اس نے چھ سو دینار چھوڑے ہیں جن میں سے اس کو صرف ایک دینار دیا گیا ہے۔
علی علیہ السلام نے فرمایا۔
شاید تمہارے بھائی کے پسماندگان میں ایک بیوہ، دو لڑکیاں، ماں، بارہ بھائی اور تم ہو؟ اور وہی بات صحیح نکلی جو آپ نے فرمائی تھی [۱]
ایک مرتبہ آپ منبر کوفہ پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ ایک آدمی کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے اپنے بعد ایک بیوی، باپ، ماں اور دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ علی علیہ السلام نے فوراً جواب دیا کہ زوجہ کا آٹھواں حصہ نویں حصے سے بدل جائے گا اور اس مسئلے کو فریضہ منبریہ کہا گیا اس لئے کہ حضرت نے منبر پر یہ فتویٰ دیا تھا [۲]

---

[۱] یہ حساب اس اصول پر مبنی ہے کہ زائد فریضے کو اہلِ فریضہ پر تقسیم نہ کریں بلکہ بعد والے طبقے کو دے دیں اور اس کو فقہ میں تعصیب کہتے ہیں۔ اس کا حساب اس طریقے سے ہے کہ چھ سو دینار کو چوبیس حصوں پر تقسیم کریں تو ہر حصہ پچیس دینار کا ہوتا ہے۔ پس ۲۴ حصوں میں سے تین حصے یعنی پچھتر دینار جو ترکے کا آٹھواں حصہ ہے زوجہ کو سولہ حصے یعنی چار سو دینار یا ترکے کا دو ثلث لڑکی کو اور چار حصے یعنی سو دینار یا ترکے کا چھٹا حصہ ماں کو دیں گے۔ باقی رہے پچیس دینار تو ان کو بارہ بھائیوں اور ایک بہن کے درمیان تقسیم کریں گے اور بہن کا حصہ ایک دینار رہو گا۔

[۲] یہ مسئلہ عول پر مبنی ہے اور فقہ کی کتابوں میں سے تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ جب ہم مال کو چوبیس حصوں پر تقسیم کریں گے تو زوجہ کو تین حصے یعنی ترکے کا آٹھواں حصہ باپ اور ماں دونوں کو چار چار حصے یعنی ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اور لڑکیوں کو سولہ حصے یعنی دو ثلث ملیں گے جن کا مجموعہ ستائیس حصے ہو گا حالانکہ مال کے چوبیس حصے کئے گئے ہیں۔ اور اس کلام کے ماتحت جو حضرت سے نقل کیا گیا ہے مال کو ستائیس حصوں پر تقسیم ہونا چاہیئے جن میں سے زوجہ کو تین حصے ملیں گے جو ستائیس کا نواں حصہ ہوتا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۵ پر دیکھیں)

علی علیہ السلام حکیم اسلام تھے۔ حکمت، عقل وبصیرت، قوی ادراک اور استنباط کی قوت سے وجود میں آتی ہے اور حکیم وہ شخص ہے جو بہت سے معانی ومطالب کو مختصر عبارت میں اداکرے اور اپنے قول پر کاربند ہونے کی کوشش کرے۔

علی علیہ السلام حکمائے اسلام بلکہ یگانۂ روزگار افراد بشر میں ایک بلند منزل رکھتے ہیں۔

علی علیہ السلام کا ایسا انسان بہت مشکل سے مل سکتا ہے جو نظری اور عقلی مطالب کو اپنی دماغی قوت سے استنباط کرکے ان کو نفیس اور مختصر جملوں کے ذریعے اس طرح بیان کر جائے کہ زمانہ ان کو محفوظ رکھے اور وہ ضرب المثل بن جائیں۔

اسلامی علوم ومعارف نے علوی حکمتوں سے اپنی تصویروں میں انسانیت کا رنگ جذب کیا اور ان سب کا سرچشمہ یہی دو ہستیاں تھیں، محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام۔

امام علیہ السلام نے اسرارِ ہستی انسانی زندگی اور جماعت بشری پر فیلسوفانہ نظر ڈالی اور توحید والہیات اور ماوراء الطبیعۃ میں آپ کے بکثرت اقوال موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں آپ علم کلام اور الہیات کے بانی ہیں ایک ایسے استاد ہیں کہ جو شخص بھی آپ کے بعد آیا اور اپنی کوئی رائے یا قول رکھتا ہے اس نے آپ کی استادی اور رہبری کا اعتراف کیا ہے۔ نہج البلاغہ میں اس قدر حکمت کے موتی پروئے ہیں کہ اس نے آپ کو زمانے کے فیلسوفوں کی پہلی صف میں سب سے آگے لا کھڑا کیا ہے جب محمد صلعم نے فرمایا کہ "میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے مانند ہیں" تو اس سے دراصل آپ کی مراد علیؑ تھے۔

(حاشیہ بقیہ صد ۵۴)

جاننا چاہیئے کہ مذکورہ بالا دونوں مسئلوں میں سے کسی کا جواب مذہب اہلبیت علیہم السلام کے موافق نہیں ہے اور وہ حضرات جو خود فرزندان امام تھے۔ اپنے جد کے مذہب کو ہر ایک سے زیادہ جانتے تھے۔ (اگران دونوں روایتوں کو صحیح سمجھا جائے تو غالباً حضرت نے مسائل کے مسالک کی بنا پر جواب دیا ہے)۔

علیؑ اور حقوقِ انسان

اپنے غیر کے بندے نہ بنو دراں حالیکہ
خداوندِ عالم نے تمہیں آزاد قرار دیا ہے
خبردار ایسی چیزوں میں ترجیحی حقوق نہ
چاہو جس میں تمام لوگ برابر کے حقدار ہیں۔
وہ گناہ جو نا قابلِ عفو ہے وہ بندوں
کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔
میں مظلوم کا انصاف اس کے ظالم
سے کر کے رہوں گا
بندگانِ خدا پر ظلم انتہائی بُرا ہے
دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو
اپنے لئے پسند کرتے ہو اور دوسروں کے لئے بھی
وہ نہ چاہو جو اپنے لئے نہیں چاہتے۔
بدبخت ترین راعی وہ ہے جس کی وجہ سے
اس کی رعیت مبتلائے بدبختی ہو۔
بدخلق کسی افسری کا سزاوار نہیں اور جس کی
ایذا رسانی کا تمہیں اندیشہ نہ ہو اسے بھائی بنانے
کی کوشش کرو۔ (الامام علیؑ)

دشوار آزمائش

قسم بخدا قبل اس کے کہ میرے خلاف گواہی دی جائے
میں خود حق کا اعتراف کرتا ہوں۔

ہمارا معاملہ بہت سخت و دشوار ہے۔ ہماری باتیں امانت دار سینے اور دوربین عقلیں ہی سمجھ سکتی ہیں۔ الامام علیؑ

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے انسانوں کے حقوق اور انسانی معاشرہ کی نیک بختی کے لئے ایسے مستحکم و استوار اصول مقرر کئے اور ایسے نظریات پیش کئے جن کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں۔ آج کل جتنے سماجی و اجتماعی علوم مروج ہیں سبھی ان اصول و نظریات کے بڑی حد تک مؤید ہیں۔ ان جدید اجتماعی علوم کے چاہے جتنے نام رکھے جائیں اور خواہ کتنی ہی مختلف شکلوں میں پیش کیا جائے سب کی غرض و غایت بس ایک اور فقط ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسانوں کو ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھا جائے اور ایسے سماج کی تشکیل کی جائے جو انسان کے حقوق کی بہتر طریقے سے حفاظت کرے اور جس میں انسانی شرافت پوری طرح ملحوظ رہے۔ گفتار و کردار کی آزادی اس حد تک محفوظ ہو کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔

حالات و کیفیات روزگار سماجی و اجتماعی علوم کی ایجاد میں بہت بڑا اثر رکھتے ہیں۔ یہ حالات و کیفیات روزگار ہی ہیں جو ان اجتماعی علوم کو کبھی کسی صورت میں پیش کرتے ہیں کبھی کسی صورت میں۔

جب ہم گذشتہ زمانہ کی تاریخ پڑھتے ہیں اور گوناگوں واقعات پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی دو جماعتیں اور دو مختلف افکار و نظریات میں ہمیشہ سے تصادم ہوتا چلا آ رہا ہے، ایک جماعت استبداد مطلق العنانی۔ عوام کے حقوق کو غصب کرنے اور آزادی کو سلب کرنے کے درپے رہی۔ دوسری انصاف کی خواہاں جمہوریت کی دلدادہ اور عوام کے حقوق کی حفاظت اور آزادی کی طلب گار رہی۔ گذشتہ زمانہ میں مفید انقلابی تحریکیں ہمیشہ مظلوموں کی طرف سے اٹھیں اور مصلح ہمیشہ انہیں میں سے پیدا ہوئے تاکہ ظلم و زیادتی کا خاتمہ کریں اور عدل و انصاف کی بنیادوں پر حکومت قائم کریں جو عقل کے بھی موافق ہو اور سماج کے حالات و کیفیات کے بھی مناسب۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ حقوقِ انسانی کی تاریخ میں بہت بڑی منزلت اور شان رکھتے ہیں۔ ان کے نظریات و افکار اسلام سے وابستہ و پیوستہ تھے، ان کے نظریات و افکار کا نقطۂ مرکزی یہ تھا کہ استبداد کا خاتمہ ہو اور لوگوں کے درمیان طبقاتی تفاوت دور ہو۔ جس شخص نے بھی علیؑ کو پہچانا اور انسانی برادری کے متعلق اُن کے عقائد و نظریات کو سمجھا اور ان کے ارشادات سُنے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ علیؑ جفا پیشہ افراد کی گردنوں پر کھنچی ہوئی تلوار تھے۔ ان کی تمام تر توجہ عدل و انصاف کے قواعد استوار کرنے پر مرکوز تھی۔ ان کے افکار ان کے آداب اور ان کی حکومت اور سیاست سبھی چیزیں اسی کے لئے وقف تھیں جہاں بھی کسی ظالم نے لوگوں کے حقوق پر دست درازی کی کمزور و ناتوان انسانوں کو حقیر و ذلیل سمجھا اور ان کے فلاح و بہبود کو نظر انداز کیا اور ان کے ناتوان کاندھوں پر اپنا بار ڈالا، علیؑ نے اس کے ساتھ سخت جنگ کی۔

امام کے ذہن کی پرورش ہی اس فکر کے ساتھ ہوئی کہ عدل و انصاف کی اس طرح ترویج ہو کہ انسانوں کے حقوق محفوظ رہیں مساوات قائم ہو اور کسی طبقہ کے لوگوں کو دوسرے طبقہ کے افراد پر امتیاز و تفوق حاصل نہ ہو تاکہ ہر شخص اپنا حق حاصل کر سکے۔ آپ

کی آواز عدلِ عام کی ترویج کے لئے مسلسل بلند رہی اور آپ کا ذرہ اس کے لئے ہمیشہ سرگرمِ عمل رہا۔ آپ نے انسان کی قدر و قیمت اونچی کی اور اس کے بچاؤ کے لئے ہر لمحہ کمربستہ رہے۔ آپ کی حکومت اس زمانہ میں بہترین نمونہ رہی۔ ایسی حکومت کا جو عدل گستر، حقوقِ خلائق کی محافظ اور اپنے ہر ممکن ہر وسیلہ سے اپنے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والی ہو۔

امام کے ذہن میں ہر چیز سے زیادہ یہ حقیقت واضح تھی کہ آج کا سماج دھوکہ فریب اور نقصان کی بنیادوں پر قائم ہے۔ بہت ضروری ہے کہ اس کی اصلاح و درستی کی جائے اور آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ کس طرح اور کتنی مدت اور عرصہ میں اس معاشرہ کو صحیح صورت میں لایا جا سکتا ہے، آپ کو یوں تو ہر قسم کی بھلائی کی فکریں رہتیں اور آپ سبھی کو عمل میں لانے کے درپے رہتے مگر جتنی فکر اس بات کی رہتی کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ انہیں سنوارا جائے۔ کسی بات کی نہ رہتی۔ اس امر کی کوشش و سعی میں کوئی چیز آپ کے لئے رکاوٹ نہ بن سکی۔ کینہ پرور اور بدخواہ افراد کی سازشیں اور متحدہ کوششیں بھی آپ کو اس کام سے نہ روک سکیں۔ آپ کے دل میں اس سے بڑھ کر اور کسی بات کی تمنا نہ تھی کہ کسی حق کو قائم کریں اور باطل کو نیست و نابود کریں اور آپ سے بڑھ کر حق و باطل کی تمیز کرنے والا کون ہو سکتا تھا۔

علیؑ نے ٹھیک اندازہ کیا اور اپنے اندازہ کے مطابق بے خوف و خطرہ کام کرنے پر آمادہ ہو گئے رفاہِ عامہ کے کسی کام میں انہیں تمرد لاحق نہ ہوا ہر ہی وقت، کوئی نہ کوئی عامل یا والی رعیت پر ظلم کرتا، علیؑ خاموش نہ بیٹھتے نہ انہوں نے چشم پوشی کی آپ نے جس کسی کو دیکھا کہ اس نے حکومت برحق کے مقابلہ میں گروہ بندی کی ہے۔ اس کے ساتھ سستی نہیں برتی۔ اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیریں دشمن تو دشمن کبھی کبھی دوستوں کی مرضی کے بھی خلاف ہوتیں مگر آپ، ان کی پرواہ نہیں کرتے۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ بہتر زندگی بسر کرنے کا حق ہر انسان کے لئے برقرار رہے۔ لوگ دو قسموں میں منقسم نہ ہوں ایک انتہائی شادکام و مسرور دوسرا انتہائی ملول و دل گرفتہ۔

علی کی دوررس عقل نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ لوگوں کو دو طبقوں میں تقسیم کرنا اور ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ پر ترجیح دینا انتہائی قبیح اور اس کا انجام بے حد بُرا ہوگا۔ اس سے عقلیں معطل ہو جائیں گی۔ نفوس میں خباثت پیدا ہو جائے گی۔ فیصلوں میں اور معاملات میں ظلم اور زبردستی اور فسق و فجور عام ہوں گے۔ پھر تمام برائیاں اور ہر قسم کے فساد پھوٹ پڑیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زندگی کی کوئی امنگ باقی نہ رہے گی اور لوگ باہم بدبین و بدخواہ ہو جائیں گے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا اور باہمی عداوت کی انتہا نہ رہے گی اور انجام کار یہ ہوگا کہ معاشرہ تباہ اور سماج ویران ہو جائے گا جب تک کہ انسانی سوسائٹی میں اس طرح کے دو طبقے ہوں گے ان کے درمیان تصادم ناگزیر ہے اور بے شمار جانیں اس تصادم کی بھینٹ چڑھ جائیں گی۔

حضرت عثمان کے خلافت کے آخری زمانہ میں ملک کے سربرآوردہ اکابر خصوصاً بنی امیہ کے افراد کا جو حضرت عثمان کے خاندانی اعزہ اور رشتہ دار تھے۔ یہ دستور ہو گیا ہے کہ اسلامی طریقوں کی اعلانیہ مخالفت کرتے عوام کو ذلیل و رسوا اور ان کے ساتھ غلاموں جیسا برتاؤ کرتے اور ان کے دل میں حاکم کی اتنی دہشت بٹھا دیتے کہ کسی کو حاکم کے سامنے کھڑے

ہونے کی ہمت نہ ہوتی وہ ان کی جانوں سے بھی اسی طرح کھیلتے جس طرح اُن کے حقوق سے کھیلتے وہ اپنی ذاتی منفعت کے لئے عوام کا خون تک بہانے سے دریغ نہ کرتے اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اپنا انتقام لے سکے۔ انہیں نہ رشوت لینے میں کوئی باک تھی نہ دوسروں کے مال و متاع لوٹ لینے میں انہیں کوئی جھجک تھی۔

ان کی مسلسل کوششیں رہیں اور حالات و آثار بھی اس کی آگاہی دے رہے تھے کہ ان کے ارادے کیا ہیں؟ وہ لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگیں، ان کے حقوق کو پامال اور ان کے عہود و مواثیق کو شکست و ریخت کرنے والے ہیں۔ یہ خلافت کو ملوکیت و بادشاہت سے بدل دیں گے اور اسلامی جمہوریت کو شخصی مطلق العنانی اور فرد واحد کی آمریت سے تبدیل کر دیں گے۔ اس جماعت کے لوگوں کی حالت، علی کی سخت منصفانہ روش اور اپنی ذاتی ہوا و ہوس کے درمیان قمار بازوں جیسی تھی۔ ایک طرف علیؑ پوری مستعدی اور اپنی تمام توانائیوں سمیت عدل و انصاف رائج کرنے پر کمر بستہ تھے دوسری طرف ان لوگوں کی اپنی تمنائیں تھیں کہ حکومت و ریاست، ہمارے ہاتھ میں ہو اور دنیا بھر کے مال و دولت کے ہم مالک ہو جائیں۔ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان وہ جواریوں جیسی چال چلتے رہے۔ اس امید میں کہ کب پانسہ اپنے ہاتھ لگے اور ہم ایسا انقلاب پیدا کر دیں کہ سارے منافع ہم ہی میں منحصر ہو کر رہ جائیں۔ یہ لوگ بدترین ہوا و ہوس دل میں لئے تاک میں تھے کہ کب موقع ملے اور ہم اسلامی عدل و انصاف کا خاتمہ کر دیں اور سیاسی بُت پرستیوں کو پھر سے زندہ اور استوار کریں۔

اس میں شک نہیں کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ نے جو فرض اپنے ذمہ لیا تھا وہ بہت ہی سخت و دشوار تھا۔ گوناگوں اسباب و علل اور پیچیدہ حالات نے علیؑ کو اتنی مشکلوں میں ڈال دیا تھا جن سے عہدہ برآ ہونا آسان بات نہ تھی، اس وقت کی تہ و بالا دنیا، انقلابی کیفیت، دل سہما دینے والے واقعات اور علیؑ کی ذمہ داریاں اتنی عظیم و سنگین، کہ خلافت اور دین اسلام کی بقا انہیں پر منحصر ان گتھیوں کو سلجھا کر اور ان مشکلات سے نپٹ کر علیؑ نے وہ کارنامہ انجام دیا کہ عالم پر آپ کی خوبیاں ہویدا ہو کر رہیں اور دنیا کو معلوم ہوا کہ عامہ کے حقوق کا کس قدر آپ کو پاس و لحاظ تھا، ذاتی اور اجتماعی فضائل کی ترویج میں کس قدر عزم راسخ رکھتے تھے اور اپنے پیش نظر مقاصد کو کتنے صبر و تحمل اور ضبط و طاقت سے پایۂ تکمیل تک پہونچانے والے انسان تھے۔

علیؑ کی زحمت و صعوبت ٹھیک پیغمبر خدا کی زحمت و صعوبت جیسی تھی جبکہ آنحضرتؐ نے اعلان رسالت فرمایا اور قریش والے آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے تھے۔ ایک طرف حق و انصاف تھا، عدل و مساوات تھی، دوسری طرف خیانت نفع خواہی اور خود پرستی تھی۔ پیغمبرؐ حق و انصاف اور عدل و مساوات کو رواج دینا چاہتے تھے اور قریش والے خیانت نفع خواہی اور خود پرستی پر کمر بستہ تھے۔

علی ابن ابی طالبؑ کو بھی ایسی ہی زحمت و دشواری پیش ہوئی۔ مگر یہ زحمت و دشواری دوسروں کی نظر میں تھی۔ علیؑ تو ایسے تھے کہ بڑی سے بڑی زحمت اور سخت سے سخت دشواری بھی انہیں بال بھر اپنے مقصد سے منحرف نہیں کر سکتی تھی۔ علیؑ کو خداوند عالم نے جیسی قوت تحمل و طاقت برداشت دی تھی۔ اگر کسی دوسرے کو نصیب ہو جائے تو اس کے لئے بھی ہر دشواری آسان ہے علی کے لئے اگر کوئی چیز ناقابل برداشت تھی تو بس ایک بات اور وہ یہ کہ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ رہیں۔ عدل و انصاف کو رائج نہ

کریں. آزادی کی روح کو کچل ڈالیں اور فضائل کی تخم ریزی سے باز رہیں۔

حضرت محمد مصطفٰےؐ نے ابوسفیان، ابولہب، حمالۃ الحطب، ہند جگر خوارہ اور تاجرانِ قریش کے کانوں میں وہ صدا پھونکی جس سے ان کی بنیادیں منہدم ہوگئیں در و دیوار شکست و ریخت ہوئے اور چھتیں زمین پر آ رہیں لیکن یہی آواز مسلمانوں اور غریب و بے بس افراد کے لئے نوید جانفزا اور پیام مسرت تھی۔ آپ نے فرمایا۔

یاعم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ واھلک فیہ ما ترکتہ۔

چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں اس شرط پر میں دعوتِ اسلام سے باز رہوں تو میں ہرگز باز نہ رہوں گا۔ یہاں تک کہ خداوندِ عالم اس دین کو غالب کرکے رہے یا میں اپنی جان دے دوں۔

ایک دن معززین قریش نے پیغمبرؐ سے کہا! اگر تم یہ بنیادیں مال و دولت کی غرض سے لائے ہو تو ہم تمہارے لئے اتنی دولت اکٹھا کر دیں گے کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر فضیلت و شرف کے لئے لائے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں، اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں بادشاہ تسلیم کئے لیتے ہیں. آپ نے جواب میں فرمایا۔

ما جئتکم بما جئتکم بہ لا اطلب اموالکم ولا الشرف فیکم ولا الملک علیکم ولکن اللہ بعثنی الیکم رسولا وانزل علی کتابا وامرنی ان اکون لکم بشیراً و نذیراً فبلغتکم رسالات ربی فان تقبلوہ فھو حظکم فی الدنیا والآخرۃ وان تردوہ علی اصبر لامر اللہ حتی یحکم بینی وبینکم

دعوتِ اسلام سے میری غرض نہ تو مال و دولت ہے نہ شرف و بزرگی نہ اس لئے کہ میں تمہارا بادشاہ بن بیٹھوں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ خداوندِ عالم نے مجھے تمہاری طرف رسول بناکر بھیجا ہے مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں عذابِ خدا سے ڈراؤں اور جنت کی بشارت دوں. میں نے خدا کے پیام تم تک پہنچا دیئے اگر تم قبول کروگے تو دنیا و آخرت میں نصیبہ ور ہوں گے اور اگر ٹھکرا دوگے تو میں صبر کروں گا. یہاں تک کہ خدا میرے اور تمہارے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمائے

علیؑ نے کیا کیا؟ ان کا طرزِ عمل انہیں ابوسفیان و ہند جگر خوارہ کے فرزند کے ساتھ اور ان تاجروں کے ساتھ جو جاہ و مناصب خریدتے اور فروخت کرتے رہتے اور اس فوج و لشکر کے ساتھ جو اندھے بن کر دوسروں کے فائدہ کے لئے اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے اپنے دین و عقیدہ کو باطل کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا. کیسا رہا؟ علیؑ نے بھی ان کے کانوں میں وہ صدا پھونکی جس سے ان کے گھروں کی بنیادیں منہدم ہوگئیں. در و دیوار ٹوٹے اور چھتیں شکست و ریخت ہوگئیں اور نیکوکار و صالح انسانوں کے لئے یہی آواز نویدِ مسرت اور پیامِ راحت تھی۔ آپ نے فرمایا۔

اسفلکم اعلاکم واعلاکم اسفلکم واللہ ما امرت ما امر نجم نجماً، وایم اللہ لانصفن المظلوم من ظالمه ولاقودن الظالم بخیر امنه حتی اوردہ منهل الحق وان کان کارها واللہ انی لاعترف بالحق قبل ان اشهد علیه واللہ ما ابالی ادخلت علی الموت او خرج الموت الیٰ۔ (نہج البلاغۃ)

تمہارے زیردست زبردست ہیں اور زبردست زیردست ہیں۔ جب تک ستارے گردش میں ہیں، میں کبھی انصاف کے خلاف حکم نہ کروں گا، خدا کی قسم میں مظلوم کا ظالم سے ضرور انصاف کروں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر حق کی طرف کھینچ لاؤں گا چاہے اسے کتنا ہی ناگوار گذرے۔ خدا کی قسم قبل اس کے کہ میرے خلاف گواہی دی جائے خود حق کا اعتراف کرلیتا ہوں۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں خود اپنے پیروں سے موت کی طرف جا رہا ہوں یا موت میری طرف آرہی ہے۔

ایک دن کچھ معززین نے علی سے کہا کہ ہم قوم کے معززین ہیں۔ آپ نے فرمایا:

الذلیل عندی عزیز حتیٰ اخذ الحق له والقوی عندی ضعیف حتیٰ اخذ الحق منه

"ذلیل میرے نزدیک عزت والا ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق وصول کرلوں اور عزت والا میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کرلوں۔"

علی نے اپنی زبان سے نکلی ہوئی باتوں کو کس حد تک عملی جامہ پہنایا اور ان کا معاملہ لوگوں کے ساتھ کہاں تک پہنچا؟

"یہاں سے"

"قریب ہے کہ ناداری کفر سے بدل جائے" (محمد مصطفےٰ ص)

"خداوند عالم نے اپنے بندوں کو فقر و ناداری سے بڑھ کر
کوئی سخت سزا نہ دی ہوگی" (علی ابن ابی طالب)

"مجھے حیرت ہے کہ اس شخص پر جس کے گھر کھانے کو نہ ہو وہ
کیوں نہیں تلوار لے کر لوگوں پر پل پڑتا" (ابوذر)

علی ع نے کائنات پر گہری نظر ڈالی، ہر گوشہ پر نگاہ کی، کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا، نظر کرتے وقت ان کی نگاہ لوگوں کے ذاتی حقوق پر بھی رہی اور اجتماعی حقوق پر بھی کسی چیز سے وہ غافل نہ رہے۔ انہوں نے لوگوں کو عالم کی خوبصورتی اور عجائب خلقت کی طرف متوجہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ افراد اور جماعت دونوں کو ان کے حقوق سے واقف بنایا تاکہ بزرگ ترین سعادت اور خوشش بختی انہیں ہاتھ لگے۔ انہوں نے فردِ واحد کے حقوق بھی بیان کئے اور جماعت کے حقوق بھی اس طرح کہ افراد کو چاہیئے کہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا کر ایک دوسرے کی مدد کر کے معاشرہ اور سماج کی بقا اور اس کی سعادت کے لئے کوشاں ہوں تاکہ اس کا فائدہ خود انہیں افراد کو حاصل ہو۔

انسان خود تین چیزوں سے مرکب ہے، نفس، بدن، عاطفہ، بدن کا بھی حق ہے اور ضروری ہے کہ اس کے حق کا بھی پاس و لحاظ کیا جائے کیوں کہ وہ انسان کا جزو مادی ہے۔

علی ع نے جن کی کوششیں تہذیب نفس اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول پر مرکوز رہتیں اس کی بھی کوشش کی کہ معاشرہ کی بنیاد عقل و انصاف پر رکھیں اور انسانوں کی مادی اور دنیوی زندگی کے لئے عادلانہ قوانین مقرر کریں۔

ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ تطہیر قلب اور پسندیدہ سیرت کی تحصیل کی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں اور ان کی فکر و وجدان کی اس طرح پرورش کریں اور اپنی تربیت سے ایسا بنا دیں کہ خود ہی وہ لوگ ناپسندیدہ اخلاق کو اپنے سے دور کر کے اپنے کو صفات حسنہ سے آراستہ کریں، لیکن پسندیدہ سیرت کی تحصیل اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک تن کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی میسر نہ ہو اور جب تک عدل و انصاف نہ ہو وسائل معاش کا عامہ خلائق کے ہاتھ لگنا محال ہے لہٰذا اصلاح اور درستی کی ابتدا اس طرح کرنا چاہیئے کہ انسان کی زندگی کی ضروری چیزیں پہلے فراہم ہوں، روٹی کپڑے کی طرف سے پہلے اطمینان ہو جائے ان کی فراہمی کے بعد ہی تہذیب نفس اور شائستہ اخلاق کے حصول کی طرف لوگوں کا متوجہ ہونا ممکن ہوگا۔ علی ع کا مطمح نظر خلافت کے پہلے بھی یہی تھا اور خلافت کے بعد بھی یہی رہا۔

وہ مزدور جو دن بھر کڑی مزدوری کرے اور اسے اس کی محنت کے لحاظ سے مزدوری نہ ملے۔ اس کی مزدوری مہاجن اور ساہوکار کھا جائیں بھلا ایسے مزدور کے لئے عالم کے خوشنما مناظر سے لطف اندوز ہونا اور قدرت حق کی نشانیوں پر نظر کرنا کہاں ممکن ہے

اسے تو خود اپنی زندگی بیکار معلوم ہوتی ہے۔ اس کے دل میں فضائل و مکارم کی طرف رغبت کیا پیدا ہوگی۔

مجبور و بے بس اور ستم دیدہ افراد جو حکام کے تازیانوں کے نیچے رہ کر اپنے جینے کو فضول سمجھتے ہیں جو خود اپنی غذا اپنے حاکموں کے حوالے کر کے بھوکے رہتے ہیں وہ حاکم جو ان غریبوں کی خدمت اور آسائش کے لئے ہوتا ہے مگر وہ ان غرباء کے مال کو لوٹ لیتا ہے اور ان کی جانوں کا مالک ہوتا ہے کہ جو چاہے برتاؤ کرے ایسے مجبور و ستم رسیدہ افراد کیا سمجھ سکتے ہیں کہ تہذیبِ نفس کے کیا معنی ہیں؟

وہ غریب و نادار افراد جو ایک درہم تک پاس نہیں رکھتے مگر خراج وصول کرنے والا ہے عیاش اور فضول خرچ حاکموں کے خزانوں کو بھرنے کے لئے ان کی مشکیں کس کر ان کا مال و اسباب ضبط کر لیتا ہے حالاں کہ ان غریبوں کے پاس ایک روٹی بھی بھوک مٹانے کو نہیں ہوتی نہ انہیں اپنی جان و مال کی طرف سے اطمینان نصیب ہوتا ہے اور اگر حاکم کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالیں تو جان سے ہاتھ دھوئیں۔ ایسے غریبوں کو کہاں اس کا موقع کہ وہ عالمِ وجود کے اسرار اور باریکیوں پر غور و فکر کریں۔ اور اپنی سیرت سنوارنے کے لئے کوشاں ہوں۔

وہ شخص جسے تہی دستی نے ہر اچھائی سے دور کر دیا ہو ناداری نے اس کے دل کا سکون خاک میں ملا دیا ہو جسے کسی چیز سے دلبستگی باقی نہ رہی ہو ستمگروں نے جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے ہوں رہائی کی کوئی راہ اسے نصیب نہ ہو۔ ایسے شخص کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ راست گفتار اور پاک دل ہو۔ فضائل سے آراستہ اور رشک و حسد و بغض سے پاکیزہ ہو اور قوانینِ خیر و تقویٰ اسے منحرف نہ ہو۔

وہ شخص جس کے دل میں بھوک نے آگ بھڑکا رکھی ہو اور یہ آگ اس کے جسم کا ایک ایک قطرۂ خون جلاتی اور اس کے دل کی ایمانی حرارت ختم کرتی جا رہی ہو۔ جو آگ اس کی محبت کو گہری عداوت اور شدید کینہ سے بدل دے اور اس کی دلجمعی و سکونِ خاطر کو طرح طرح کی بد گمانیوں اور نت نئے اندیشوں سے تبدیل کر دے ایسا شخص کب اس قابل رہتا ہے کہ وہ زندگی کی خوشنمائی و دلکشی سے لطف اندوز ہو اور اس کے دل میں لوگوں کی عدالت کا اعتقاد باقی رہے وہ اپنے بھائیوں کا نیک خواہ ہو اور اپنے خویش و اقارب کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔

احساسِ کمتری اور چاکری کی بھاری زنجیروں نے جس شخص کے ہاتھ پیر باندھ رکھے ہوں جو شخص اپنی ذات کو بے مصرف اور فضول سمجھتا ہے اور بے چارگی کے احساس نے جس کے دل میں کوئی ولولہ ہی باقی نہ رکھا ہو۔ ایسا شخص کیسے کسی کے ساتھ محبت کر سکتا ہے؟ وہ شخص جو ایک روٹی کے لئے محتاج ہو اس کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیر و تقویٰ سے متصف ہو کیونکہ روٹی ہر طبقہ کے لئے سب سے پہلے سہارا ہے صلاحتی کا یہی روٹی سکونِ دل کا باعث ہے اور یہی روٹی انسان کو احساس اور فکر پر آمادہ اور آداب و اخلاق اور دوسروں کے ساتھ شرافت سے پیش آنے کی پابند بناتی ہے۔

حاجت براری اور ناداری سے نجات ہی وہ زینہ ہے جو انسان کو پستی و بدبختی سے نکال کر بامِ سعادت تک پہنچاتی

ہے ۔ ناداری وتہی دستی انسان کے جذبات کو سلا دیتی ہے، نادار افراد اپنے ہی شہر میں اپنے کو اجنبی سمجھتے ہیں۔ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ زمین ہماری زمین نہیں یہ شہر ہمارا شہر نہیں ۔ نہ ہمارے عزیز ہمارے عزیز ہیں نہ ہم کسی مفید کام کے لائق ہیں ۔

چونکہ نادار و محتاج انسانوں کے نزدیک عمل نیک، سیرت پسندیدہ اور صفاتِ حسنہ ان کی ذات کے لائق نہیں اس لئے ناداری سے محفوظ ہونے ہی کی صورت میں ایسے افراد کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ وہ اپنے کو بھی کوئی چیز سمجھیں اور اپنی اہمیت کے قائل ہوں، اسی ناداری سے محفوظ ہونے کے بعد پستی اور بیکار محض ہونے کا احساس ان کے دماغوں سے نکل سکتا ہے اور وہ اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ ہم بھی نیکوکار اور صاحبِ صفاتِ پسندیدہ ہو سکتے ہیں، اسی صورت میں ممکن ہے کہ حسد و کینہ کے جذبات ان کے دلوں سے دور ہوں ۔

وہ منافق تھے جو کہا کرتے تھے کہ لوگوں کے درمیان امن و امان قائم رہنے کی واحد صورت یہ ہے کہ لوگ دو طبقوں میں باقی رہیں ایک وہ جو شکم سیر ہوں دوسرے وہ جو بھوکے ہوں، شکم سیر کے لئے ضروری نہیں کہ زندگی کے تقاضوں کے آگے سر جھکائے وہ زندگی جو سب ہی جانداروں کے لئے پیاری ہے، نہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی حالت اور لوگوں کی حالت میں تبدیل و تغیر کا خواہشمند ہو۔ بس جس نظم پر دنیا چلی آ رہی ہے اسی نظم پر چلتی رہے، اسی طرح منافقین کے نزدیک بھوکوں کا یہ حق بھی نہیں ہے کہ وہ اپنا چھنا ہوا حق طلب کریں نہ اس لقمہ کے لئے واویلا کریں جو ان کے منہ سے چھین کر سرمایہ داروں کے دسترخوان کی زینت بنا دیا جائے۔

اگر کوئی بھوکا اپنا چھنا ہوا حق طلب کرے اور اس روٹی کے لئے جھگڑنے پر آمادہ ہو جو اس کی اولاد کے منہ سے چھین لی گئی ہو تو وہ کافر اور فسادی ہے اس نے امن کی زندگی بسر کرنے والوں کی راحت میں خلل ڈالا۔

یہ منافقین عیش و عشرت کے وسائل محفوظ رکھنے اور بھوکے اور ننگے لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے نت نئے ڈھنگ سے کام لیتے تھے۔ ہر زمانہ میں ان منافقین نے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ زمانہ بعید میں بھی اور زمانہ قریب میں بھی سب سے نمایاں ہتھکنڈہ ان کا دینی احکام کی غلط تاویل و تفسیر تھی۔ یہ چیز صرف مسلمانوں ہی سے مخصوص نہیں اس میں ہر قوم و مذہب کے منافقین برابر کے شریک ہیں۔ بدھ مذہب کے بھی یہودی مذہب کے بھی نصرانی بھی مسلمان بھی۔

سب سے آسان حربہ جس سے ان منافقین نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ہمارے پیغمبروں نے زہد و پرہیزگاری کی دعوت دی ہے۔[۵]

---

۵ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

لذائذ و نعمات دنیوی سے بے پروائی برتنے پر زور دیا ہے فقر و فاقہ کو بہتر سمجھا اور جد و جہد کے بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے اور قناعت کی زندگی گذارنے کی ترغیب دی ہے۔

منافقین اس کا بہت زور شور سے چرچا کرتے اور عوام الناس کو ترغیب دلاتے ہیں صرف اس لئے تاکہ دوسرے

حاشیہ از صفحہ ٦٤

لہ ۔ چونکہ ترک دنیا اور زہد کے فضائل و احکام قرآن مجید و احادیث میں بکثرت مذکور ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو دیکھ کر کسی دماغ میں یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ دنیا اور اس کی طلب کلیۃً شریعت اسلام میں ممنوع ہے لہٰذا یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زہد کے درجات مختلف ہیں۔ نیز انبیاء و اولیا اور خاصان خدا کے فرائض ان کے مناصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے عامۃ الناس سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک عوام خلق اللہ کا تعلق ہے اُن کو جس قسم کے زہد کی ہدایت کی گئی ہے اس کی تعریف اور اس کے حدود کی تعیین بھی صاف طور سے کر دی گئی ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا ہے۔

الزهد بين الكلمتين من القران قال الله سبحانه لكيلا تاسوا على ما فاتكم الخ

حقیقت زہد قرآن مجید کے دو جملوں میں ہے خداوند عالم نے فرمایا "پس جس آدمی کو گئی ہوئی چیز کا غم نہ ہوگا اور آنے والی شے کی خوشی نہ ہوگی۔ وہ پورا زہد حاصل کرے گا۔

ارشاد الٰہی ہے۔

يا ايها الذين امنوا لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين (مائدہ)

اے ایماندارو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔

قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده والطيبات من الرزق

(اے پیغمبرؐ ان سے) کہو کہ زینت کی وہ چیزیں جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے کی پاک اشیاء آخر کس نے حرام کی ہیں۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خدا کے حرام کئے ہوئے خبائث کا حلال قرار دینا جائز نہیں اسی طرح اس کی حلال کی ہوئی پاکیزہ اشیاء اور اسباب زینت کا حرام کرنا اور اُن کے ترک استعمال کا عہد کر لینا بھی ناجائز ہے اس طرح کے عہد یا قسم کا شرعی طور پر انعقاد نہیں ہو سکتا۔

حضرت امیر المومنین کے ارشادات ہیں۔

الزهد في الدنيا قصر الامل وشكر كل نعمة والورع عن محارم الله (جامع السعادات)

(باقی حاشیہ صفحہ ٦٦ پر)

محروم رہیں اور ہمارے گھر زر و جواہر اور مال و اسباب سے بھر جائیں اور ہم خوب داد و عیش و عشرت دیں۔

ان جھوٹے دعووں اور غلط پروپاگنڈوں کے مقابلہ میں ضروری ہے کہ ہم حق کو واضح کریں تبھی وہ بنیاد و اساس معلوم ہو سکتی ہے جس پر علیؑ کی سیاست قائم تھی اور جس کی بنیادوں پر آپ نے اپنے دستور کی عمارت کھڑی کی۔

یہ صحیح ہے کہ مہاتما گوتم بدھ بڑے قناعت پسند اور زاہد بزرگ تھے۔ انہیں عیش و آرام سے کوئی دلچسپی نہ تھی نہ لذائذ و نعمات دنیوی کی کوئی رغبت، وہ مختصر سے مختصر آب و طعام اور لباس و ضروریات زندگی پر اکتفا کرتے تھے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ کنفوشیس چین کے حکیم و فلسفی اور پیغمبر ذاتی طور پر زہد کو بہت محبوب رکھتے تھے اور دنیاوی عیش و آرام کے اسباب اپنے لئے اتنا ہی کافی سمجھتے تھے جس سے کئی کئی گنا اسباب خود ان کے چاہنے والے اور ان کی رقت کے معتقد اپنے لئے کافی نہیں سمجھتے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ سقراط جاڑے اور گرمی دونوں میں ایک ہی لباس پہنتے۔ کنکر پتھر کی سختی ننگے پیر رہنے سے انہیں

بقیہ حاشیہ از صفحہ

• زہد فی الدنیا، آرزوؤں امیدوں کو گھٹانا، ہر نعمت کا شکر ادا کرنا، خدا کی جانب سے جو چیزیں حرام کی گئی ہیں ان سے پرہیز کرنا ہے۔

ان الزهد فی الدنیا لیس باضاعة المال ولا تحریم الحلال بل الزهد فی الدنیا ان لا تکون بما فی یدك اوثق منك بما عند الله (جامع السعادات)

زہد فی الدنیا یہ نہیں ہے کہ مال کو ضائع کیا جائے بلکہ معنی زہد یہ ہیں کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تم کو ان اسباب دنیا پر نہ ہو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں

امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اگر کوئی شخص روئے زمین کی ساری کائنات لے لے اور اس سے مقصود خدا کی خوشنودی اور رضا جوئی ہو تو وہ زاہد ہے اور اگر ساری کائنات زمین کو چھوڑ دے اور رضائے الٰہی اس کی مراد نہ ہو تو وہ زاہد نہ ہوگا (جامع السعادات)

کسی نے امیر المومنینؑ سے پوچھا کہ زہد فی الدنیا کیا ہے۔ فرمایا کہ حرام دنیا سے منھ موڑنا۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا کے ممدوح یا مذموم ہونے کا مدار انسان کی نیت دلدادہ پر ہے اگر تحصیل دنیا کے مقاصد انسانیت کے اعلیٰ مقاصد ہیں تو وہ قابل مدح اور وسیلہ آخرت ہے اور اگر مقاصد کسب دنیا پست نظری پر مبنی اور محض نفسانی اغراض تک محدود ہیں ان سے حیوانی جذبات کی تسکین کے سوا کوئی اور مقصد اعلیٰ پیش نظر نہیں تو قابل مذمت و نفرت ہے (اسلام کا معاشی نظام مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ زنگی پوری)

نہیں روکتی۔ نہ سردی وگرمی کی شدت انہیں مجبور کرتی تھی کہ اپنے برہنہ سر وسینہ کو لباس سے ڈھانکیں وہ اپنی زندگی میں ایک دن بھی آرام وچین پر مائل نہ ہوئے نہ آرام دہ نشست کے طالب ہوئے بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ کئی کئی دن بھوک و پیاس میں کاٹ دیئے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ عیسیٰ بن مریم جیسا کہ حضرت علیؑ نے اُن کی تصویر کشی کی ہے۔ تکیہ کے طور پر اینٹ استعمال کرتے، موٹا کھردرا کپڑا پہنتے نامرغوب غذائیں نوش کرتے، ان کی نان خورش گرسنگی تھی، ان کا چراغ چاند کی روشنی تھی جاڑے کے دنوں میں ان کے سایہ آفتاب کی دھوپ تھی۔ اُن کا پھل اور ان کی خوشبو صحرا کا سبزہ تھا۔ بیوی کوئی تھی ہی نہیں جو انہیں اپنی زلفوں کا اسیر بنائے۔ نہ کوئی فرزند تھا جس کے لیے وہ محزون ہوں نہ کوئی مال تھا جس پر ان کی توجہ مرکوز ہو نہ کوئی طمع تھی جو انہیں ذلیل کرے ان کی سواری ان کے دونوں پیر تھے اور ان کا نوکر ان کے دونوں ہاتھ تھے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے پیروں سے دنیا نکال کر ان کے غیروں کے قدموں تلے بچھا دی گئی تھی۔ لذائذ دنیوی اُن سے روک دیئے گئے تھے اور دنیاوی زیب وزینت کے سامان ان پر حرام تھے۔ وہ انتہائی زاہد اور دنیا سے بے نیاز انسان تھے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھاتے اور تھوڑا بہت کھاتے بھی تو موٹا جھوٹا وہ دنیا سے ایسے گئے جیسا کہ ابوذر کا بیان ہے۔

"آں حضرتؐ نے ایک دن میں دو قسم کے کھانوں سے کبھی اپنا پیٹ نہیں بھرا جب آپ کھجوروں سے پیٹ بھر لیتے تو پھر روٹی نہیں کھاتے اکثر ایسا بھی ہوتا کہ کئی کئی مہینے آپ کے گھر روٹی پکنے کے لیے چولہا نہیں جلتا۔"

یہ بھی صحیح ہے کہ خود حضرت علیؑ دنیاوی ساز وسامان سے صرف دو چادریں اپنے لئے کافی سمجھتے تھے اور طعام وغذا سے صرف دو روٹیاں۔ اور مکان کا ایسا جو فقیروں سے مخصوص ہے۔ آپ کے زہد وقناعت کے واقعات بے شمار ہیں اور اتنے مشہور ہیں جن کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کے رفیق ابوذر غفاری جَو کی روکھی سوکھی روٹیوں پر قناعت کرنے والے انسان تھے وہ خود بھی یہی جَو کی سوکھی روٹیاں کھاتے اور ان کے بال بچے بھی۔ وہ بھی اسی پر راضی اور خوش رہتے اور پوری طرح مطمئن۔

یہ تمام باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں مگر ان باتوں کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے اور وہ بات بھی اپنے مقام پر صحیح ہے اور وہ یہ کہ آپ حضرات تعلیم وہدایت خلق کے ذمہ دار تھے۔ رہبری ورہنمائی کے بلند منصب پر فائز، اس منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اور اسی ذمہ داری کے احساس کی بنا پر وہ قلیل سے قلیل آب وغذا اور مختصر سے مختصر سامانِ معیشت کو اپنے لئے کافی سمجھتے تھے۔ زندگی اور اس کی لذتوں سے اُن کے دل مطمئن اور آسودہ تھے مگر ہر شخص ان کے ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ نہ وہ زحمتیں برداشت کر سکتا ہے جو وہ برداشت کرتے

نہ وہ روشنی کسی کے دل میں ہو سکتی ہے جو ان کے دلوں کو منور اور ان میں سرگرم عمل ہونے کا ولولہ پیدا کرتی تھی۔ پھر دوسروں کی فکر اور امت کی غمخواری کی وجہ سے انہیں اپنی غذا اپنے لباس اپنے عیش و آرام کی پرواہ ہی نہ ہوتی تھی لہ

لہ غریبوں کی ذہنیت و خیال کو بلند رکھنے اور مفلسی کی کلفت سے بچانے کے لئے حکومتِ الٰہیہ و سلطنتِ ربانیہ کے نمائندوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں۔ معیار معیشت ادنیٰ سے ادنیٰ انسانوں کے برابر بلکہ ان سے کمتر رکھیں۔ نہ امیرانہ جاہ و جلال ہو نہ سرمایہ دارانہ تمکنت نہ شاہانہ شان و شوکت نہ حاکمانہ و رئیسانہ طرز زندگی بلکہ وہ مسکین ہوں اور مسکینوں کے ساتھ بے تکلف بیٹھنے والے اور سیرت نبویہ مسکین جالسا مسکینا پر چلنے والے۔

آنحضرت کے سیر و آداب کے ذیل میں مروی ہے آپ نے فرمایا:۔

"میں پانچ باتوں کو مرتے دم تک نہ چھوڑوں گا غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا اور دنبیوں کو اپنے ہاتھ سے دوہنا۔ بالوں کے کپڑے پہننا اور بچوں کو سلام کرنا تاکہ یہ بات میرے بعد سنت بن جائے۔"

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے۔

خداوند عالم نے مجھے خلق کا امام بنایا ہے تو مجھ پر یہ بات فرض کر دی ہے کہ اپنے ذاتی آسائش اور کھانے پینے میں اتنی تنگی کروں کہ طرز زندگی غریبوں کی طرح ہو جائے تاکہ فقرا میری فقیرانہ طرز زندگی کی پیروی کریں اور اغنیا اپنی مالداری کے بل بوتے پر سرکش نہ بن سکیں۔

علامہ مجلسیؒ نے اپنے اس کلام امامؑ کی شرح میں فرمایا ہے:۔

حاصل یہ ہے کہ محتاج جب اپنے امامؑ کو دیکھے گا کہ ادنیٰ درجہ کی معیشت پر راضی ہیں تو وہ بھی اپنی فقیری و مفلسی پر رضامند ہو جائے گا۔ اسی طرح سرمایہ دار جب ان کو فقیرانہ طرز زندگی میں دیکھے گا تو اس کی سرمایہ داری اس کو سرکشی پر نہ مائل کر سکے گی اور وہ یہ جان لے گا کہ اگر مالداری میں کوئی خیر و خوبی ہوتی تو امامؑ اس کے لئے اولیٰ ہوتے اور اس خیر و خوبی کو نہ چھوڑتے۔

ایک طویل روایت میں ہے:۔

"عاصم نے عرض کی اے امیر المومنینؑ پھر کس وجہ سے آپ نے بے مزہ کھانے اور موٹے کپڑوں پر اکتفا کی ہے؟ تو فرمایا کہ خدا نے آئمہ عدل کا یہ فریضہ قرار دیا ہے کہ طریقہ زندگی کو ضعیف الحال غریبوں کے برابر رکھیں تاکہ فقیر کو ان کا فقر ہلاک نہ کر دے۔

(باقی حاشیہ صہ ۶۹ پر دیکھو)

اسی کے ساتھ اس کو ملا لیجئے کہ ان رہنمایانِ عالم کے جسموں میں وہ طاقت و قوت ہوتی تھی جو دوسرے کے جسم میں نہ ہوتی چنانچہ مہاتما گوتم بدھ جیسا کہ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں۔ اپنے زمانہ میں تمام اہلِ ہنود سے زیادہ طاقت ور تھے، سقراط یکہ تازِ میدان شجاعت اور بڑے مشہور جنگ آزما تھے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی جیسی جسمانی طاقت تھی سبھی کو معلوم ہے۔ بہرحال یہ حضرات جسمانی طاقت کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیت رکھتے ہوں یا نہ ہوں ایک بات ایسی ہے جس کی اہمیت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جن لوگوں نے ان رہنمایانِ عالم کی زندگی کا مطالعہ اور ان کے حالات کا تجزیہ کیا ہے انہوں نے سب سے پہلے اس حقیقت کا اندازہ کیا ہوگا کہ یہ حضرات انقلاب کے علمبردار تھے اور ان کے مقاصد انقلاب سے وابستہ تھے اپنے یہاں کے عوام الناس سے، انہوں نے جو کچھ کیا عوام الناس کی بھلائی کے لئے کیا اور انہیں کی مدد سے کیا۔ انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے انہوں نے وہی طریقے اختیار کئے جو ان کے ملک کے لوگوں کے حالات کے مناسب تھے۔ ان انقلابات کے علمبرداروں میں بعض وہ تھے جو انقلاب دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ جیسے سقراط، عیسیٰؑ بن مریم اور علیؑ ابن ابی طالبؑ اور بعض وہ تھے جن پر دشمنوں کا کوئی بس نہ چل سکا جیسے مہاتما گوتم اور حضرت محمد مصطفےٰ[۴۹]

انقلاب کے علمبرداروں کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ عیش و عشرت سے بہرہ اندوز ہوں کیوں کہ مزاج انقلاب انہیں اس بات کا موقع ہی نہیں دے سکتا تھا کہ وہ عیش و عشرت میں پڑیں۔ عیش و عشرت سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے سب سے ضروری چیز سکون و اطمینان ہے اور یہ سکون و اطمینان انہیں نصیب نہ تھا۔

دوسری بات یہ کہ انقلاب کے دشمن کا ٹکراؤ سب سے پہلے اسی سے ہوتا ہے جو علمبردارِ انقلاب ہوتا ہے وہی اولین نشانہ ہوتا ہے ان کا جب تک وہ انقلاب لانے میں کامیاب نہ ہو جائے اس کی جان کے لالے

حاشیہ بقیہ از صفحہ ۶۸

علامہ مجلسی اس کلام امامؑ کی شرح میں فرماتے ہیں۔

یعنی امام عادل پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو لباس و غذا میں ضعیف الحال غریبوں کے مشابہ بنائیں تاکہ اہلِ فقر ہلاک نہ ہوں جب کہ وہ دیکھیں کہ ان کے امام انہیں کی ہیئت و صورت میں رہتے ہیں اور انہیں کے ایسے کھانے کھاتے ہیں تو یہ بات لذاتِ دنیا سے محرومی پر ان کے لئے وجہ تسلی بنے گی اور نفسانی خواہشوں پر صبر کرنے کا داعی اور ذریعہ۔" (اسلام کا معاشی نظام مؤلفہ مولانا محمد رضی صاحب زنگی پوری)

عہ اس کتاب کا مصنف عیسائی ہے اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جناب عیسیٰ نے یہودیوں کے ہاتھوں سولی پائی (باقی صفحہ ۷۰)

پڑے رہتے ہیں۔ وہ مظلوم و مقہور ہوتا ہے جب تک اسے غلبہ نصیب نہ ہو۔ لہٰذا ایسے مظلوم و مقہور شخص کے لئے جس کے جان کے لالے پڑے ہوں کیسے ممکن ہے کہ وہ لذائذ دنیوی سے بہرہ اندوز ہو اور دنیا کی راحتوں کا طلبگار ہو تو یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے مقصد انقلاب کو حاصل کرے یا پھر انقلاب سے دستبردار ہی ہو جائے۔

پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ علمبرداران انقلاب آزاد و خود مختار تھے۔ انہیں آزادی حاصل تھی کہ جس طرح کی زندگی چاہیں بسر کریں اور جس قدر ضروریات زندگی کو اپنے لئے کافی سمجھیں اس پر قناعت کریں کسی کو ان پر اعتراض کا حق نہیں تھا کہ فلاں چیز اپنے لئے کیوں پسند کی اور فلاں چیز کیوں نہیں۔ انہوں نے زہد و قناعت کی زندگی خود اپنے لئے پسند کی تھی دوسروں کو مجبور نہیں کیا تھا کہ تم بھی پسند کرو۔

اب ان راہنمایان عالم کے زہد کے متعلق جو اقوال ملتے ہیں ان پر ہم ایک نظر ڈالتے چلیں۔

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ انبیاء کرام اور انہیں جیسے راہنمایان عالم اور مصلحین روزگار علمبرداران انقلاب تھے ہر ایک نے اپنے زمانہ اور اپنے ماحول کی مناسبت سے انقلاب لانے کی کوشش کی اور دشمنان انقلاب سے متصادم تھے۔

یہ بات معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ محرک انقلاب ایک اپنی اکیلی ذات سے انقلاب نہیں لا سکتا بلکہ اسے مددگاروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی حمایت پر کمربستہ ہوں اور اس کی طرف سے دشمنان انقلاب سے لڑیں ایسی صورت میں ضروری ہے کہ جیسی زندگی ان مددگاروں کی ہو ویسی ہی قائد انقلاب کی بھی ہو۔ اس کی حالت بالکل ان کی حالت جیسی ہو یہی سب سے بڑا سبب تھا ان کے زہد و ورع اور لذائذ دنیوی سے ان کی بے نیازی کا اور اسی وجہ سے وہ دوسروں کو بھی قناعت کی ترغیب دلاتے تھے تاکہ ان کی تمام تر توجہ انقلاب کی حمایت پر مرکوز رہے۔ وہ جہاد پر کمربستہ رہیں عیش و راحت میں پڑ کر کسلمند نہ ہو جائیں اور نہ انقلاب کی تحریک کامیاب ہی نہیں ہو سکتی۔

تو ان راہنمایان عالم کے یہ جو چند اقوال ملتے ہیں زہد و قناعت کے متعلق تو ان کی حیثیت ایک وقتی علاج کی تھی مخصوص ماحول اور مخصوص وقت کے لحاظ سے اور مخصوص افراد سے متعلق تھے۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ لوگ ہمیشہ فقر و فاقہ ہی کی زندگی بسر کریں اور دنیا سے برابر کنارہ کش ہی رہیں۔

رہنمایان عالم نے دنیاوی زیب و زینت سے پرہیز اور عسرت و کلفت کی زندگی کو دستور عام نہیں قرار دیا تاکہ تمام لوگ ان کی پیروی کریں نہ انہوں نے مختصر سامان حیات پر قناعت کرنے کو واجب بتایا کہ دوسرے لوگ جو طاقت برداشت نہیں رکھتے وہ بھی مختصر سامان حیات ہی پر قناعت کے لئے مجبور ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کی انقلابی تحریکات

(حاشیہ از صفحہ ۶۹) اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے حسب ارشاد خداوند عالم وما قتلوہ وما صلبوہ یہودیوں نے نہ تو جناب عیسیٰؑ کو سولی دی نہ انہیں قتل کیا بلکہ ایک دوسرا شخص جسے قدرت نے عیسیٰؑ کی شبیہ بنا دیا تھا۔ سولی دیا گیا۔

کی کوئی غرض وغایت نہ ہوتی اور نہ اربابِ دولت وثروت اور پشتینی رئیس ان کے دشمن ہوتے۔

نہ یہ بات سمجھ ہی میں آنے والی ہے اور نہ قابلِ قبول ہی ہے کہ مہاتما گوتم بدھ یا حضرت مسیح یا حضرت محمد مصطفےٰ ایسے معاشرہ میں انقلاب پیدا کریں جس میں ایک ظالم ہو اور دوسرا مظلوم ایک پیٹ بھرا ہو دوسرا گرسنہ۔ وہ اس معاشرہ کی بنیادیں درہم وبرہم کردیں اور اس میں نہ اپنی جان کی پرواہ کریں نہ اپنے اعوان وانصار کی جان کی۔ یہ نصب العین بنادیں کہ یا تو اس معاشرہ میں انقلاب برپا کرکے رہیں گے یا پھر اپنی جان نثار کردیں گے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ پھر اسی حالت پر پلٹ جائیں جو حالت پہلے موجود تھی اور ان لوگوں کو زہد وپرہیزگاری اور دنیا سے بے نیازی کی ترغیب دیں تاکہ وہی امتیاز وتفاوت لوگوں کے درمیان باقی رہے جو پہلے تھا۔ پیٹ بھروں کو اور پیٹ بھرنے کی ترغیب دیں اور ناداروں کو ناداری کے فضائل گنوائیں۔

راہنمایانِ عالم کی زندگی اور ان کی تعلیمات ان منافقین کی بخوبی قلعی کھول دیتی ہیں جو زہد وتقشف اور فقر کی طرف لوگوں کو ترغیب دلاتے اور ایسے ایسے فقروں سے جو زیادہ تر ان کے من گھڑت ہوتے ان چیزوں کی مدح سرائی کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ فقرے انہوں نے اپنے ہی سے گڑھے اور گڑھ کر ان راہنمایانِ عالم کی طرف منسوب کردیئے ہیں۔

ان راہنمایانِ عالم کی تعلیمات وزندگی سے ہمارے اس خیال کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ان حضرات نے خود تو زاہدانہ زندگی بسر کی لیکن انہوں نے دوسروں کو اس کی دعوت نہ دی۔ خود دنیاوی زیب وزینت سے بے تعلق رہے لیکن عوام الناس کے لئے یہی چاہا کہ وہ خوش حال ہوں انہیں عیش وآرام میسر ہو۔ ان میں نہ کوئی فقیر ہو نہ نادار نہ کمزور نہ ضعیف نہ ظالم ہو نہ مظلوم ان کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ ایک منصفانہ اجتماعی زندگی باقی رہے جس میں سب برابر کے حقدار ہوں اور مل جل کر شریفانہ زندگی بسر کریں۔

مہاتما گوتم بدھ نے عمل پر جو زور دیا ہے وہ اسی لئے کہ لوگ نیک بخت اور خوش حال ہوں نہ اس لئے کہ لوگ فقر وفاقہ کی زندگی بسر کریں اور ناداری کی آگ میں جلیں جیسا کہ ان کے بعض عقیدت مند بیان کرتے ہیں۔ یہ عقیدت مند لوگوں کی ناداری وبدبختی کے اسی طرح ذمہ دار وجواب دہ ہیں جس طرح روحانی بدبختی کے۔

مہاتما گوتم بدھ تو فرماتے ہیں کہ "دوسروں کی مدد کرو اور اپنے دلوں کو ان کی محبت کے ساتھ کشادہ کرو"

کنفیوشیش حکیم فقر وناداری پر گویا لعنت کرتے اور زندگی سے جھنجلاہٹ اور برہمی کو اسی فقر کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"انسان کے لئے بے تکبر الدار ہونے سے زیادہ مشکل ایسا نادار ہونا ہے جسے ناداری پر جھنجلاہٹ نہ ہو"

اس بزرگ مرتبہ انسان نے اپنی تعلیمات میں زیادہ تر لوگوں کو اپنی مادی زندگی سنوارنے کی ترغیب دی ہے۔ روحانیت

کے پرستاروں کے لئے بھی ایسا نہیں کہ انہوں نے مادی صورتوں کو مستحسن ظاہر کیا ہو

حضرت عیسیٰ بزرگ ترین انقلابی فرماتے ہیں،

"تنہا روٹی پر انسان زندہ نہیں رہ سکتا"

مطلب یہ ہے کہ صرف روٹی ہی پر انسان کی گذر نہیں ہو سکتی اسے اور دوسرے ضروریات زندگی کی بھی ضرورت ہے۔ یہ فقرہ بین ثبوت ہے اس کا کہ حضرت مسیح روٹی کی شان کو بہت اہمیت دیتے تھے اور ضروریات کی تکمیل اور اسبابِ حیات کا میسر ہونا ہر فضیلت کی بنیاد و اساس سمجھتے تھے۔

حضرت مسیح نے اپنے اس فقرے سے جو مطلب واضح کرنا چاہا ہے وہ ان جاہل تن پروروں کی توجیہ و تاویل کے بالکل مغائر ہے جن کا دلی مقصد یہ ہے کہ دوسروں کو روٹی سے محروم کر کے اپنا اور اپنے عزیزوں کا اور اپنے حوالی موالی کا گھر بھر لیں جو کہتے ہیں کہ لوگ مشقتیں جھیلیں۔ زحمتیں اٹھائیں اور اپنی روٹی کا ہل گداؤں اور آرام طلب فقیروں کو دے دیں تاکہ اس داد و دہش سے خداوندِ عالم راضی و خوشنود ہو۔

ان جاہل تن پروروں نے حضرت عیسیٰؑ کے قول کی جو توجیہ و تفسیر کی ہے اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ لوگ روٹی کے لئے محنت مشقت کرنی چھوڑ دیں یا یہ کہ محنت مشقت تو کریں مگر کھائیں نہیں اس لئے کہ دنیا خالی ہے اور حقیقی عیش آخرت ہی میں ممکن ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا تو یہ مطلب ہے کہ روٹی کو بنیاد قرار دیا جائے اور بنیاد قرار دے کر اس پر غور کرو کہ تنہا روٹی ہی پر انسان کی بسر نہیں ہو سکتی بلکہ روٹی حاصل کرنے کے بعد تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم روح کی پاکیزگی و صفائی اور دل کے سکون کا سامان بھی ڈھونڈھو۔

حضرت مسیح کا یہ پیغام بہت بڑا انقلابی اقدام تھا۔ ان ریاکار لٹیرے کاہنوں حاکموں اور دین کی تجارت کرنے والوں کے خلاف جو ناداروں کی محنت و مشقت سے دادِ عیش و عشرت دیتے اور ان کا خون چوس کر اپنا پیٹ بھرتے۔ اس بزرگ ترین انقلابی حضرت مسیح کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ روٹی پانی اور لباس تمام انسانوں کو پوری طرح میسر ہونا چاہیے چنانچہ آپ نے یروشلم کے معززین و اشراف اور وہاں کے کاہنوں اور شاہانِ روم کے درباریوں کی ان کے بھرے مجمع میں بہت بے خوفی سے توصیف کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہ لوگ بڑے بڑے بوجھ جن کا اٹھانا انتہائی شاق ہو باندھتے ہیں اور اسے لوگوں کے کاندھوں پر دھر دیتے ہیں اور خود اپنی انگلیوں سے بھی اس بوجھ کو جنبش دینا گوارا نہیں کرتے۔ یہ ہر کام صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظر ان پر پڑے۔ یہ اپنے رشتہ داروں سے منہ موڑے رہتے ہیں۔ کپڑوں کے دامن کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ شادی کی محفلوں میں مسند کے پاس اور جلسوں میں اوّلین نشست پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں بازاروں میں لوگ ان کو سلام کریں اور ہمارے آقا ہمارے آقا کہہ کر ہمیں پکارا جائے"

حضرت مسیح ان منافقین کی نماز قبول نہیں فرماتے کیوں کہ یہ دوسروں کی محنت کھاجاتے اور اُن کو ان کی روٹی کے حق سے محروم کر دیتے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"تم پر تباہی ہو اے ریاکارو! کیوں کہ تم بیواؤں کے گھر جاتے ہو اور کسی علت ہی کے سبب اپنی نمازوں کو طول دیتے ہو۔"

بیواؤں کا گھر کہتے وقت مسیح کی نگاہوں میں ان گھروں کی تصویر تھی جن میں نادار اور بھوکے انسان رہتے ہیں۔ فقر و ناداری حضرت عیسیٰؑ کے نزدیک وہ لعنت تھی جس نے روم کی شہنشاہیت اس کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے لشکروں، اس کے قوانین اور اس کے سامراجی مظالم سے اسی طرح ٹکرلی جس طرح یروشلم کے کاہنوں، وہاں کے اشراف و امراء اور ان کی عادات سے ٹکرلی اور ان کو نکال باہر کر کے ایسے لوگوں کو جگہ دی جو بھوکوں کی روٹی نہیں کھاتے تھے۔ نہ پیاسوں کا پانی پی جاتے تھے۔ نہ دوسروں کی محنت کا پھل کھاتے۔ نہ روم سے آکر اُن کے شہروں میں اپنی نوآبادی قائم کرتے۔ ان کے شہر نہیں تھے۔

بزرگ ترین انقلابی انسان جس نے حیاتِ انسانی کی عظمت کے اظہار کے لئے اپنے کو انسان کا فرزند کہا جس کی خواہشوں کو عبادات کے تاجروں نے غلط معنی پہنائے تاکہ لوگوں کو محتاج رکھ کر منافع سمیٹتے رہیں۔ اسی بزرگ نے ان لٹیروں پیٹ بھر عوام کے دشمنوں اور بھوکوں کا لقمہ اور محنت کشوں کی محنت کا ثمرہ چھین کر کھا جانے والوں پر یہ دائمی لعنت برسائی اور بہ بانگِ دہل انہیں ان لفظوں سے خطاب کیا کہ:۔

"اے اژدہوں کی اولاد"

وہ بزرگ ترین انقلابی جس نے حیاتِ انسانی کی عظمت کے اظہار کے لئے اپنے کو انسان کا فرزند کہلایا۔ اسی نے احمق قرار دیا ان تمام لوگوں کو جو انسان کی خدمت نہ کریں۔ چاہے ان کی منزلت لوگوں میں انتہائی امرِ مقدس اور مذہبی معاملات جیسی کیوں نہ ہو چنانچہ جب آپ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت ایک بہت بڑے کاہن کی سرکردگی میں آئی۔ ارادہ یہ تھا کہ آپ کا امتحان لیں اور گھما پھرا کر انہوں نے یوم السبت (سنیچر کے دن) کی بات نکالی تو آپ نے ان کے سردار کو خطاب کر کے فرمایا:۔

"اے ریاکار..."

یہودی سردار پر جیسے بجلی گر پڑی اپنے لباس کے اندر کانپنے لگا حضرت مسیح نے فرمایا:۔

اے ریاکار انسان سنیچر کا دن انسان کے لئے پیدا کیا گیا، انسان سنیچر کے دن کے لئے نہیں پیدا ہوا۔

اسی طرح خود تمام عبادتیں سارے مذہبی طریقے سب ہی چیزیں حضرت مسیح کے نزدیک انسان کی خدمت کے لئے پیدا ہوئیں اور انسان کی پہلی خدمت یہ ہے کہ اس کو راستہ دیا جائے کہ وہ روٹی حاصل کر سکے۔

حضرت مسیح جنہوں نے اپنا لقب فرزند انسان قرار دیا۔ انہوں نے روٹی ہی کی خاطر کام کرنے کو مبارک قرار دیا اور اسباب معیشت کی فراہمی تمام انسانوں کے لئے، ہر دین کی بنیاد اور ہر عبادت کا مظہر قرار دیا، کیا حضرت مسیح کا یہ ارشاد نہیں۔

"میں بھوکا تھا، تم لوگوں نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا، تم نے مجھے سیراب کیا۔ میں بے ٹھکانے تھا، تم نے ہمیں پناہ دی۔"
آپ نے یہ سب باتیں کہیں مگر یہ نہیں کہا کہ:

"میں نماز پڑھتا تھا، تم لوگوں نے میرے ساتھ نماز پڑھی"

اس معاملہ میں حضرت عیسیٰؑ کے انقلابی اقدامات بے حد و حساب ہیں آپ کے ان اقوال سے اناجیل اربعہ بھری ہوئی ہیں جن میں آپ نے بھوکوں لقمہ چھیننے والوں کی سرزنش کی ہے۔ اسی طرح آپ کے وہ بےشمار اقوال اناجیل اربعہ میں موجود ہیں جن کے ذریعہ آپ نے نظروں اور کمزوروں کو لٹیروں اور ان کا حق غصب کرنے والوں اور ان کے شہروں پر زبردستی قابض ہونے والوں کے خلاف برانگیختہ کیا ہے۔

سب سے قطع نظر، کیا وہ بہتانِ عظیم جو رومیوں نے حضرت عیسیٰ پر لگایا کہ آپ پر مقدمہ قائم ہوا اور آپ کے قتل کا فیصلہ صادر ہوا۔ کیا وہ یہی تہمت نہ تھی کہ آپ عوام کو بھڑکاتے اور انہیں قیصر کو جزیہ دینے سے روکتے ہیں؟

حضرت عیسیٰؑ نے قیصر کو جزیہ دینے سے عوام کو کیوں روکا۔ اس روٹی ہی کے لئے تو جسے قیصر اور اس کے حکام و امراء بھوکوں کے حلق ناداروں کے گھر اور یتیم کے ہاتھ سے چھین لیتے تھے۔ کیا یروشلم کے کاہنوں نے قیصر کے نظام حکومت کی بقا کے لئے جس میں غریبوں کو لوٹا جاتا تھا اور سرمایہ داروں کے گھر بھرے جاتے تھے۔ قیصر کے نمائندہ پر زور نہ دیا تھا کہ

اگر تم عیسیٰ کو سولی نہ دو گے تو تم قیصر کے دوستدار نہیں"

کیا حضرت عیسیٰ نے بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر جس میں حاکم بھی تھے محکوم بھی ظالم بھی تھے مظلوم بھی۔ یہ ہمیشہ زندہ رہنے والے فقرے نہیں کہے تھے۔

"چراغ جلا کر نیچے نہ رکھ دیا جائے بلکہ بلندی پر رہے تاکہ اس کی روشنی ہر اس شخص پر پڑے جو گھر میں ہو"

گھر سے مراد یہاں سارا عالم ہے اور گھر والوں سے مراد تمام انسان ہیں۔ وہ چراغ جو ایک طرف روشنی ڈالے دوسری طرف اندھیرا رکھے۔ ضروری ہے کہ اس کو توڑ دیا جائے اور اس کی جگہ ایسا چراغ جلایا جائے جس کی حرارت اور روشنی ہر زاویہ پہ پڑے۔

اسی بناء پر کیا وہ لوگ جو اس حکیمانہ انقلابی اقدامات کو مسخ کر کے پیش کرتے تھے اور وہ لوگ جو عوام الناس کو زہد و ناداری اور قناعت کی ترغیب دیتے تھے ریاکار منافقین اور اژدھوں کی اولاد نہ تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے ان کا نام رکھا تھا۔

یہ حضرت محمد مصطفیٰ برادرِ مسیح جنہوں نے وقت کے ظالمانہ معاشرہ کے خلاف قدم اٹھایا جس میں ظالم و مظلوم لٹنے والے اور لوٹنے والے کمزور و طاقتور کی چیخ پکار مچی ہوئی تھی ان کی زبانی قرآن لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے

فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقہ — زمین پر چلو اور خدا کے رزق سے کھاؤ پیو

آپ نے کھانے پینے کا حکم دیا کہ اسی پر زندگی کا انحصار ہے، یہ حکم آپ کا سب کے لئے ہے کسی خاص جماعت

سے محکم مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص صلاحیت بھر محنت کر کے اپنا پیٹ بھر سکتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

فلینظر الانسان الی طعامہ انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیہا حبا و عنبا و قضبا و زیتونا و نخلا و حدائق غلبا و فاکہۃ و ابا

انسان اپنی غذا پر نظر کرے ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔ زمین کو شگافتہ کیا۔ دانے کو اس پر اگایا اور انگور، نیشکر، زیتون اور کھجور کے درخت اس پر اگائے ہرے بھرے باغ اور تر و تازہ میوے پیدا کئے۔

حضرت محمد مصطفٰے کی حدیث یہ ہے :-

الناس شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والنار — لوگ تین چیزوں میں برابر کے حقدار ہیں۔ پانی۔ سبزہ اور آگ
پانی جو خداوند عالم نے آسمان سے برسایا اپنی قدرت سے زمین پر جاری کیا اس میں ہر انسان برابر کا حقدار ہے۔ اگر کوئی شخص خود نہر کھود کر پانی نکالے یا پانی ذخیرہ کرے تو کسی دوسرے کو حق نہیں کہ زبردستی وہ پانی اس سے لے کیوں کہ وہ اس پانی کا زیادہ حقدار ہے۔ اسی طرح وہ گھاس جو بقدرت خدا روئیدہ ہو اور کسی کو اس کے لئے زحمت نہ اٹھانی پڑی ہو ہر ایک کے لئے عام ہے کسی کو حق نہیں کہ اپنے لئے خاص کر لے اور دوسرے کو اس سے روک دے۔ اسی طرح اگر کسی نے آگ سلگائی ہو تو دوسرے کو اس سے محروم نہیں کر سکتا کیوں کہ اگر کوئی اس کی آگ سے اپنا چراغ روشن کر لے تو اس کی آگ میں کوئی کمی نہ ہوگی

زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ رئیس وحاکم زمین کے جس حصے کو چاہتا اپنے مویشیوں اور اونٹوں کے لئے مخصوص کر لیتا اس زمین میں بس اسی کے جانور چرتے کسی دوسرے کے جانور اس میں نہ جا سکتے۔ وہ زمینیں جو عام ہوتیں جہاں سب ہی کے جانور چرتے وہاں اس رئیس کے بھی جانور چرتے لیکن رئیس کی خاص زمین پر بس اسی کے جانور جا سکتے۔ اسی وقت جہاں جبر و تشدد کی اور بہت سی صورتیں جاری تھیں وہاں یہ بھی تھی۔ رحمۃ للعالمین پیغمبر نے دیگر رسوم و قوانین کے ساتھ جاہلیت کے سرکش و جابر انسانوں کے اس جبر و تشدد کو بھی ملیامیٹ کیا۔

پیغمبر مزدوروں کو ان کی پوری اجرت دیتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرتے کہ مزدور کو اس کی ضرورت کے لائق اجرت دو تاکہ زمین پر کوئی فقیر و محتاج نہ رہے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جب مال خراج آپ کے پاس آتا تو آپ پہلے اپنے اصحاب میں تقسیم کرتے اور اپنی دختر فاطمہؑ کو بعد میں دیتے تاکہ عوام الناس کی ضرورت پہلے رفع ہو جائے (محمد المسیح مصنفہ خالد محمد خالد)

حضرت محمد مصطفٰے کا دولت و ثروت اور ناداری کے بارے میں جو طرز عمل رہا اس میں ہم کلام کو طول نہیں دینا چاہتے۔ دوسری فصل میں بہت وضاحت سے ہم نے یہ بیان کیا کہ اسلام نے کس کس طرح لوگوں کو محنت و مشقت اور ایسا کام کرنے کی ترغیب دلائی ہے جو منفعت بخش ہو اور جس کی وجہ سے نہ کوئی محتاج رہے نہ فقیر۔ یہاں تک کہ محمد مصطفٰے کے اسلام میں نماز و روزہ سے بھی وہ کردہ کام افضل ہے جو منفعت بخش ہو۔ یہی حال حضرت مسیح کی مسیحیت کا بھی ہے۔ حضرت مسیح نے بھی کام کاج محنت مزدوری

کرنے کی ایسی ہی ترغیب دلائی ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ؐ بھی ناداری کو پسند نہیں کرتے اور محتاجی کو بہتر نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں کا یہ فقرہ ہے۔

کاد الفقران یکون کفرا — قریب ہے کہ ناداری کفر ہو جائے۔

ہم آگے چل کر دوسری فصل میں دکھائیں گے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی باریک بین نگاہیں معاشرہ کے کتنے بے شمار رموز و اسرار تک جا پہنچیں اور آپ نے زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے کس طرح لوگوں کو ترغیب دلائی۔

ابوذر غفاری زاہد و قانع اور دنیا سے بے نیاز انسان اگرچہ انہوں نے خود اپنے لئے روکھی پھیکی زندگی پسند کی مگر انہوں نے فقر و ناداری کے خلاف سخت و شدید جنگ لڑی اور عوام کے حق کی حمایت کرتے ہوئے اپنی جان دے دی۔ فقر کے خلاف آپ کا یہ فقرہ بھی انتہائی دلکش و دل آویز ہے کہ

اذا ذھب الفقر الی بلد قال لہ الکفر خذنی معاک — جب ناداری کسی شہر کا رُخ کرتی ہے تو کفر اس سے کہتا ہے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے لے۔

اسی طرح آپ کا یہ فقرہ بھی ہے

عجبت لمن لا یجد القوت فی بیتہ کیف لا یخرج علی الناس شاھرا سیفہ — مجھے اس شخص پر حیرت و تعجب ہے جس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو وہ تلوار کھینچ کر لوگوں پر پل کیسے نہیں پڑتا

جس طرح حضرت عیسیٰ کے منافق پیرووں نے حضرت عیسیٰ کے اقوال اور حالات زندگی کی غلط توجیہہ و تفسیر کی اس غرض سے کہ فقر و ناداری عوام الناس کی نگاہوں میں مستحسن ظاہر ہو اور وہ دنیا کی نعمتیں ہمارے لئے چھوڑ کر خود بے نیاز ہو جائیں۔ اسی طرح عہدِ اموی اور بعد کے سلاطین و حکام کی بھی کوشش یہی رہی کہ ہمارا دبدبہ و اقتدار اور جاہ و جبروت ہمیشہ باقی رہے۔ انہوں نے اپنے حاشیہ نشینوں اور ملازمین کو تحریک کی کہ وہ پیغمبر کی طرف[1] منسوب کر کے جھوٹی جھوٹی حدیثیں بیان کریں۔ جن سے عوام کو غلام بنائے رکھنے اور جمہور کو لوٹنے میں مدد ملے۔ چنانچہ ان کے نمک

---

[1] بسا اوقات خود بنی امیہ ایسی حدیثیں اختراع کرتے کبھی ان کے ہوا خواہ و حاشیہ نشین اور کبھی ان کے تنخواہ دار علماء دین طبع آزمائی فرماتے۔ ہم چند نمونے من گھڑت احادیث اور بے سر و پا قصص و حکایات کے بیان کرتے ہیں۔ امام بخاری نے مختلف اسناد سے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے۔

قال قال رسول اللہ ؐ انکم سترون بعدی اثرۃ و امورا تنکرونھا قالوا فما تامرنا یا رسول اللہ ؐ قال ادوا الیھم حقھم واسئلوا اللہ — تم عنقریب میرے بعد ترجیح بلا مرجح اور ناپسندیدہ امور دیکھو گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ پھر ہمیں آپ کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم ان سلاطین کے

خوارون نے انبیاء کرام کی طرف منسوب کرکے نت نئی حدیثیں بیان کیں جس میں عوام کو صابر و شاکر رہنے حکام کے مظالم سہنے اور ان کے احکام کو بے چون وچرا تعمیل کرنے کی ترغیب دلائی گئی تھی۔

حاشیہ از صفحہ ۷۶

حقکو (صحیح بخاری جلد ۸) نیز ابن عباسؓ سے روایت کی ہے

حقوق کو ادا کرنا اور خود اپنے حقوق کو اللہ سے مانگنا۔

قال قال رسول اللہ من رای من امیرہ شیئًا یکرہ فلیصبر علیہ فانہ من فارق جماعۃ شبرا فمامات الا میتۃ جاھلیتہ۔ (صحیح بخاری جلد ۸ ص)

آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے بادشاہ سے کسی ایسے امر کا مشاہدہ کرے جو اسے ناگوار ہو تو اس پر صبر کرے کیوں کہ جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے جدا ہو گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

بخاری نے باسناد مختلف علقمہ بن وائل حضرمی سے روایت کی ہے کہ مسلمہ بن زید جعفی نے آں حضرتؐ سے پوچھا

یا نبی اللہ ارایت ان قامت علینا امراء یسالوننا حقھم ویمنعوننا حقنا، فما تری فاعرض عنہ ثم سالہ فاعرض عنہ ثم سالہ فی الثانیۃ او الثالثۃ فجذبہ الاشعث بن قیس وقال رسول اللہ اسمعوا واطیعوا فان علیھم ما حملوا وعلیکم ما حملتم (بخاری شریف)

یا رسول اللہ اگر ہمارے اوپر ایسے لوگ حاکم بن بیٹھیں جو اپنا حق تو ہم سے طلب کریں اور ہمارا حق نہ دیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آں حضرت نے ان سے منہ پھیر لیا۔ مسلمہ نے دوبارہ عرض کیا۔ آں حضرت نے پھر منہ پھیر لیا۔ پھر تیسری مرتبہ مسلمہ نے عرض کی اس پر اشعث بن قیس نے انہیں کھینچا اور آں حضرت نے فرمایا تم ان کی بات سنو اور مانو ان کی ذمہ داریاں ان کے سر ہیں اور تمہاری ذمہ داریاں تمہارے سر۔

بخاری نے عرفجہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے سنا

انہ ستکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمع فاضربوہ بالسیف کائنا ما کان (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۱)

عنقریب ناگفتہ بہ باتیں ظہور میں آئیں گی۔ اس وقت اگر کوئی شخص امت میں تفرقہ اندازی کا ارادہ کرے اسے تلوار سے مار دو چاہے کچھ بھی ہو۔

انہیں بخاری نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا الاخر منھما (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۲۲)

جب دو خلیفوں کی بیعت ہو جائے تو آخر میں جس کی بیعت ہوئی ہے اسے قتل کر دو۔

اسی مضمون کی بے شمار حدیثیں ہیں سب کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان حکومت کے مطیع و فرمانبردار رہیں اور بادشاہ کتنا

لیکن جس نے بھی انبیاء کرام کی زندگی کا صحیح طور پر جائزہ لیا ہے وہ جانتا ہے کہ انہوں نے فقر کو ناگوار سمجھا اور ان تمام منافقین کو جہنم کی بشارت دی جنہوں نے فقر کی طرف لوگوں کو ترغیب دلائی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو سرمایہ کے محافظ

بقیہ حاشیہ از ص٧٧

ہی ظالم کیوں نہ ہو حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں کہ اس طرح وہ فتنہ پردازی کے موجب اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کے باعث ہوں گے۔ لب لباب ان حدیثوں کا اس حدیث میں ہے

ستکون فتن القاعد فیھا خیر من القائم والقائم خیر من الماشی والماشی خیر من الساعی ومن وجد ملجاء او معاذا فلیعذ بہ
(مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

عنقریب فتنے رونما ہوں گے۔ ان فتنوں کے زمانے میں بیٹھا ہوا انسان کھڑے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اور جو شخص کوئی جائے پناہ پائے وہ اس کی پناہ میں چلا جائے۔

مذکورہ بالا ان تمام حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبرِ خدا نے افتراق و اختلاف کے ڈر سے امت والوں کو تاکید کی ہے کہ وہ حاکموں کے وفادار رہیں۔ چاہے وہ حکام اپنے افعال میں دین سے باہر ہی کیوں نہ ہو گئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر کی مرضی یہ تھی کہ چاہے آپ کی رسالت ملیا میٹ ہو جائے مگر مسلمانوں کا اتحاد درہم برہم نہ ہو۔ اس صورت میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیغمبرؐ کو اتحاد و اتفاق اتنا ہی پسند خاطر تھا اور اصول و فروعِ مذہب کی اتنی پرواہ نہ تھی تو پھر آپ نے مذہبِ اسلام کی دعوت دے کر مشرکین کے اتحاد ہی کو پارہ پارہ کیوں کیا۔ مشرکین عرب مزے میں رہتے آ رہے تھے۔ ان میں نہ افتراق تھا نہ اختلاف سب ایک نقطہ پر متحد تھے یعنی کفر و شرک اور بت پرستی پھر آخر کیا ضرورت تھی کہ نیا مذہب پیش کر کے ان پر تفرقہ ڈال دیا ان کے بتوں کو توڑا اُن کے بت پرستی کے معتقدات کچلے درآنحالیکہ یہ سب چیزیں عرب والوں کو جان سے بڑھ کر پیاری تھیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ پیغمبرِ خدا کے یہ ارشادات تاریخی پہلو سے صحیح ہیں تو کیوں نہیں صحابہ کرام نے وفاتِ پیغمبر کے وقت انہیں حدیثوں کو ثبوت میں پیش کیا جب کہ آں حضرتؐ کی خلافت وجانشینی اور میراث کے متعلق صحابہ لڑ جھگڑ رہے تھے نیز عہدِ ابی بکر میں جب مانعین زکواۃ کو مرتد قرار دینے یا نہ دینے میں اختلاف ہوا نیز اس پُر آشوب وقت میں جب کہ حضرت عثمان پر یورش تھی اور لوگ انہیں قتل کرنے کے درپے تھے کیوں نہ ان احادیث کو کسی نے پیش کیا کہ پیغمبر ایسا فرما چکے ہیں ہم لوگوں کا صبر و سکوت ہی بہتر ہے

حضرت عائشہ رسول اللہ کی بہت ہی چہیتی بیوی تھیں۔ پیغمبرؐ کی بیشمار حدیثوں کی حافظہ بھی تھیں، طلحہ و زبیر بہت مقرب بارگاہ صحابی اور ان جنتی لوگوں میں سے تھے جنہیں پیغمبر نے جنت کی بشارت دی انہیں کیوں نہیں یہ حدیثیں یاد آئیں اور کیوں یہ

ان انبیاء کے دشمن نہ ہوتے اور تمام کمزور و ناتوان افراد انبیاء کی حمایت پر کمربستہ نہ ہو جاتے۔

عرب کے قدیم دانشوروں کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں پوری واقفیت تھی اس بات کی کہ انفرادی طور پر ہر انسان کے عمل کو معاشرہ کے نظام سے گہرا تعلق ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وسائل معاش کی فراہمی پاکیزگی سیرت،

بقیہ حاشیہ از صفحہ ۷۸

حضرات علیؑ کے خلاف جنگ کے لئے کمربستہ ہو گئے۔

اس پر مستزاد یہ کہ مذکورہ بالا حدیثیں بہت سی آیات کلام مجید اور پیغمبرؐ کی صحیح حدیثوں کی مخالف اور مغائر ہیں۔ پیغمبرؐ کی سیرت اور ذوق اسلامی سے بھی دور کا تعلق ان حدیثوں کو نہیں،

سورہ بقرہ کی آیت ہے

قاتلوا فی سبیل اللّٰہ واعلموا ان اللّٰہ سمیع علیم

خدا کی راہ میں جنگ کرو اور یہ جان رکھو کہ خداوند عالم بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے

سورۂ مائدہ میں ہے

انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم

جو لوگ خدا کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی جزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں۔ یا ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے جائیں۔

سورہ مجادلہ میں ہے۔

لا تجد قوما یؤمنون باللّٰہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللّٰہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم۔

جو لوگ خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے نہ دیکھو گے اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔

سورۂ ممتحنہ میں ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتولوا قوما غضب اللّٰہ علیھم۔

اے ایمان لانے والو ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر خدا کا غضب نازل ہوا۔

یہ تو چند آیات تھیں کلام مجید کی جو ان فرضی روایات کے قطعی مخالف ہیں۔ اب صحیح حدیثیں بھی ملاحظہ ہوں جو ان فرضی

عمدگی اخلاق اور عادات و خصائلِ انسانی میں بہت بڑا اثر رکھتی ہے، وہ قناعت جو ممدوح ہے وہ یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور صرف تن پروری سے انہیں غرض ہو۔ کیوں کہ تن پروری کی وجہ سے ناداری پیدا ہوتی ہے اچھی عادتیں تباہ ہو جاتی ہیں اور ایمان ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور یہ جو کیا جاتا ہے کہ ساری توجہ روح کی تربیت پر صرف ہو اور جسم سے بے نیاز ہو جاؤ تو یہ غلط ہے اس لئے کہ بھوکے پیٹ سے اطاعت ممکن نہیں۔ فقر و ناداری پر صبر و تحمل بڑے دل و جگر والے بزرگوں کا کام ہے جیسے جناب ابوذرؓ۔ مگر ہر شخص ابوذر جیسا صبر و تحمل نہیں رکھتا۔ حضرت پیغمبرِ خداؐ نے الفقر فخری فقر میرے لئے سرمایۂ فخر و ناز ہے جو فرمایا اس سے بقول سعدی شیرازی ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو مردِ میدانِ رضا و خوشنودیِ الٰہی تھے نہ کہ ان لوگوں کی ناداری کی طرف جو نیکو کاروں کا لباس پہنتے اور دوسروں کے یہاں سے مقررہ خوراک کھاتے اور یہ جو فقرہ ہے کہ قناعت بے حساب خزانہ ہے تو یہ تن پروروں اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنے والوں کے لئے نہیں کہا گیا۔ بلکہ حریص دولتمندوں اور ظالم حاکموں کے لئے کہا گیا ہے جو کسی چیز پر قناعت نہیں کرتے۔ اگر اُن کے ہاتھ میں دنیا بھر کی نعمتیں بھی دے دی جائیں تب بھی ان کی سیری نہ ہو۔

بزرگانِ اسلام نے فاقہ سے نڈھال بھوکوں کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ دوسروں کے مال سے بقدر اپنی خوراک کے بغیر اجازتِ مالک لے لیں ایسا کرنے والے کو انہوں نے مجرم نہیں گردانا بلکہ اُسے مجرم قرار دیا ہے جس نے ان کا حق نہیں دیا۔ یہ لطیف حکایت جسے علامہ خالد محمد خالد نے اپنی کتاب من ھنا نبدء میں تحریر کیا ہے ہمارے مدعا کا بہترین ثبوت ہے۔

حاطب بن ملتعہ صحابی پیغمبرؐ کے غلاموں نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا لی۔ گرفتار ہوئے اور انہوں نے اپنے جرم کا اقرار بھی کر لیا۔ مقدمہ حضرت عمر کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ معاملہ پوری طرح صاف ہے۔ اونٹنی

حاشیہ از صفحہ ۷۹۔ حدیثوں سے قطعی مغائر ہیں۔

امام مسلم عبداللہ بن مسعود سے باسناد مختلف روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے جتنے نبی مبعوث ہوئے ہر نبی کے لئے اس کی امت میں سے حواریین اور اصحاب ہوا کئے جو اس نبی کی سنت پر چلتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے۔ پھر ان حواریین و اصحاب کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے جو کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ اور وہ افعال بجا لاتے تھے جن کا حکم نہیں دیا گیا تھا جو شخص ایسے لوگوں سے ہاتھ سے جہاد کرتے وہ بھی مومن اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن۔ جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن۔ (صحیح مسلم جلد ۱)

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے پیغمبر خداؐ کو ارشاد فرماتے سنا جو شخص ایسے لوگوں سے ناپسندیدہ امور رونما ہوتے دیکھے اسے چاہئیے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ جو ہاتھ سے بدلنے پر قادر نہ ہو وہ زبان سے بدلے اور جو زبان سے بدلنے پر قادر نہ ہو وہ دل سے بدلے اور یہ کمتر درجہ ایمان کا ہے (فتوحات ذھبیہ صفحہ ۲۶۱)

چرائی گئی، جنہوں نے چوری کی وہ پکڑے گئے اور انہوں نے اقرار بھی کر لیا کہ ہاں ہم نے چوری کی ہے۔ اب فیصلہ کے لئے باقی ہی کیا رہ گیا تھا، انہوں نے مجرموں پر ایک نظر کی اور یہ آیت تلاوت کی۔

السارق و السارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ۔

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ بدلہ میں اُن کے جرم کے یہ سزا ہے خدا کی طرف سے۔

حضرت عمر ہاتھ کاٹنے کا حکم دینے ہی والے تھے کہ اُن کی نگاہ پھر اُن مجرموں کے چہرے پر پڑی دیکھا اُن کا چہرہ پیلا ہو رہا ہے جیسے خون کی بوند بھی کسی کے چہرے پر باقی نہ رہی ہو۔ آنکھیں بے نور اور جسم لاغر و کاہیدہ ہو رہے ہیں۔ پوچھا کہ ان غلاموں کا مالک کون ہے اُسے میرے پاس بُلا لاؤ۔ عبدالرحمان بن حاطب حاضر ہوئے حضرت عمر نے کہا میں ان غلاموں کے ہاتھ کاٹنے ہی والا تھا مگر مجھے اندازہ ہوا کہ تم ان غلاموں کو قید و بند میں رکھتے ہو کھانے پینے کو نہیں دیتے وہ اس حد تک مجبور ہو گئے کہ ناجائز بھی ان کے لئے جائز ہو گیا ہیں انہیں تو کوئی سزا نہ دوں گا البتہ تم سے تاوان وصول کروں گا تاکہ تم اپنی حرکت سے باز آؤ۔ پھر اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ تمہاری اونٹنی کتنے داموں کی تھی۔ اُس نے کہا چار سو کی۔ حضرت عمر نے عبدالرحمان بن حاطب سے کہا جاؤ اس شخص کو آٹھ سو ادا کرو اور غلاموں سے کہا تم لوگ رہا کئے جاتے ہو۔

لیکن علیؑ! تو اُن کی پوری زندگی ہی گذری لوگوں کی حالت سنوارنے اور اُن کی ناداری اور احتیاج دُور کرنے میں۔ اُن کی حکومت کی بنیاد ہی اس پر قائم تھی جیسا کہ آگے چل کر ہم اس کو تفصیل کے ساتھ پیش کریں گے۔ خود علیؑ دنیا کے سب سے بڑے زاہد اور آلائش دنیاوی سے پاک و صاف انسان تھے لیکن انہیں ہرگز یہ منظور نہ تھا کہ دوسرے لوگ ناداری پر قناعت کر کے زندگی گذاریں اگر یہ بات ہوتی تو وہ اس وقت کے صاحبان دولت و جاہ اور عوام کی پونجی ہضم کرنے والوں کے خلاف محاذ قائم نہ کرتے نہ ان کی ہتھیائی ہوئی ناجائز دولت چھین کر نادار اور فلاکت کش انسانوں میں تقسیم کر دیتے۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بچپنے کے زمانہ میں کوفہ کے میدان رحبہ میں پہنچا حضرت علیؑ کو دیکھا کہ وہ سونے چاندی کے دو ڈھیروں پر کھڑے ہیں اس کے بعد آپ نے اس مال کو لوگوں کے درمیان تقسیم کرنا شروع کیا آپ نے سب ہی کچھ تقسیم کر دیا پھر اس حالت سے اپنے گھر پلٹے کہ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے گئے۔ وہی علیؑ جو اپنے گھر میں اس مال و دولت کے رتی برابر بھی کوئی چیز نہیں لے گئے وہ تمام لوگوں سے خطاب کر کے کہتے ہیں۔

"تم اپنی دنیا کے لئے اس طرح سرگرم عمل رہو جیسے تمہیں ہمیشہ اس دنیا میں زندہ رہنا ہے۔"

علیؑ کے نزدیک اس سے بڑھ کر اہم کوئی اور بات نہ تھی کہ لوگوں کی احتیاج و ناداری دور کی جائے۔ اس بارے میں ان کا ایک ایسا صریحی قول ہے جس کی کوئی تاویل ہی نہیں کی جا سکتی۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

لو سلکتم الحق من نھجہ لا تھجت بکم السبل و ما عال فیکم عائل۔

اگر تم حق کی شاہراہ پر گامزن رہو گے تو راہیں تمہیں خوش آمدید کہیں گی اور تم میں سے کوئی شخص ناداری میں مبتلا نہ ہوگا۔

آپ نے جہاں عربوں کے جاہلی آداب و اخلاق پر ضرب لگائی وہاں اُن درویشانہ قناعت پسندی پر بھی بھرپور وار کیا فرماتے ہیں۔

د انتم معشر العرب منیخون بین حجارة خشن تشربون الکدر و تاکلون الجشب

تم اے گروہ عرب کھردرے پتھروں کے درمیان سکونت رکھتے گندلا پانی پیتے اور ناداروں جیسا سڑا ایسا کھانا کھاتے۔

حضرت علیؑ کی لفظیں بتاتی ہیں کہ آپ کو لذیذ غذائیں نرم و آرام دہ کپڑے اور رئیسانہ مکان ناپسندیدہ نہ تھے البتہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ہم تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں اور ملک میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہوں جو اس عیش و راحت سے محروم ہوں۔ حضرت علیؑ کی یہ تصریح ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ کی اولین تمنا یہ تھی کہ ہر ایک کو اسباب معیشت سے کافی حصہ میسر ہو۔ حضرت علی لوگوں کے پیشوا تھے اور پیشوا کا فریضہ ہے کہ خود بھی وہ تمام اذیتیں برداشت کرے جو اس کے پیرو اُٹھاتے ہیں اور اُسی طرح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرے جس طرح اس کے پیرو بسر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ فقر و ناداری کا بالکل خاتمہ ہو جائے جب قوم میں ایک شخص بھی نادار باقی نہ رہے گا تو لازمی طور پر پیشوا کی ناداری کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کا طرزِ معیشت بھی وہی ہوگا جو عوام کا ہوگا ورنہ پیشوائی اور سرداری کے معنی ہی کیا باقی رہ جائیں گے۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔

أ اقنع من نفسی بان یقال امیر المومنین ولا اشارکھم فی مکارہ الدھر۔

کیا میں صرف اس پر قناعت کروں کہ لوگ مجھے امیر المومنین کہتے ہیں اور مکروہات زمانہ میں لوگوں کا شریک نہ بنوں۔

مکروہات دہر سے حضرت علی نے یہی فقر و ناداری کی مصیبتیں مراد لی ہیں۔

حضرت علیؑ نے اپنی دختر کو عید کے دن بیت المال کے موتی سے آرائش کرنے کو جو روکا تھا وہ اسی وجہ سے کہ دوسروں کی بہت سی بیٹیاں ویسی آرائش کرنے سے مجبور تھیں انہیں ایسے موتی میسر نہ تھے۔ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنی دختر کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ بیت المال واپس کر دو۔ آپ نے فرمایا تھا:

"اے دختر ابن ابی طالب! حق سے روگردانی اختیار نہ کرو کیا مہاجرین و انصار کی تمام عورتیں بھی اس عید کے دن ایسی ہی آرائش کرتی ہیں؟"

آپ نے تمام عورتیں فرمایا یہ نہیں کہا کہ معززین یا شرفا کی عورتیں۔

جس دن سے کہ حضرت علی مسند نشین خلافت ہوئے اور زمام حکومت آپ کے ہاتھوں میں آئی آپ نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ لوگوں کی ناداری دور کرنے کی کوشش کی اور علیؑ کو ایسا ہی کرنا بھی چاہیے تھا، کیوں کہ انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ یوں تو انسان کی جان کو ہزار آفتیں لگی ہوئی ہیں مگر فقر و ناداری سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں۔ " کا تو یہ قول ہے کہ ما ضرب اللہ عبادہ بسوط اوجع من الفقر۔ خداوند عالم نے انسان کو فقر سے بڑھ کر کسی دوسری اذیت میں

نہیں مُبتلا کیا، یہ فقرہ بتاتا ہے کہ آپ لوگوں کی ناداری دور ہونے کو بہت ضروری سمجھتے تھے نیز اس فقرہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کو لوگوں کی کیفیات و احوال اور مقدمات و نتائج امور کا بالکل صحیح اندازہ تھا۔

بعض لوگوں نے فقر و ناداری کی بڑی مدح و ستائش کی ہے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی ہے مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ علیؑ نے فقر کے خلاف ٹھیک اسی طرح جنگ لڑی جس طرح پیغمبرؐ نے جنگ لڑی تھی اور جس طرح بزرگترین انقلابی انسان ابوذر غفاری شیعیانِ علیؑ کے راس و رئیس اور ستم پیشہ بنی امیہ کے مقتول نے لڑائی لڑی۔

پیغمبرؐ بھی جانتے تھے اور علیؑ بھی اور ابوذر غفاری بھی کہ ناداری ہر خوبی کو تباہ کر دیتی ہے یہاں تک کہ صالحین مومنین کے نزدیک یہ کفر و انکار کا سبب ہوتی ہے اسی وجہ سے علیؑ نے ہر موقع پر اس کے خلاف جنگ کی اور فقر کی طرف دعوت دینے والوں کو ذلیل و خوار کیا۔ اگر مرد زیرک و دانا ہو تو یہ فقر اُسے حضرت علیؑ کے مذہب میں گونگا بہرا بنا دیتا ہے۔ اسی فقر کی وجہ سے ایک ہی شہر کے رہنے والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی بلکہ ایک دوسرے کے دشمن اور کینہ خواہ ہوتے ہیں موت اس میں شک نہیں کہ انسان کے لئے بہت بڑی مصیبت ہے مگر فقر و ناداری کا درجہ موت سے بھی بڑھا ہوا ہے حضرت علیؑ کی زبان میں ناداری سب سے بڑی موت ہے۔

ناداری اور ناداری کو اچھا بتانے والوں کے متعلق حضرت علیؑ نے جو سخت ترین فقرہ ارشاد فرمایا ہے جس سے ان لوگوں کے مکر و فریب کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ لو تمثل لی الفقر رجلاً لقتلته۔ اگر ناداری میرے سامنے کسی انسان کی صورت میں آجائے تو میں اُسے قتل کر ڈالوں۔

انسانی معاشرہ حضرت علیؑ کی نظروں میں مثل ایک ایسے جسم کے تھا جو نہ تو متضاد عناصر سے مرکب ہو، نہ اس کا نظام حقوق و واجبات کے تفاوت پر قائم ہو کہ ایک گروہ جو چاہے کرے اس سے کسی قسم کا تعرض نہ ہو اور ایک گروہ بے بس و لاچار ہو کوئی اس کا پرسان حال نہ ہو۔

علی ابن ابی طالب جس معاشرہ کو پسند کرتے تھے اس میں ہرگز یہ بات جائز نہ تھی کہ ایک گروہ کا شکم حرام مال کھا کھا کے خوب پھولتا جائے اور دوسرا گروہ چرم و استخوان کا مجموعہ بنا رہے، ایک گروہ محنت مشقت کرے دوسرا گروہ اپنی چیرہ دستیوں سے اُن کی محنتوں کا ثمرہ چھین لے۔

علی ابن ابی طالبؑ باوجودیکہ عالم روحانی اور مجردات کی طرف متوجہ اور پروردگار کی مناجات میں غرق رہتے مگر ایک دن بھی ایسا نہیں گذرا کہ وہ بندگان خدا کے معاملات سے غافل رہے ہوں یا اُن کی معمولی سے معمولی بات انہوں نے نظر انداز کی ہو اس لئے کہ انسان کمال خلقت کا بہترین نمونہ ہے۔ دنیا اور خلائق کو ٹھیک اُسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے پیغمبرؐ خدا دیکھتے تھے۔ قرآن میں ہے کہ۔

جعلنا الّیل لباسًا وجعلنا النھار معاشًا — ہم نے رات کو لباس بنایا اور دن کو باعث حصول معاش پیدا کیا۔

اسی اساس و بنیاد پر علیؑ نے اپنی توجہ انسانی معاشرہ پر مرکوز رکھی، اجتماعی قوانین کو زندہ کیا اور اُن کی اصلاح و درستی کے لئے سرگرم عمل رہے تاکہ نیکوکار و خوش بخت معاشرہ وجود میں آئے انہوں نے اپنے وعظ و پند اور اپنی نصیحت دونوں کو اُن کے محل پر استعمال کیا اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اُن کے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔

علیؑ کو جتنی فکر عدل و انصاف رائج کرنے کی رہتی کسی اور بات کی نہیں اُن کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ عدل و انصاف کی بنیاد استوار ہو حضرت کے مسند نشین خلافت ہونے کے بعد کچھ لوگ آپ کو مبارکباد دینے کے لئے حاضر خدمت ہوئے دیکھا کہ آپ اپنی جوتیاں اپنے ہاتھوں سے ٹانک رہے ہیں آپ نے فرمایا:۔

"میری یہ پھٹی پرانی جوتیاں تمہاری حکومت سے مجھے زیادہ پیاری ہیں اگر میں حق کو قائم اور باطل کو نیست و نابود نہ کروں۔"

وہ عابد و زاہد حضرات جو آخرت کے لئے سرگرم عمل رہتے ان سے آپ کی خواہش رہتی کہ اُخروی نعمات حاصل کرنے کے لئے ہر چیز سے پہلے خلائق کی خدمت کریں اور اس خدمت خلق کے وسیلہ سے بہشت کا استحقاق پیدا کریں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

"آخرت کی بھلائیاں اس شخص کو نصیب ہوں گی جو خلائق کے فائدہ کے لئے کام کرے اور بہترین فائدہ کا کام یہ ہے کہ بھوکوں کو شکم سیر کیا جائے پیاسوں کو پانی پلایا جائے اور بے لباسوں کو لباس پہنایا جاوے اور دوسرے لوگوں کو ان کے فرائض اور حقوق سے آگاہ کرنا اور اُن کے حقوق کی حفاظت کرنا۔"

ایک دن امیر المومنین علاء بن زیاد حارثی کے گھر تشریف لائے یہ آپ کے اصحاب میں سے تھے۔ جب آپ نے ان کے گھر کی وسعت دیکھی تو فرمایا:۔

ماكنت تصنع بسعة هذه الدار في الدنيا اما انت اليها في الآخرة كنت احوج وبلى ان شئت بلغت بها الآخرة تقرى فيها الضيف و تصل فيها الرحم و تطلع منها الحقوق مطالعها فاذا انت قد بلغت بها الآخرة۔

تم دنیا میں اس گھر کی وسعت کو کیا کرو گے؟ حالانکہ تم آخرت میں گھر کی وسعت کے زیادہ محتاج ہو جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے ہاں اگر اس کے ساتھ تم آخرت میں بھی وسیع گھر چاہتے ہو تو اس میں مہمانوں کی مہمان نوازی عزیزوں سے اچھا برتاؤ اور موقع و محل کے مطابق حقوق کی ادائیگی کرو اگر ایسا کیا تو اس کے ذریعہ آخرت کی کامرانیوں کو پالو گے۔"

کمیل بن زیاد سے صوم و صلوٰۃ کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے کمیل! یہ اہم بات نہیں کہ تم نماز پڑھو روزہ رکھو اور زکوٰۃ دو اہم بات یہ ہے کہ نماز پاک و صاف دل سے اور خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔"

آخرت سے پہلے اس دنیا میں لوگوں کی زندگی کی آپ کو اتنی فکر رہتی کہ خلیفہ ہونے کے باوجود آپ کا روزانہ کا معمول تھا کہ روزانہ کوفہ کے بازاروں کا چکر لگاتے ہر دوکان پر کھڑے ہوتے اور فرماتے :-

"اے گروہ تجار خدا سے ڈرو، خریداروں سے نزدیکی حاصل کرو۔ حلم سے اپنے کو آراستہ کرو۔ قسم کھانے سے باز رہو۔ جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو ظلم سے کنارہ کش رہو۔ مظلوموں کے ساتھ انصاف کرو اور پوری ناپ تول کرو۔ لوگوں کو ان کے سودے کم نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔"

نوف بکالی سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں امیرالمومنینؑ کی خدمت میں مسجد کوفہ کے اندر حاضر ہوا۔ حضرت کو سلام کیا آپ نے جواب سلام دیا میں نے عرض کیا امیرالمومنین مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:-

"لوگوں کے ساتھ نیکی کرو خدا تمہارے ساتھ نیکی کرے گا۔"

میں نے عرض کی کچھ اور بھی نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا:-

"اے نوف! اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تم بروز قیامت میرے ساتھ رہو تو خبردار ظالموں کے مددگار نہ ہونا۔"

تو انسان کی خدمت، اس کی احتیاج کا ازالہ ظلم کا خاتمہ علیؑ کی سیاست کا نقطہ مرکزی تھا۔ ایک مرتبہ پیغمبرؐ خدا نے آپ کی طرف نظر کر کے فرمایا تھا۔

اے علیؑ خدا نے تمہیں ایسی زینت سے سنوارا ہے جو اس کے نزدیک محبوب ترین زینت ہے۔ خداوند عالم نے تمہیں کمزوروں کی محبت عنایت کی تمہیں یہ پسند کہ وہ لوگ تمہارے پیرو ہوں اور وہ لوگ تمہارے امام ہونے پر راضی و مسرور۔

امام سے پہلے

وہ شخص بے خوف نہیں رہ سکتا جو خود شکم سیر ہو کر سوے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

اپنے دست و بازو کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں۔

جس نے لوگوں کا شکریہ نہیں ادا کیا اس نے خدا کا شکریہ نہیں ادا کیا۔

لوگ تین چیزوں کے برابر کے حقدار ہیں۔ پانی، سبزہ، آگ ذخیرہ اندوز خطاکار ہے، جس نے زمین کی کسی چیز کو ہتھیایا۔ ساتوں طبق زمین کے اُس کی گردن میں طوق بنا دیے جائیں گے۔

لوگ مثل کنگھی کے دانوں کے برابر ہیں۔

جھگڑے چکانا، نماز روزہ سے بہتر ہے۔

ایک لمحہ کا سوچ بچار سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔

تمام خلق خدا کی عیال ہے اور اُن میں خدا کو سب سے پیارا وہ ہے جو عیال خدا کے لئے دوسروں سے زیادہ نفع بخش ہو۔

دین نام ہے معاملت کا۔

بندگان خدا بھائی بھائی ہو جاؤ۔

انسان انسان کا بھائی ہے چاہے وہ پسند کرے یا ناپسند۔

(پیغمبرِ خدا محمد مصطفےٰ ؐ)

قبل اس کے کہ ہم یہ بیان کریں کہ امیرالمؤمنینؑ انسانی برادری کے لئے کیا نظریات و عقائد رکھتے تھے اور انہوں نے انسانی حقوق کا کس کس طرح پاس و لحاظ کیا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان کر دیا جائے کہ خود پیغمبر اسلام نے انسانی برادری کی فلاح و بہبود کے لئے کیا کیا، کون سے احکام و قواعد مرتب کئے اور حقوق انسانی کی کس قدر مراعات کی۔ اس لئے کہ علیؑ کا منصب بس یہی تھا کہ پیغمبرؐ کے مقرر کردہ دستور کو عملی جامہ پہنائیں اور آپ کی تمناؤں کو بروئے کار لائیں۔ علیؑ نے جو کچھ کیا وہ تتمہ تھا پیغمبرؐ کے کاموں کا اور آپ کا ہر اقدام وابستہ تھا پیغمبرؐ کے اقدامات سے۔

پیغمبرؐ اسلام نے لوگوں کے دنیاوی حالات اور سماجی و معاشرتی حالات پر پوری توجہ مبذول رکھی، جس طرح اسلام نے انفرادی

طور پر ہر شخص کے لئے دستور حیات مرتب کیا احکام مقرر کئے، اسی طرح عام انسانی برادری اور سماج و معاشرہ کے لئے بھی دستور و قوانین مقرر کئے۔ انسانی برادری اور سماج و معاشرہ کا اسلام کو اتنا زبردست پاس و لحاظ تھا کہ اس نے ہر قومی و ملی خدمت کو ایک طرح کی عبادت شمار کیا بلکہ قومی و ملی خدمت، اقامت شعائر دینیہ اور مذہبی فرائض کی انجام دہی پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ پیغمبرؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں:۔

صلاح ذات البین افضل من عامة الصلوٰة والصیام

اختلافات و نزاعات کی اصلاح عام نماز روزہ سے بہتر ہے۔

ذیل کا واقعہ اس کا بہترین ثبوت ہے کہ پیغمبرؐ کو قوم و معاشرہ کی بھلائی کی جتنی فکر رہتی اتنی کسی چیز کی نہیں۔

ابن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم لوگ پیغمبر خدا کے ہمرکاب تھے۔ ہم لوگوں میں کچھ لوگ روزے سے تھے کچھ نہیں۔ شدید گرمی کا زمانہ تھا۔ ہم لوگوں نے ایک جگہ منزل کی، سوا اپنی چادروں کے اور کوئی سایہ کا سامان نہ تھا۔ ہم میں بہت سے ایسے تھے جو اپنے ہاتھ سے چہرے پر سایہ کئے ہوئے تھے جو لوگ روزے سے نہ تھے انہوں نے اٹھ کر خیمے نصب کئے جانوروں کو پانی سے سیراب کیا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا:

ذهب المفطرون الیوم بالاجر کله

جو لوگ روزے سے نہ تھے انہوں نے آج کے دن کا سارا ثواب لوٹ لیا

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ جو فرائض و واجبات کا ایک اہم رکن ہے سفر میں ساقط ہے تاکہ اس کی وجہ سے انسان معاشی امور میں کوتاہی نہ کرے اور خلائق کی خدمت سے عاجز نہ ہو جائے۔

پیغمبر خدا ہی کا یہ بھی ارشاد ہے:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فمن لم یستطع فبلسانہ فمن لم یستطع فبقلبہ وھو اضعف الایمان۔

جو شخص تم میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اُسے بدل دے جو ہاتھ سے نہ بدل سکے وہ زبان سے بدل دے جو زبان سے بھی بدلنے پر قادر نہ ہو وہ دل سے بدلے اور یہ کمزور ترین درجہ ایمان کا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کا ایسا واضح دستور ہے کہ اس دستور کے ذریعہ ہر قسم کی بھلائی اور فائدہ دوسروں کو پہنچایا جا سکتا ہے اور ہر خرابی اور برائی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ پیغمبرؐ اسلام کی بہت سی حدیثیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ جو شخص کسی طرح کا فائدہ بھی قوم و ملت کو پہنچائے وہ زاہد و عبادت گذار انسان سے افضل ہے۔ یہ تو عام افراد کا حکم ہے جو بھی قوم و ملت کو فائدہ پہنچائے لیکن اگر یہی فائدہ پہنچانے والا اور قوم و ملت کا نفع رساں عالم بھی ہو تو بلاشبہ وہ پیغمبر خدا کی نظروں میں لاکھوں عابدوں سے بہتر ہوگا۔ جس طرح چاند لاکھوں ستاروں سے بہتر ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی

علم کی فضیلت عابد پر اسی طرح مسلم ہے جس طرح چاند کی

سائر الکواکب۔ فضیلت ستاروں پر۔

پیغمبرؐ خدا نے عقل کی مدح و ستائش کی ہے اس لئے کہ عقل ہی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے عوام الناس کو فائدہ پہنچانے کی راہیں نکالتی ہے خلائق کو نفع رسانی عقل کی قوت ہی کی بدولت ممکن ہے پیغمبرؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں:۔

تفکیر ساعة واحدة خیر من عبادة سنه — ایک ساعت کا سوچ بچار ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(روایات میں ہے کہ ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے)

اسلام نے انسانی معاشرہ اور سماج کی فلاح و بہبود اور اُس کے اتحاد و شیرازہ بندی اور اُس کے ذرائع حیات پر پوری توجہ مبذول کی روئے زمین کی نعمتوں اور عمل کی برکتوں کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعا — خداوند عالم نے روئے زمین کی تمام نعمتیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں۔

والارض وضعها للانام — زمین خلائق کے لئے پیدا کی گئی۔

وهو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه — خدا ہی نے زمین کو تمہارا تابع کیا تم اُس کی راہوں پر چلو اور خدا کا رزق تناول کرو۔

دین اسلام نے انسان پر لازم کیا دوسروں کا شکر گذار ہو، کر دوسروں کا شکر گذار ہو کر ہی انسان خدا کا شکر گذار ہو سکتا ہے کیوں کہ جو شخص خلائق کو نہ پہچانے گا وہ خدا کو بھی نہیں پہچان سکتا۔

لا یشکر الله من لا یشکر الناس — جس نے لوگوں کا شکریہ نہ ادا کیا وہ خدا کا شکر گذار نہ ہوا۔

پیغمبرؐ نے منفعت بخش اور سودمند کاموں کی بڑی مدح و ستائش فرمائی ہے بلکہ آپ نے مدح و ستائش ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ وہ ہاتھ چومنے کے قابل قرار دیے کثرت عمل سے جس پر ورم آ جائے فرماتے ہیں۔

تلك ید یحبها الله و رسوله — یہ وہ ہاتھ ہے جسے خدا و رسول دوست رکھتے ہیں۔

منفعت بخش اور رفاہ عام کے کاموں کو پیغمبرؐ کتنی عظمت و تقدیس کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اس کا ثبوت ذیل کی روایت سے ملتا ہے۔

پیغمبرؐ کے اصحاب نے ایک گٹھے ہوئے طاقتور جسم کے انسان کو جاتے ہوئے دیکھا انہوں نے تمنا کی کہ کاش یہ شخص اپنی یہ قوت و طاقت راہِ خدا کے جہاد میں صرف کرتا۔ پیغمبرؐ نے یہ حکیمانہ فقرہ ارشاد فرمایا:۔

ان کان خرج یسعی علی ابوین شیخین کبیرین فهو فی سبیل الله وان کان خرج یسعی علی صبیة له صغار فهو فی سبیل الله وان کان خرج یسعی علی زوجته یعفها عن الحرام — اگر یہ شخص اپنے بوڑھے ناتوان والدین کی خدمت کے لئے نکلا ہے تو یہ کام بھی خدا کی راہ میں ہے اگر اپنے چھوٹے بچوں کے لئے کمانے نکلا ہے تو یہ بھی خدا کی راہ میں ہے اگر زوجہ کے لئے کمانے نکلا ہے تاکہ اسے حرام کاموں سے محفوظ رکھے

فهو فی سبیل الله و ان کان خرج یسعی علیٰ نفسه یعفها عن السوال فهو فی سبیل الله۔	تو یہ بھی خدا کی راہ میں ہے اگر خود اپنی ذات کے لئے کمانے نکلا ہے تاکر بھیک مانگنے سے محفوظ رہے تو یہ بھی خدا کی راہ میں ہے۔

کتب احادیث اپنے دامن میں بے شمار حدیثیں پیغمبرؐ کی ایسی رکھتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آں حضرتؐ عمل کو بہت احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے اور کام کرنے والوں کی بڑی منزلت تھی آپ کی نگاہوں میں فرماتے ہیں۔

ان الله یحب العبد المومن المحترف۔	خداوند عالم مومن اور کماؤ بندہ کو محبوب رکھتا ہے۔
ما اکل احدکم طعاماً قط خیراً من عمل یدہ	اپنے دست و بازو کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں۔

لہٰذا جب عمل کی یہ قدر و قیمت بلکہ تقدیس کا یہ درجہ اُسے حاصل ہے تو کام کرنے والے کو چاہیے کہ جو کچھ کرے بڑے استحکام کے ساتھ کرے جب کوئی شخص کام کرے گا خود بھی نفع اُٹھائے گا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے گا اور اس کا وجود سوسائٹی میں مبارک سمجھا جائے گا خداوند عالم اُسے محبوب اور اپنا مقرب بنائے گا۔

پیغمبرؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

ان الله یحب اذا عمل احدکم عملاً ان یتقنه۔	خداوند عالم کو یہ بات محبوب ہے کہ جب تم میں کوئی شخص کوئی کام کرے تو ٹھیک سے کرے۔

ہم نے اُوپر یہ بات کہی ہے کہ اسلام نے زمین کو تابع قرار دیا ہے جس کے راستوں پر لوگ چلتے ہیں اس کے رزق سے کھاتے ہیں اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ زمین کی ان نعمتوں کی تقسیم میں اسلام کا طرزِ عمل کیا رہا؟ کیا یہ زمین کی تمام نعمتیں لوگوں کی ایک خاص جماعت کا حق ہے دوسری جماعت کا نہیں ایک طبقہ لوگوں کا اس سے بہرہ اندوز ہونے کا حق رکھتا ہے دوسرا نہیں رکھتا یا اس کی تقسیم محنت مشقت اور ضرورت کی بنیاد پر ہونی چاہیے؟ کیا یہ زمین کی نعمتیں بادشاہوں، رئیسوں، دولتمندوں اور غاصبوں کے پاس ذخیرہ ہو کر رہ جانے کے لئے ہیں یا اس کے سبھی حقدار ہیں اور اس کی تقسیم تمام انسانوں پر منصفانہ حیثیت سے ہونی چاہیے۔

اسلام نے انسانی برادری کو انصاف و منطق کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اُس کے لئے جچے تلے قوانین مقرر کئے ہیں نہ تو کسی کو محروم کیا نہ کسی کو اس کی محنت سے زیادہ دیا ہر محنت و مشقت کا صلہ ہوتا ہے اور سماج پر لازم ہے کہ اس صلہ کا پاس و لحاظ رکھے اچھے سماج کی تعریف یہ نہیں کہ محنت کرنے والا تو بھوکا مرے اور کاہل دھوکہ باز انسان جو کوئی کام نہیں کرتے انہیں کھاتے کھاتے بدہضمی ہو جائے۔ نہ اچھے سماج کی یہ تعریف ہے کہ محنت کرنے والے کو اُس کی محنت کا پھل نہ ملے اور زمین کی تمام نعمتیں بیکار وکاہل شخص ہتھیا لے جیسا کہ گذشتہ زمانے کے سماجوں میں ہوتا تھا یا جیسا کہ اسلام آنے کے بعد بنی اُمیہ کی خواہش رہی کہ تمام خلائق کو اپنا غلام بنالیں اور اُن کی جان و مال میں جو تصرف چاہیں کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے فضول خرچی اور بے جا ذخیرہ اندوزی

زرو آلش کو حرام قرار دیا ہے خصوصیت کے ساتھ ایسے معاشرہ میں جس کے زیادہ تر افراد فقیر و نادار ہوں اس لئے کہ ایک طرف اگر فضول خرچی اور بے جا زیب و زینت ہوگی تو دوسری طرف لازماً فقر و فاقہ ہوگا اور محرومی و ناامیدی، نیز اس وجہ سے بھی کہ کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ دوسرے انسان کی محنت کا پھل کھائے اور اس وجہ سے بھی کہ حد سے بڑھی ہوئی فضول خرچی اور عیش و عشرت ناداروں کے سماج میں جب ہی ممکن ہے کہ ایک محنت کرے اور دوسرا اس کی محنت کا پھل کھا جائے پیغمبر اسلام نے فضول خرچی اور عیش و عشرت کے دلدادہ لوگوں کے گھروں کو شیطان کے گھروں سے تعبیر کیا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں۔

فان امامها الا هذه الاقفاص التى تستر الناس بالديباج۔

شیطانوں کے گھر یہی پنجرے ہیں جنہیں لوگوں نے حریرہ دیباج پہنا رکھے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

كم اهلكنا من قرية بطرت معيشتها فتلك مساكنهم لم تسكن من بعدهم الا قليلا۔

کتنے شہر ہیں جس کے باشندے عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے گھر ویران ہو گئے کوئی رہنے والا نہیں رہا سوائے مختصر سے گھروں کے۔

دوسری جگہ قرآن مجید انتہائی بلیغانہ انداز میں ایسے لوگوں کی سرزنش کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليه القول فدمرنا تدميرا۔

جب ہم کسی شہر کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اُس شہر کے عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو حکم دیتے ہیں (یعنی اُن کے لئے ایسے اسباب عیش فراہم کر دیتے ہیں) کہ وہ فاسق ہو جائیں اور سزاوار ہلاکت ٹھہریں پھر ہم اس شہر کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں

ناداروں کے درمیان رہ کر حد سے بڑھی ہوئی فضول خرچی اور بے اندازہ عیش و عشرت جو ناداروں کی دل شکستگی کا باعث ہوتی ہے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا اور اس تک پہنچنے والی تمام راہیں مسدود کیں۔ حکام و ولاۃ کا ظلم و جور بھی ایک ایسا ہی راستہ تھا۔ احتکار یعنی انسانی ضروریات کی چیزیں اس غرض سے ذخیرہ کر کے رکھنا کہ گراں قیمت پر فروخت کریں گے مزدوروں سے کام لینا اور اُن کی مزدوری نہ دینا۔ زمین کا مالک ہو جانا بغیر اس کے کہ اُس کی آبادکاری کے لئے کوئی زحمت و مشقت اٹھائی جائے دوسروں کے مال کو ہتھیا لینا نیز اور اسی قسم کی تمام ظلم و زیادتی کو پیغمبر اسلام نے سختی سے منع کیا اور حرام قرار دیا۔ احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کے متعلق آں حضرتؐ نے فرمایا من احتكر فهو خاطئ ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے۔ زمین غصب کر لینے کے متعلق ہولناک دھمکی عذاب کی دی کہ من ظلم من الارض شبرا طوقه من سبع ارضين۔ جو شخص دوسرے کی زمین غصب کرے خداوند عالم زمین کو ساتوں طبق اُس کی گردن کا طوق بنا دے گا۔ نیز فرمایا

من اقتطع مال امری مسلم بغیر حق لقی اللہ عز و جل وھو علیہ غضبان جو شخص دوسرے کے مال کو غصب کرے وہ بروز قیامت خدا سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ خداوند عالم اس پر غضبناک ہوگا۔

سود خواری کی تمام قسموں کو اسلام نے حرام قرار دیا۔ سود خواری کے متعلق قرآن کہتا ہے لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ اے ایمان لانے والو سود در سود نہ کھاتے چلے جاؤ، دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے احل اللہ البیع وحرم الربوا خداوند عالم نے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا اور سود خواری کو حرام، سود کھانے والوں کو بہت ہولناک تہدید اور عذاب کی دھمکیاں دی گئی ہیں کیوں کہ یہ ایک طرح کی بیگار اور دوسروں کو اپنا غلام بنانا ہے [1]

انصاف کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو بس اتنا ہی ملے جتنی وہ محنت کرے اگر لوگ دوسروں کا مال نہ ہتھیائیں انسانی ضروریات کی چیزیں زیادہ دام پر فروخت کرنے کی نیت سے ذخیرہ نہ کریں تو ایک شخص کے پاس دولت کا انبار جمع ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان اور اس کی محنت سوسائٹی میں کوئی اہمیت رکھتی ہوتی تو کبھی بیگاری اور چاکری رواج نہ پاتی۔ اسلام میں انسان کی قدر و قیمت مال و دولت کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس سے بالاتر ہے برخلاف ناکارہ و فاسد معاشروں کے جن میں انسان کی قیمت اس کے مال و دولت کے لحاظ سے لگائی جاتی تھی۔

سب سے بڑا گناہ سوسائٹی کا یہ ہے کہ ارباب حکومت اور ذخیرہ اندوز افراد دونوں عوام کو لوٹنے پر ایکا کرلیں اور ناجائز طریقہ سے اُن کی محنت کا پھل کھا جائیں قرآن میں ہے:۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم و انتم تعلمون۔

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھا جاؤ اور نہ مال کو رشوت میں حکام کے یہاں جھونک دو تاکہ لوگوں کے مال میں سے جو کچھ ہاتھ لگے ناحق خورد برد کر جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

اور پیغمبر خدا ارشاد فرماتے ہیں:۔ ما اکل احدکم طعاما قط خیرا من عمل یدہ اپنے دست و بازو

---

[1] ربا اور بیع میں اس لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے کہ سوداگر اور تجارت پیشہ افراد انسانی ضروریات کی چیزیں جہاں جہاں سے وہ فراہم ہو سکتی ہیں اپنے وسائل سے کام لے کر سستے داموں خریدتے ہیں۔ ہر شخص کو نہ تو یہ پتہ ہوتا ہے کہ یہ چیزیں کہاں سے دستیاب ہوں گی اور نہ منگانے ہی کی کوئی سبیل ہوتی ہے۔ تجارت پیشہ افراد کو خرید کر اپنے مقام پر لاتے اور خریداروں کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت تھوڑا نفع حاصل ہوتا ہے کبھی نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے لیکن سود خواروں کو نہ تو کوئی زحمت کرنا پڑتی ہے نہ مشقت جھیلنے کی نوبت آتی ہے نہ وہ کم نفع پر قناعت کرتے ہیں نہ انہیں کبھی نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے اس بنا پر ان میں اور تجارت پیشہ افراد میں بہت بڑا فرق ہے۔

کی کمائی سے بہتر کوئی غذا نہیں۔

سورۂ زلزال میں ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ جس نے ذرہ برابر بھی بدی کی اس کا انجام دیکھے گا اور ارشاد ہوتا ہے۔ کل نفس بما کسبت رھینۃ ہر شخص اپنے اعمال کا اسیر ہے۔

نیز مال اگرچہ لوگوں کی ذاتی ملکیت ہوتا ہے اور اسلام نے ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا ہے اس سے انکار نہیں کیا لیکن اسلامی قوانین کچھ اس طرح مرتب کئے گئے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ بے حساب دولت کسی خاص جماعت کے پاس ذخیرہ اور انہیں میں منحصر ہو کر رہ جائے تاکہ وہ تمام منافع کو اپنے لئے مخصوص کر لیں دوسروں کو ذلیل کریں اُن سے بیگاری لیں مال کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان کھلونا بن کر نہ رہ جائے۔

تو قرآن و حدیث کی رو سے مال سب سے پہلے جماعت کا ہے اور جماعت کے افراد اس مال سے اپنی ضرورت اور محنت کے لحاظ ہی سے لے سکتے ہیں اسی وجہ سے اسلام میں ناجائز قرار دیا گیا کہ کوئی شخص دوسروں کا مال زبردستی ہتھیائے جس طرح یہ ناجائز قرار دیا گیا کہ کوئی شخص اپنی ضرورت سے فاضل مال ذخیرہ کر کے رکھے۔ پیغمبرؐ کی مالی سیاست کی یہی بنیاد تھی اور پیغمبر نے اپنے قول و عمل سے ایسے نمونے پیش کئے جن کی پیروی ضروری و لازم[1] ہے۔

---

[1] جن لوگوں نے قرآن شریف کا غائر مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام نہ تو مردود و ملعون سرمایہ داری کا حامی ہے، نہ اشتراکیت کے غیر فطری نظام کی تائید کرتا ہے، وہ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے تاکہ ہر شخص اپنے خداداد قوتوں اور صلاحیتوں سے بیش از بیش کام لے چونکہ معاشی زندگی کی اصلاح کے لئے قانونی جکڑ بندی کافی نہیں اس لئے اسلام نے اخلاقی تربیت کے ذریعہ سے بھی اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ دنیاوی حکومتوں کے مادی نظام اور اسلام میں یہی ایک وجہ امتیاز ہے، اشتراکی نظام ہماری پوری معاشی زندگی کو ضابطے اور قانون کی بندش میں جکڑ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک مشین بن کر رہ جاتے ہیں اور ہمارے ارادے اور مرضی کا جب کوئی مصرف نہیں ہوتا تو وہ آہستہ آہستہ معطل اور بیکار ہونے لگتے ہیں، ہمدردی غربا پروری اور صلہ رحمی کے مواقع جب دستیاب نہ ہوں گے تو فرد اور جماعت ان شریفانہ جذبوں سے محروم ہو جائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ اشتراکی نظام ایک ایسی کالج کی بنیاد رکھ رہا ہے جس میں کوئی فرد دوسرے کی معاشی امداد کا محتاج نہ ہوگا بلکہ یہ فرض اجتماعی ادارے انجام دیں گے۔ مگر جب ہر آدمی اور مواسات کا سرچشمہ افراد کے دلوں میں خشک ہو جائے گا تو امداد کے اجتماعی اداروں کو ایسے آدمی کہاں سے ملیں گے جو ان شریفانہ جذبات سے پُر ہوں اور مصیبت زدہ افراد کا دل سوزی سے مداوا کر سکیں۔ شخصی اعانت اخلاقی احساس کی بیداری کا پیمانہ ہے۔ اجتماعی امداد کے ادارے محض مشین ہوں گے جو قائم شدہ طریق عمل یا رائے عامہ کے دباؤ سے کام کرتے رہیں گے۔ اسلام چونکہ نفسیات انسانی پر پوری نظر رکھتا ہے اسی لئے اس نے چند شعبوں کو تو ضابطے اور قانون کے حوالے کیا ہے اور بقیہ شعبوں میں انسان کے اخلاقی احساس کو عمل کی آزادی دی ہے پر

پیغمبرؐ کے ایک محبوب صحابی تھے رفاعہ بن زید، کسی غزوہ میں تیر سے شہید ہوئے لوگوں نے آکر پیغمبرؐ کو تعزیت پیش کی اسی سلسلہ میں کہا "رفاعہ کا بھلا ہو یا رسُول اللہ وہ شہید مرے" مطلب یہ تھا کہ پیغمبرؐ کی تسلّی ہو اور آپ کا حزن و اندوہ کم ہو، مگر آں حضرتؐ کا حزن و اندوہ کم ہوا نہ رفاعہ کے انجام بعد الموت سے آپ مطمئن تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"ہرگز نہیں، وہ شملہ جو انہوں نے خیبر کے مال غنیمت سے لیا تھا وہ اُن پر آگ کی طرح مشتعل ہے"

رفاعہ جہاد کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تھے لیکن باوجود اس کے پیغمبرؐ نے انہیں گنہگار قرار دیا کیوں کہ انہوں نے جماعت کے مال سے ایک غیر معمولی سی چیز لے لی تھی انہیں چاہیے تھا کہ اپنی مرضی سے وہ شملہ نہ لیتے بلکہ تقسیم کا انتظار کرتے۔

غاصبوں اور ذخیرہ اندوزوں کے ساتھ اسلام نے کیا رویہ اور طرز عمل اختیار کیا اس کا اندازہ آپ کو اسی سے ہو سکتا ہے کہ اسلام نے زندگی کو بڑی اہمیت دی ہے زندہ انسان ہی اس کائنات کی روح ہے اور خداوند عالم نے تمام چیزیں اسی کے لئے پیدا کی ہیں لہذا اُس کو زندگی اور زندگی بسر کرنے کے وسائل سے کیونکر محروم کیا جا سکتا ہے اور کیوں کر ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنی قوت و طاقت کے بل پر دوسروں کو وسائل زندگی حاصل کرنے سے روک دیں یا اُن کی کمائی خود ہڑپ کر جائیں۔

پیغمبر اسلام کی نظروں میں مال ہوتا ہی اس لئے ہے کہ خلائق کو آسائش سے زندگی کے وسائل میسر ہوں جس طرح تمام انسان آفتاب کی روشنی اور ہوا برابر کا حق رکھتے ہیں اور دونوں چیزوں سے فائدہ اٹھاتے اسی طرح ساری ضروریات زندگی جو اسی آفتاب کی روشنی اور ہوا کی پیداوار ہیں ان میں بھی انسان کا سب کے برابر حق ہے اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ اُسے اس فطری حق سے محروم رکھے۔

بقیہ حاشیہ صـ۲ـ

دے دی ہے اور اس طرح اس کے نشوونما کا موقع بہم پہنچایا ہے، دوسرے امور کی طرح معاشی امور میں بھی انسان کے آزاد اور خود مختار ہونے کے لئے ایک وسیع میدان چھوڑ دیا گیا ہے۔ جہاں قانون اور حکومت کے دباؤ کا گذر نہیں یا جہاں بنی آدم کی اخلاقی جراتوں کا امتحان ہوتا ہے جو شخص قانون کی رو سے اس بات پر مجبور ہو کہ اپنی گاڑھی کمائی ایک ادارہ کے سپرد کر دے اور اس میں سے آتا ہی لے جتنا اُس کی ضرورت کے لئے کافی ہو تو یہ کیونکر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس آدمی کا اخلاقی معیار کیا ہے۔ ہاں حکومت کا دباؤ اور قانون کی گرفت کا خوف نہ ہو تو انسانی عمل سے اس کی اخلاقی نشوونما کا پتہ چل سکتا ہے۔ اسلام حاکمانہ دارو گیر اور قانونی دباؤ کو درمیان میں لائے بغیر انسان کے اخلاق کو اتنا مضبوط دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی دستگیری اور اعانت کر سکے، پورا قرآن راہِ خدا میں خرچ کرنے کے احکام سے بھرا پڑا ہے اس سے جہاں انسان کی اخلاقی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے وہاں دولت کے گردش کرتے رہنے کا بھی موقع دستیاب ہوتا ہے جس سماج میں دولت چلتی پھرتی رہے وہاں سرمایہ داری وجود میں نہیں آسکتی۔

(فلسفۂ آل محمدؐ مولانا ابن حسن صاحب جارچوی)

پیغمبرِ اسلام کا ارشاد ہے لوگ تین چیزوں میں برابر کے حقدار ہیں، پانی، سبزہ، آگ، ہر شخص خواہ وہ کسی قوم و قبیلہ کا ہو یا جس مذہب کا بھی پابند ہو وہ حق رکھتا ہے کہ اپنی محنت کا پھل کھائے، انسانی برادری کے ہر فرد کا فریضہ ہے کہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور اپنے معاملات و حالات کے اصلاح و درستی کی کوشش کریں۔

انسانی برادری کا فریضہ ہے کہ وہ افراد کے حق کو پہچانے اور ان کو وسائل زندگی حاصل کرنے کی آزادی دے کہ جیسی اُن میں صلاحیت ہو جتنی محنت کر سکیں اس کے لحاظ سے کام کریں اور اپنے عمل کا ثمرہ خود حاصل کریں۔ سماج کے افراد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کی مدد کریں اور اپنی آزادی کو دوسروں کے لئے رکاوٹ نہ بنائیں۔ نہ تو برادری کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے افراد پر ظلم کرے، نہ افراد کے لئے جائز ہے کہ برادری کو نقصان پہنچائیں جس طرح افراد اپنی بھلائی ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح اُن کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کی بھلائی کا بھی لحاظ رکھیں پیغمبر خدا کا ارشاد ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہوگا۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچائے پیغمبرِ خدا نے اس کو بڑی اچھی مثال دے کر سمجھایا ہے۔

چند لوگ ایک کشتی پر بیٹھے اور ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ حاصل کر لی اُن میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے تیشہ لے کر جس جگہ بیٹھا تھا وہاں سوراخ کرنا شروع کیا لوگوں نے اس سے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو اس نے جواب دیا یہ میری جگہ ہے میں آزاد ہوں جو چاہوں کروں، کشتی والوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور خود بھی ڈوبنے سے بچے اور اس کو بھی بچایا اگر اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ بھی ڈوبتا اور یہ لوگ بھی ڈوب جاتے۔

ہر شخص پر واجب و لازم ہے کہ برائی کو چاہے وہ جس صورت میں بھی ہو دور کرے اور سماج اور برادری کی سلامتی کے لئے کوشاں ہو جیسا کہ ارشاد پیغمبر ہے من رای منکم منکراً الخ جو شخص کوئی برائی ہوتے دیکھے اُسے روک دے۔

پیغمبرِ اسلام نے اُٹھتے بیٹھتے اُمت والوں پر یہ بات واضح کی کہ اخلاق حسنہ عملی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں صرف زبانی پند و نصائح سے نہیں۔ لوگوں کے ساتھ عملی طور پر شفقت و مہربانی کا برتاؤ کرنا چاہیے زبانی جمع خرچ نہیں۔ پیغمبرِ لوگوں سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے بلکہ چھوٹوں بڑوں میں گھل مل کر رہتے۔ دلجمعی سے اُن کی باتیں سنتے میل جول رکھتے۔ ان کی خدمت کرتے جیسا کہ عظیم انسانوں کا طریقہ ہے۔

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ پیغمبرِ خدا کے ہمراہ بازار گئے کسی دوکاندار سے آں حضرتؐ نے ضرورت کی بعض چیزیں خریدیں اور دوکاندار کو نصیحت کی کہ تجارت میں ہمیشہ جائز نفع لینا مال ذخیرہ نہ کرنا۔ ناجائز طریقہ سے نہ کمانا اور نہ یہ خیال کرنا کہ تمہیں عیش و آرام کا حق ہے دوسرے کو نہیں۔ دوکاندار کو پتہ نہ تھا کہ پیغمبرِ اسلام ہم کلام ہیں ابوہریرہ نے اُسے آگاہ کیا دوکاندار بے چین ہو گیا چاہا کہ پیغمبرؐ کے ہاتھوں کو بوسہ دے پیغمبرؐ نے سختی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور دوکاندار سے فرمایا:

ایسا نہ کرو ایسا عجم والے اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے تھے چومنے کا مطلب غیر خدا کے آگے ذلیل ہونا ہے۔

ابوہریرہ نے چاہا کہ پیغمبرؐ کا سامان اُٹھا کر لے چلیں، پیغمبرؐ نے روک دیا اور تبسم فرماتے ہوئے کہا :۔

" رہنے دو چیز کا مالک دوسروں کی بہ نسبت اُٹھانے کا زیادہ حقدار ہے "

ملوک و سلاطین سے پیغمبرؐ ہمیشہ بدگمان رہے بلکہ ان کو سوسائٹی میں کوئی درجہ دیا ہی نہیں کیونکہ یہ خود بھی خراب ہیں اور دوسروں کو بھی خراب کرتے ہیں ۔

ارشادِ الٰہی ہے ۔

ان الملوك اذا دخلوا قريۃ افسدوھا و جعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ ۔

سلاطین جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت داروں کو ذلیل بنا دیتے ہیں ۔

پیغمبرؐ کو سب سے زیادہ تردد ان ملوک و سلاطین کے "تکبر" اور بڑائی کا رہتا پھر وہ جاہ و جلال اور شان و شوکت کے خصوصی انداز جو یہ سلاطین اپنے لئے رکھتے اس لئے کہ پیغمبر لوگوں کی زندگی کو اسی تقدیس کی نظر سے دیکھتے جس طرح ہر حقیقت کو دیکھا گئے قول و عمل میں سادگی اور فطری انداز آپ کے نزدیک شریفانہ زندگی کے رکن اساسی تھے اکثر ایسا ہوتا کہ آپ کو آتے دیکھ کر صحابہ ازراہِ تعظیم کھڑے ہو جاتے آپ اُنہیں منع کرتے ہوئے فرماتے :۔

" میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرو جس طرح عجم والے اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں "

من جملہ ان واقعات کے جن سے پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت کو شان و شوکت اور رعب و داب پسند خاطر نہ تھا یہ ہے کہ جب ابراہیم فرزند پیغمبرؐ کی رحلت ہوئی تو اُس روز سورج کو اتفاقاً "گہن" لگ گیا لوگوں نے کہا فرزند پیغمبرؐ کے غم میں آسمان بھی سوگوار ہے ۔آں حضرتؐ نے جب یہ فقرہ سنا تو لوگوں کو جمع کر کے تقریر کرتے ہوئے فرمایا ۔

چاند سورج خدا کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت پر انہیں گہن نہیں لگتا ۔

پیغمبرؐ کی تعلیم تھی کہ زندگی جہاں تک ہو سکے سادگی کے ساتھ بسر کی جائے نہ اس میں کوئی پیچیدگی ہو نہ تکلف زندگی بسر کرنے کا یہی اسلوب اسلام کی بنیاد ہے اسلامی مسائل کو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ سارے مسائل ایک اصل سے پیدا ہوئے ہیں وہ اصل بہت عمیق اور تمام مسائل کو شامل ہے اور وہ اصل سادگی ہے جس میں نہ دھوکا فریب ہو نہ آمیزش یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے زندگی کے ساتھ سچائی ۔

خالد محمد خالد نے بڑی عمدگی سے اس اسلوب کا خلاصہ بیان کیا ہے کہ :۔

آں حضرتؐ نے ایک مرتبہ لاعلمی میں ایک اعرابی کو کوڑا مار دیا ۔آپ نے اصرار کیا کہ وہ اعرابی بھی اسی طرح آپ کو کوڑا مارے ۔آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اپنے اصحاب سے کہا :۔

" میں نے جس کسی کی پشت پر کوڑا مارا ہو وہ مجھ سے قصاص لے لے جس کسی کا مال لیا ہو وہ میرے مال سے

اس کا بدلہ حاصل کرے۔

پیغمبرؐ نے کبھی کسی کو اذیت نہیں پہنچائی تھی لیکن یہ زندگی کے ساتھ سچائی تھی جسے پیغمبرؐ بہترین صورت میں مرتب کر رہے تھے آپ کی زندگی جس طرح ریاکاری اور کمزوری سے پاک تھی، اسی طرح غرور و تکبر سے بھی کبھی آلودہ نہ ہوئی۔ آں حضرتؐ تیز دوڑنے میں بیوی کا مقابلہ کرتے اپنے ہاتھ سے نعلین ٹانک لیتے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے۔ بکری کا دودھ خود دوھ لیتے اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے اصحاب کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھتے جب اصحاب کے ہمراہ کہیں جا رہے ہوتے تو اصحاب سے کہتے کہ میرے آگے چلو اور جب ان کے پاس آتے اور وہ لوگ بیٹھے ہوتے تو آپ آخر میں بیٹھ جاتے اور جب اصحاب آپ کی تعظیم و تکریم کرنا چاہتے تو آپ اُن سے فرماتے۔

"تم پر تفوق و امتیاز مجھے پسند نہیں"

(کتاب محمد و المسیح ص۱۶۲ - ص۱۶۳)

یہ تھی سچائی زندگی کے ساتھ۔ اس فصل میں ہم نے پیغمبرؐ سے متعلق جتنی روایتیں نقل کی ہیں۔ سب سے اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے رہ گئے حکام ان کے ذمہ اتنے فرائض اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انہیں سوسائٹی کا خادم بننا پڑتا ہے نہ کہ ظالم و متمرد و سردار یا چور یا ڈاکو۔

پیغمبرؐ کے حالات میں ملتا ہے کہ ایک جگہ کے لوگوں نے پیغمبرؐ سے کسی حاکم کی شکایت کی کہ اس نے تحفے ہدایا قبول کئے ہیں۔ آں حضرتؐ نے تحقیقات کی تو یہ پتہ چلا کہ واقعہ صحیح ہے آں حضرتؐ بہت غضبناک ہوئے اور والی کو بلا کر پوچھا۔

"جو چیز تمہارا حق نہ تھی تم نے کیسے لے لی؟"

والی نے معذرت کرتے ہوئے عرض کی 'یارسول اللہ وہ ہدیے اور تحائف تھے۔

آں حضرتؐ نے فرمایا۔

"اگر تم گھر میں بیٹھے رہتے اور ہم تمہیں والی نہ مقرر کرتے تو کیا اس وقت بھی تمہیں لوگ تحفے تحائف دیتے؟"

آپ نے والی کو تاکید کی کہ وہ تحفے مسلمانوں کے بیت المال کو پہنچا دو اور اُسی وقت آپ نے اُسے معزول بھی کر دیا۔

اس طرح پیغمبرؐ نے لوگوں کو بتایا کہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے رشوت نہ دیں اور حاکم کو بتایا کہ لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے، وہ اُن کا اس لئے حاکم[1] مقرر کیا گیا ہے کہ ان کے لئے بمنزلہ باپ کے ہو نہ اس لئے کہ چور ڈاکو ہو جائے۔

جب حاکم کے تحفے تحائف قبول کرنے پر آں حضرتؐ کی برہمی کا یہ عالم تھا تو خود مال لوٹنے دولت کو خزانوں میں بند رکھنے حقوق تلف کرنے اور عامۃ الناس کے ستانے پر آں حضرتؐ کی برہمی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلام میں حاکم لوگوں کے انتخاب و اختیار سے مقرر ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی مرضی کے مطابق حکومت کرتا ہے ہر وقت

[1] حکومت یعنی کسی ضلع یا صوبہ کی حکومت نہ کہ خلافت و امامت وہ تو خدائی منصب ہے اور خدا ہی جسے چاہتا ہے مقرر کرتا ہے۔

اس کے پیش نظر لوگوں ہی کی فلاح وبہبود ہوتی ہے۔اسلام نے حاکموں کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ رعیت سے رائے مشورے لیں اور جن مشکل مسائل کا پسندیدہ حل سمجھ میں نہ آئے۔ ان میں رعیت سے صلاح لیں۔جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے أمرهم شوریٰ بینهم اور ان کے کل کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں۔

خلیفہ کو حق نہیں کہ عوام کی مرضی کے بغیر اُن کے مال میں تصرف کرے نہ اُسے یہ حق ہے کہ اپنی طرف سے کوئی قانون بنائے بلکہ قوانین وہی جو اسلام نے مرتب کئے تھے، اس کا حق بس اتنا ہی ہے کہ لوگوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرے، حاکم کے لئے جائز نہیں کہ مظلوم وستم دیدہ افراد کی طرف سے بے توجہی کرے اور ان کے حقوق کو ظالم کی دستبرد سے بچائے نہیں۔حاکم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس انتظار میں رہے کہ مظلوم اُس کے پاس شکایت لے کر آئے بلکہ خود اُسے چاہئیے کہ مظلوم کی مدد کو پہنچے اور اُس کی دادرسی کرے۔ہوسکتا ہے کہ مظلوم فریاد وشکایت کی ہمت، اپنے پاس نہ پاتا ہو یا اُسے راہ نہ ملتی ہو شکایت کرنے کی۔اسلام نے ایسے مظلوم کی جس پر ظلم وزیادتی ہو مگر وہ ظلم کی فریاد نہ کرے، خاموش بیٹھ جائے۔ہر قسم کی ذلتیں سہے مگر اُف نہ کرے سخت ملامت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ شخص خود اپنا ظالم ہے،اسلام نے اپنے حق اپنی جان ومال اپنی عزت وآبرو کی حفاظت ومدافعت کی ستائش کی ہے۔چنانچہ ارشاد پیغمبرؐ ہے۔ من قتل دون مظلمته فهو شهيد جو شخص ظلم وزیادتی کا مقابلہ کرتے ہوئے جان دے دے وہ شہید ہے۔نیز ارشاد نبوی ہے۔

"اگر لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اُس کا ہاتھ نہ پکڑلیں تو قریب ہے کہ ان سب پر خدا کا عذاب نازل ہو۔

اسلام نے تمام افراد انسان کو ایک دوسرے کا بھائی شمار کیا۔مذہبی جنبہ داری سے بھی جنگ کی ہے۔ارشاد ہوتا ہے لا اكراه فی الدین دین میں زور وزبردستی نہیں، اور خاندانی وقبائلی عصبیت سے تو سخت وشدید جنگ کی ہے،ارشادِ پیغمبرؐ ہے الانسان اخو الانسان احب امکرہ۔ انسان انسان کا بھائی ہے۔یہ بات اُسے پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

لقد کرمنا بنی ادم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات
وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً۔

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی،خشکی وتری میں انہیں سواریاں مہیا کیں۔پاک وپاکیزہ غذائیں کھانے کو دیں اور بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت دی۔

پیغمبرؐ جب خطاب فرماتے تو آپ کا خطاب عرب والوں کی طرف بھی ہوتا عجم والوں کی طرف بھی گورے کالے زرد وسیاہ سب ہی آپ کے مخاطب ہوتے آپ اُن کو ایک دوسرے کا ہمدرد وغمگسار بھائی سمجھ کر مخاطب کرتے جو انسانیت کے رشتے میں باہم منسلک ہوتے۔قومیت یا جنسیت کے فرق کی وجہ سے باہم ان میں کوئی فرق نہ ہوتا۔اور اگر ان میں فرق ہوتا بھی تو اعمال خیر کے لحاظ سے فرق ہوتا۔رنگ ونسل کی جہت سے نہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں پیغمبرؐ :۔

یاایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد لیس لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی ابیض ولا لابیض علیٰ احمر فضل الاّ بالتقویٰ الا فلیبلغ الشاھد منکم الغائب۔

لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے۔ تمہارے باپ آدم بھی ایک ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر یا لال کو سپید پر یا سپید کو لال پر کوئی فضیلت نہیں اگر ہے بھی تو تقویٰ کی وجہ سے تم میں سے ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ پہنچا دے۔

یہ تھا اسلام کا دستور وقانون بنی نوع بشر اور ان کے معاشرہ کے لئے جیسا کہ قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیث سے بھی۔

دو وقتوں میں مسلمان بادشاہوں نے اس دستور پر عمل کیا اور دو وقتوں میں شدید مخالفت کی۔ جن دو وقتوں میں اس دستور پر عمل کیا گیا وہ عہد پیغمبرؐ اور عہد ابی بکر و عمر ہے۔ اور اُن کے بعد علی ابن ابی طالبؑ کے عہد میں اس دستور پر عمل ہوا۔ اور جن دو وقتوں میں اس دستور کی شدید مخالفت ہوئی وہ عہد عثمان اور عہد بنی اُمیہّ و بنی عباس ہے۔ بنی اُمیہ جو حضرت عثمان کے عزیز رشتہ دار تھے۔ اُنہوں نے حضرت عثمان کی نرمی وتساہلی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بیت المال پر ہاتھ صاف کیا۔ اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد بنی اُمیّہ و بنی عباس دونوں نے اس دستور کی دھجیاں اُڑائیں۔ اگر کبھی انصاف پرور خلفاء اور مسلمان بادشاہوں نے اصلاح کی کوشش بھی کی تو زمانہ نے اُنہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے حضرت عثمان کے عہد حالات ہم آیندہ فصلوں میں بیان کریں گے اور دکھائیں گے کہ کس طرح اُن کے زمانہ میں حکومت کے انداز بدل گئے اور پہلی حکومت میں اور اس حکومت میں کوئی بھی مماثلت باقی نہ رہی۔ بنی اُمیہّ زمین، زر اور عوام پر مسلط ہو گئے۔ عوام الناس کے رزق کو اپنے قبضہ میں سمیٹ لیا۔ حضرت عثمان نے رشتہ داری کا اتنا پاس و لحاظ کیا کہ اُنہیں مکمل چھوٹ دے دی کہ سیاہ وسفید جو چاہیں کریں اور خلافت کی اصلی شکل بدل کر خالص اموی بادشاہت بنا ڈالیں۔

کئی برس تک یہ اندھیر رہا یہاں تک کہ حضرت علیؑ تخت نشین خلافت ہوئے۔ علیؑ تک یہ خلافت کس کس طرح پہنچی۔ اور اُن کی حکومت کا انجام کیا ہوا؟ اس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

حاکم عوام ہی کا ایک فرد ہے

رائے مشورہ کے بغیر کوئی کام درست نہیں۔

میں تم ہی میں کا ایک شخص ہوں مجھے بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو تمہیں حاصل ہیں اور میرے سر بھی وہی ذمہ داریاں ہیں جو تمہارے سر۔

رعایا کے دل راعی کا خزانہ ہیں، عدل و انصاف یا ظلم و ستم جو اپنے خزانے میں رکھے گا وہی پائے گا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ خلافت صحابی ہونے کی وجہ سے یا پیغمبر کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے حاصل ہو سکتی ہے [۱]

(الامام علیؑ)

قبل اس کے خلافت علیؑ ابن ابی طالب تک پہنچے قریب تھا کہ اُموی حکومت د بادشاہت میں بدل جائے یا بالکل بدل ہی چکی تھی۔ اس زمانہ کے حکام و ارباب حل و عقد اور صاحبان رائے و مشورہ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ خلافت ہمارا مخصوص حق ہے۔ اور ہم ہی اس کے لائق و سزاوار ہیں کیوں کہ ہم عالی خاندان بھی ہیں اور والا نسب بھی، وہ اپنے اقتدار کو مضبوط اور اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کی خاطر قبائلی عصبیت، جماعت بندی، رشوت ستانی، غرض ہر ناجائز سے ناجائز کام کو جائز سمجھتے تھے۔ اُن کا نظریہ یہ تھا کہ حاکم رعایا کی جان و مال، عزت و آبرو کا مالک مختار ہے، جس طرح چاہے اُن میں تصرف کرے کسی کو مجال دم زدن نہیں غرض

---

[۱] مؤلف کتاب نے اس فصل میں امیر المومنینؑ کی طرف اس فقرہ کو منسوب کیا ہے کہ خلافت کا معیار نہ صحبت پیغمبرؐ ہے نہ آں حضرتؐ سے قرابت داری، ہم شیعوں کا اعتقاد یہ ہے کہ خلافت امیر المومنینؑ میں منحصر تھی کیونکہ خداوند عالم نے بھی قرآن میں اس کی صراحت فرما دی تھی اور پیغمبرؐ نے بھی اپنی زندگی میں ہر محل و ہر موقع پر اس کا اعلان فرمایا ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ خلافت کا معیار نہ تو صحبت پیغمبرؐ ہے نہ پیغمبرؐ کی رشتہ داری نہ عوام الناس کا انتخاب بلکہ جس طرح خداوند عالم نے نبیؐ کا تقرر اپنے ہاتھ میں رکھا، اسی طرح امام بھی اسی نے مقرر کیا۔ ۱۲

عوام اُن کی نظروں میں چوپائے تھے۔ ان پر چاہے جتنا بوجھ لاد دیا جائے اور اُن کی پشتوں کو کوڑوں سے جتنا بھی لہولہان کیا جائے

حضرت عثمان کے عہد میں قسمت اِن والیوں کو من مانی کرنے کے مواقع بھی بہم پہنچا دئے۔ اس سنہرے موقع سے فائدہ اُٹھا کر ان والیوں نے اسلامی حکومت کے گوشہ گوشہ میں اموی حکومت کو مضبوط بنانے کی تدبیریں کیں۔ قبائل عرب کے شیوخ و اکابر کو بے انتہا مال و دولت رشوت میں دے کر اپنا طرف دار کر لیا۔ بر سر اقتدار افراد کو کامل آزادی دے دی کہ عوام پر جتنا ظلم کر سکیں، اُن کے جان و مال سے جس طرح چاہیں کھیلیں اور جتنا خون چاہیں عوام کا بہائیں۔

فوجیوں کو بے انتہا مال و دولت دے کر یا عہدہ و مناصب کی لالچ میں مُبتلا کر کے، اس طرح اُنہیں خرید لیا کہ وہ اُن کے مخالف ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ جس نے اُن کا ساتھ دیا اُن کی طرف داری کی اُنہیں تو اپنا مقرب بارگاہ بنایا اور جس نے اُن کی طرفداری سے گریز کیا وہ راندۂ درگاہ قرار دیا گیا۔

غرضیکہ ان نئے اُصولوں پر حکومت کی بُنیاد رکھی گئی۔ یہ بنیاد رکھنے والے بنی امیہ تھے جن کے دل میں حقیقتاً اسلام کا گذر نہ ہوا تھا وہ محض جان کے خوف سے مسلمان ہوئے تھے اور مال و دولت کی لالچ میں اسلام پر اب تک باقی تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی وہ ٹھیک ویسے ہی رہے جیسے اسلام لانے سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں رہا کرتے۔ بزرگان اسلام پیغمبرؐ کے جلیل القدر اصحاب جو ارباب حل و عقد تھے وہ دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکے گئے انہیں ذلیل و خوار کیا گیا [1] وہ کسی شمار و قطار میں نہیں رکھے گئے۔

[1] حضرت عثمان کی انتہائی کوشش اور دلی تمنا تھی کہ تمام اسلامی شہروں میں بنی امیہ کی قاہر و جابر حکومت کی بنیادیں مستحکم ہو جائیں۔ انہوں نے اس کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ابوسفیان جب حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے بعد دوسرے تیسرے دن خلافت کی مبارک باد دینے آیا تھا اور اُس نے فرطِ مسرت کی بنا پر حضرت عثمان کی مشہور خاندان پرستی کی وجہ سے دل کی بات زبان سے کہہ دی تھی کہ اس خلافت سے مثل گیند کے کھیلو اور اس کے ارکان بنی امیہ کو بناؤ اس وقت تو حضرت عثمان نے ابوسفیان کو جھڑک دیا تھا لیکن اُسی دن سے انہوں نے ابوسفیان کے مشورہ کو اپنا نصب العین بنا لیا اور ہر بڑے شہر کی گورنری و حکومت بنی امیہ کے نوخیز لڑکوں ہی کو دی اور انہیں جوانوں کو حاکم بنایا جنہیں نہ کچھ آتا تھا نہ جانتا تھا نہ تجربہ تھا نہ تعلیم و تہذیب سے آراستہ تھا۔ انہیں مسلط کر کے فتنہ و فساد کے دروازے پاؤں پاٹ کھول دئے اور اُمّت اسلامیہ کی تباہی و بربادی کے ساتھ اپنی ہلاکت کا سامان خود فراہم کیا وہ غریب مسلمانوں کے ساتھ حضرت عثمان کو بھی لے ڈوبے۔ علامہ ابو عمرو صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کی خدمت میں جب صرف بنی امیہ کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے شبل بن خالد آیا اُس نے کہا اے قریش والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تمہارے اندر کوئی کم سن بچہ بھی باقی نہیں رہا جس کی عزت افزائی تم کر سکو یا کوئی محتاج و نادار نہیں ہے جس کی دولت مندی تمہیں مقصود ہو یا کوئی گمنام نہیں جس کے نام کو تم اونچا کر سکو۔ یہ کس وجہ سے تم نے ابوموسیٰ اشعری کو عراق کا حاکم بنا رکھا۔ عراق اس کو جاگیر میں دیدیا ہے جسے وہ خوب اچھی طرح کھا رہا ہے (باقی بر صفحہ ۱۰۱)

ہاں ایسے صحابیوں کو ضرور سر چڑھایا گیا جنہوں نے مسلمانوں کے حقوق کی تباہی اور بنی امیّہ کی حکومت مضبوط بنانے میں ان لوگوں کی مساعدت و معاونت کی ان لوگوں نے عوام کو امویوں کا مطیع و فرمانبردار بنانے کے لئے مسلمانوں کے بیت المال کی کنجی اور حکومت کی تلوار ان امویوں کے حوالے کر دی۔ عوام الناس بھی دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک جماعت ایمان دار معاشرہ کے خیر خواہ اور حق کے طرفداروں کی تھی جن کی واحد تمنا یہ تھی کہ عدل گستر حاکم ہمیں نصیب ہو چاہے وہ ہمیں زر و مال سے مالا مال نہ کرے۔ بیت المال کو ہم پر لٹائے نہیں، دوسرا گروہ حق سے برگشتہ افراد کا تھا جو اس توقع میں تھے کہ ستم پیشہ حکام منہ مانگا دام دے کر ہمارے دین کو خریدیں گے۔ اگر وہ اتنی قیمت ادا کر دیں جو ہماری خواہشوں کے مطابق ہو تو ہم اپنا دین ان کے ہاتھ فروخت کر ڈالیں گے اور اگر ہماری خواہشوں کے مطابق قیمت اُنہوں نے نہ لگائی تو ہم ٹال مٹول سے کام لیں گے۔ تاوقتیکہ ہماری خواہشوں کے مطابق قیمت ہمیں مل جائے۔

جب خلافت امیر المومنینؑ تک پہنچی تو یہ ناگفتہ بہ صورتِ حالات تھی اور عوام النّاس دو طبقوں میں منقسم تھے۔ ایک طبقہ وہ تھا جو عدل گستر اور مجسمۂ انصاف امام کی نصرت و حمایت میں جان دینے پر کمر بستہ تھا۔ دوسرا طبقہ وہ تھا جو امویوں کا حلقہ بگوش اور اُن کی حکومت و بادشاہت کو پائدار بنانے کے لئے کوشاں تھا۔ خود بنی امیہ بھی اپنی سیادت و ریاست کے استقلال کے لئے عرصہ سے سرگرمِ عمل تھے وہ طے کر چکے تھے کہ اگرچہ کامیابی بہت دشوار ہے مگر بہر حال ہم کامیابی حاصل کر کے رہیں گے اور جو ہماری راہ میں مزاحم ہو گا خواہ وہ دینی حیثیت سے کتنا ہی جلیل القدر و عظیم المرتبت کیوں نہ ہو قربان کر دیا جائے گا۔

علیؑ کو خلافت کی کوئی پروا نہ تھی۔ ابوبکر و عمر کے زمانہ میں اُن کے ہر آڑے وقت کام آئے [۱] جب بھی خلافت اسلامیہ کسی پیچیدگی سے دوچار ہوئی علیؑ نے اس پیچیدگی کو دور کیا۔ عثمان کی خیر خواہی میں بھی کوئی کمی نہیں کی۔ انہیں کبھی اس کی

حاشیہ بقیہ ص۱

حضرت عثمان نے پوچھا تو پھر ان کی جگہ کسے حاکم بنایا جائے۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ عبداللہ بن عامر حضرت عثمان کا پھوپھی زاد خالہ زاد بھائی موجود ہے۔ حضرت عثمان نے ابوموسیٰ کو معزول کر کے اسی کو حاکم بنا دیا۔ درآنحالیکہ اس کی عمر سولہ سال کی تھی۔ بنی امیہ کے نوخیز لڑکے نہ تو اس کی پروا کرتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں، اور اگر کوئی شکایت کرتا تو حضرت عثمان کان نہ دھرتے نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں لاتے اُنہیں نوخیز لڑکوں میں سے کوفہ کا گورنر سعید بن العاص تھا۔ خود سر دلدادہ عیش نوجوان جس کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ جو اس نے سرِ منبر بھرے مجمع میں کہا تھا۔ ان السواد بستان لاغیلۃ من قریش عراق کی یہ سرزمین قریش کے چھوکروں کے لئے باغات ہیں۔

یہ وہی نوخیز لڑکے تھے جن کے متعلق پیغمبرؐ کہہ چکے تھے ان فساد امتی علیٰ یدی غلمۃ سفہاء من قریش۔ میری امت کی تباہی قریش کے نادان چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن پارہ ۱۲، مستدرک جلد ۴ ص۴۷)

[۱] یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ امیر المومنینؑ کو دنیاوی حکومت کی کوئی رغبت نہ تھی۔ اگر آپ خلافت کے خواہش مند تھے تو محض (باقی بر ص۱۰۲)

شکایت نہ ہوئی کہ خلافت ہم تک پہنچنے کے بجائے اُن تک پہنچ گئی۔ انہیں بس لے دے کے اگر کوئی فکر تھی تو بس یہی کہ حق قائم ہو۔ لوگ منتیں کرتے تھے خوشامدیں ہوتی تھیں چھوٹے بڑے سب ہی مل کر التجا کرتے تھے کہ آپ خلافت قبول کیجئے مگر

بقیہ حاشیہ صـ۱۰۱ـ

اس لئے کہ پیغمبرؐ کے اسلام کی صحیح اشاعت و تبلیغ آپ ہی سے ممکن تھی کیونکہ آپ پیغمبرؐ کی آغوش کے پلے بڑھے اور آپ کے علوم و معارف کے حقیقی خزینہ دار تھے پیغمبرؐ نے آپ کو علم اس طرح بھرایا تھا جس طرح طائر اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔ اپنی پیدائش کے دن سے لے کر وفات پیغمبرؐ تک ایک لمحہ کے لئے پیغمبرؐ سے جدا نہ ہوئے ہر لمحہ آپ کا خدمت رسولؐ میں گزرتا تھا۔ سنت نبویؐ کا جاننے والا آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہ تھا۔ آپ پیغمبرؐ کے اخلاق و عادات کی ہو بہو تصویر اور آپ کے تمام علوم و کمالات کے وارث تھے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف دوستوں ہی کو نہیں آپ کے شدید مخالفین بلکہ خود قابضان خلافت کو بھی تھا خدا کی مرضی بھی یہی تھی اور پیغمبرؐ کی تمنا و خواہش بھی یہی کہ میرے بعد شریعت اسلامیہ کی باگ ڈور علیؑ کے ہاتھوں میں آئے کہ انہیں میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ پیغمبرؐ کے دین کو اسی حیثیت سے ترویج و ترقی دیں جس حیثیت سے خدا و رسولؐ کو منظور ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ آپ خلافت دوسروں کے ہتھیا لینے پر حرف شکایت زبان پر لائے یا نہیں تو اُس کے لئے نہج البلاغہ کے صفحات گواہ ہیں تاریخیں شاہد ہیں آپ نے ہر موقع و محل پر احتجاج کیا اپنی حقیقت کی دلیلیں پیش کیں اور دوسروں کے غصب و تظلم کا بہ بانگ دہل اعلان کیا:۔

"بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں میں تم سے ہرگز بیعت نہ کروں گا تم کو چاہیے کہ مجھ سے بیعت کرو تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسولؐ خدا سے قرابت ہے جو اُن کو حاصل نہیں تھی اور اب ہم اہل بیتؑ سے یہ امر خلافت تم غصب کئے لیتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے ان کی نسبت زیادہ مستحق ہو کہ محمدؐ تم میں سے تھے اس دلیل کو مان کر اُنہوں نے یہ امر تمہارے سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دے دی۔ اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسولِؐ خدا کے ان کی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں۔ پس اگر تم محمدؐ و اسلام پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو ورنہ تم ہم پر جان بوجھ کر ظلم کر رہے ہو"

ہم ان تمام باتوں کو پوری وضاحت کے ساتھ حضرت امیرالمومنینؑ حصہ ثانیہ میں لکھ چکے ہیں یہاں اُن کی تکرار عبث ہوگی۔
امیرالمومنینؑ کا خلفائے ثلاثہ کے آڑے وقتوں میں کام آنا یہ آپ کی شرافت نفسی اور کمال اخلاق کی بیّن دلیل ہے۔
انسان کی بلند ترین صفت یہ ہے کہ جب مفاد شخصی اور مفاد نوعی و اجتماعی میں تصادم ہو تو مفاد نوعی کو مقدم رکھا جائے۔
انسان کی بلند صفت یہ ہے کہ وہ فرض شناسی کو ہر مقام پر مقدم رکھے اگرچہ وہ اس کے کسی نفسانی جذبہ کے خلاف ہو۔
انسان کی بلند صفت یہ ہے کہ وہ امانت و دیانت کو ہر موقع پر ملحوظ رکھے چاہے وہ اپنے دشمن کے ساتھ ہو۔

آپ نے کبھی اس کی خواہش نہیں کی۔ ہر مرتبہ اس خلافت سے اپنی بے نیازی کا اظہار فرمایا۔ تاریخ شاہد ہے خود آپ کے اقوال موجود ہیں کہ بعد قتل عثمان جب لوگ ہجوم کر کے آپ کے پاس آئے ہیں اور درخواست کی ہے کہ اس بار خلافت کو آپ

بقیہ حاشیہ ص۱۰۲

ہر امر میں ذاتیات کا مدِ نظر ہونا اور اپنی نفسانی محبت یا عداوت کو ہر بات میں دخل دینا یہ تو پست فطرت اور پست طبیعت افراد کا کام ہے جن میں حیوانیت کا عنصر انسانیت سے زیادہ کارفرما ہوتا ہے۔ اگرچہ انسان کی اکثریت ہمیشہ اسی مسلک پر قدم زن ہے لیکن اکثریت کو معیار قرار دے لیا جائے تو ہر بداخلاقی پست فطرتی اور مفسدہ پردازی کا تہذیب و تمدن اور کمال و شرافت اور ہر کمال و شرف علم و ہنر کا انسان کے لئے نقص و عیب بن جانا ضروری ہے۔

لیکن یہ افسوس ہے کہ دنیا بلند افراد کے طرزِ عمل کو ہمیشہ اپنی ذہنیت کے تحت میں دیکھتی ہے اور اس سے غلط نتیجہ نکالتی ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ذات دُنیائے اسلام میں اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ اور انسانی اوصاف و کمالات کا بہترین مجسمہ تھی۔

حضرت کی سیرت ان تمام خصوصیات سے مملو ہے جو ایک انسان کی کامل انسانیت کے جوہر سمجھے جا سکتے ہیں۔ اس لئے حضرت کی سیرت میں یہ پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے کہ حضرتؑ نے کبھی اسلامی و اجتماعی معاملات میں اپنی ذاتی مخالفت و نفسانیت، دشمنی و عداوت کو دخل نہیں دیا اور نہ امانت و دیانت کے خیال کو ذاتی اغراض و مقاصد اور خیالات و جذبات پر مقدم کیا۔

"دنیا جو خود اپنے اور اپنے مزعومہ پیشواؤں کے طرزِ عمل کی بنا پر اس بات کی عادی ہو گئی ہے کہ وہ ہر بات میں شخصی اغراض کا پہلو مدِ نظر رکھے۔ حضرتؑ کے اس طرزِ عمل سے نتیجہ نکالتی ہے کہ حضرتؑ کو کوئی ذاتی اختلاف کسی سے تھا ہی نہیں اور آپ انتہائی ربط و محبت اور دوستی و مودت رکھتے تھے۔ حالانکہ اگر تھوڑی سی بلند نظری کو صرف کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ ذاتی اختلاف کے ساتھ مصالح عامہ کی طرف صحیح رہنمائی کرنا وہ صفت ہے کہ جو انسانی اوصاف کا جوہر امتیاز ہے اور وہی امیر المومنینؑ کے طرزِ عمل میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

یہ وہ خصوصیت ہے کہ جس سے امیر المومنین کے واقعاتِ زندگی میں تاریخ کے اوراق مملو ہیں اور جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ کارفرمایانِ سلطنت یعنی وہ کہ جنہوں نے امیر المومنینؑ کے تمام اوصاف و کمالات، اور استحقاق و اختصاص سے چشم پوشی کر کے خلافت کے تخت کو حاصل کیا اور ملتِ اسلامیہ کے تاجدار اور صاحب اقتدار بن کر اصلاح قوم و ملت کے واحد دعویٰ دار ہوئے۔ اُنہوں نے مشکلات کے موقع پر آپ سے مشورے لئے اور آپ نے مشورے دیئے جو مفادِ اسلامی کے لئے حقیقتاً صحیح اور مناسب وقت تھے اور جن کے خلاف ہونا مفادِ اسلامی کے لئے انتہائی مضرت رساں تھا۔"

ہی سنبھالئے تو آپ نے فرمایا:۔

دعوني والتمسوا غيري وان تركتموني فانا كاحدكم ولعلي اسمعكم و اطوعكم لمن وليتموه امركم وانا لكم وزيراً خير لكم مني اميراً۔

مجھے چھوڑ دو اور میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈو اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تمہارے ہی جیسا ایک فرد ہوں گا اور تم جس کو خلیفہ بناؤ گے تم سے زیادہ اس کی بات سننے والا۔ اور اُس کی اطاعت کرنے والا ہوں گا۔ خلافت کی بہ نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہوگا۔

علیؑ اس دن خلافت پر راضی نہ تھے اس لئے کہ اُن کی دُور رس نگاہیں حال کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی مستقبل کے آخری سرے تک پہنچ رہی تھیں۔ کل جو وہ دعویدار خلافت تھے تو اس لئے نہیں کہ اُن کے دل میں حکومت کی تمنا تھی بلکہ اُن کی غرض محض یہ تھی کہ مُسلمانوں میں وہ اخلاق و کمالات ترقی پائیں اُن میں وہ کردار پیدا ہو جو پیغمبر اسلام ان میں پیدا کرنا چاہتے تھے اور آج انکار اس لئے تھا کہ سابقہ حکومتوں کے رویہ کی بدولت مسلمانوں کی عادتیں بگڑ چکی تھیں اور زاویہ نگاہ میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ اسلامی حکومت کے نام سے جس سلطنت کا قیام عمل میں لایا گیا تھا وہ دنیاوی اقتدار کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی اور قیصریت و کسرویت کے آثار نمودار تھے۔ علیؑ کا مطمح نظر کچھ اور تھا اور مسلمانوں کی تمنائیں کچھ اور۔ نہ علیؑ اُن کی تمنائیں پوری کر سکتے تھے۔ اور نہ عوام الناس علیؑ کے مقاصد سے سازگاری کر سکتے تھے خود آپ اس دَور کی تصویر کشی فرماتے ہیں:۔

في دهر عنود و زمن كنود بعد فيه المحسن مسيئاً ويزداد الظالم عتواً۔

وقت انتہائی ناسازگار اور زمانہ انتہائی مخالف ہے اس زمانہ میں نیکوکار بدکار تصور کیا جاتا ہے اور ظالم کی سرکشی بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس لئے کہ:۔

الآفاق قد اغامت والحجة قد تنكرت والناس يعملون في الشبهات و يسيرون في الشهوات صم وذوو اسماع وبكم ذوو كلام وعمي ذوو ابصار لا احرار صدق عند اللقاء ولا ثقة عند البلاء۔

آسمان تاریک گھٹاؤں سے ڈھکا ہوا ہے، راستوں کے نشانات مٹ چکے ہیں لوگ شک و شبہ میں مبتلا اور ہوا و ہوس نفسانی میں گرفتار ہیں کان رکھتے ہوئے بہرے، زبان رکھتے ہوئے گونگے اور آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہیں نہ میدان میں ثابت قدم نہ مصیبت میں بھروسہ کے قابل۔

آپ یہ بھی خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر میں اُن کی درخواست قبول کرنے اور خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے پر آمادہ ہو جاتا ہوں تو جس طرح سے میں اس کارِ خلافت کو سرانجام دینا چاہوں گا یہ لوگ برداشت نہ کریں گے اور جب تک ان کے ساتھ سختی و درشتی نہ برتی جائے گی یہ کسی بات پر ہماری کان نہ دھریں گے۔ اقتدار

یہ حالات تھے جن سے امیر المومنینؑ کو حضرت عثمان کی ہلاکت کے فوراً ہی بعد گزرنا پڑا جب کہ عوام الناس شرفاء و معززین آپ کے دروازے پر بار بار ہجوم کر کے آتے آپ کی بیعت کرنے پر اصرار کرتے اور آپ باوجود ان لوگوں کے سچے نیک خواہشیں اور بہترین تمنائیں رکھنے کے اُن کی بیعت قبول کرنے میں تردد کا اظہار کرتے۔ البتہ ایک بات ایسی تھی جو علیؑ کو مجبور کر رہی تھی کہ اُن کی درخواست قبول کر لیں اور خلافت کا کانٹوں بھرا تاج سر پر رکھنا منظور فرمائیں مسلمانوں کا اصرار انتہائی حد کو پہنچا ہوا تھا اور وہ اتمام حجت کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ یعنی آپ پہ یہ ذمہ داری عائد کی جا رہی تھی کہ دنیا آپ سے ہدایت و اصلاح کی طالب ہے آپ کو خلافت قبول کر لینی چاہیے پھر یہ کہ اس وقت حق و انصاف اور عدالت اجتماعی خطرہ میں تھی۔ ارباب دولت و اقتدار غریبوں کے حقوق پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ غریبوں کی جان و مال اور اُن کی عزت و آبرو کی کوئی قیمت نہ تھی۔ بیشتر افراد دنیا کے بندے اور ہوا و ہوس نفسانی کے غلام بنے ہوئے تھے۔ غریبوں کا گلا گھونٹ کر اپنا گھر بھرنے میں انہیں کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی۔ علیؑ کو ہرگز یہ بات گوارا نہ تھی کہ غریب مسلمانوں کو یوں لٹتے تباہ و برباد ہوتے دیکھیں اور گھر میں چپکے بیٹھے رہیں۔ اسلامی ممالک قریش کے چھوکروں کی جائداد ہو جائیں وہ جس طرح چاہیں لوٹ کھسوٹ کریں۔ عوام الناس کو ذلیل و خوار کریں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہو۔ علیؑ ایسا قوت قلب اور ثبات قدم والا انسان جس کی زندگی اور موت اور حکومت و ہدایت کی داستان بہادروں کی تاریخ کی زینت ہے۔ کیا ممکن تھا کہ اس کڑی آزمائش کے وقت گھر میں بیٹھ رہتا اور مسلمانوں کو بنی اُمیہ کے خونخوار بھیڑیوں کے جنگل میں چھوڑ دیتا کہ وہ جیسا سلوک ان کے ساتھ چاہیں کریں۔ اگر علیؑ اس وقت اپنے انکار ہی پر مصر رہتے اور مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کو گرداب مصیبت میں چھوڑ دیتے تو وہ پست ہمت اور عاجز و کمزور و ضعیف ہوتے بہادری و شجاعت سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہ ہوتا۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں۔

ولکن اسفا یغلوبنی وجزعا یریبنی من ان یلی ھذہ الامۃ سفہاءھا وفجارھا فیتخذون مال اللہ دولا وعباد اللہ خولا والصالحین حربا والفاسطین حزبا۔

مجھے یہ رنج و اندوہ لاحق اور مجھ پر یہ ہراس طاری تھا کہ کہیں اس اُمت کے حاکم سفیہ و بدکار انسان نہ بن بیٹھیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ خدا کے مال کو کھلونا اور بندگان خدا کو غلام بنا لیں۔ نیکوکار افراد سے برسر پیکار ہوں اور ظالموں کو اپنا مددگار بنا لیں۔

اسی بنا پر آپ نے بیعت قبول کر لینے کو واجب سمجھا اگرچہ بڑے سے بڑے نیکوکار افراد اس بار خلافت کو اٹھانے سے عاجز تھے۔

علی طبعی طور گوشہ نشینی سے نفرت کرتے تھے ہاں اگر گوشہ نشین ہی رہ کر خدمت خلق ممکن ہو تو دوسری بات ہے ورنہ اُن کا گھر میں خاموش بیٹھے رہنا ناممکن تھا وہ شخص جو خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود کوتاہی کرے وہ اپنا دین

بھی برباد کرتا ہے اور اپنی دنیا بھی، کوئی شک نہیں کہ علیؑ نے بڑے عزم و ارادہ سے خلافت کو قبول کیا اور مسلمانوں کی بھلائی اسی میں سمجھی کہ اُن کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

علیؑ کی حکومت کیا تھی اور اُن کی اقتصادی و مالی سیاست کا مفہوم کیا تھا یہ سمجھنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خود علیؑ نے خلافت و ولایت کی تشریح و تعبیر کیا کی ہے۔ اُن کے نزدیک خلافت کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ کن فوائد و منافع کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

ولایت و حکومت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نظروں میں کسی خاص انسان کی جاگیر یا ذاتی ملکیت نہ تھی کہ جب تک اس کا جی چاہتا یا اُس کے حوالی موالی اور اُس کے عزیز رشتہ دار چاہتے وہ تخت حکومت پر قابض رہتا جیسا کہ بعد میں عہد اموی و عباسی میں اس حکومت کی یہی حالت ہوگئی تھی یا قرون وسطیٰ میں یورپ کی سلطنتوں کی کیفیت تھی۔ اس زمانہ میں عوام الناس حاکم یا بادشاہ کو جہاں پناہ اور ظل سبحانی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ بادشاہ کی مشیئت عین خدا کی مشیئت ہوتی تھی اور اس کی زبان کا نکلا ہوا ہر لفظ خدائی قانون ہوتا تھا جس میں چون و چرا کی گنجائش نہ ہوتی۔

بلکہ حکومت علی ابن ابی طالبؑ کی نظروں میں عوام کا حق تھا۔ عوام الناس[1] جسے چاہتے خلیفہ بناتے جسے چاہتے اسے معزول کرتے امام کا تقرر اُس کی نیکیوں کا صلہ ہے اور اُس کی معزولی اُس کی زیاں کاریوں کی سزا، ہر حاکم کی قوت اور اُس کا اقتدار اسی لیے ہوتا ہے کہ اجتماعی قوانین کو نفاذ میں لاسکے اور لوگوں سے اُن کی پابندی کرائے۔ حضرت علیؑ نے اپنی بیعت کے موقع پر جو تقریر فرمائی تھی اس میں آپ نے فرمایا تھا:۔

---

[1] مؤلف کا یہ فقرہ واقعیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا نہ تاریخ عالم اُس کی مؤید ہے۔ جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہو سکتا بالکل اسی طرح انسان کے انتخاب سے کوئی شخص نہ خلیفہ رسولؐ ہو سکتا ہے اور نہ امام۔ انبیاء و مرسلین ایک مذہب قائم کرتے ہیں یا کوئی دین لاتے ہیں اور لوگوں کی ہدایت و اصلاح کی راہ نکالتے ہیں اور جو لوگ اُن کے خلیفہ ہوتے ہیں وہ اُن کے بعد اُن کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں اُن کے دین کو پھیلاتے اور اُن کی راہ کو برقرار رکھتے ہیں پس اگر خدا کے لئے انبیاء و مرسلین کا بھیجنا ضروری ہے تو اُن کے خلیفہ کا انتظام کرنا بھی اسی کا فرض ہے۔ خلافت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جانشینی یا قائم مقامی کے ہیں۔ لیکن جانشینی کا مفہوم صرف جگہ پر بیٹھ جانا نہیں ہے بلکہ جانشینی بہ حیثیت عہدہ بہ حیثیت منصب بہ حیثیت فرائض بہ حیثیت اخلاق و اعمال اور بہ حیثیت مراتب و کمال ہوتی ہے۔

ایک شاعر کا جانشین شاعر، طبیب کا جانشین طبیب، قاضی کا جانشین قاضی اور وکیل کا جانشین وکیل ہوا کرتا ہے، ایک شاعر کی جگہ حکیم اور حکیم کی جگہ قاضی اور قاضی کی جگہ وکیل سے نہیں پُر ہو سکتی۔ بلکہ ایک ہی نوع میں صنف کے بدل دینے سے بھی خصوصیت مختلف ہو جاتی ہے یعنی خود شعراء میں مرثیہ گو کا جانشین غزل گو اور غزل گو کا جانشین قصیدہ گو نہیں سمجھا جا سکتا۔ چہ جائیکہ شاعر کی جگہ لوہار (باقی برصفحہ)

ایھا الناس انما انا رجل منکم لی ما علیکم وعلی ما علیکم والحق لا یبطلہ شی۔

لوگو میں تم ہی لوگوں میں کا ایک شخص ہوں مجھے بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو تمہیں حاصل ہیں۔ میرے اوپر بھی وہی ذمہ داریاں ہیں جو تمہارے اُوپر ذمہ داریاں ہیں حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ یعنی حاکم یا خلیفہ کے چاہنے سے احکام الٰہی میں تغیر نہیں ہو سکتا۔

دوسرے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ایھا الناس انی واللہ لا احثکم علی طاعۃ الا اسبقکم الیھا ولا انھاکم عن معصیۃ الا انتھی قبلکم عنھا۔

لوگو! خدا کی قسم میں خداوند عالم کی جس اطاعت پر تمہیں ترغیب دلاتا ہوں تم سب سے پہلے خود اُسے بجا لاتا ہوں اور جس نافرمانی سے تمہیں روکتا ہوں سب سے پہلے اس سے باز رہتا ہوں۔

اس بنا پر حاکم وخلیفہ ذاتی حیثیت سے کوئی واجب الاطاعت ہستی نہیں بلکہ اس کی اطاعت اس حیثیت سے واجب ہوتی ہے کہ وہ عدل وانصاف کی ترویج اور قوانین شریعت کا نفاذ عمل میں لاتا ہے۔ خلافت اس لئے نہیں ہوتی کہ حاکم وخلیفہ مسلمانوں کے بیت المال میں جس طرح چاہے تصرف کرے جتنا چاہے خود لے لے اور جتنا چاہے اپنے دوست احباب عزیز رشتہ دار حالی موالی کو اُٹھا کر دے دے۔ بلکہ خلافت اس لئے ہوتی ہے کہ عدل وانصاف کی ترویج ہو حاکم ہر ایک کو ایک نظر سے دیکھے اور جو شخص دین خدا کی تبلیغ وعوام الناس کی خدمت میں صعوبتیں اُٹھائے، اُس کی محنت کے لحاظ سے صلہ دے۔ لوگوں کو ذخیرہ اندوزی سے منع کرے، زور وزبردستی کی روک تھام کرے، حق سے ایک لمحہ کے لئے جُدا نہ ہو۔ ستم کیش وجفا پیشہ افراد چاہے اُس کی عادلانہ روش کو کتنا ہی ناپسند کریں اور اُس کی جان لینے کے درپے ہوں وہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے باز نہ رہے۔ حاکم کا فریضہ ہے کہ عوام کو عدل وانصاف کے قواعد سے آگاہ کرے اور اُن کو اس راہ سے منحرف نہ ہونے دے۔

حضرت علیؑ نے اپنے ایک والی کو خط میں لکھا تھا۔

امابعد فلا یکن حظک فی ولایتک مالا تستفیدہ ولا غیظاً تشفیہ لکن اماتۃ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶

اور قاضی کی جگہ معمار جانشین سمجھا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ حقیقتاً وہ ہے جو اپنے کمالات اور خصوصیات میں اپنے پیش رو کے کمالات وخصوصیات کا زیادہ شریک وحصہ دار ہو اور انبیاء ومرسلین کے کمالات وخصوصیات میں سب سے اہم جزیہی ہے کہ وہ خاص خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ انسانی انتخاب وتجویز کی اس میں ذرہ برابر بھی شرکت نہیں ہوتی۔ پنچایت سے کبھی کوئی شخص نبی یا پیغمبر نہیں ہوا تو خلیفہ میں بھی سب سے اہم جزو یہی ماننا پڑے گا کہ وہ خاص خدا کا مقرر کیا ہوا ہوتا ہے اور آدمیوں کی رائے مشورہ یا پنچایت یا استخلاف یا تجویز کی اس میں ذرہ برابر شرکت نہیں ہو سکتی۔

باطل و احیاء حق۔

اس حکومت کی وجہ سے تمہیں یہ حق نہیں کہ مال و دولت خوب جمع کر لو یا کسی سے اپنا کینہ و عداوت نکالو۔ بس تمہارا فریضۂ منصبی اتنا ہی ہے کہ باطل کو مردہ کرو اور حق کو زندہ۔

حضرت علیؑ کی نظروں میں ولایت و حکومت اس لئے تھی کہ ستم دیدہ و بے بس افراد کو جفا پیشہ ستم کیش ظالموں کے شر سے نجات دلائی جائے یہ خلافت نہ تو صحابیت کی وجہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ پیغمبرؐ کی قرابت کی وجہ سے حضرت علیؑ خلافت کے متعلق اس منطق کا بڑا مضحکہ اڑایا کرتے اور جو لوگ اس قسم کا عقیدہ رکھتے اور ایسی بات زبان سے نکالتے اُن پر انتہائی حیرت کا اظہار کیا کرتے۔ کتنا جامع و مختصر حضرت کا یہ فقرہ ہے جو اپنے دامن میں مطالب کا ایک دفتر رکھتا ہے کہ۔

واعجباه اتكون الخلافة بالصحابة والقرابة

بڑے تعجب کی بات ہے کیا خلافت صحابیت یا پیغمبرؐ کی رشتہ داری کی وجہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے [1]

حکومت و خلافت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نظروں میں اس لئے نہ تھی کہ حاکم مسند عز و وقار پر جلوہ افروز ہو کر فضیلت کی بنادیں مستحکم کرے اور تخت حکومت کو ذریعہ بنائے خلائق کو غلام بنانے کا۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

الكرم اعطف من الرحم	کرم و بخشش قرابتداری و رشتہ داری سے بڑھ کر موجب مہر و محبت ہے
لا حسب كالتواضع ولا شرف كالعلم	نہ تواضع جیسی کوئی بزرگی ہے نہ علم جیسی کوئی فضیلت۔

خلافت یہ نہیں کہ لوگوں کو تلوار و آتش اور خون ریزی و زور و زبردستی سے مطیع و فرمانبردار بنایا جاتے یا یہ کہ لوگ ڈر سے یا لالچ سے خلیفہ کی مرضی کے تابع ہوں۔ آپ تو وہ تھے کہ آپ نے خدا کی عبادت بھی نہ تو اس وجہ سے کی اس کی بخشش میں آپ کو رغبت تھی اور نہ اس وجہ سے کی کہ اس کے عتاب سے ڈرتے تھے بلکہ اس لئے کرتے تھے کہ خداوند عالم اس لائق ہی ہے کہ اس کی

[1] فرقہ حقہ امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ امام وہی ہو سکتا ہے جسے خدا بنائے اور جس کی امامت کی رسولؐ تصریح فرما دیں۔ امام کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے۔ پیغمبرؐ کے صحابی ہونے یا آں حضرتؐ کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے کوئی امام نہیں ہو سکتا۔ جیسے بنی اُمیہ و بنی عباس نہ عوام الناس کے رائے مشورہ اور انتخاب کر لینے سے کوئی امام ہو سکتا ہے یہ ضرور ہے کہ امام پیغمبرؐ ہی کے خاندان سے ہوگا کیونکہ پیغمبرؐ کی مسلم الثبوت حدیث ہے کہ الائمة من قريش امام قریش ہی سے ہوں گے مگر صرف قرابت و رشتہ داری پیغمبرؐ امامت کے استحقاق کے لئے کافی نہیں بلکہ جو خصوصیات و کمالات پیغمبرؐ میں تھے وہی امام میں بھی ضروری ہیں اس لئے کہ امام آئینہ ہوتا ہے کمالات نبوی کا اور بعد پیغمبرؐ شریعت و دین نبوی کا وہی نقطہ مرکزی ہوتا ہے پیغمبرؐ کی یہ مشہور حدیث ہے جو شیعہ سنی سبھی کے صحاح و سنن میں موجود ہے انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدي الخ

پرستش کی جائے آپ کی تمنا تھی کہ عوام الناس خلیفہ کی اس حیثیت سے اطاعت کریں کہ وہ سزاوار اطاعت ہے نہ کہ تلوار کے خوف سے یا مال و منصب کی لالچ سے۔

ولایت و حکومت یہ ہے کہ حاکم، عوام کی بہبودی اور بھلائی اپنا فریضہ سمجھے اُسے یہ احساس رہے کہ عوام اس کے ہر فعل و عمل، ہر نقل و حرکت کے نگران ہیں وہ اپنے کسی عمل کو اُن سے پوشیدہ نہ رکھے بلکہ جو کچھ کرے یا نہ کرے چاہے وہ اُن کے سامنے رکھ دے عوام کو اختیار ہے کہ اس کے کام کو صحیح قرار دیں یا غلط کہہ کر ٹھکرا دیں۔

والی کو یہ حق نہیں کہ حکومت پر فائز ہونے کے بعد خود سر اور مختار ہو جائے کہ جو جی میں آئے کرے اس پر لازم ہے کہ لوگوں سے رائے مشورہ لیتا رہے کوئی راز عوام سے مخفی نہ رکھے۔ اور نہ اُنہیں بغیر خبر کئے کسی کام کا تہیہ کرے۔ ہاں خاص خاص صورتوں میں جب کہ عوام کو راز کی باتوں سے بے خبر رکھنا ہی بہتر ہو اُسے اختیار ہے۔

عوام الناس کو حق ہے اور پورا حق ہے اس بات کا کہ اپنی فلاح و بہبود جن باتوں میں دیکھیں اپنے حاکم کو اُن کا مشورہ دیں اور حاکم پر فرض ہے کہ وہ ان کی رایوں کا پورا احترام کرے، اُن کے مشوروں پر توجہ دے۔ بہت ممکن ہے کہ اُن کی بعض رائیں ایسی ہوں جن تک اُس کی نظر نہ پہنچ سکی ہو اس کے دل میں اُن کا خطور نہ ہوا ہو یا اُس کا علم اُن تک نہ پہنچ سکا ہو یہ اس لئے کہ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:۔

من استقبل وجوہ الآراء عرف مواقع الخطاء۔

جو شخص مختلف رایوں کا سامنا کرتا ہے وہ خطاء و لغزش کے مقامات کو پہچان لیتا ہے:

اور جس شخص کو غلطیوں کا احساس ہوگا وہ درستی اور صواب تک جا پہنچے گا۔ عوام کی رائیں ایسی ضروری چیزیں ہیں جن سے والی کو اپنی حکومت میں فائدہ ہی پہنچے گا اور عوام بھی فائدہ ہی میں رہیں گے۔ عوام کے رائے مشورے سے ہر حال میں معاملات کو اس طرح سرانجام دلائیں گے کہ ندامت و شرمندگی کی نوبت نہ آئے گی۔ علیؑ ان حقائق کا کتنے واضح لفظوں میں اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

لا صواب مع ترك المشورة — مشورہ ترک کرکے صحت و درستی نصیب نہ ہوگی۔

والی کی تعریف یہ نہیں کہ وہ اپنے مکانوں کو ڈھکا چھپا رکھے اور اپنے کسی مقصد کو خلق سے پوشیدہ رکھ کر حاصل کرنے کے لئے کوشش کرے۔ امیر المومنینؑ اسی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واستصبحوا من شعلة مصباح واعظ — روشن چراغ سے روشنی حاصل کرو۔

امیر المومنینؑ کے مذہب میں خلافت یہ نہیں کہ بندگان خدا سے دوری اختیار کی جائے رعیت سے روگردانی ہو تکبر کیا جائے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا جائے۔ عوام الناس کی ضروریات پر توجہ نہ کی جائے بلکہ یہ خلافت تو ذریعہ ہے حاکم کے عوام الناس سے نزدیک رہنے کا ان پر شفقت و مہربانی کرنے کا اُن کے ساتھ خاکساری و فروتنی سے پیش آنے کا والی

اگر خلق خدا اسے دور رہے تو اُس کا کوئی عذر قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ نہ اس کی کوئی دلیل و حجت لائق توجہ ہوگی۔

اگر عوام النّاس ان باتوں میں سے کسی بات کی وجہ سے والی سے ناراض ہوں تو عوام النّاس اس پر اسی طرح بار ہوں گے جس طرح اس والی کی حکومت ان عوام پر بار ہوگی اس لئے کہ اس کا برتاؤ جیسا عوام کے ساتھ ہوگا لازمی ہے کہ عوام کا برتاؤ بھی اس کے ساتھ ویسا ہی ہو اسی کے متعلق امیر المومنین ارشاد فرماتے ہیں۔

قلوب الرعیۃ خزائن راعیہا فما اودعہا من عدل او جور وجدہ فیہا۔

رعایا کے دل راعی کا خزانہ ہیں عدل و انصاف یا ظلم و ستم جو اپنے خزانہ میں رکھے گا وہی پائے گا۔

ولایت و حکومت امیر المومنینؑ کی نظروں میں عصبیت اور خاندان پرستی پر مبنی نہیں تھی اس لئے کہ تعصب انتہائی مذموم و قبیح ہے بلکہ خلافت نیک خصلتوں، افعال خیر، ظلم و ستم سے پرہیز خلائق کی داد رسی اور فتنہ و فساد سے اجتناب پر مبنی ہے۔

ولایت بہر حال علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نظروں میں ان لوگوں کے لئے نہ تھی جن کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

لو ولوا علیکم لعاملوا فیکم باعمال قیصر وکسریٰ

اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن جائیں تو تمہارے ساتھ قیصر و کسریٰ کا برتاؤ کریں۔

نہ ایسے لوگوں کے لئے سزاوار تھی جو اہل مکر و عذر اور صاحبان جور و ظلم تھے۔

انہیں سب باتوں کی وجہ سے خلافت کو علیؑ نے اس عزم مصمم اور مستحکم ارادہ کے ساتھ قبول کیا کہ ہم حق کو قائم اور باطل کو نیست و نابود کر کے دم لیں گے ورنہ اپنی جان دے دیں گے۔

اسی وجہ سے آپ لوگوں کو تاکید کرتے رہتے کہ اپنے والیوں کے حرکات و سکنات کے نگران رہیں۔ ان کی ہر نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھیں اور کسی ایسے والی کو قبول نہ کریں جو اُن کا خادم نہ ہو جب چاہیں حاکم سے اپنی ناراضی کا اظہار کریں یا اپنی رضامندی ظاہر کریں آپ اُن سے ارشاد فرماتے۔

"کیا تم اس بات پر ناراض و غضبناک نہیں ہوتے کہ تم پر نادان افراد حاکم ہو جائیں جس کی وجہ سے تم سبھی کو ذلت نصیب ہو تم سبھی تباہی سے دوچار ہو اور تمہارا نصیب گھاٹا ہی گھاٹا ہو۔"

بلکہ آپ کی نظروں میں ظلم و جور پر برہمی و غضبناکی کا وہی درجہ تھا جو عدل و انصاف کی پذیرائی کا۔

اُنہیں سب وجوہ و اسباب سے علیؑ نے اپنے بعد کسی کے لئے خلافت کی وصیت نہ کی۔ اس لئے کہ خلافت کا معاملہ عوام النّاس کی اختیاری چیز ہے وہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔ چنانچہ جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا۔ اور آپ کے اصحاب نے آپ سے درخواست کی کہ اپنے بعد کے لئے حسنؑ کو خلیفہ بنا جائیے تو آپ نے انکار کیا۔ آپ نے عوام کی خود مختاری اور خلیفہ کے انتخاب میں اُن کی کُل آزادی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں تم زیادہ سمجھ دار ہو[1]

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

اگر عوام حسنؑ کو پسند نہ کرتے تو آپ کیوں حسنؑ کی خلافت کا حکم دیتے اور اگر عوام حسنؑ کی خلافت پر راضی تھے تو منع کیوں کرتے عوام اپنے حالات کو خود زیادہ بہتر سمجھتے ہیں وہ جسے پسند کریں قوم وملت کی نگرانی اُس کے حوالے کریں، انہیں حق ہے کہ اپنی پسند سے جسے چاہیں اپنے لئے منتخب کریں حریت و آزادی کی انتہائی حد یہی ہے اور قومی حکومت اسی کا نام ہے، امیرالمؤمنین کو لوگوں کی آزادی کا اتنا خیال تھا کہ آپ نے خود اپنی بیعت پر کسی کو مجبور نہ کیا جس نے چاہا اُس نے بیعت کی جس نے نہ چاہا بیعت نہ کی۔ امیرالمومنینؑ نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ گنے چنے افراد

بقیہ حاشیہ صنہ۱۱

لہ شیعوں کا اس پر اتفاق ہے کہ امیرالمومنینؑ نے اپنے بعد کے لئے امام حسنؑ کو اس امت کی امام قیادت سپرد کی اور اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ ثقۃ الاسلام کلینیؒ لکھتے ہیں :۔

امیرالمومنینؑ نے وقتِ وفات امام حسنؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور امام حسینؑ، محمد بن حنفیہ اور اپنے تمام فرزندوں کو گواہ قرار دیا اور اپنی کتابیں اور اسلحے ان کے حوالے کر کے ارشاد فرمایا۔

پارہ جگر رسول اللہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تمہیں اپنا قائم مقام مقرر کروں اور اپنی کتابیں اور اسلحے تمہارے حوالے کروں جس طرح پیغمبرؐ نے مجھے اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنے تمام لوازم میرے حوالہ کئے (اصول کافی صہ۱۵۱)

عقد فرید، روضۃ الاحباب، حبیب السیر، وسیلۃ النجات، نزل الابرار اور سر الجلیل مولوی عبدالعزیز دہلوی میں بھی یہی ہے کہ حضرت علیؑ نے وقت وفات امام حسنؑ کو اپنا جانشین کیا تھا (تاریخ اسلام مسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

بعض علمائے اہل سنت کا خیال ہے کہ امیرالمومنینؑ نے اپنے بعد کے لئے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ ان لوگوں نے روایت کی ہے، کہ امیرالمومنینؑ سے جب پوچھا گیا کہ ہم آپ کے بعد امام حسنؑ کی بیعت کر لیں ؟ تو آپ نے فرمایا میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں تم خود سمجھدار ہو۔ (مروج الذہب جلد ۲ صہ۱۹۲، تاریخ العرب صہ۸۰، تاریخ ابی الفداء وغیرہ)

یہ قول حقیقت سے انتہائی دور ہے کیونکہ امیرالمومنینؑ امام حسنؑ کی عظمت و جلالت کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے۔ وہ سید شباب اہل الجنۃ تھے، پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے چاہے حکومت کے لئے کھڑا ہو یا بیٹھ رہے۔ وہ ہر نقص و خرابی سے پاک و صاف تھے جیسا کہ آیت تطہیر بتاتی ہے۔ اس وقت عالم اسلامی میں وجاہت و علوئے منزلت میں امام حسنؑ سے بڑھ کر کوئی تھا بھی نہیں۔ خلافت کے لئے جن باتوں کی شرط ہے۔ خلیفہ میں جن باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے علم و تقویٰ سیاست و تدبر وغیرہ یہ تمام باتیں بہ تمام و کمال امام حسنؑ میں موجود تھیں لہذا کیوں کر ممکن تھا کہ امیرالمومنینؑ لوگوں کو ان کی بیعت اور ان کی پیروی کرنے کی تاکید نہ کرتے۔ امیرالمومنینؑ کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ آپ حق کے قائم کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ لہذا اب آپ اپنے بعد ملت اسلامیہ کو بغیر قائد و نگران کے کیسے چھوڑ سکتے تھے کہ وہ جدھر چاہیں بھٹکتے پھریں کوئی ان کی رہبری کرنے والا نہ ہو۔

نے بیعت سے تخلف کیا۔ امیر المومنینؑ اُس وقت ہر طرح کی قدرت و اختیار کے مالک تھے مگر آپ نے کسی پر زور زبردستی نہیں کی۔ امیر المومنینؑ اس سے غافل نہ تھے کہ ان گنتی کے لوگوں کا بیعت سے تخلف کرنا عوام کی برہمی اور کسی وقت اُن کے اشتعال کا باعث ہوگا لیکن اسی کے ساتھ آپ کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر شخص کو آزادی فکر و ضمیر حاصل ہے۔

آپ نے اُن کی شخصی آزادی کا لحاظ بھی کیا اور قوم و ملت کے حقوق بھی پیش نظر رکھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بیعت سے تخلف کرنے والے بیعت نہیں کرتے نہ کریں مگر ملت کے کاموں میں کوئی دخل نہ دیں وہ اپنے گھر میں اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھے رہیں۔

سعد بن ابی وقاص جو ممبران شوریٰ کی ایک فرد تھے اور بغیر کسی معقول سبب کے اُنہوں نے امیر المومنینؑ کی بیعت نہ کی تھی امیر المومنینؑ نے انہیں مجبور نہیں کیا۔ اور اُنہیں اُن کے حال پہ چھوڑ دیا۔

سعد نے کہا تھا آپ کو مجھ سے کسی قسم کا خوف نہ کرنا چاہیئے۔ میں آپ کے خلاف کبھی نہ اُٹھوں گا۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر نے بھی آپ کی بیعت نہ کی۔ آپ نے اُن سے ضامن طلب کیا جو اس بات کی ضمانت لے کہ عبداللہ کوئی فتنہ نہ کھڑا کریں گے۔ عبداللہ نے ضامن لانے سے بھی انکار کیا آپ نے فرمایا:۔

تم بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک بداخلاق ہی رہے میں پہلے ہی دن سے تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔

آپ نے لوگوں سے کہا انہیں بھی جانے دو میں ان کا ضامن ہوں کہ یہ کوئی فتنہ برپا نہ کریں گے۔

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے جو گھر میں چھپے بیٹھے رہے اور بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے آپ نے فرمایا:۔

لا حاجۃ لنا فی من لا حاجۃ لہ فینا۔	جسے ہماری ضرورت نہیں اس کے ہم بھی خواہشمند نہیں

آپ نے ان سب کو آزاد چھوڑ دیا اس شرط پر کہ وہ فتنہ و فساد برپا نہ کریں نہ عامۃ الناس کی ایذا رسانی کے درپے ہوں۔ بہت سے انقلابیوں نے چاہا بھی کہ جن لوگوں نے بیعت سے تخلف کیا ہے اُن سے زبردستی بیعت لی جائے۔ مگر امیر المومنینؑ نے انتہائی سختی سے انکار کیا۔ بیعت کے معاملہ میں آپ کا عام دستور یہ تھا کہ:۔

فمن بایع طائعا قبلت منہ و من	جو خوشی خاطر بیعت کرے گا اس کی بیعت قبول کروں گا
ابیٰ ترکتہ۔	جو انکار کرے گا اسے چھوڑ دوں گا۔

تو افراد کی آزادی علیؑ کی حکومت میں ہر طرح محفوظ تھی اس پر کسی قسم کی آنچ آنی ممکن نہ تھی سوا اس کے کہ کوئی عوام کی ایذا رسانی کے درپے ہو۔ ایسی صورت میں علی کے لئے ممکن نہ تھا کہ اُسے آزاد چھوڑ دیں۔

اسی وجہ سے آپ نے طلحہ و زبیر اور معاویہ کو اُن کے حال پر اس طرح چھوڑ دینا گوارا نہ کیا جس طرح آپ نے سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ تینوں اشخاص خود اپنی خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ مال و دولت اور ریاست و حکومت ہتھیانے کی فکر میں تھے۔ یہ فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتے تھے تاکہ علیؑ کو ہٹا کر مال و دولت کو جو تمام مسلمانوں کا مال ہے خاص اپنی ملکیت

بنالیں، اُنہوں نے مال و دولت بے حساب جمع کر رکھی تھی اور اپنا لشکر بھی تیار کر رکھا تھا جس کے ذریعہ وہ علیؑ کی حکومت سے ٹکر لے سکیں۔ اسی وجہ سے علیؑ نے ان لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المومنینؑ کا نظریہ ان تینوں کے متعلق بالکل صحیح و درست تھا۔ آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ امیر المومنینؑ کے خلاف ان تینوں نے گٹھ جوڑ نے کیسے کیسے فتنے برپا کئے۔

غرضیکہ حکومت و خلافت عوام کا حق ہے اور کسی شخص کو بیعت پر مجبور کرنا جائز نہیں، ہاں عوام کی مصلحت کے پیش نظر تو کسی کو بیعت پر مجبور بھی کیا جا سکتا ہے مگر حاکم کی ذاتی مصلحت کی بنا پر نہیں، فرماں روا اور رعایا میں بہترین تعلقات جبھی ہو سکتے ہیں، جب کہ عوام اپنی پسند سے کسی کو اپنا حاکم مقرر کریں اور خوشی خاطر اس کی بیعت کریں۔

فطری بات تھی کہ جب علیؑ خود اپنے طور پر عوام سے اس طرح وابستہ و پیوستہ رہنا پسند کرتے تھے تو اپنے عمال و ولاۃ کے متعلق بھی آپ کی یہی خواہش تھی کہ وہ بھی ہماری طرح عوام سے گھل مل کر رہیں، انہیں میں کی ایک فرد ہو کر جلیں۔ ہم آگے چل کر اس کی تفصیل پیش کریں گے۔ علیؑ حکام کو عوام الناس کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھنے کی سختی کے ساتھ تاکید کرتے۔ علیؑ نے حکام کے عوام کے ساتھ گھل مل کر رہنے کے بہترین دستور کو رواج دیا۔ یہ دستور آج کل کے متمدن عوام کے دستور کے بھی پوری طرح موافق ہے۔ افراد رعیت کو حاکم کے افعال و اعمال کا نگران قرار دیا تاکہ حاکم مجبوراً وہی کریں جو عوام کی مرضی ہو اور اُس کے سارے احکام عوام کی خواہش کے مطابق ہوں۔

امیر المومنینؑ نے جب بھی کسی کو کسی صوبہ یا ملک کی حکومت سونپی یا کسی شہر کا حاکم مقرر کیا تو آپ نے اُس کو ایک عہد نامہ لکھ کر دیا کہ وہاں کے عوام کو پڑھ کر سنائے۔ جب وہاں کے عوام اس عہد نامہ کو منظور کرلیں تو وہ تحریر وہاں کے عوام اور اُس حاکم کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت کی ہوگی۔ نہ وہاں کے عوام کے لئے اس معاہدہ کے خلاف ورزی جائز ہوگی نہ اس حاکم کو یہ اختیار ہوگا کہ اس معاہدہ سے تجاوز کرے۔ اگر حاکم سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی تو امام پر لازم ہوگا کہ اُسے قرار واقعی سزا دیں اور اسے بلا از جلد برطرف کر دیں۔

آزادی اور اُس کے سرچشمے

غیر کے بندے نہ بنو درانحالیکہ خداوندعالم نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے۔
میں نے تمہیں اجازت دی کہ اپنے بارے میں جو مناسب سمجھو کرو۔
ان دونوں (طلحہ و زبیر) نے خوشی خاطر میری بیعت کی۔ اگر یہ دونوں بیعت کرنے سے انکار کرتے تو میں کبھی اُن کو مجبور نہ کرتا جیساکہ میں نے دوسرے کسی کو مجبور نہیں کیا۔

(الامام علیؑ)

سیاست و فرمانبردائی اور انتظام مملکت میں امیرالمومنینؑ کا طرز عمل عوام الناس کی حریت و آزادی پر مبنی تھا۔ آپ کو ایسا ایمان راسخ اس حریت و آزادی پر تھا کہ آپ کے تمام کاموں میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ جو بات بھی زبان سے کہی، جس بات کا حکم دیا جس بات سے ممانعت کی صلح کے موقع پر جنگ کے موقع پر کسی کو حاکم مقرر کرتے وقت لوگوں کے ساتھ میل ملت، اولاد کے ساتھ برتاؤ، خداوندعالم کی عبادت، غرض آپ کی ہر بات کی بنیاد اسی حریت و آزادی پر تھی عوام الناس کو کیوں خود مختار ہونا چاہیے اپنے کاموں کو کیوں اپنی مرضی و ارادہ کے مطابق انجام دیں یہ آزادی کہاں سے نصیب ہوئی اس کے حدود و شرائط کیا ہیں؟ امیرالمومنینؑ کی نظروں میں اس آزادی و حریت کا اصل سبب اور اس کی واحد علت معاشرۂ انسانی ہے جسے نیک بختی و سعادت کی راہ پر رواں دواں ہونا چاہیئے۔

آزادی و حریت عوام کے باہمی تعلقات و روابط، اور اُن کے جذبات و میلانات کا ثمرہ ہے۔ یہ آزادی چند

نہ مولف کتاب نے اس فصل میں ثابت کیا ہے کہ جو سیاسی آزادی آج کل کے متمدن اقوام میں رائج ہے وہی آزادی عہد خلافت امیرالمومنینؑ میں رائج تھی۔ امیرالمومنینؑ سے پہلے کسی حکومت و سلطنت میں ایسی آزادی کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

باتوں سے گہرا تعلق رکھتی ہے اور یہ باتیں آزادی و حریت میں بہت اثر رکھتی ہیں۔

عقل و تجربہ سے بھی یہ چیز ثابت ہے خود امیر المومنین نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے کہ سماج و معاشرہ کے افراد ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہیں، اُن کی وابستگی شخصی و انفرادی مصالح کی بنا پر بھی ہے اور قومی و ملی مصالح کی بنا پر بھی۔

امیر المومنین کی سیاست یہی تھی کہ آپ ان تعلقات و روابط کی اصلاح فرمائیں اس طرح کہ ہر شخص بہتر طریقہ سے زندگی بسر کر سکے۔ آپ نے عوام الناس کو مواقع عنایت فرمائے کہ وہ بہترین عنوان سے اپنی آزادی کو کام میں لا سکیں اور انسانی فرائض جن کی ادائیگی بغیر آزادی ممکن نہیں اپنی آزادی سے کام لے کر انجام دیں۔

سب سے پہلے تو امیر المومنین نے عوام الناس میں یہ بیداری پیدا کی کہ حق کا قائم کرنا اور باطل کو مٹانا خود عوام کا فریضہ ہے انہیں چاہیے کہ اپنی آزادی کو اپنے ہاتھ میں لیں امراء کے احکام کے تابع نہ ہوں معاشرہ کے ساتھ غداری اور اپنے نفس پر ظلم کرنے سے باز رہیں۔

اس امر کی وضاحت کہ حق کا قائم کرنا اور باطل کو مٹانا خود عوام کا فریضہ ہے اور عوام پر اس کی پوری پوری ذمہ داری ہے، علیؑ اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں کیا کئے۔ خلافت سے پہلے بھی اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی۔

سب ہی لوگ جانتے تھے کہ علیؑ اگر ایک طرف عوام الناس کی سعادت اور اُن کی نیک بختی کے اسباب و وسائل کی فراہمی میں سرگرمی سے کوشاں ہیں تو دوسری طرف اُن کے تشدد کا یہ عالم تھا کہ مجرموں کو ان کے جرم کی پاداش خطاکاروں کی عقوبت اور گنہگاروں پر حدود و تعزیرات جاری کرنے میں انہیں نہ دوست کی پرواتھی نہ دشمن کی۔ اس معاملہ میں دوست، دشمن عزیز رشتہ دار سب برابر تھے آپ کسی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے والے نہیں۔

علیؑ کو اس بات کا اطمینان تھا کہ ہماری پارسائی و پاکدامنی سبھی پر واضح ہے سب ہی جانتے ہیں کہ ورع و تقویٰ میں علیؑ کا کوئی ہمسر نہیں دنیا سے بس اتنا ہی لیتے ہیں جتنا زندہ رہنے کے لئے کافی ہو۔ ان کی زندگی کا مقصد ہی ہے حق و صداقت کی رعایت۔ بے بس و مجبور افراد کی ظلم و زیادتی سے نجات، بس اس کے علاوہ ان کی زندگی کا اور کچھ مقصد ہی نہیں۔ یہ باتیں وہ اپنا فریضہ سمجھ کر کرتے ہیں نہ احسان و مہربانی کی حیثیت سے۔ انہیں شہد خالص نوش کرنا محض اس لئے گوارا نہیں کہ ہوسکتا ہے ان

لہ مغرب کے فلاسفہ کی اصطلاح میں آزادی کا وہی مفہوم ہے جو مسلمانوں کا اس جملہ سے مفہوم ہے الناس مسلطون علی اموالھم و انفسھم یعنی کسی شخص کو اجازت نہیں کہ دوسرے کسی کو کام پر مجبور کرے یا اس کے مال کو بغیر اس کی اجازت کے ہتھیالے۔ ان فلاسفہ کے عقیدہ کی بنا پر ہر ظلم و ستم کا اصل سبب آزادی سے محروم کر دینا ہے۔ قتل و غارت ڈکیتی اور اسی قسم کے دیگر جرائم اسی آزادی کے حق سے محروم کر دینے ہی کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ آزادی اور خود ارادیت انسان کے لوازم ذاتی سے ہے جس طرح حرارت آتش کے لوازم ذاتی سے ہے۔

کی رعایا میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جسے جو کی روٹی بھی میسر نہ ہو انہوں نے کبھی لباس ہائے فاخرہ زیب تن نہیں کیا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی رعایا میں کسی کو سوتی کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی تن ڈھکنے کو نصیب نہ ہو۔ آپ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ لوگ تو آپ کو امیر المومنین کہیں اور آپ ان کے مصائب و تکلیف میں اُن کے شریک نہ ہوں۔

علیؑ نے اپنے کو اس زمانہ کے حکام و ولاۃ کی تمام آلودگیوں سے پاک رکھا اپنی عالی نسبی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ملک و مال اور جاہ و ثروت کی کبھی بھی طمع نہ کی تکبر سے ہمیشہ پاک رہے۔ تمام خلاف عقل اور غیر مفید باتوں سے کنارہ کش رہے۔ اپنے عزیز واقارب دوست اور احباب کو دوسروں پر فوقیت نہیں دی۔ دشمنوں اور کینہ پروروں سے نہ کینہ رکھا نہ ان سے کبھی انتقام لیا۔ کوئی کام ایسا نہ کیا جس کی عمدگی و بہترائی کی طرف سے غیر مطمئن رہے ہوں۔ جو بات پسند خاطر نہ ہوئی زبان سے نہ نکالی بلکہ اپنے ذہن میں اس کام کا خطور بھی نہیں لائے۔ اپنے جسم کو کھانے، پینے، پہننے اور مکان کی خواہشوں سے بے نیاز رکھا اور بقدر ضرورت ہی پر اکتفا کی اپنے ضروری مصارف بھی بیت المال سے کبھی نہیں لئے حالانکہ کم سے کم اتنا لے ہی سکتے تھے جتنا خود آپ کے عمال و ولاۃ لیتے تھے صحیح روایتیں بتاتی ہیں کہ بارہا شمشیر، زرہ اور گھر کا سامان آپ کو اپنے اور اپنے بال بچوں کی بھوک مٹانے کی خاطر فروخت کرنا پڑا مگر آپ اپنے عاملوں اور والیوں کو اتنی تنخواہ دیتے کہ خیانت یا رشوت یا ناجائز ذرائع سے پیسہ کی فراہمی پر مجبور نہ ہونا پڑے۔

علیؑ نے اپنے کو ان تمام امور سے آزاد رکھا تاکہ وہ ہر ایسی قید سے آزاد رہیں جو دوست دشمن کے درمیان عدل و انصاف کرنے میں حائل ہو۔

کتنے مختصر لفظوں میں انہوں نے خود اپنی حالت بیان کر دی ہے کہ من ترك الشهوات كان حرا جس نے خواہشیں ترک کر دیں وہ آزاد رہا۔

آپ کی پارسائی و پرہیزگاری شریفوں کی پرہیزگاری تھی جس میں کسی طرح کا شائبہ نہ تھا۔ خدا پر ایمان کامل رکھتے تھے اور ایمان کے مطابق عمل کرتے تھے ان کے عمل میں ظاہر داری ہوتی نہ ریاکاری نہ دوزخ کا خوف نہ بہشت کی لالچ۔

رہ گئی عوام کی آزادی تو پہلا درجہ اس آزادی کا عمل میں آزادی ہے امیر المومنینؑ نے کام کرنے والے کے جسم کو روئے زمین پر وہی درجہ دیا ہے جو نیکوکاروں کے دل کا درجہ بہشت میں ہے یعنی جس طرح بہشت نیکوکاروں کو خوش آمدید کہنے پر تیار رہتی ہے اسی طرح یہ دنیا کام کرنے والوں کے کام کو خوش آمدید کہتی ہے پاکباز انسانوں کے متعلق آپ کا ارشاد ہے۔

قلوبهم في الجنان واجسادهم في العمل — ان کے دل بہشت میں ہیں اور ان کے اجسام معروف کار[1]

---

[1] مؤلف کتاب نے اس حدیث کے معنی غلط سمجھے ہیں امیر المومنینؑ کے اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ بندگانِ خدا دنیا میں عبادت میں مشغول ہیں لیکن انہوں نے دل دنیا سے نہیں لگایا بلکہ ان کا دل کہیں اور لگا ہوا ہے۔

منزلت حریت کو آپ نے بلندی بخشی اور آزاد کے عمل کو عظیم سمجھا۔ آپ نے یہی دستور بنا لیا تھا کہ کسی کو کسی کام پر مجبور نہ کیا جائے جو کام خوشی خاطر اور بہ رضا و رغبت انجام نہ دیا جائے یہ آزادی میں بھی خیانت ہے اور کام میں بھی خیانت ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لست ارى ان اجبر احدا على عمل يكرهه۔ — میری یہ رائے ہرگز نہیں کہ کسی کو زبردستی کسی کام پر مجبور کروں۔

لوگوں کو مفید کام کرنے اور شخصی آزادی برقرار رکھنے پر صلہ مقرر کیا اور مجبور کرنے والے کو صلہ سے محروم رکھا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

والنهر لمن عمل دون من اكرهه۔ — نہر اس کی ہے جس نے یہ نہر کھود کر نکالی نہ کہ اس کی جس نے کھودنے پر مجبور کیا۔ ؎

یہاں ایک بہت اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حریت اور آزادی کا لفظ جو اس زمانہ میں بولا جاتا تھا اس کا مفہوم اتنا عام اور وسیع نہ تھا جتنا حضرت علی کے یہاں عام تھا۔ آپ جو مفہوم مراد لیتے تھے وہ دوسرے لوگ نہیں مراد لیتے تھے اس زمانہ میں لفظ حریت ضد سمجھی جاتی تھی غلامی کی۔ حُر ضد ہوا کرتا تھا۔ بندے اور غلام کا۔

حضرت عمر کا ایک فقرہ ہے۔

متى استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا! — کیسے تم نے لوگوں کو اپنا غلام بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا۔

جب ہم اس عبارت پر غور کرتے ہیں۔ اس زمانہ کو دیکھتے ہیں جس میں یہ فقرے کہے گئے تھے ان اسباب پر نظر کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ فقرہ حضرت عمر کی زبان سے نکلا تو یہ سب باتیں متفقہ طور پر بتاتی ہیں کہ حضرت عمر نے آزاد بول غلام کی ضد مراد لیا ہے۔ یعنی وہ جو خریدا اور بیچا نہ جاسکے۔ لیکن آج کل کے زمانہ میں طالبان آزادی کی اصطلاح میں آزاد اور آزادی کے وہ معنی نہیں جو حضرت عمر کی عبارت میں آزادی کے معنی ہیں۔ ہم اس کا ایک اور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے اپنے اس فقرہ میں ان لوگوں پر غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے جو کمزوروں کو اپنا غلام بنائے ہوئے تھے۔ حضرت عمر نے ان لوگوں کو سرزنش کی کہ تم ان کو اپنا غلام نہ سمجھو۔ کیوں کہ ان کی ماں نے انہیں آزاد جنم دیا ہے۔ حضرت عمر نے خود ان غلاموں سے خطاب کر کے نہ کہا کہ تم آزاد ہو تم ان لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو تمہارے مالک ہونے کے دعویدار ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت عمر نے اپنے اس فقرہ میں آقاؤں کو نصیحت کی ہے کہ ان زیردستوں اور کمزوروں کو آزادی دو۔

؎ مؤلف نے اس حدیث کی غلط توجیہ و تشریح کی ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اختیار سے نہر کھودے اس نہر کا پانی اس کا حق ہے نہ کہ اس کا جس نے نہ کوئی محنت کی نہ کوئی مشقت۔

حضرت علیؑ کے نزدیک حرّیت کے اور معنی تھے اُن کے یہاں حرّیت کی لفظ بہت عام اور وسیع ہے۔ ہم اس کے ثبوت میں پہلے حضرت علیؑ کا ایک صریح ارشاد پیش کرتے ہیں پھر ہم آپ کے اقوال و عہود و صایا اور فرامین سے اپنے مقصود پر شواہد پیش کریں گے۔

حضرت عمر کے قول کے برخلاف حضرت علیؑ فرماتے ہیں :-

لا تكن عبد غيرك وقد جعلك الله حرا۔ — اپنے غیر کے بندے نہ بنو درانحالیکہ خدا نے تم کو آزاد پیدا کیا ہے۔

حضرت عمر نے وہاں آقاؤں کو خطاب کیا تھا کہ تم اپنے زیردستوں کو آزادی دو، زیردستوں کو تحریک نہ کی تھی کہ تم اپنے آقاؤں کی اطاعت کا جوا اپنے کاندھے سے اتار پھینکو یہاں حضرت علیؑ خود زیردستوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اپنے آپ پر بھروسہ رکھو اور آزادی کا شعور و ادراک کرو۔ آپ انہیں بیدار کرتے ہیں کہ اپنے بنیادی حق کو پہچانو جو تمہارے وجود کا جوہر اصلی ہے۔ خدا نے تم کو آزاد پیدا کیا ہے پس جو کام کرو یا جو کام نہ کرو تمہارا ہر قول ہر فعل اسی فطری حق پر مبنی ہونا چاہیے۔

حضرت علیؑ نے یہ فقرہ ارشاد فرما کر ان زیردستوں کے دل میں انقلاب کی تخم ریزی کی ہر اس چیز کے خلاف جو ان زیردستوں کی آزادی میں حائل ہو انہیں کشاکش میں مبتلا کرے اور آزادی کا حق سلب کرے۔

پڑھنے والوں کو شاید خیال ہو کہ حضرت عمر اور حضرت علیؑ کے کلام میں زیادہ فرق نہیں کیوں کہ حضرت عمر کا خطاب مخصوص لوگوں سے ہے انہوں نے آقاؤں کو مخاطب کر کے کہا کہ کسی کو غلام نہ بنائیں اور حضرت علیؑ کا خطاب تمام افراد سے ہے آپ نے تمام افراد کو آگاہی دی کہ وہ آزاد ہیں آپ نے ان کی حرّیت کو خود اُن کے ارادوں پر محول فرمایا ہے نہ کہ اُن کے آقاؤں کے ارادے پر کہ جب تک جی چاہے غلام بنائے رہیں اور جب جی چاہے آزاد کریں۔

مگر دونوں کلاموں میں بہت بڑا فرق ہے اور اصولی فرق ہے نہ کہ فرعی۔ حضرت علیؑ کے فقرہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حرّیت کے مفہوم پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے آپ کا فقرہ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ آزادی کا سرچشمہ خود انسان کی ذات ہے۔ وہ آزاد پیدا ہوا ہے اسے اپنی راہ عمل خود معین کرنا چاہیے نہ کہ کوئی دوسرا از راہ دل سوزی اُسے آزاد کرے۔

حضرت علیؑ کے اس فقرہ سے معلوم ہوا کہ آپ آزادی و حرّیت کو انسان کے لوازم ذاتی وطبعی سے سمجھتے تھے اور انسان کے تمام افعال و حرکات اسی طبعی و فطری آزادی کا نتیجہ ہوتے ہیں، تمام خارجی اثرات سے پاک، یہ آزادی اسے اندرونی طور پر حاصل ہے خارجی حیثیت سے نہیں اس کی مثال آفتاب کی روشنی جیسی ہے کہ جس طرح آفتاب سے روشنی جدا نہیں ہوسکتی اسی طرح انسان سے آزادی جدا نہیں ہوسکتی چاند کی روشنی کی طرح نہیں جو قابل زوال ہے۔

لہٰذا حضرت عمر اور حضرت علیؑ کے فقرات میں اصلی اور بنیادی فرق ہے ایک وہ آزادی اور وہ آزاد ہیں جن کی آزادی دوسرے کی خواہش پر معلّق ہے۔ یہ آزادی ظاہری آزادی ہے خود اپنے سرچشمہ سے نہیں پھوٹی دوسرے وہ آزاد

ہیں جن کی آزادی خود ان کی طبیعت پر معلق ہے۔ سچی اور حقیقی آزادی یہی ہے۔ اس قسم کے آزاد اپنی عقل و فکر اور اپنے مصالح کے مطابق جو پسند کرتے ہیں کرتے ہیں جو نہیں کرتے نہیں کرتے۔ لیکن وہ آزاد جن کی آزادی دوسروں کے ارادہ سے وابستہ ہے وہ اپنی فکر و نظر کے تابع نہیں ہوتے۔

حضرت علیؑ جن معنوں میں آزادی چاہتے تھے وہی آزادی بنیاد ہے انسانی روابط و تعلقات کی ایسی آزادی کے ذریعہ بنی نوع بشر راہ سعادت میں ایک دوسرے کے دوش بدوش ہو کر چل سکتے ہیں ایسی ہی آزادی سے عظیم تر تمدن وجود میں آ سکتا ہے۔

چونکہ امیر المومنینؑ کی نظر میں اصل آزادی یہی تھی اسی لئے تمام احوال و احکام میں آپ اسی آزادی کو پیش نظر رکھتے اور اسی معیار پر آپ نے انسانی حقوق معین کئے تھے۔ امیر المومنینؑ کے تمام دستور و قوانین میں ہم بہت واضح طریقہ سے اس امر کا پاس و لحاظ مشاہدہ کرتے ہیں۔ امام نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ تمام افراد یہ حق رکھتے ہیں کہ جسے چاہیں اپنا حاکم مقرر کریں اور جسے چاہیں الگ کر دیں وہ قول و عمل میں آزاد ہیں۔ زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ اپنے لئے بہتر و نیک سمجھیں اختیار کر سکتے ہیں آپ نے تمام بنی نوع بشر کو حقوق و تکالیف میں ایک دوسرے کے برابر قرار دیا اور اس آزادی کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اگر مقرر کی بھی تو عامۃ الناس نے مصالح کے لحاظ سے مقرر کی۔

ہم جب امیر المومنینؑ کی سیرت و رفتار کی چھان بین کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ آپ نے اپنے کسی حکم و قانون اور دستور میں اس آزادی سے تخلف نہیں فرمایا۔ ہر کام میں عامۃ الناس کی بھلائی پیش نظر رکھی۔ دوست دشمن سب کے

ل امامت جو یہاں اصل موضوع بحث ہے ہم شیعوں کے نزدیک بندوں کی اختیاری چیز نہیں۔ امام کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے اور کسی کا معصوم ہونا خدا کو معلوم ہو سکتا ہے یا رسولؐ کو، خدا و رسولؐ ہی کسی امامت کی تصریح کر سکتے ہیں۔

ٹ کسی ملک میں جرم کرنے کی آزادی نہیں بلکہ اختلاف ممالک کے لحاظ سے جرائم کی حیثیت بھی جداگانہ ہے۔ بعض باتیں کسی ملک میں جرم سمجھی جاتی ہیں۔ کسی ملک میں نہیں۔ مثلاً شراب نوشی اسلام میں جرم ہے۔ خود امریکہ میں ایک عرصہ دراز تک شراب نوشی جرم رہی۔ فرانس میں کبھی بھی جرم نہیں سمجھی گئی۔ چوری ڈکیتی ہر جگہ جرم ہے، مرتد ہو جانا: دین سے پھر جانا اسلام میں جرم ہے گاؤ کشی ہندوستان میں جرم ہے۔ کیتھولک مذہب میں پادری کا شادی کرنا جرم ہے لہٰذا اگر اسلام میں مرتد کو سزا دی جاتی ہے یا ہندوستان میں گاؤ کشی کرنے والے کو سزا ہو تو یہ آزادی کے منافی نہیں مجرموں کے لئے حدود و تعزیرات کی تعیین اس بات کی دلیل نہیں کہ اسلام میں آزادی کی رعایت نہیں کی گئی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شراب خواری، قمار بازی اور دین اسلام سے برگشتہ ہو جانا مسلمانوں کے نزدیک جرم ہے اور عیسائیوں کے نزدیک نہیں جس طرح عورت کو طلاق دے دینا اور پادری کا شادی کرنا عیسائیوں کے نزدیک جرم ہے اور مسلمانوں کے نزدیک نہیں۔ ۱۲

ساتھ ایک رفتار سے پیش آئے ہم شروع میں یہ کہہ چکے ہیں کہ آپ نے کسی کو اس کی مرضی کے خلاف کسی کام پر مجبور نہیں کیا، کسی سے بیگاری نہیں لی۔ ہم یہ بھی کہہ چکے کہ آپ نے کسی کو اپنی بیعت پر مجبور نہیں کیا۔ جن لوگوں نے آپ کی بیعت سے انکار کیا باوجودیکہ وہ خطاکار تھے مگر آپ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا زبردستی نہیں کی کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ ان کے بیعت نہ کرنے سے کوئی فرق نہ پڑے گا نہ اُن کی غلط کاریوں سے عوام کے حقوق پر ضرب آئے گی وہ لوگ بہت عرصہ تک آپ کی بیعت سے گریزاں رہے۔ اس بیعت نہ کرنے سے اگر کچھ نقصان پہنچا تو انہیں لوگوں کو پہنچا۔

آپ نے اس وقت تک ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جب تک وہ عوام کے لئے باعث اذیت نہ ثابت ہوئے اور عوام کے حقوق کو انہوں نے نقصان نہیں پہنچایا آپ نے مغیرہ بن شعبہ سے خطاب کر کے فرمایا۔

قد اذنت لك ان تكون من امرك علىٰ ما يدا لك — ہم نے تمہیں اجازت دی کہ اپنے بارے میں جو مناسب سمجھو کرو۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ حبیب بن مسلم فہری آپ کی خدمت میں ایک مرتبہ آیا اور کہا۔

آپ حکومت سے کنارہ کشی کر لیجئے تاکہ مسلمان اس معاملہ خلافت کو شوریٰ سے طے کریں۔

حضرتؑ نے فرمایا:۔

تمہیں اس معاملہ سے کیا سروکار خاموش رہو تمہیں دور کا بھی واسطہ نہیں نہ تم اس معاملہ میں بولنے کا حق رکھتے ہو۔

حبیب اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

خدا کی قسم آپ ہمیں ایسی جگہ دیکھیں گے جو آپ کو ناگوار ہوگی۔

حبیب کے اس فقرہ میں جو کھلی ہوئی دھمکی تھی وہ ظاہر ہے لیکن علیؑ نے کیا کیا؟ کیا علیؑ نے بھی اُسے ویسی ہی دھمکی دی؟ کیا اُسے قید خانہ میں ڈلوا دیا تاکہ وہ آپ کی دشمنی میں آزاد نہ رہے نہ اپنی قوم والوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کر سکے۔ آخر کیا کیا علیؑ نے؟

علیؑ نے ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کی بلکہ آپ نے اس دھمکی دینے والے پر ایک نظر کی اور اس شخص کی طرح جسے اپنی عدالت پر پورا پورا بھروسہ ہو جسے دوسروں کے قول و فعل میں آزادی کا اقرار ہو فرمایا:۔

" جاؤ جتنے سوار و پیادہ اکٹھا کر کے لا نا خدا تجھے اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے جس دن تم مجھ پر ترس کھاؤ "

امیر المومنینؑ نے عامۃ الناس کو جو آزادی دے رکھی تھی اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ حجاز و عراق سے بہت سے لوگ بھاگ کر معاویہ کے پاس شام چلے گئے امیر المومنینؑ نے اُن لوگوں کو روکا نہیں اور اُن کی نگرانی کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی وہ آپ کی نظروں میں آزاد تھے جو چاہتے کرتے اور جس راہ کو پسند کرتے اُس پر چلتے۔ علیؑ نے اُن پر راہ حق واضح کر دی تھی اور انہیں آزاد چھوڑ دیا تھا کہ جس کا جی چاہے راہ راست کو اختیار کرے اور جس کا جی نہ چاہے اُس کے لئے شام کی راہ کھلی تھی۔ معاویہ

اس کے چشم براہ اور خزانوں کے منہ کھولے بیٹھے تھے۔ چنانچہ جب سہل بن حنیف انصاری گورنر مدینہ نے آپ کو اطلاع دی کہ مدینہ کے کچھ لوگ معاویہ کے پاس بھاگ کر چلے گئے ہیں تو آپ نے جواب میں لکھا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے یہاں کے کچھ لوگ چپکے چپکے معاویہ کی طرف کھسک رہے ہیں تم اس تعداد پر کہ جو نکل گئی ہے اور اس کمک پر کہ جو جاتی رہی ہے ذرا افسوس نہ کرو۔ ان کے گمراہ ہو جانے اور تمہارے اس قلق و اندوہ سے چھٹکارا پانے کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ حق و ہدایت کی طرف سے بھاگ رہے اور جہالت و گمراہی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ یہ دنیادار ہیں جو دنیا کی طرف جھک رہے اور اسی کی طرف تیزی سے لپک رہے ہیں۔ انہوں نے عدل کو پہچانا دیکھا سنا اور محفوظ کیا اور اسے خوب سمجھ لیا کہ یہاں حق کے اعتبار سے سب برابر سمجھے جاتے ہیں لہذا وہ ادھر بھاگ کھڑے ہوئے جہاں جنبہ داری اور تخصیص برتی جاتی ہے۔

خدا کی قسم وہ ظلم سے نہیں بھاگے اور عدل سے جا کر نہیں چپٹے اور ہم امیدوار ہیں کہ اللہ اس معاملہ کی ہر سختی کو آسان اور اس سنگلاخ زمین کو ہمارے لئے ہموار کرے گا۔ انتہٰی

دوسرا ثبوت اس بات کا کہ علی عوام کی مکمل حریت و آزادی کے قائل تھے، آپ کا خوارج کے ساتھ برتاؤ ہے خوارج کی ایک جماعت تو وہ تھی جو علانیہ باغی ہو چکی تھی اور انہیں کی اکثریت نہروان میں تہ تیغ ہوئی۔ لیکن بہت سے ایسے تھے جن کے خیالات و عقائد تو وہی تھے جو خارجیوں کے تھے مگر انہوں نے ازراہ مصلحت کھلم کھلا بغاوت نہ کی بلکہ کوفہ والوں میں گھلے ملے موجود تھے۔ امیرالمومنین ان خارجیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ اصحاب کو اجازت نہ تھی کہ ان خارجیوں سے تعرض کریں آپ جس طرح تمام مسلمانوں کو ان کے وظائف عطا کرتے اسی طرح ان خارجیوں کو بھی دیتے۔ ان کو آپ نے کھلی آزادی دے رکھی تھی کہ جہاں چاہیں آئیں جائیں۔

مکمل حریت و آزادی بنیاد تھی آپ کے طریقہ کار اور طرز عمل کی تمام انسان آزاد ہیں جو چاہیں کہیں یا کریں۔ جس سے جی چاہیں محبت رکھیں جس سے جی چاہیں عداوت رکھیں البتہ رعایا کو ان سے کوئی گزند نہ پہنچے وہ روئے زمین پر فتنہ و فساد نہ پھیلائیں ایسی صورت میں پھر انہیں آزاد نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ جس جرم کا ارتکاب کریں گے اس کی قرار واقعی سزا پائیں گے اور ان کے ساتھ کوئی نرمی نہیں برتی جائے گی۔

ایک مرتبہ ایک خارجی نے جس کا نام حریت ارشاد تھا آ کر کہا

"خدا کی قسم میں نہ تو آپ کی اطاعت کروں گا۔ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔"

امیرالمومنین نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا اسے آزاد چھوڑ دیا کہ جو جی چاہے کرے تھوڑے ہی دنوں کے بعد حریت نے بہت سے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا کر آپ کے خلاف خروج کیا۔ حضرت علیؑ نے ان لوگوں پر بھی کوئی پابندی عائد نہ کی جنہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ کر حریت کی ہمراہی اختیار کی تھی نہ تو انہیں اپنے ساتھ

رہنے پر مجبور کیا نہ حریت کے ساتھ جانے سے روکا حالانکہ اگر آپ چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے ہاں جب ان لوگوں نے اس آزادی سے غلط فائدہ اٹھانا شروع کیا ڈکیتی اور رہزنی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا تو امیرالمومنین نے اپنی فوج بھیج کر اُن کی پوری طرح سرکوبی کرا دی۔

سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ علی نے اپنے عہد کے خطرناک ترین مواقع پر بھی انسانی آزادی کا پورا پورا لحاظ کیا اس لئے کہ علیؑ اس آزادی کو وجود انسانی کی انتہائی لازمی چیز سمجھتے تھے کسی حال میں بھی انہوں نے اس سے تخلف کو جائز نہیں سمجھا۔ ناکثین وقاسطین ومارقین جو زمین کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ جمائے ہوئے تھے اور علی کے خون کے پیاسے تھے ان سے جنگ کرنے میں بھی علیؑ نے اس آزادی کی رعایت میں کمی نہ کی۔

ان لوگوں سے ہر قانون و شریعت میں جنگ جائز تھی اور ان سے لڑنا ہر ذوق سلیم رکھنے والا عین انصاف قرار دے سکتا تھا۔ ایسی صورت میں علیؑ کے لئے ضروری تھا کہ اعوان و انصار فراہم کریں ان کو ساتھ لے کر دشمن کے مقابلہ کو نکلیں لیکن علی نے اپنے کسی حمایتی کسی طرفدار کو ساتھ چلنے اور لڑائی لڑنے پر مجبور نہ کیا۔ نہ عزیزوں کو نہ غیروں کو باوجودیکہ علیؑ خلیفہ وقت کے انہیں اقتدار حاصل تھا وہ سلطنت و حکومت کی طاقت رکھتے تھے لیکن علیؑ نے اپنے ہمراہیوں کو نہ تو مادی حیثیت سے مجبور کیا نہ روحانی حیثیت سے اس لئے کہ وہ جس طرح بھی مجبور کرتے یہ مجبور کرنا اس آزادی و حریت کے مخالف ہوتا جس کے آپ معتقد تھے۔

لہ مؤلف نے جس حیثیت کی آزادی امیرالمومنین سے نقل کی ہے اور جو اس کی تشریح و توجیہ کی ہے یورپ والے آج بھی اس آزادی سے ناآشنا ہیں البتہ بعض سوشل ماہرین جیسے روسو وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس آزادی کا ذکر کیا ہے اور لوگوں کو معتقد بنانے کی کوشش کی ہے۔ رہا شاید بعض لوگوں کو یہ خیال ہو کہ اسلام میں حدود و تعزیرات کی تعیین مؤلف کے دعوے کے مخالف ہے۔ نیز یہ کہ مسلمان اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ کوئی شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے یا خدا دادا انبیاء کرام کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کرے امیرالمومنینؑ کے عہد حکومت میں بھی اور دیگر خلفاء کے زمانہ میں بھی شراب خواری پر حد جاری کی گئی منشیات کے خرید و فروخت جرم قرار دی گئی مرتد کو قتل کیا گیا لہٰذا وہ آزادی کہاں رہی جو مؤلف ثابت کرنا چاہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام باتیں صحیح ہیں لیکن وہ آزادی جو ممدوح ہے اور علیؑ جس آزادی کے حامی تھے وہ آزادی جرائم کے ارتکاب کی نہیں بلکہ وہ آزادی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مال میں تصرّف کا حق رکھتا ہے جس طرح چاہے خرچ کرے کام میں آزاد ہے کہ جو کام چاہے کرے مختصراً یہ کہ امیرالمومنین سیاسی اور سماجی آزادی کے حامی تھے اور تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے اس پر کہ شراب خواری اور ارتداد جرم ہے لہٰذا جب یہ چیزیں سماجی حیثیت سے بھی جرم ہیں تو پھر ان باتوں میں آزادی کیونکر ممدوح ہو سکتی ہے اگر امیرالمومنین لوگوں کو جرائم کرنے کی بھی آزادی دیتے تو یہ حکم خدا کی صریحی مخالفت بھی ہوتی اور عوام الناس کی آزادی کی مخالفت بھی۔ اگر ہندوستان میں گاؤکشی کی اجازت دے دی جائے تو یہ آزادی کے خلاف ہے اگر حضرت ابوبکر و عمر

(باقی بر صفحہ ۱۲۳)

آپ نے صرف اتمام حجت ضروری سمجھی، راہ حق واضح کردی لوگوں کی عقل و فہم فکر و نظر سے اپیل کی اپنے حق پر ہونے کے شواہد پیش کر دیئے تاکہ جس کا جی چاہے اپنی عقل و فہم سے کام لے کر علی کے حق کو پہچانے اور ان کا ساتھ دے اور جس کا جی نہ چاہے وہ اتمام حجت ہو جانے کے باوجود تخلف کرے۔

جن لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہی ان کی مدح و ستائش فرمائی ان کے حق میں دعائے خیر کی اور جنہوں نے لبیک نہ کہی انہیں وعظ و نصیحت کر کے ان کی غلطی پر متنبہ کیا تھا اور جو بھی تھا جہاں بھی تھا آزاد تھا علیؑ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اور نہ مجبور کرنا جائز سمجھا۔

آپ نے ہرگز یہ بات پسند نہ کی کہ کوئی شخص بے سوچے سمجھے اور بغیر ایمان و معرفت کے آپ کے ساتھ ہو جائے کسی کو بھی آپ نے مجبور نہیں کیا کہ جنگ جمل اور صفین اور جنگ خوارج کے موقع پر آپ کی فوج میں بھرتی ہو ورنہ اگر آپ چاہتے تو کوہ و دشت کو فوجیوں سے بھر دیتے۔

علی ابن ابی طالب خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ آزادی کیا چیز ہے۔ اس کے اصول و فروع کیا ہیں؟ آپ نے اسے اپنی تقریروں سے بھی واضح کیا اور عمل سے بھی اور عام و خاص کے ساتھ سلوک و برتاؤ میں بھی اس کی رعایت برتی معاشرہ کی خرابیاں کی اصلاح میں، اجرائے قوانین شریعت میں، لشکر کشی میں حکومت کرنے میں وعظ و نصیحت میں، غرض ہر حال میں آپ نے اصولِ آزادی کو پیش نظر رکھا، آپ کی زندگی کا جو دن بھی گذرا وہ تازہ ثبوت فراہم کر گیا کہ انسان کا حقِ آزادی واجب الاحترام ہے لیکن بس اسی حد تک کہ ایک شخص کی آزادی عوام الناس کی آزادی کو نقصان نہ پہنچائے۔ صحیح آزادی کے معنی بھی یہی ہیں۔

بقیہ حاشیہ ۱۲۲:- یا دوسرے خلفاء مرتدین سے جنگ نہ کرتے تو وہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کی مخالفت کے مرتکب ہوتے۔ آج بھی بہت سے ممالک میں بعض جماعتیں خلاف قانون قرار دی جاتی ہیں کیوں اس لئے کہ بہت سے لوگ ان جماعتوں کے نظریات و عقائد کو جرم سمجھتے ہیں اسی طرح ارتداد بھی مسلمانوں کے نزدیک جرم ہے کیونکہ اس کی وجہ سے سماج اور معاشرہ میں خرابی پیدا ہو جانے کا یقین ہے۔

قوم کے درمیان شخصی آزادی[۱]

لوگوں کے ساتھ امام علیہ السلام کا برتاؤ اور طرز عمل ان کی آزادی کی بنیاد پر مبنی تھا۔ انسان کے ضمیر کو اپنے ارادے اور آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیے۔ بغیر خارجی اثرات کے اسباب بذات خود موثر ہیں۔ خارجی موانع کم و بیش ان کو اپنی تاثیر سے باز رکھتے ہیں۔ اجتماعی کام اُس وقت صحیح و درست ہوتے ہیں جب آزاد ضمیر کے اصول اور فطری قوانین کے جو خود بھی آزاد ہیں مطابق ہوں۔ انسان بنیادی طور پر آزاد ہے آزادی کے اندر احساس ہوتا ہے، وہ خود اپنی طاقت سے سوچتا ہے اپنے اختیار سے بات کہتا ہے اور اپنے ارادے سے عمل کرتا ہے اس کو مجبور بنانا درحقیقت اس کی ذات کو ختم کر دینا ہے۔ پس کسی شخص کی آزادی سلب کرنا اُسی وقت جائز ہوگا جب اُس کو قتل کر دینا جائز ہو۔

مترجم کہتا ہے کہ مصنف کتاب اس بیان سے ثابت کرتا ہے کہ اجتماعی گروہ یعنی سوشلسٹوں کا مقصد صحیح نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حکومت کو قوم کے سارے کام اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے اور کسی شخص کو آزاد نہ چھوڑنا چاہیے کیونکہ لوگ جملہ امور میں صرف اپنے ذاتی فائدے کو مدِ نظر رکھتے ہیں اور قومی مفاد کا لحاظ نہیں کرتے۔ اس طریقے کے مخالفین کہتے ہیں کہ آزادی سے بالاتر کوئی مصلحت نہیں ہے اور سلب آزادی کے بعد لوگوں کے لئے کوئی ایسی نعمت مہیا نہیں کی جا سکتی جو آزادی کے برابر قدر و قیمت رکھتی ہو۔ نیز کہتے ہیں کہ ہر قسم کی نعمت و عروج، صنعت و تجارت اور ترقی جس عنوان سے بھی ہو آزادی کے ساتھ بہتر طور پر حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ دنیا کے آزاد ممالک میں نعمتیں زیادہ سے زیادہ علماء اور ہنرمند افراد تعداد میں کثیر، آرام و آسائش کے سامان بیشتر، کاریگر پورے طور سے آسودہ حال زندگی سے لوگوں کی دلچسپی پورے عروج پر اور جرم و گناہ کم سے کم ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض ملکوں میں برسوں

---

[۱] مولف کتاب اس فصل میں ثابت کرتے ہیں کہ افراد کو عین آزادی میں اپنے کو قومی مصالح کی مراعات کا پابند سمجھنا چاہیئے اور اپنے ارادے، آزادی اور اختیار سے ہر وہ عمل انجام دینا چاہیے جو لوگوں کے لئے مفید مطلب ہو۔ نقصان دہ کاموں سے پرہیز کریں تاکہ آزادی میں محدود رہے نہ دوسروں کو مجبور و مقید بناتے ہیں۔ ۱۲۔

گزر جاتے ہیں اور جرم کا کوئی مقدمہ قائم نہیں ہوتا۔

مولف کہتا ہے اگر تم آفتاب کی روشنی کو روکنا چاہو اور اس کے سامنے ایسا پردہ حائل کر دو کہ وہ اپنے مقابل اجسام کو گرم و روشن نہ کر سکے تو درحقیقت تم نے اس کی روشنی کو ختم اور فنا کر دیا۔ اگر تم ہوا کو چلنے سے باز رکھ سکو تو حقیقتاً تم نے ہوا کو نیست و نابود کر دیا۔ اسی طرح دریا کی موجیں، صحرا کے شگوفے، ہوا کے پرندوں اور ہر اس چیز کو جو دنیا میں آباد ہے، اگر اس کے فطری تقاضوں سے منع کر دو گے تو گویا تم نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ انسان کو آزادی سے محروم کرنا بھی فی الحقیقت تمام افراد بشر کو قتل کرنا ہے ۱؎

یہ تھا آپ کے نزدیک آزادی کا تصور اور یہ بھی آپ کی پہنچ اس کی گہرائیوں تک۔ آپ نے اس آزادی کو جیسا سمجھا زبان سے بھی بیان کیا اور عمل میں بھی لائے، آپ کا ہر کام آپ کے عقیدہ و نظریہ کے مطابق بھی درست تھا اور دوسروں کے عقیدہ و نظریہ کے مطابق بھی۔ قوانین فطرت بھی ان کے مؤید ہیں اور معاشرہ اور سماج کے مصالح بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

آپ کے اقوال و افعال سے جن کا ہم نے بخوبی جائزہ لیا ہے معلوم ہوا کہ آپ کیوں کر لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے تاکہ وہ ہر کام میں اپنے اختیار اور ارادے سے عمل کریں۔ یقیناً ایک ایسا نکتہ ہے جس کو علی علیہ السلام ہر وقت پیش نظر رکھتے اور وہ ہے افراد کی آزادی اس طریقہ سے کہ دوسروں کی آزادی کو نقصان پہنچے۔

قدیم یونانی حکما، کا ایک گروہ اور قرون وسطیٰ میں یورپین فلاسفہ صرف شخصی آزادی کو ملحوظ رکھتے تھے مصلحت عام اور قومی آزادی کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور دوسری جماعت نے محض اجتماعی مصالح پر نظر رکھی۔ انفرادی آزادی اور افراد کے حقوق کی رعایت نہیں کی۔ لوگوں پر دباؤ ڈالنا اور ان سے بیگار لینا جائز سمجھا۔ لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے شخصی آزادی اور اجتماعی مصالح دونوں کا لحاظ رکھا اس طریقہ سے کہ ان میں سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ ان کو اس طرح سے ہم آہنگ بتایا کہ ایک فرد اپنے اختیار سے آزادانہ طور پر اجتماعی مصلحت کی بھی رعایت کرے اور افراد کی آزادانہ کوشش قومی مفاد کے حق میں ہو۔ افراد کو قوم کے لئے اور قوم کو افراد کے لئے قرار دیا۔ اور ہم اس کے بعد اسی گفتگو کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ مطلب روشن تر ہو جائے۔

۱؎ مفسدہ پرداز اور نفسانی خواہشات کے پیرو بھی یہی کہتے ہیں کہ آزادی قابل احترام چیز ہے اور قوم کو چاہیے کہ ہم کو آزاد چھوڑ دے تاکہ ہم ہوس رانی کر سکیں اور بچوں اور جوانوں کو بے دینی کے ماحول میں پرورش کریں۔ اس کے جواب میں کہنا چاہیے کہ تمہاری آزادی مسلمانوں کی نظر میں جرم ہے اور اگر تم آزاد ہو گے تو دوسرے لوگ جو تم سے ہزاروں گنا زیادہ ہیں آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے آزادی افراد کو مصلحتِ عام کی مراعات کے ساتھ کیونکر جمع کیا ہے ؟:
علی جانتے تھے کہ لوگ چونکہ قوم کے اعضاء ہیں لہٰذا انہیں حریت اور آزادی کو اپنی مرضی سے ایسے امر کی جانب متوجہ کرنا چاہیے جو جماعت کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ یہاں آزادی سے من مانی آزادی مراد نہیں ہے بلکہ اس کو ایمان اور ذمہ داری کے ساتھ ہونا چاہیے اور انسان کو چاہیئے کہ خود مختاری کے ساتھ مصلحت عام کی رعایت کرنا اپنا فرض سمجھے۔

علی علیہ السلام نے دوسرے فلاسفہ کے مانند یہ نہیں کہا کہ انسان کی آزادی محدود ہے بلکہ اس سے گہری بات کہی اور آزادی کے لئے کوئی حد معین نہیں کی آپ کا بیان کہیں زیادہ قیمتی اور بلند ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السّلام انسان کے روحانی اسرار اور قواعد اجتماعی کو سمجھنے میں دوسروں سے افضل تھے۔

آپ نے آزادی و حرّیت کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا اس کے بعد یہ عقیدہ کہ ہر شخص کے ذمّہ کچھ فرائض اور واجبات ہیں جن کی بجا آوری کا وہ ذمّہ دار ہے پہلے اعتقاد کے ساتھ وابستہ کیا۔ اس طریق کار کا ثبوت یہ ہے کہ جیسا ہم بتا چکے ہیں ایک گاؤں میں ایک نہر پٹ کے بیکار ہو گئی تھی۔ کچھ لوگوں نے چاہا کہ اس کو صاف کر کے پھر جاری کریں چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کے عامل سے خواہش کی کہ لوگوں کو کام کرنے پر مجبور کرے۔ امیر المومنینؑ نے اس کی سختی سے ممانعت کی اور فرمایا کہ وہ اپنے اختیار سے کام کریں اور مزدوری لیں۔ نہر اُسی شخص کی ہے جو خود اختیاری سے کام کر کے اپنے کو اس کے انجام کا ذمّہ دار سمجھے۔

علی علیہ السلام نے ایک ہزار سال سے زیادہ پہلے اس طبقے کی خود مختاری کا احترام کیا ہے اور مشہور فرانسیسی مصنّف روسو گذشتہ دو صدیوں کے اندر یہ کہنے پر مائل ہوا کہ :-

" نوع بشر کا احترام اور انسان دوستی ہم کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ زیر دستوں کو چاہے وہ جاہل اور غیر تربیت یافتہ ہی کیوں نہ ہوں، ہوشمندوں کے مانند نوع انسانی میں شمار کریں "

امام علیہ السلام کے اُصول اور دستور میں ضروری ہے کہ ارادے اور اختیار کو خود ارادہ اور اختیار محدود کرے اور اختیار کے ساتھ ذمّہ داری کا اعتقاد وابستہ رہے پس تکلیف اور ذمّہ داری اختیار اور ارادے کو نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ اُس کی تائید کرتی ہے [1]

تنہا ذمّہ داری نیک اعمال کو انجام دینے کے لئے کافی نہیں ہے جب تک ارادہ اور اختیار بھی ذمہ دار نہ ہو اور ذمّہ داری کا اندازہ اختیار کے مطابق ہے۔ اختیار اور ارادہ جتنا زیادہ ہو گا تکلیف اور ذمّہ داری بھی اتنی ہی زیادہ شدید ہوگی

---

[1] اس مضمون کو متکلمین اسلام نے ایک مختصر اور فصیح فقرے میں بیان کر دیا ہے۔ الامتناع بالاختیار لاینافی الاختیار" اختیار رکھتے ہوئے کسی کام کو نہ کرنا اختیار کے منافی نہیں ہے۔

تکلیف جس طرح عقل وجدان سے مربوط ہے اُسی طرح اختیار سے بھی مربوط ہے۔ جس شخص کی قوتِ فکر مفلوج ہے، جو نیک و بد کے ادراک پر قادر نہیں اور جس کی ذہنی صلاحیتیں بے کار ہیں اُس کو کسی عمل کا مکلف اور ذمہ دار نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح جو شخص آزادی سے محروم ہوا اور اس کا اختیار سلب ہو چکا ہو وہ بھی مکلف نہیں ہے آزادی و اختیار اور دماغی بیداری انسان کو نیک و بد کے ادراک اور تکالیف کی لازمی رعایت پر مجبور کرتی ہے۔

اسی بنا پر حضرت علی علیہ السّلام نے اپنے عمال و حکام پر لازم قرار دیا تھا کہ قید و بند اور وزنی زنجیریں لوگوں کے ہاتھوں اور پاؤں سے دور کریں تاکہ وہ اپنے اختیار سے قوم کے لئے مفید کام انجام دیں۔ جب تک وہ خود مختار نہ ہوں گے ناتواں ہیں اور ناتواں پر تکلیف عائد نہیں ہے۔ وہ اپنے کو ذمہ دار نہیں سمجھتے اور نیک کام انجام نہیں دیتے، کیونکہ عمل نیک آزادیٔ فکر کے ساتھ انجام پا سکتا ہے۔ جو لوگ اختیار نہیں رکھتے اُن کے اعمال دراصل اُن کے نہیں بلکہ حکومت کے اعمال ہیں جو حاکم کے حکم اور والی کے اشارۂ چشم سے اُن کے ہاتھوں صادر ہوتے ہیں۔ یہ اپنے عزم میں بودے اور مردانگی میں ضعیف ہیں اور اُن کی طاقتیں بے محل ضائع ہوتی رہتی ہیں۔

لوگ امام علیہ السلام کے بعد اسی منزل میں آ گئے جس کا میں نے ذکر کیا۔ باوجودیکہ آپ کے عہد حکومت میں وہ خود مختار اور حکام کے شکنجے اور ایذا رسانی سے مامون تھے۔ آپ نے ایسا قاعدہ معین فرمایا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اپنی ذمہ داری کا اعتراف کریں اور جان لیں کہ قوم کے مقابلے میں ان پر کچھ فرائض ہیں اور قوم کا اُن پر ایک حق ہے آپ کے احکام و ہدایات اسی بنیاد پر تھے، آپ اسی کے مطابق امر و نہی فرماتے تھے اور سزا و جزا دیتے تھے جیسا کہ ہم نے بہت سے مواقع پر دیکھا اور آئندہ دیکھیں گے۔

یہ مال تمہارے پاس کہاں سے آیا؟

بیت المال کا یہ مال ہمارا ہے نہ تمہارا۔
ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیں۔
کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ظلم و زیادتی کر کے کامیابی حاصل کروں۔ خدا کی قسم جب تک ستارے اپنی چال چلتے رہیں گے یہ ہم سے کبھی نہ ہو گا۔ (الامام علیؑ)
طلحہ و زبیر نے کہا ہم آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ ہم شریک کار خلافت ہوں گے۔
علی نے کہا نہیں۔
علیؑ نے ذخیرہ اندوزوں کا وہ تمام مال جو انھوں نے غصب کر رکھا تھا اس طرح اُن سے چھین لیا جس طرح لکڑی چھیلی جاتی ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حریت و آزادی اپنے وسیع معنوں میں علی ابن ابی طالبؑ کی حکومت کی اصل و بنیاد تھی۔ یہ حریت و آزادی علیؑ کے نزدیک جس قدر عقل و وجدان سے تعلق رکھتی تھی اسی قدر خلائق کے باہمی روابط و تعلقات سے بھی مرتبط تھی۔ انسان جو باہمی تعاون اور برادرانہ روابط کے ذریعہ ترقی کے منازل طے کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے منزل مقصود تک پہنچنا ممکن ہی نہیں جب تک وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے آزاد و خود مختار نہ ہو وہ شخص کسی طرح آزاد نہیں ہو سکتا جس کا ضمیر ان خامیوں سے پاک صاف نہ ہو جو انسانی قدر و قیمت خاک میں ملا دیتی ہیں اسی طرح وہ شخص بھی جس کی آزادی کے حق کو سماج اور معاشرہ زبانی طور پر تو تسلیم کرے مگر عملی طور پر نظر انداز کر دے آزاد و خود مختار نہیں ہو سکتا۔

اس معاملہ میں علیؑ نے افراد کے ساتھ بھی اور جماعت کے ساتھ بھی دوست کے ساتھ بھی اور دشمن کے ساتھ بھی یکساں برتاؤ رکھا۔ اپنے اس لائحہ عمل پر پوری مضبوطی سے قائم رہے۔ نہ کوئی لالچ انہیں اپنے پیش نظر مقاصد سے ہٹا سکی نہ کسی قسم کی دھمکی یا ترغیب اُن کے قدموں کو متزلزل کر سکی۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ حق بہت سے لوگوں کی طبیعتوں پر گراں گذرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان امرنا صعب مستصعب — ہمارا معاملہ بہت سخت و دشوار ہے۔

اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ حق خصوصیت کے ساتھ ولاۃ و حکام پر بہت شاق ہوتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں:۔

"حق والیوں پر بہت گراں ہے اور حق گراں ہوتا ہے۔"

لیکن یہ حق حکام اور معززین پر خواہ گراں ہوتا یا سبک علیؑ کے نزدیک دونوں صورتیں برابر تھیں اس لئے کہ علیؑ کی عقل اور ان کا ضمیر دونوں انہیں مجبور کرتے تھے کہ وہ حق سے سرِ مو انحراف نہ کریں۔ اور ان دونوں عقل و ضمیر کے علاوہ علیؑ کے نزدیک اور کسی چیز کو کوئی اہمیت نہ تھی۔ عقل و ضمیر علیؑ کو مجبور کرتے تھے کہ ان لوگوں سے ہرگز بے رُخی نہ برتی جائے جو عدل و انصاف کے طلبگار ہوں اور نہ حاکم و محکوم کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ محتاجی کی ذلتیں سہیں اور وہ بھوک برداشت کریں جو اُن کے حلق کو خشک اور شکم میں آگ لگا دے۔ یہ عقل و ضمیر علیؑ کو حکم دیتے تھے کہ زمین کی نعمات و برکات ایسے پیٹ بھروں کے ہاتھوں میں نہ چھوڑ دی جائیں جو شکم سیر ہونے کے باوجود کھاتے اور بغیر پیاس کے پیتے ہیں جو عوام کے مال منتخب کر داد عیش و عشرت دیتے ہیں۔

علیؑ کا یہ اندیشہ بالکل صحیح نکلا کہ صاحبان نفوذ و اقتدار اور معززین و اشراف ہمارے ڈھنگ کو برداشت نہ کر پائیں گے اور عادلانہ طرزِ حکومت اُن کی طبیعتوں پر انتہائی بار ہوگا۔ جیسا کہ بیعت سے پہلے بھی آپ کہہ چکے تھے۔ چنانچہ بیعت کے بعد ان معززین و اشراف نے آکر علیؑ سے مطالبہ کیا ہمیں عامۃ الناس کے مقابلہ میں زیادہ دیا جائے لیکن علیؑ نے صاف کہہ دیا کہ ہم ناحق کسی کو کچھ نہیں دینے والے۔

طلحہ اور زبیر آپ کے پاس سودا کرنے کی غرض سے آئے اور کہا:۔

"ہم آپ کی بیعت اسی شرط پر کرتے ہیں کہ ہم اس حکومت میں آپ کے شریک ہوں گے۔"

علیؑ نے بے تامل جواب دیا "نہیں"

یہ جواب سُن کر دونوں آپ سے جدا ہو گئے اور آپ پر لشکر کشی کی تیاریاں کرنے لگے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

علیؑ سب سے زیادہ یہ بات سمجھتے تھے کہ طلحہ و زبیر بڑا اثر و اقتدار رکھتے ہیں، کوفہ و بصرہ میں ان کے ماننے والوں

کی زبردست اکثریت ہے لیکن یہ عدل و انصاف تھا جو علیؑ کو ہر چیز سے بڑھ کر محبوب تھا۔ یہ علی ابن ابی طالب تھے، جن کا مقولہ تھا۔

اتامرونی ان اطلب النصر بالجور فی من ولیت علیہ واللہ ما اطور بہ ما سمر سمیر او ام نجم فی السماء نجما۔ الا ان اعطاء المال فی غیر حقہ اسراف وتبذیر۔

کیا تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ میں ظلم کر کے کامیابی حاصل کروں۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہ ہو گا۔ ناحق داد و دہش اسراف و فضول خرچی ہے۔

کھاناپیٹ بھرے کے سامنے نہیں لایا جاتا۔ دولت چاہے کم ہو یا زیادہ علیؑ کے مذہب میں اُس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ مباح طریقوں سے حاصل نہ ہو۔ نہ تو احتکار کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو نہ عوام الناس کو لوٹ مار کر نہ حکومت سے فائدہ اٹھا کر۔

علیؑ مجرموں کے بہت سے جرائم معاف کر دیتے ظالموں کے بہت سے مظالم سے درگذر کرتے لیکن نہ تو وہ ذخیرہ اندوزی اور عوام الناس کے مال ہتھیانے کو معاف کر سکتے تھے اور نہ ذخیرہ اندوزوں کی اس حرکت کو کہ وہ محنت کشوں، کمزوروں، ناداروں کے آب و غذا پر ظلم و زیادتی کریں۔ ظلم خواہ کسی قسم کا ہو علیؑ کے نزدیک لعنت تھا۔ مگر بدترین ظلم۔ قوی و توانا کا کمزور پر ذخیرہ اندوز کا عوام پر حاکم کا محکوم پر ظلم تھا۔ علیؑ اس قسم کے ظلم کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے تھے جو سوسائٹی میں رذائل اور جرائم کو جنم دے۔

آپ نہج البلاغہ کو اٹھا کر دیکھئے آپ کو محسوس ہو گا کہ علیؑ جب دوسروں کے مال ہتھیانے عوام کو لوٹنے کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کی لفظوں سے کیسی آگ برستی ہے۔ تقریباً اُن کی ہر تقریر اور ہر گفتگو میں دوسروں کا مال ہتھیانے اور عوام کو لوٹنے کا ذکر ہوتا۔ ان کے اقوال بتاتے ہیں کہ انہیں پوری طرح یقین تھا کہ دوسروں کا مال ہتھیا لینا سماجی و معاشرتی جرم ہے۔ ناجائز ذریعہ سے مال جمع کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو وہ ظالم ہے اور غیر عادی طریقوں سے مال جمع کرنے کی سخت سے سخت پاداش ہے جو الیا کرنے والے کو بہر حال اٹھانی پڑے گی۔

علیؑ اپنی ایک تقریر میں مال جمع کرنے والے متعلق فرماتے ہیں:۔

...... ویتذکر اموالا جمعہا، اغمض فی مطالبہا واخذھا من مصرحاتہا ومشتبہاتہا، وقد لزمتہ تبعات جمعہا!

اور یاد کرے ان اموال کو جنہیں اس نے جمع کیا ہو اس کی پرواہ نہ کی کہ کہاں کہاں سے مال حاصل ہوا (یعنی حلال و حرام میں تمیز نہ کی) اور جائز و ناجائز ذرائع سے مال حاصل کیا اس جمع کرنے کی پاداش اُسے ضرور ملے گی۔

لیکن جائز ذرائع سے مال حاصل کرنا جس میں غصب وتظلم یا ذخیرہ اندوزی کو دخل نہ ہو ایسے شخص کے متعلق علیؑ فرماتے ہیں:۔

من مات من کسب الحلال مات واللہ راض عنہ

جو شخص حلال کمائی کرتا ہوا مرجائے وہ اس حال میں مرے گا کہ خدا اس سے راضی ہوگا۔

اسی لئے علیؑ نے طے کر لیا تھا کہ اُن سے پہلے جو ذخیرہ اندوزی غصب وتظلم کی عمارتیں کھڑی کی جاچکی ہیں انہیں منہدم کرکے دم لیں گے۔ مسلمانوں کے بیت المال کو خویش واقارب پر صرف کرنے کا دستور منسوخ ہوگا۔ دوسروں کے مال لوٹنے اثر واقتدار سے کام لے کر عوام کا رزق ہتھیا لینے کی کسی حال میں اجازت نہیں دی جائے گی۔ علیؑ نے ایک تقریر کی جس میں صاف صاف لفظوں میں کہا:۔

" الا ان کل قطیعۃ اقطعھا عثمان وکل مال اعطاہ من مال اللہ فھو مردود فی بیت المال، فان الحق لا یبطلہ شئ، ولو وجدتہ قد تزوج بہ النساء وفرق فی البلدان لرددتہ - فان العدل فی سعۃ ومن ضاق علیہ الحق فالجور علیہ اضیق "

" دیکھو ہر وہ جاگیر جو عثمان نے کسی کو دی، ہر وہ مال جو عثمان نے مال خدا سے لوگوں کو دیا ہے وہ بیت المال میں واپس کر دیا جائے، اس لئے کہ قدیمی حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ بیت المال کے روپیوں سے عورتوں کی شادی کی گئی ہے یا وہ روپے متفرق شہروں میں منتشر کر دئے گئے ہیں تو میری انتہائی کوشش اس کی رہے گی کہ وہ سب مال وزر سابق حال پر پلٹا دئے جائیں۔ عدل میں تو بڑی گنجائش ہے۔ جس پر عدل تنگ ہوگا اس پر ظلم زیادہ تنگ ہوگا۔

یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ ایسے عدل گستر وانصاف پرور سلاطین وحکام بھی گذرے ہوں جنہوں نے کسی غیر مستحق کو بیت المال سے نہ دیا ہو نہ اپنے خویش واقارب ودوست احباب کی خواہش پر عوام کی دولت کو بے دردی سے نہ اُڑایا ہو۔ لیکن علیؑ کے سوا ایسا تو کوئی بھی دیکھنے میں نہیں آیا جس نے سابق حکومت کے جفا پیشہ مالداروں سے ان کی دولت کا سختی سے حساب لیا ہو اور انہیں مجبور کیا ہو کہ سابق میں وہ جس قدر مال ناجائز حاصل کر چکے ہیں وہ سب کا سب بیت المال میں پلٹا دیں۔ علیؑ کا یہ جرأت مندانہ اقدام دلیل ہے اس بات کی کہ حالات پر ان کی کتنی گہری نگاہ تھی اور عدالت اجتماعیہ پر انہیں کتنا مستحکم ایمان واعتقاد تھا جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا۔

اگر یہ قاعدہ ٹھیک ہے کہ مزدوری، صلہ، انعام اسی شخص کو دینا چاہیے جو محنت مشقت کرے عوام الناس کی کوئی خدمت انجام دے تو حارثؓ ابن الحکم نے عوام کی کونسی ایسی خدمت انجام دی تھی کہ اس کے بدلہ میں حضرت

؎ حاشیہ صفحہ ۱۳۲ پر۔

عثمان نے اُسے دو لاکھ درہم مسلمانوں کے بیت المال سے اُس کی شادی کے دن دلوا دیئے ؟ کیا حضرت عثمان کی دامادی اور اُن کی دختر کو حبالہ زوجیت میں لے لینا عوام کی خدمت تھی معاشرہ اور سماج پر احسان تھا ؟

طلحہ و زبیرؓ نے مسلمانوں کی کونسی خدمت کی تھی جس کے بدلہ میں اُنہوں نے بے شمار درہم و دینار حضرت عثمان سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱ ۔ حضرت عثمان نے اپنے دوسرے داماد اپنی بیٹی عائشہ کے شوہر حارث بن الحکم کو جو مروان کا بھائی تھا تین لاکھ درہم عنایت کئے (کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۵۲)

علامہ بلاذری دوسری جگہ لکھتے ہیں ۔ زکواۃ میں وصول شدہ اونٹ حضرت عثمان کے پاس لائے گئے آپ نے وہ سب کے سب حارث بن حکم کو دے دیئے (کتاب الانساب جلد ۵ صفحہ ۲۸)

علامہ ابن قتیبہ ابن عبدربہ اور ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے مھزوری جو مدینہ کا بازار تھا تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا حضرت عثمان نے حارث کو اُسے بطور جاگیر مرحمت فرما دیا ۔ (معارف صفحہ ۸۴، عقد فرید جلد صفحہ ۲۶۱، شرح نہج البلاغہ ا صفحہ ۶۷)

حارث پر حضرت عثمان نے تین طرح نوازشیں فرمائیں :-

۱۔ حارث کو تین لاکھ درہم دیئے حالانکہ وہ حضرت عثمان کے ذاتی مال سے نہ تھے مسلمانوں کے بیت المال سے تھے۔

۲۔ زکوٰۃ میں وصول شدہ تمام اونٹ ایک اکیلے حارث کو دے دیئے۔

۳۔ پیغمبرؐ جو چیز مسلمانوں کے لئے وقف کر گئے تھے حضرت عثمان نے اُسے حارث کو بطور جاگیر دے دیا۔

لے حضرت عثمان کی عنایت و نوازش سے آپ کے اعزہ و رشتہ دار حاشیہ نشین و مقربین بارگاہ خوب ہی مالا مال ہوئے اور تقسیم اعمال میں آپ کے ایسے طریقہ کار کی بدولت جو کتاب و سنت اور سیرت سلف کے مغائر تھے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں ، پرشکوہ محلات ، عالی شان مکانات بے اندازہ و بے حساب مال و اسباب پیدا کئے۔

زبیر بن عوام نے اپنے مرنے کے بعد ۱۱ مکانات مدینہ میں دو مکان بصرہ میں ایک کوفہ میں ایک مصر میں چھوڑا ان کی چار بیویاں تھیں۔ بیویوں نے ان کے ترکہ سے اٹھواں حصہ پایا اور ہر بیوی کو ۱۲ لاکھ ملے اس طرح اُن کا کل ترکہ ۵ کروڑ ۹۰ لاکھ تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۱) صحیح بخاری وغیرہ میں صرف تعداد لکھی ہے ، درہم و دینار کی صراحت نہیں البتہ تاریخ ابن کثیر میں درہم کی تصریح ہے ۔

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ زبیر کی مصر میں بھی جاگیریں تھیں ، اسکندریہ میں بھی کوفہ میں بھی مدینہ میں بھی کئی مکانات تھے اطراف مدینہ سے اُن کو آمدنی آتی تھی (طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ ۷۷ طبع لیدن)

مسعودی لکھتے ہیں کہ زبیر نے مرنے پر ہزار گھوڑے ، ہزار غلام کنیزیں اور بہت سے محلات جاگیریں چھوڑیں (مروج الذہب جلد ا صفحہ ۳۴۴ سوم)

طلحہ بن عبید اللہ نے مرنے پر سو کھال چھوڑے جس میں سونا بھرا ہوا تھا ۔ بھال بیل کی کھال کو کہتے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

پائے اور اتنی جاگیریں حاصل کیں کہ اگر ان کا نصف حصہ بھی لاکھوں مسلمانوں میں تقسیم کردیا جاتا تو اُن کے گھر بھر جاتے اور ہر ایک کا حصہ اس کی تمنا و آرزو سے بھی بڑھ کر ہوتا۔ طلحہ و زبیر کو کونسے ترجیحی حقوق ایسے حاصل تھے جن کی وجہ سے اُن کے پاس ہزار ہزار غلام اور ہزار ہزار کنیزیں اکٹھا تھیں۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ حضرات سابقین اولین میں سے تھے پیغمبرؐ کے بڑے مقرب بارگاہ صحابی تھے، اُنہوں نے دین اسلام کی بڑی خدمت کی تھی تو یہ سب کچھ خدا کے لئے کیا تھا اپنے نیک

(بقیہ حاشیہ صـ۱۳۲) علامہ ابن عبدربہ نے خشنی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ۳۰۰ بہار سونے چاندی کے چھوڑے بلکہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ تین سو اونٹوں کا بار سونا چھوڑا (طبقات ابن سعد جلد ۳ صـ۱۵۸ مروج الذہب جلد اول صـ۴۳۴ عقد فرید جلد ۲ صـ۲۷۹ وغیرہ)

علامہ بلاذری نے روایت کی ہے کہ حکم بن عاص زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہؐ کا پڑوسی تھا اور زمانۂ اسلام میں آپ کے جانی دشمنوں اور شدید اذیت پہنچانے والوں میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا جب ۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہوگیا تو حکم مدینہ آیا اس کا اسلام مشکوک ہے اس کی حالت یہ تھی کہ رسالت مآب کے پیچھے پیچھے چلتا آپ کی طرف مضحکہ خیز اشارے کرتا آپ کی نقلیں اُتارتا ناک منہ سکوڑتا اور جب آں حضرتؐ نماز پڑھتے تو یہ بھی پیچھے کھڑا ہو کر انگلیوں سے اشارے کرتا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا منہ بناتا تھا ویسا ہی ہوگیا اور مرتے دم تک ویسا ہی رہا۔ دماغ میں فتور بھی آگیا ایک مرتبہ رسول اللہ اپنی کسی زوجہ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے حکم جھانک کر دیکھنے لگا رسول اللہ نے پہچان لیا باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس ملعون مردکش سے مجھے کون بچاتا ہے پھر ارشاد فرمایا کہ جہاں میں رہوں نہ یہ حکم رہ سکتا ہے نہ اس کی اولاد چنانچہ آپ نے اسے اہل و عیال سمیت طائف کی طرف نکال باہر کیا جب آں حضرتؐ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عثمان نے ابوبکر سے سفارش کی اور درخواست کی کہ حکم کو مدینہ واپس بلا لیا جائے۔ مگر ابوبکر نے انکار کیا اور کہا رسول اللہؐ جسے نکال باہر کر چکے ہوں میں اُسے پناہ نہیں دے سکتا۔ ابوبکر کے بعد جب عمر خلیفہ ہوئے تو عثمان نے ان سے بھی اسی مضمون کی درخواست کی اُنہوں نے بھی ابوبکر ہی کی طرح جواب دیا کہ رسولؐ کے نکالے ہوئے کو میں مدینہ نہیں بُلا سکتا۔ جب خود خلیفہ ہوئے تو اب کون روکنے والا تھا حکم بال بچوں سمیت مدینہ واپس بلا لیا اور مسلمانوں سے یہ کہا کہ میں نے حکم کے متعلق رسالت مآبؐ سے سفارش کی تھی اور سوال کیا تھا کہ اسے مدینہ واپس بلا لیجئے۔ آں حضرتؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اُسے اجازت دے دوں گا مگر قبل اس کے کہ حضرتؐ اجازت دیں آپ کا انتقال ہوگیا۔ مسلمانوں نے حضرت عثمان کی باتوں کا یقین نہیں کیا اور اُن کا یہ فعل اُن کی انتہائی ناگواری کا باعث ہوا۔

(کتاب الانساب جلد ۵ صـ۲۷)

حضرت عثمان نے نہ صرف یہ کہ اُسے مدینہ بُلا لیا اور اپنا مقرب خاص بنایا بلکہ قبیلہ قضاعہ سے زکوٰۃ و صدقات کی جتنی رقمیں اور مال و اسباب وصول ہوئے وہ سب اُسے بخش دیئے حکم جس وقت مدینہ میں داخل ہوا تو کیفیت یہ تھی کہ بدن پر چیتھڑے تھے تمام لوگ اس کی زبوں حالی اور اس کے ہمراہیوں کی فلاکت و ادبار کا نظارہ کر رہے تھے حکم کے آگے آگے (باقی اگلے صفحہ پر)

اعمال کی جزا کی توقع انہیں آخرت میں رکھنی چاہیے تھی۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین خدا نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں جانے دیتا۔ اُنہوں نے جو کچھ بھی اسلام کی خدمتیں انجام دی تھیں خدا کی خوشنودی کے لئے انجام دیں اور وہی بہترین جزا دینے والا ہے مسلمانوں کے اس بیت المال پر اُن کا کیا حق تھا جس میں سارے ہی مسلمان برابر کے حق دار تھے۔

حضرت عثمان کے خویش و اقارب نے عوام کی بھلائی کے کون سے کام کئے تھے جس کے صلہ میں حضرت عثمان نے بیت المال اُن پر نچھاور کر دیا حکومت و سلطنت ان کے حوالے کر دی اور مسلمانوں کی جان و مال و عزت و آبرو کا انہیں مالک و مختار بنا دیا کہ جس طرح وہ چاہیں ان سب چیزوں میں تصرف کریں انہیں خویش و اقارب میں معاویہ تھے جو رشوت ستانی میں شہرۂ آفاق تھے۔ حکم بن عاص، عبداللہ بن سعد اور بہت سے عزیز رشتہ دار اور دوست احباب تھے۔

معاویہ کی کون سی ایسی اسلامی خدمات تھیں جنہیں شام کے علاقہ کے ساتھ ساتھ فلسطین و حمص کے علاقے بھی دے دیئے گئے اور چار لشکروں کی کمان بھی سپرد کر دی گئی تھی۔ حضرت عثمان کے اعزہ و احباب کو کہاں سے بے حد و حساب دولت ہاتھ آئی اور کیسے انہوں نے ہر شہر و ہر دیہات میں اونچے اونچے محلات اور سر بفلک عمارتیں کھڑی کرلیں۔ جب ان لوگوں نے کوئی خدمت انجام نہ دی تھی نہ رفاہِ عامہ کا کوئی کام کیا تھا تو ان قصور و محلات کے لئے سرمایہ کہاں سے فراہم ہوتا تھا۔ غصبی دولت طویل عرصہ تک قبضہ میں رکھنے کی وجہ سے کوئی انسان اس کا واقعی مالک نہیں ہو جاتا اور نہ وہ دولت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳

ایک بکرا تھا جسے وہ ہنکاتا ہوا آ رہا تھا اسی حالت سے وہ دربار خلافت میں داخل ہوا۔ جب حضرت عثمان کے پاس سے واپس پلٹا تو اس کے بدن میں انتہائی قیمتی خز کی قبا اور بیش قیمت ریشمی ردا تھی۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

حضرت عثمان کی جن باتوں اور باتیں لوگوں کی ناراضی و برہمی کا سبب ہوئیں انہیں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ انہوں نے حکم بن العاص کو بنی قضاعہ سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا جس کی مقدار تین لاکھ درہم تھی جب حکم بن عاص وصول کر کے حضرت عثمان کے پاس آیا تو آپ نے سب کا سب اُسے بخش دیا (تاریخ الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۲۸)

علامہ یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن خالد بن اسید سے اپنی لڑکی بیاہ دی اور اُسے چھ لاکھ درہم دیئے جانے کا حکم دیا اور عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ بصرہ کے بیت المال سے یہ رقم ادا کر دو۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۵)

علامہ ابن عبدربہ قرطبی، علامہ ابن قتیبہ علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ کو چار لاکھ درہم دیئے۔

(عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۶۱، معارف صفحہ ۸۴۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۶۶)

حضرت عثمان نے افریقہ کی جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اُس کا خمس جس کی تعداد پانچ لاکھ اشرفیاں ہوتی تھیں اپنے داماد اپنی بیٹی ام ابان کے شوہر مروان بن حکم کو جو آپ کا چچا زاد بھائی بھی تھا بخش دیا۔ (بقیہ صفحہ ۱۳۵ پر)

اس کی ذاتی ملکیت بن جاتی ہے۔ باطل عرصہ تک باقی رہنے کی وجہ سے حق نہیں بن جاتا۔
اسی وجہ سے علیؑ نے طے کرلیا تھا کہ ہر وہ زمین اور تمام وہ مال و زر جو حضرت عثمان نے مستحقوں کو محروم کرکے غیر مستحقوں کو دے دئے تھے بیت المال میں پلٹا کر رہیں گے خواہ وہ زر و مال متفرق شہروں میں پھیلا کیوں نہ دیا گیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ افریقہ کا خمس مدینہ لایا گیا اسے مروان نے ۵ لاکھ دینار میں خرید لیا۔ حضرت عثمان نے پانچ لاکھ دینار اُسے معاف کر دئے یہ فعل ان کا من جملہ ان افعال کے ہے جن کی لوگوں نے آگے چل کر گرفت کی۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۳۰)

علامہ بلاذری اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے مصر کی لڑائی میں جو مال خمس ہاتھ آیا وہ مروان کو لکھ دیا تھا اور اپنے قرابت داروں کو جی کھول کر مال و زر عنایت کئے اور تاویل یہ کی کہ میں نے صلہ رحم کیا ہے۔ لوگوں نے حضرت عثمان کی ان حرکتوں کو سخت ناپسند کیا اور ان پر اعتراضات کئے
(طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۴۴ طبع لیدن کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۲۵)

حضرت عثمان نے سعید بن العاص بن سعید بن عاص کو ایک لاکھ درہم عنایت کئے اس معاملہ میں حضرت علی، طلحہ، زبیر سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمان بن عوف نے حضرت عثمان سے گفتگو کی تو آپ نے کہا کہ سعید میرا رشتہ دار ہے ذوی الارحام میں سے ہے۔ میں نے صلہ رحم کیا ہے (کتاب الانساب جلد ۵ صفحہ ۲۸)

ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو جو آپ کا مادری بھائی تھا بیت المال کی ایک رقم خطیر ہبہ کر دی۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں۔ جب ولید حاکم کوفہ ہو کر آیا تو اس وقت کوفہ کے بیت المال کے نگران عبداللہ بن مسعود تھے۔ ولید نے عبداللہ بن مسعود سے ایک رقم کثیر قرض کے طور مانگی حکام اکثر قرض لیتے اور جب وظیفے ملتے تو ادا کر دیتے ابن مسعود نے ولید کو بھی قرض دے دیا کچھ دنوں کے بعد واپسی کا تقاضا کیا ولید نے حضرت عثمان کو شکایت لکھ بھیجی حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود کو لکھ بھیجا کہ تم فقط ایک خزانچی ہو ولید نے جو کچھ قرض لیا ہے اس کا تقاضا نہ کرو اس سے تعرض کرنا مناسب نہیں۔ (کتاب الانساب جلد ۵ صفحہ ۳۰)

جس دن حضرت عثمان نے مروان کو ایک لاکھ درہم بیت المال سے دلوائے تھے اسی دن آپ نے ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم دلوائے (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۶۷)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ افریقہ میں جہاں لڑائی ہوئی اور ہر جگہ سے جتنا جتنا مال غنیمت ہاتھ آیا وہ سب کا سب حضرت عثمان نے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو دیا کسی دوسرے مسلمان کو اس میں شریک نہیں کیا
(شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۶۷)

ہو۔ وہ مال و دولت عورتوں کے مہر میں کیوں نہ دے دی گئی ہو۔ عدل و انصاف خلائق کے لئے فراخی اور آسائش کا ذریعہ ہے نہ اُسے محدود کیا جا سکتا ہے نہ مقید۔

ایک بات یہاں غور کے قابل ہے وہ یہ کہ یہ لوگوں نے محض حضرت عثمان کے عزیز رشتہ دار یا اُن کے مقرب بارگاہ ہونے کے سبب جن زمینوں کو اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ علی ابن ابی طالبؑ ان زمینوں کو بھی من جملہ اموال غصبی سمجھتے تھے اور اُن زمینوں سے حاصل شدہ منافع کو بھی۔ علیؑ حضرت عثمان کے قوم و قبیلہ والوں کو خوب اچھی طرح جانتے تھے انہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ زمینیں ہتھیانے کے بعد اُن کو آباد کرنے کے لئے غریب عوام سے بیگاری لیں گے اور اُن زمینوں کی جو کچھ پیداوار ہو گی وہ اپنے قبضہ میں کر کے ذخیرہ کر لیں گے اور اس ذخیرہ کے ذریعہ مزید جائدادیں حاصل کریں گے اور اس طرح ان کے سرمایہ میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔ دوسرے ایک ایک چیز کے محتاج ہوتے جائیں گے اور ان کی بدولت بڑھتی جائے گی۔ پھر یہ بڑی بڑی جاگیروں والے چھوٹے چھوٹے مالکوں کی جائدادیں خرید لیں گے نوبت یہاں تک جا پہنچے گی کہ دو ہی طبقے باقی رہ جائیں گے ایک سرمایہ داروں کا طبقہ اور دوسرا ناداروں اور محتاجوں کا طبقہ جو ان سرمایہ داروں کے ہر طرح دست نگر اور اُن کی غلامی و چاکری پر مجبور ہوں گے۔ حضرت علی مالک اشتر کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

ولا یطمعن منک فی اعتقاد عقدۃ بمن یلیھا من النّاس فی شرب او عمل مشترک یحملون مؤنتہ علی غیرھم۔

دیکھو اپنے کسی حاشیہ نشین اور قرابت دار کو جاگیر نہ دینا اور اُسے تم سے توقع نہ باندھنا چاہیے کسی ایسی زمین پر قبضہ کرنے کی جو آب پاشی یا کسی مشترکہ معاملہ میں اس کے آس پاس کے لوگوں کے لئے ضرر کی باعث ہو، یوں کہ اس کا بوجھ دوسروں پر ڈال دے۔

امیر المومنینؑ کے اندیشے ان جاگیرداروں کے متعلق بالکل صحیح ثابت ہوئے۔ اُنہوں نے عوام الناس سے پوری طرح بیگاری لی اور کوئی ظلم و زیادتی اُن پر کرنے سے باز نہ رہے۔

ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" جلد اول میں لکھتے ہیں :-

ایک طرف بڑے بڑے جاگیردار اور رؤسا و امرا تھے دوسری طرف نادار و محتاج تھے جو ان جاگیرداروں اور رئیسوں کے غلام تھے۔ ان سے ایک نیا طبقہ اسلام میں پیدا ہوا یعنی وہ لوگ جو پہلے ہی سے جزیرۂ عرب کے قبائلی دستور کے مطابق رئیسانِ قوم تھے اب مال و دولت کی بہتات بے انتہا خزانے اور حاشیہ نشینوں کی کثرت سے اور سربلند و ممتاز ہوئے۔"

زر اور زمین ان دونوں سے جو کچھ منافع حاصل ہوں علیؑ کے نزدیک سب ہی ان میں برابر کے حصہ دار ہیں زیادہ پانے کا وہی حقدار ہو سکتا ہے جو زیادہ محنت بھی کرے اور زیادہ ضرورت مند بھی ہو اور جس نے اس حقیقت سے

انکار کیا اُس نے اپنی قوم والوں کے ساتھ خیانت کی۔

علیؑ کی نظروں میں سب سے بڑی خیانت پبلک کے ساتھ خیانت ہے اور جس نے پبلک سے خیانت کی وہ علیؑ کی نظروں میں ذلیل وخوار ہے نہ علیؑ نے اُسے اعتماد کے لائق سمجھا اور نہ اُسے اپنی خدمت میں تقرب بخشا۔

علیؑ کی کوشش تھی کہ عوام الناس کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کریں اور جب علیؑ کسی کام کا ارادہ کر لیتے تھے تو کسی کے لئے ممکن نہ تھا کہ علیؑ کو اُن کے ارادہ سے باز رکھ سکے۔ علیؑ کو اس کی قطعی پرواہ نہ تھی کہ لوگ اُن کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں اور جا کر دشمن سے مل جائیں۔ وہ مجسمہ حق تھے اور اُن کی زبان سے نکلی ہوئی لفظیں "عین عدل وانصاف" تھیں۔

علیؑ نے پیغمبرؐ کے جاں نثار اصحاب اور آپ کے ساتھ جنگ کے معرکے جھیلے ہوئے رفقاء کو بھی دوسروں پر برتری نہیں عنایت کی۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"دیکھو تم میں سے کچھ ایسے اشخاص ہیں جنہیں دنیا نے نہال کر رکھا ہے، جنہوں نے جاگیریں حاصل کیں نہریں بنوائیں، تنومند گھوڑوں پر جو سواری کرتے ہیں، غلام وکنیز کے انبوہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ کل جب میں انہیں ان باتوں سے منع کروں جن میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں اور انہیں ان حقوق پر مجبور کروں جنہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں تو پھر وہ ہرگز یہ کہیں کہ علیؑ نے ہم کو ہمارے حق سے محروم کر دیا ہے۔ دیکھو خواہ مہاجر ہوں یا انصار ان میں سے جو شخص بھی یہ خیال کرے کہ میں دوسروں سے افضل ہوں تو یہ اس کی خام خیالی ہوگی فضیلت کل قیامت کے دن ہوگی خدا کے نزدیک، ثواب واجر ہر ایک کا اللہ کے اوپر ہے۔ دیکھو ہر وہ شخص جس نے خدا ورسول کو لبیک کہی اور اُس نے ہماری ملت کی تصدیق کی ہمارے دین میں داخل ہوا ہمارے قبلہ کی طرف اُس نے رخ کیا وہ اسلام کے حقوق اور حدود کا مستحق وسزاوار ہے تم سب بندگانِ خدا ہو اور مال اللہ کا مال ہے جو تم سب میں برابر برابر تقسیم کیا جائے گا اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں نیکوکار و متقین کو خدا کے یہاں بہتر جزا ملے گی۔"

عوام الناس کے ساتھ علیؑ کے اسی مساویانہ سلوک اور برادری کے برتاؤ نے قریش کے اشراف ومعززین کو مجبور کیا کہ وہ علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ سے جا ملیں جیسا کہ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔

علیؑ کے لئے ناممکن تھا کہ وہ بلند حیثیت کے لوگوں کو کم حیثیت لوگوں پر ترجیح دیں۔ اس لئے کہ علیؑ کے نزدیک فضیلت وشرف کا معیار وہ نہ تھا جو اُن کے زمانہ میں رائج تھا۔ علیؑ نہ قریشی کو غیر قریشی پر ترجیح دیتے نہ عربی کو عجمی پر، اس لئے کہ علیؑ کے نزدیک ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے۔ علیؑ ان رؤسا اور اشراف کے ساتھ

وہ چاپلوسی اور خوشامدانہ سلوک ہرگز نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ معاویہ کرتے تھے اور نہ مسلمانوں کے مال سے کسی کو اپنی طرف مائل کرنے کے روادار ہو سکتے تھے۔

مالک اشتر نے امیر المومنینؑ سے عرض کی۔

"امیر المومنین! ہم نے بصرہ اور کوفہ والوں کے ساتھ مل کر اہل بصرہ سے جہاد کیا، اس وقت لوگوں کا ایک رائے پر اجتماع تھا اس کے بعد اختلاف پیدا ہوا ذہنیتیں ضعیف ہو گئیں اور تعداد کم ہو گئی، آپ سب کے ساتھ عدل کرتے ہیں اور ان کے ساتھ حق کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ پس وہ آپ کے عدل و انصاف سے گھبرا اُٹھے (دوسری طرف) ان ترکیبوں اور حکمت عملیوں کو دیکھا جو معاویہ امیروں اور شریفوں کے ساتھ کرتے ہیں کیوں کہ کم لوگ ایسے ہیں جو دنیا کے خواہاں نہ ہوں اکثر تو ایسے ہوتے ہیں جو حق کو بیچ کر باطل خریدتے ہیں اور دنیا کو اختیار کرتے ہیں۔ پس اگر آپ بے دریغ مالِ دنیا تقسیم فرمائیں (اور جتھا بند اور قابو یافتہ لوگوں کو دوسروں سے زیادہ دیں) تو پھر دیکھیے کہ لوگوں کی گردنیں کس طرح آپ کی طرف جھکتی ہیں اور ان کی زبانیں آپ کے کیسے گیت گاتی ہیں اور وہ کس طرح آپ کے خیر خواہ بن جاتے ہیں خدا آپ کے امور کو درست کرے اور دشمنوں کی جمعیت اور مکر و فریب کو پراگندہ اور کمزور کرے۔ بیشک خدا اُن کے اعمال سے باخبر ہے۔

آپ نے جواب میں فرمایا:۔

"تم نے یہ جو کہا کہ ہم عدل و انصاف پر عمل کرتے ہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

من عمل صالحًا فلنفسه وما اساء فعليها وما ربك بظلام للعبيد۔

جو عمل صالح کرتا ہے تو اپنے نفس کے فائدہ کے لئے اور جو اعمال بد بجا لاتا ہے تو اس کا وبال اسی کے سر پڑتا ہے اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اگر میں اس میں تقصیر کروں تو ڈرتا ہوں کہ (اس کا وبال میری گردن پر پڑے گا) اور تم نے جو یہ کہا کہ وہ ہم سے اس لئے جدا ہو گئے ہیں کہ حق اُن پر گراں گذرتا ہے تو اللہ جانتا ہے کہ انہوں نے اس لئے ہم سے مفارقت نہیں کی کہ ہم نے ان پر ظلم و جور کیا ہو اور یہ بھی نہیں ہے کہ ہم سے جدا ہو کر وہ کسی عادل کی پناہ میں گئے ہوں۔ ہم سے جدائی کا سبب سوائے (طلب) دنیا اور کچھ نہیں اور یہ دنیا زائل ہونے والی ہے اور قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے دنیا کی خواہش کی تھی یا اللہ کے لئے عمل کیا تھا اب رہا یہ کہ ہم مال و دولت صرف کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں تو ہمارے لئے جائز نہیں کہ مال فئے سے کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیں (اب اس انصاف کی وجہ سے ہماری جمعیت کم ہو جائے تو بلا سے)

خداوند عالم فرماتا ہے اور اس کا فرمان برحق ہے کہ:۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین۔

"بہت سے کم تعداد گروہ خدا کے حکم سے کثیر تعداد گروہوں پر غالب آجاتے ہیں۔ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"
خدا نے حضرت رسالت مآب کو یکہ و تنہا مبعوث فرما کر بھیجا اور قلت کے بعد اُن کو کثیر الاعوان بنا دیا اور ان کے گروہ کو ذلت کے بعد عزت بخشی اگر خدا کو یہ منظور ہے کہ ہمارے امور کی اصلاح کرے تو ان سختیوں کو ان شاء اللہ آسان کر دے گا اور اُس کی مشقتوں کو سہل کر دے گا"

آپ کے لائحہ عمل اور دستور حکومت کا خلاصہ وہ عہد نامہ ہے جو آپ نے مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت مالک اشتر کو تحریر فرمایا تھا:۔

ایاک والاستئثار بما الناس فیہ اسوۃ۔

خبردار ان چیزوں میں سب ہی لوگ برابر کے حق دار ہیں اپنے لئے مخصوص نہ کر لینا۔
عوام الناس کے حقوق وہی ہیں جن میں تمام لوگ ایک دوسرے کے مساوی ہیں اور علیؑ کی مراد انہیں حقوق سے ہے۔

حاجت برآری

حق میں تم سب میرے نزدیک برابر ہو

اگر کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے تو اس لئے کہ دولتمند نے اس کا حصّہ روک لیا ہے۔

میں نے کسی کے پاس وافر نعمتیں نہ دیکھیں مگر یہ کہ ان نعمتوں کے پہلو بہ پہلو کسی حق کو ضائع ہوتے بھی دیکھا۔ ہر ذی حیات کے لئے غذا ہے اور ہر دانے کے لئے کھانے والا۔

بدبخت ترین راعی وہ ہے جس کی وجہ سے اس کی رعیت بدبخت ہو۔

(علیؑ ابن ابی طالبؑ)

یہ وہ عمومی حقوق ہیں جن کی علیؑ نے دوسروں کو بھی تاکید کی اور خود بھی ان کے پابند رہے۔ اُن کے نزدیک ولاۃ وعمّال کا کام ہی یہ تھا کہ وہ ان حقوق کی نگہداشت ورعایت کریں اور کسی حق پر آنچ نہ آنے دیں۔

علیؑ نے جس کسی کو بھی حاکم مقرر کیا یا جس کسی کو بھی حکومت سے معزول کیا اسی نظریہ کے ماتحت، علیؑ کے نزدیک ان حقوق کے معانی بہت وسیع تھے اور ان کی قسمیں بہت زیادہ، مگر سب ہر پھر کے اسی نقطہ کی طرف راجع تھے کہ کوئی ایک شخص بھی محتاج نہ رہے اور نہ ایک متنفس بھی بھوکا رہے کہ بھوکا رہنا انسانیت کی سب سے بڑی توہین ہے۔

ایسے قوانین جو لوگوں کی ناداری نہ دُور کر سکیں ان قوانین کی خلاف ورزی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جس طرح علیؑ کے مذہب میں عبادت کی شان یہ نہیں کہ انسان قوم وملت کی زندگی سے دور ہو جائے اور جس طرح کہ دین نام ہے خلقِ خدا سے حسنِ سلوک سے پیش آنے کا صحیح دینی عقائد وہ ہیں جو نیک رفتاری کا باعث ہوں اسی طرح ضروری

ہے کہ قوانین بھی ایسے ہوں جو عامۃ الناس کی حاجت برآری کریں ان کی احتیاج ناداری کو دور کرنے کے کفیل ہوں تاکہ انسان خود اپنی نظروں میں ذلیل اور اپنی زندگی سے بیزار ہو کر نہ رہ جائے۔

ایسے قوانین بنانا جن کی وجہ سے خلائق کی احتیاج برطرف ہو انہیں ناداری کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ حاکم اور قانون بنانے والے کا فرض ہے نہ کہ اس کا احسان اور عوام قانون بنانے والے سے ایسے قانون کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

علیؑ نے عوام کے حقوق کی رعایت اور نگہداشت میں اتنی سختی برتی کہ شاید ہی ان کی کوئی تقریر، کوئی وصیت کوئی عہد نامہ ایسا ڈھونڈھے سے ملے جس میں آپ نے ان حقوق کا ذکر نہ کیا ہو اور عمال و ولاۃ کو ان کی طرف متوجہ نہ کیا ہو۔

بلا شبہ عوام کی احتیاج دور کرنا اُن کی حاجت برآری کرنا علیؑ کے دستور میں حاکم اور قانون بنانے والے کا فریضہ اور عوام کا بزرگترین حق تھا۔

وہ علیؑ ہی تھے جو کسریٰ اور قیصر کا سب سے بڑا گناہ (حالانکہ ان کے گناہوں کی فہرست کافی طویل ہے) یہ قرار دیتے تھے کہ انہوں نے رعیت کو ذلیل و خوار کیا اُن کے حقوق کا خیال نہ کیا انہیں زمین کی نعمتوں اور زندگی کی راحتوں سے محروم کیا اور انہیں فقیر و حقیر بنانے کی کوشش کی۔

آپ فرماتے ہیں۔

"تاملوا فی حال تشتتهم و تفرقهم، لیالی کانت الاکاسرة و القیاصرة اربابا لهم۔ یحتازونهم عن ریف الآفاق و بحر العراق و خضرة الدنیا الی منابت الشیح و مهافی الریح و نکد المعاش فترکوهم عالة مساکین"

ان لوگوں کی پریشان حالی اور خانماں بربادی پر غور کرو۔ ان دنوں میں جب کہ کسریٰ اور قیصر ان کے بادشاہ تھے اور انہوں نے ان لوگوں کو زرخیز زمینوں اور عراق کے آب و گیاہ سے نکال باہر کر کے ایسی جگہ منتقل کر دیا تھا جہاں نہ سبزہ تھا اور نہ سوا تیز و تند ہواؤں کے کسی اور چیز کا گذر اور انہیں انتہائی فقیر و محتاج بنا ڈالا تھا۔

جب بھی کوئی والی یا حاکم عوام کے مال میں کوئی چھوٹی یا بڑی خیانت کرتا علیؑ اسے انتہائی سخت سزا دینے کی دھمکی دیتے اور اُن کے حزن و اندوہ درد و تکلیف کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں رہتا جب انہیں معلوم ہوتا کہ کسی والی یا عامل نے کوئی مال ہتھیا لیا ہے یا ذخیرہ اندوزی کا مرتکب ہوا اور آپ اسے ایسی سخت سرزنش کرتے جو حق کی حمایت اور انصاف کے جوش سے لبریز ہوتی آپ نے ایک عامل کو لکھا:

بلغنی انک جردت الارض فاخذت ما تحت قدمیک واکلت ما تحت یدیک فارفع الی حسابک۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے دبیت المال کی، زمین صفایا کر دی ہے اور جو کچھ تمہارے پاؤں تلے تھا اس پر قبضہ جما لیا ہے اور جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں تھا اُسے نوش جان کر لیا ہے تو تم ذرا اپنا حساب مجھے بھیج دو۔

امیرالمومنینؑ کے مکتوب میں یہ فقرہ بے حد قابل غور ہے کہ اپنا حساب مجھے لکھ بھیجو۔ اس مختصر سے فقرہ میں معانی و مطالب کا دفتر پوشیدہ ہے۔ عدل و انصاف کے نفاذ میں امیرالمومنینؑ کو اتنا اہتمام ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حیلے بہانے یا تساہل کے روادار نہ تھے۔

علیؑ ایمان راسخ کے ساتھ باریک بین عقل کے حامل، انسانی معاشرہ کے رموز کے عارف خلائق کے باہمی تعلقات سے واقف تھے۔ انہیں یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ کون سے حقوق پامال ہو چکے ہیں اور کون سے پامال ہونے کے قریب ہیں، وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ ظلم و بیداد سوسائٹی کے لئے ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں سے کس قدر تباہ کن ہے اور ستم کرنے والے اور ستم اٹھانے والے دونوں کو کتنے ہی عظیم نقصانات پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

آپ نے دادخواہی و فریادرسی ضروری قرار دی چاہے حکام و ولاۃ کو ناگوار ہی کیوں نہ گذرے۔ آپ نے انتہائی برہمی کے عالم میں تحریر فرمایا:۔

فارفع الی حسابک۔

اپنا حساب مجھے لکھ بھیجو۔

آپ کو ایک اور عامل کے متعلق پبلک کے مال میں خرد بُرد کرنے کی اطلاع ملی آپ نے فوراً ہی اُسے لکھا:۔

"فاتق اللہ واردد الی ھولاء القوم اموالھم فانک ان لم تفعل ثم امکننی اللہ منک لاعذرن اللہ فیک، واللہ لو ان الحسنؑ والحسینؑ فعلا مثل الذی فعلت ما کانت لھما عندی ھوادۃ، ولا ظفرا منی بارادۃ، حتی آخذ الحق منھما وازیل الباطل عن مظلمتھما"

اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں کا مال انہیں واپس کرو اگر تم نے ایسا نہ کیا اور پھر اللہ نے مجھے تم پر قابو دے دیا تو میں تمہارے بارے میں اپنے کو سرخرو کروں گا اور اپنی اس تلوار سے تمہیں ضرب لگاؤں گا جس کا وار میں نے جس کسی پر بھی لگایا وہ سیدھا دوزخ میں گیا۔ خدا کی قسم اگر حسنؑ و حسین بھی وہ کرتے جو تم نے کیا ہے تو میں ان سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا اور نہ وہ مجھ سے اپنی کوئی خواہش منوا سکتے یہاں تک کہ میں اُن سے حق کو پلٹا لیتا اور اُن کے ظلم سے پیدا ہونے والے نتائج کو مٹا دیتا۔

امیرالمومنین نے ایک شخص کو جس کا نام سعد تھا زیاد بن ابیہ کے پاس بھیجا کہ اس کے پاس جو روپے جمع ہیں لے آئے ۔ امیرالمومنینؑ کو یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ زیاد خوب عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے ، بیواؤں یتیموں فقیروں کو دیتا نہیں اور اپنا گھر بھرتا ہے ۔ جب سعد اس کے پاس پہنچے اور مال کی ادائیگی کا تقاضا کیا تو زیاد نے سعد کو نخوت و تکبر سے کام لیتے ہوئے جھڑک دیا ، سعد نے واپس آکر امیرالمومنین سے یہ واقعہ بیان کیا ۔ آپ نے زیاد کو خط لکھا :-

" سعد نے آکر مجھ سے ذکر کیا کہ تم نے اُسے از راہ ظلم بُرا بھلا کہا ، اور اس سے اکڑ اور تکبر سے پیش آئے حالانکہ حضرت رسولؐ خدا کا ارشاد ہے کہ بڑائی اور بزرگی صرف اللہ کے لئے ہے جو شخص تکبر کرے گا خدا اس پر ناراض ہوگا ۔ سعد نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تم طرح طرح کے کھانے کھاتے ہو ۔ ہر دن خوشبو لگاتے ہو ، تمہارا کیا نقصان ہے اس میں کہ کچھ دن اللہ کے لئے روزے بھی رکھا کرو اور تمہارے پاس جو نقد و مال ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خیرات کرو اور جتنا کھانا ایک مرتبہ کھاتے ہو کئی مرتبہ کر کے کھاؤ یا کسی فقیر کو کھلا دو ۔ تم جو نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو غریب پڑوسی کمزور و محتاج بیواؤں اور یتیموں کا خیال نہیں کرتے ۔ کیا ان سب کے باوجود تمہیں اس کی طمع ہے کہ خیر خیرات کرنے والے نیکو کاروں کا اجر تمہیں ملے ۔ سعد نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تم باتیں تو نیکو کاروں جیسی کرتے ہو اور کام خطا کاروں جیسے اگر واقعاً تم ایسا کرتے ہو تو اپنے نفس پر تم نے ظلم کیا اور اپنے عمل کو ساقط کیا ۔ اپنے پروردگار سے توبہ کرو اپنے عمل کی اصلاح کرو اور اپنے کاموں میں میانہ روی برتو اور تمہارے پاس جو فاضل مال ہو اُس کو اس دن کے لئے آگے روانہ کرو جس دن تم اس کے محتاج ہو گے اگر واقعاً تم ایمانداروں میں سے ہو اور ایک دن ناغہ کر کے خوشبو لگایا کرو اور خوشبو لگاؤ بھی تو زیادہ نہیں ۔ حضرت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا ہے " ایک دن ناغہ کر کے خوشبو لگاؤ اور زیادتی سے نہ لگاؤ "

والسلام

امیرالمومنین والیوں کو پے در پے فرامین و احکام بھیجتے رہتے اور انہیں رعیت کے مال میں خرد برد کرنے اور رشوت لینے سے سختی کے ساتھ منع کرتے ان باتوں کو آپ حکام و رعایا کے درمیان بدترین رابطہ اور حق و حق دار کے درمیان زبردست رکاوٹ شمار کرتے آپ کو بخوبی اندازہ تھا کہ یہ بُری عادت لوگوں کو کتنی خرابیوں میں مبتلا کرنے والی ہے ۔ آپ کو ایک مرتبہ کسی فوجی افسر کے متعلق خبر ملی کہ اس نے رشوت لی ہے آپ نے اُس کا بازو پکڑ کر اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ قریب تھا کہ اُس کا ہاتھ اُکھڑ جائے ۔ فرمایا :

" اما بعد فانما اھلک من کان قبلک انھم منعوا الناس بالحق فاشتروہ واخذوھم بالباطل فاقتدوہ "

تم سے پہلے لوگ اسی بنا پر ہلاک ہوئے کہ انہوں نے لوگوں کو ان کے حق سے محروم کیا اور مجبوراً لوگوں کو رشوت دے کر اپنا حق حاصل کرنا پڑا۔ اور انہوں نے عوام الناس کو باطل کاموں پر مجبور کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باطل رواج پا گیا۔

ایک مرتبہ کسی والی کو دعوتِ ولیمہ میں مدعو کیا گیا، والی نے دعوت قبول کر کے شرکت کی۔ امیر المومنینؑ کو جب اس کی خبر ملی تو آپ نے والی کو سخت سرزنش اور زجر و توبیخ کی کہ والی کی ضیافت رشوت ہے۔ اور یہ رشوت والی کو کیوں دی گئی؟ اگر کسی حق کو قائم کرنے کے لئے دی گئی تو والی کا یہ فریضہ ہے کہ حق داروں کو ان کا حق بغیر رشوت کے دے یا کسی باطل کو حق بنانے کے لئے رشوت دی گئی اگر ایسا کیا گیا تو والی کو ایسا کرنا ہرگز روا نہیں چاہیے اسے رشوت میں ساری زمین ہی کیوں نہ دے دی جائے۔

دوسری بات یہ کہ والی ایسے ولیمہ میں شریک ہی کیوں ہوا جس میں دولتمندوں کو تو بلایا گیا تھا مگر فقیروں کو پوچھا نہ گیا اور یوں بندگانِ خدا میں تفریق برتی گئی، اس امتیازی سلوک سے بہت سے لوگوں کے دل کو تکلیف پہنچائی گئی اور علیؑ کے قلب کو بھی آزردہ کیا گیا۔ ہاں اگر معاشرہ ٹھیک ہو سب لوگ خوش حال ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ دعوت میں کچھ لوگ بلائے جائیں کچھ لوگ نہ بلائے جائیں لیکن جب عوام کی حالت یکساں نہیں کوئی امیر ہے کوئی غریب تو ایسی حالت میں حاکم کو دعوت دینا رشوت نہیں تو اور کیا ہے

شاید بعض لوگ خیال کریں کہ ولاۃ و عمال پر امیر المومنین کی اتنی سختی مناسب نہ تھی اور ولاۃ و عمال ایسی زجر و توبیخ کے سزاوار نہ تھے۔ لیکن ایسا سوچنے والوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ امیر المومنینؑ نے ہر والی کو اس کی ضرورت کے لائق اتنی آسائشیں اور وسائلِ معاش مہیا کر رکھے تھے کہ اسے رشوت لینے یا بیت المال میں غبن کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی تو انہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ ولاۃ پر امیر المومنینؑ کی سختی قطعی نامناسب نہ تھی۔

ایک دور اندیش انسان جو حقائق پر گہری نگاہ رکھتا ہے وہ مجبور ہے کہ سختی سے کام لے اور ہلکے خطرہ کی ابتداء ہی میں روک تھام کر کے اس کو بڑا خطرہ نہ بننے دے۔ ولاۃ کی اس روک تھام کا سلسلہ علیؑ کے زمانہ سے شروع ہوا نہ کہ عثمان کے زمانہ سے۔ علیؑ والیوں کو اتنی تنخواہیں دیتے تھے جو ان کی ضروریات کے لئے ہر طرح کافی ہو اور انہیں رشوت لینا نہ پڑے پھر والی کیوں رشوت لیں۔

یہاں ایک بات اور بھی قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ علیؑ والیوں کے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اپنی حکومت کی وجہ سے لوگوں سے فائدہ اٹھائیں چاہے یہ فائدہ ایک وقت کی ضیافت ہی کا کیوں نہ ہو کیونکہ اگر اس قسم کا فائدہ حکومت کے سبب اٹھایا گیا تو یہ ایک قسم کی چوری یا رشوت ہے اور علیؑ کو جب یہ تک گوارا نہ تھا کہ کوئی حاکم رشوت میں ایک وقت ہی کی ضیافت قبول کرے تو وہ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ وہ کوئی شہر ہتھیا لے یا عوام کی کمائی رشوت میں لے لے۔

علیؑ اگر ایک طرف نااہل کارو الیوں پر سختی کرتے تو دوسری طرف نیکو کار والیوں کی دلدہی بھی کرتے اُن کے حق کا اعتراف کرتے اپنے امام سے خلوص برتتے اور مسلمانوں کی بہبودی میں اُن کی خدمات اور کوششوں پر ان کی ہمت افزائی فرماتے۔

آپ وہ خط پڑھئے جو آپ نے بحرین کے عامل عمر ابن ابی سلمہ کو لکھا تھا جس میں انہیں حکومت سے معزول کرکے شام چلنے کے لئے اپنے پاس بلایا تھا۔

"میں نے نعمان بن عجلان زرقی کو بحرین کی حکومت دی ہے اور تمہیں اس سے بے دخل کر دیا ہے۔ مگر یہ اس لئے نہیں کہ تمہیں نااہل سمجھا گیا ہو اور تم پر کوئی الزام عائد ہوتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے حکومت کو بڑے اچھے اسلوب سے چلایا اور امانت کو پورا پورا ادا کیا لہذا تم میرے پاس چلے آؤ۔ نہ تم سے کوئی بدگمانی ہے نہ ملامت کی جا سکتی ہے اور نہ تمہیں خطاکار سمجھا جا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے شام کے ستمگاروں کی طرف قدم بڑھانے کا ارادہ کیا ہے اور چاہا ہے کہ تم میرے ساتھ رہو کیونکہ تم ان لوگوں سے ہو جن سے دشمن سے لڑنے اور دین کا ستون گاڑنے میں مدد لے سکتا ہوں۔ انشاء اللہ۔"

یہی محکم روش آپ کی اپنے عمال کے ساتھ رہی جو ان میں نیکوکار ہوتے ان کی ہمت افزائی کرتے جو غلط کار ہوتے اُن پر سختی کرتے۔ کبھی آپ کو اس میں ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوتی نہ کبھی لگی لپٹی رکھی اور نہ کبھی چشم پوشی سے کام لیا نہ دغا فریب سے۔ آپ کا اصل مطمح نظر مسلمانوں کی خیر خواہی اور رعیت کے ساتھ عدل اور حق کا قائم کرنا تھا رعایا میں بھی اور عمال میں بھی۔

پس وہ حکام جو عوام کے مال میں خیانت نہیں کرتے رشوت نہیں لیتے وہ بیت المال سے اپنی ضرورت کے لائق تنخواہ پاتے تھے اور امیر المومنینؑ ان کی مدح و ستائش اور ہمت افزائی بھی کرتے لیکن خیانت کرنے والے حاکموں پر آپ پہلے تو سختی و عتاب فرماتے پھر معزول کرتے اور اگر ان کا جرم زیادہ ہوتا تو مقید بھی کر دیتے۔

والیوں کے علاوہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی تھی جنہوں نے دوسروں کا مال دبا رکھا تھا ذخیرے جمع کر رکھے تھے اور ناجائز ذریعوں سے بے شمار دولت بے انتہا جائداد و املاک حاصل کر رکھی تھی چونکہ ان کا سارا مال و متاع ناجائز ذریعوں سے حاصل کیا ہوا تھا اس لئے امیر المومنینؑ نے ان سے سخت محاسبہ کیا۔ ذرا بھی نرمی نہیں برتی، ان کی عیاشی، پرخوری رئیسانہ لہو و لعب اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی لالچ کی سختی کے ساتھ مخالفت کی اور کوشش کی کہ اُن کے اموال لے کے درمیان جس کو بڑھانے کے وہ درپے تھے دیوار بن جائیں۔ دوسروں کے مال غصب کرنے کو آپ نے قولاً و عملاً ہر طرح منع کیا ذخیرہ اندوزی سے بھی سختی سے روکا جیسا کہ آپ نے مالک اشتر کے عہدنامہ میں تحریر فرمایا تھا۔

واعلم ان فی کثیر منہم احتکار اللمنافع وتحکما فی البیاعات وذالک باب مضرۃ للعامۃ وعیب علی الولاۃ فامنع من الاحتکار۔

یہ بھی ذہن میں رکھو کہ ان میں سے اکثر لوگوں میں بلا کی تنگ دلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی موجود ہوتی ہے نفع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور بیچنے میں تحکم کرتے ہیں یعنی کم تولتے ہیں اور دام زیادہ لیتے ہیں یہ امر عامۃ الناس کے لئے نقصان رساں اور حکام کے لئے عیب ہے پس تم ان کو احتکار سے باز رکھو۔

پھر فرماتے ہیں:

ومن قارف حکرۃ بعد نہیک، فنکل بہ وعاقبہ فی غیر اسراف

جو شخص تمہاری طرف سے ممانعت صادر ہونے کے بعد بھی احتکار کا مرتکب ہو اسے تعزیر اور سزا دو مگر دیکھنا اس میں بھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔

جاگیر اور علاقے پر قابض ہونے کے متعلق امیر المومنین کا وہ نظریہ تھا جو عقل کے مطابق بھی تھا اور باعث فضیلت بھی اس کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔

بیگاری لینا دوسروں کی کمائی ہتھیا کر مال جمع کرنا یہ بھی ذخیرہ اندوزی کی ایک قسم ہے، امیر المومنینؑ نے اس میں ذرا بھی ڈھیل دینا گوارا نہ کیا۔ نہج البلاغہ میں اس کے متعلق جابجا آپ کے اقوال و ارشادات ملتے ہیں۔ اپنے زمانہ کے لوگوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

ورب دائب مضیّع، ورب کادح خاسر وقد اصبحتم فی زمن لا یزداد الخیر فیہ الا ادبارا والشر فیہ الا اقبالا والشیطان فی ہلاک النّاس الا طمعا اضرب بطرفک حیث شئت من النّاس ہل تبصر الا فقیرا یکابد فقرا وغنیا بدل نعمۃ اللہ کفرا وبخیلا اتخذ البخل بحق اللہ وفرا، این خیارکم وصلحاءکم واحرارکم وسمحاؤکم؟ واین المتورعون فی مکاسبہم؟ والمتنزہون فی مذاہبہم۔

کتنے آدمی ایسے ہیں جن کی کوششیں رائگاں گئیں، مشقتیں برباد ہوئیں۔ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو جس میں خیر تو روز بروز دور ہوتا جاتا ہے اور شر برابر قریب آتا جاتا ہے اور شیطان کی لالچ لوگوں کو ہلاک و برباد کرنے کی طرف بڑھتی جاتی ہے لوگوں میں جدھر دیکھو یا فقیر و نادار کو دیکھو گے جو ناداری کی اذیتیں جھیل رہا ہے یا مالدار و دولت مند کو دیکھو گے جو کفرانِ نعمت خداوندی کر رہا ہے یا بخیل کو دیکھو گے

جو خدا کا حق ادا نہیں کرتا اور اپنے مال کی فراوانی کا خواہشمند ہے، تمہارے نیکوکار اور صالح افراد کیا ہوئے اور شریف و دریا دل افراد کدھر گئے وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنی کمائی میں بڑے پرہیزگار اور رفتار و کردار میں پاکیزہ تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ امیرالمومنینؑ نے اپنی صائب، فکر، پاکیزہ فطرت اور عظیم خلق کے سبب اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہر وہ نظام حکومت جو عامۃ الناس کی ناداری و احتیاج دور نہ کر سکے اس کی کوئی قیمت نہیں ہر قانون بے کار و ناپسندیدہ ہے اگر وہ رعایا کا طبقاتی تفاوت دور کرنے سے قاصر ہو۔

وہ اجتماعی قوانین جو ایسے معاشرہ کو جنم دیں جس معاشرہ میں عوام الناس مختلف طبقات میں بٹے ہوں وہ گنتی کے ان چند لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا ہے جنہوں نے اپنا نام اشراف و معززین رکھ چھوڑا ہے جو انتہائی شرمناک طریقوں سے عوام کے حقوق اور ان کے اموال لوٹتے رہتے ہیں۔

علیؑ ابن ابی طالب نے عوام الناس کی احتیاج و ناداری دفع کرنے کے لئے اثباتی اقدامات کئے۔ ان کے اقدامات دو بنیادوں پر قائم تھے۔

ایک یہ کہ بیت المال کی دولت، اراضی، جائدادیں اور حصول دولت کے تمام ذرائع پوری قوم کی ملکیت ہیں اور ضروری ہے کہ ان چیزوں کو استحقاق اور احتیاج کے لحاظ سے پوری قوم پر تقسیم کیا جائے ہر شخص کام کرے اور اپنی محنت کے لحاظ سے ان سے فائدہ اٹھائے، کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنی ذاتی خواہش سے جو چاہے لے لے اور مال عام کو اپنا خاص مال قرار دے، افراد کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ وہ سوسائٹی اور سماج سے تعاون کریں اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور خود دوسروں کے ذریعہ مستفید ہوں وہ سوسائٹی اور سماج سے جتنے فائدے اٹھائیں گے وہ ان فوائد سے ہزار گنا زیادہ ہوں گے جو ان افراد کی ذات سے سوسائٹی اور سماج کو پہنچیں گے

امیرالمومنین ارشاد فرماتے ہیں۔

من یقبض یدہ عن عشیرتہ فانما تقبض منہ عنھم ید واحدۃ و تقبض منہ اید کثیرۃ۔

جس شخص نے اپنا ہاتھ قوم و قبیلہ کی ایذا رسانی سے روکا اس نے یوں تو اکیلا اپنا ہاتھ روکا مگر ہزاروں ہاتھ اپنے سے دور کر دیئے۔

حکومت کو چاہیے کہ اس عادلانہ سیاست کو مکمل حیثیت سے برتے اس لئے کہ عوام بمنزلہ ایک جسم کے ہیں اور حکومت پر لازم ہے کہ اس جسم کے تمام اعضا کے ساتھ ان کی ضرورتوں کے مطابق برتاؤ کرے۔ نہ کسی کو

نظر انداز کرے نہ کسی کے حق میں کوتاہی کرے۔ نہ ان کے درمیان تفریق و امتیاز کو روا رکھے، اسی صورت سے حکومت کے لئے ممکن ہے کہ وہ قوم سے خراج اور بیت المال کے حقوق حاصل کرے اور رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرے

دوسری چیز جس پر علیؑ نے اپنے عمل کی بنیاد رکھی زمین کی آبادکاری کی کوشش تھی کہ خلائق کی زندگی اور ان کے فلاح و بہبود کا اسی زمین کی آبادی پر انحصار ہے۔ ولاۃ و عمال کو چاہیے کہ وہ جتنا خراج اور سرکاری محصولات حاصل کرنے کے لئے سرگرمی سے کام لیتے ہیں اس سے کہیں زیادہ زمین کو آباد کرنے کی کوشش کریں کہ جب زمین ہی آباد نہ ہوگی تو خراج کہاں سے ملے گا۔ ہر وہ حاکم جو زمین کو تو آباد نہ کرے اور پبلک سے خراج کا خواہاں ہو، وہ نادان اور ظالم ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شہر ویران ہو جائیں، خلائق تباہ ہوں اور خود اپنی وقعت و عزت خاک میں ملا دے زمین اپنے آپ آباد نہیں ہو جاتی اور نہ حکام کی حماقت یا سطوت حاکمانہ سے آباد ہو جاتی ہے نہ زمین کی آبادی اسی کا نام ہے کہ اس پہ اونچے اونچے محلات ہوں جس میں بڑے بڑے دولت مند و فارغ البال افراد مقیم ہوں، زمین محنت کشوں کی کوششوں سے دیہات کے باشندوں کی خوش حالی سے آباد ہوتی ہے۔ امیر المومنینؑ کی سخت ممانعت تھی کہ اگر رعایا خستہ حال ہوں اور اپنے حکام سے خوش نہ ہوں تو ان سے ہرگز خراج نہ لیا جائے۔ اصول رعیت پروری انسان دوستی اور اخلاقی قدروں کا تقاضا ہے کہ رعایا خراج خوشی خاطر عنایت کریں نہ کہ تنگی و پریشان حالی کی حالت میں والیوں کا فریضہ ہے کہ وہ پہلے رعایا کو خوش حال بنانے کی کوشش کریں۔ پھر خراج اور محصولات وصول کرنے کی طرف متوجہ ہوں امیر المومنینؑ اپنے خراج کے کارندوں سے فرماتے ہیں۔ لوگوں سے خراج وصول کرنے کے لئے ان کے جاڑے یا گرمی کے کپڑوں اور مویشیوں کو جن سے وہ کام لیتے ہیں فروخت نہ کرو اور کسی کو پیسہ کی خاطر کوڑے نہ لگاؤ اور نہ انہیں پیسے کے لئے پیروں پر کھڑا رکھو، اور نہ ان کے سامان میں سے کوئی چیز خراج کے لئے فروخت کرو۔ اس لئے کہ خدا نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ضرورت سے جو فاضل ہو وہ لیں۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں مال گذاری کے معاملہ میں مالگذاری ادا کرنے والوں کا مفاد پیش نظر رکھنا کیونکہ باج اور باجگذاری کی بدولت ہی دوسروں کے حالات درست کئے جا سکتے ہیں۔ زمین اور اس کی آبادی کے متعلق امیر المومنین کے یہ کلمات اور آپ کا اندازہ کہ حکومت کی فلاح و بہبود موقوف ہے رعیت کی فلاح و بہبود پر اتنا صحیح و درست ہے کہ صدیاں گذر گئیں مگر ان کی صداقت میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔ آج جتنے بھی اقتصادی اور معاشرتی علوم رائج ہیں سب اسی کی تائید کرتے ہیں رعایا زمین کو آباد کرنے میں کس طرح کوشش کریں۔ کیوں کر زمین کا سینہ چیر کر اس کی نعمتوں کو برآمد کریں تاکہ افراد اور عوام کی آسائش کا سامان ہو۔ علیؑ نے اس کے لئے ایسا عام قاعدہ مقرر کیا جو آج کے اجتماعی علوم میں بھی ثابت و مسلم ہے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگوں اور گذشتہ زمانہ کے بت پرستوں کا قاعدہ یہ تھا کہ زمین کو آباد کرنے کا کام غلاموں قیدیوں اور کمزوروں سے زبردستی لیتے اور اگر ان کے حال پر کچھ ترس آتا تو تھوڑی مزدوری بھی دے لیتے لیکن زمین

کی پیداوار کا اکثر و بیشتر حصہ وہ لوگ اٹھا لے جاتے جو زمین کے مالک تھے اور بغیر محنت کے ساری پیداوار ہتھیا لیتے یہ طبقہ معززین و اشراف و دولت مندوں اور جاگیرداروں کا طبقہ تھا ان لوگوں کے قانون میں نہ انسان کی کوئی قیمت تھی نہ اس کی محنتوں کا کوئی صلہ۔ سلاطین و حکام خلائق کو اپنا بندہ سمجھتے اور ان سے ہر طرح کی بیگار لیتے ان کی شرعیت کی بنیاد ہی لوگوں کو اپنا غلام بنانے بلکہ یوں کہیے کہ بدبختوں اور بیچاروں کے قتل پر مبنی تھی۔ لوگوں کی فکریں پست تھیں حکام ان کی نادانی کو غنیمت سمجھتے اور ان کو اپنا غلام بنا لیتے۔ بت پرست کاہنوں نے بھی جو اس زمانہ کے مذہبی پیشوا ہوا کرتے۔ غلام بنانے کو مذہبی طور پر جائز قرار دے کر حکام کا ہاتھ مضبوط کر دیا تھا۔ ان کاہنوں نے عوام کو ایسا فریب دے رکھا تھا کہ وہ حکام کی آسائش کے لئے سر کاٹ کر ان کی ہتھیلی پر رکھ دیتے۔ اپنے کو ہولناک مہلکوں میں ڈال دیتے اپنی جانیں گنوا بیٹھتے تاکہ حکام بیشمار دولت کے مالک ہو جائیں اور اپنے قلمرو میں ایک اور ملک شامل کر لیں۔ یہ سب کچھ کبھی وطن کے نام پر ہوتا کبھی اس کے معبود کے نام پر جس کی وہ لوگ پرستش کرتے۔ مشہور انگریزی مورخ ولیس لکھتا ہے، بت پرست کاہن لوگوں کو سکھاتے تھے۔ کہ زمین جس کو تم جوتتے بوتے ہو تمہاری ملکیت نہیں بلکہ ان خداؤں کی ملکیت ہے جن کے بت مندروں میں آویزاں ہیں اور خداؤں ہی نے یہ زمینیں حکام کو دے رکھی ہیں اب یہ حکام کی مرضی پر موقوف ہے۔ کسان خود بھی یہ یقین کرنے لگے تھے کہ ہم جس زمین کو جوتتے بوتے ہیں وہ ہماری نہیں اس کا مالک معبود (بت) ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم زمین کی پیداوار کا ایک حصہ بت کے نائب کے حوالے کر دیں یا یہ کہ معبود نے یہ زمین حاکم کو عنایت کر رکھی ہے اور حاکم کو حق ہے کہ جس جس قسم کے ٹیکس چاہے لگائے یا یہ کہ حاکم نے یہ زمین ایک زمیندار کو دے رکھی ہے اور وہ زمیندار ہمارا آقا ہے۔ بعض اوقات بت یا حاکم یا زمیندار کا کوئی کام پڑ جاتا اس وقت کسان کا فریضہ تھا کہ زمین چھوڑ کر اپنے مالک کے کام میں لگ جائے۔ کسان کے ذہن و دماغ میں یہ خطور تک نہ ہوتا کہ جس زمین کو ہم جوتتے بوتے ہیں اس پر ہمارا کوئی حق ہے۔ غرض کہ کسان کو نہ تو کوئی اختیار ہی حاصل تھا نہ زمین پر کوئی حق ہی تھا۔

منقول از کتاب من ہنا نبدا مصنفہ خالد محمد خالد صفحہ ۲۶

عرب کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت علیؑ کے بعد جن لوگوں کے ہاتھوں میں عنان حکومت آئی۔ انہوں نے زمین اس کی پیداوار اور حکومت کے خزانے کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ تمام مال خدا کا ہے اور ہم زمین پر خدا کے نائب اور نمائندے ہیں جس کو ہم چاہیں دیں جس کو چاہیں نہ دیں کسی کو ہم پر اعتراض کرنے کا حق نہیں لہ لیکن علی ابن ابی طالبؑ کو حقیقت امر کا پورا پورا علم تھا وہ بہت دور اندیش اور گہری نگاہ رکھنے

لہ اس کی شروعات حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ ہی سے شروع ہو چکی تھیں۔ عہد پیغمبرؐ اور (باقی بصفحہ ۱۵۱)

والے انسان تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کو زمین اور مال کی کوئی حاجت نہیں اور یہ زمین ان لوگوں کی ہے جو اس پر محنت کریں۔ علیؑ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر کسان اور کاشت کار تہی دست ہوں گے تو زمینیں ویران ہو جائیں گی اور محصول ملنا مشکل ہو گا۔ زمینوں کی آبادی انہیں لوگوں کے ہاتھوں ہو سکتی ہے جو اس کے مالک ہوں اور اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھائیں اگر کاشت کاروں کو یہ یقین ہو جائے کہ ہماری نعمتوں کا ثمرہ ہمیں حاصل نہ ہو گا بلکہ فضول خرچ حاکموں کے پاس پہنچ جائے گا اور ان کے خزانے بھریں گے تو سستی اور بے دلی سے کام کریں گے۔ اور زمین کی آبادی میں سعی و کوشش نہیں کریں گے[1] خود وہ بھی پریشان حال ہوں گے اور دوسرے بھی ان کی ریاضتوں کے

بقیہ حاشیہ ص ۱۴۹

خلافت شیخین تک تو ہر چیز مسلمانوں کی ملکیت اور سبھی مسلمان برابر کے حقدار سمجھے اور کہے جاتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان کے رجحانات میں کافی تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ ہر مال کو مال اللہ اور اپنے کو مسلمانوں کا مالک و مختار جانتے جس مال کو جہاں چاہتے صرف کرتے جس کو چاہتے دیتے جس کو چاہتے محروم رکھتے۔ کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ امیر المومنینؑ نے اس دور کا فرماتے ہیں الی ان قام ثالث القوم نافجا حضنیہ بین نثیلہ و معتلفہ وقام معہ بنو امیۃ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع۔ قوم کا تیسرا آدمی متکبرانہ انداز میں پیٹ پھلائے اپنے چارہ اور لید کی بیچ لید میں کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کے باپ کی اولاد (بنو امیہ) کھڑے ہو گئے اور خدا کا مال خوب چبا چبا کر کھانے لگے جیسے اونٹ فصل ربیع میں گھاس کھاتا ہے۔ وہ مال جس میں تمام مسلمانوں کا حق ہوتا اور جس سے کسی کو بھی محروم کرنا جائز نہ تھا۔ حضرت عثمان جائز مستحقین اور حقیقی حصہ داروں کو محروم کر کے اپنے خاص الخاص رشتہ داروں کو دے دیتے۔ بسا اوقات حضرت عثمان کی زبان سے ایسے فقرے بھی نکل جاتے جو اسی دور جاہلیت کے عقائد کی غمازی کرتے کہ زمین اس کی پیداوار اور سلطنت کے خزانے حاکم کی خاص ملکیت ہیں اور حاکم جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے ان کا یہ فقرہ تاریخ کی سبھی کتابوں میں موجود ہے کہ ھذا مال اللہ اعطیتہ من شئت و امنعہ من شئت فارغم اللہ انف من رغم۔ یہ خدا کا مال ہے جسے میں چاہوں دوں گا اور جسے نہ چاہوں محروم رکھوں گا کوئی خفا ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ معاویہ اور دیگر خلفائے بنی امیہ حضرت عثمان ہی کے عزیز رشتہ دار اور ان کے قوم و قبیلہ کے تھے انہوں نے اپنے اپنے وقت میں جو کچھ کیا حضرت عثمان ہی کی تقلید میں کیا۔

[1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب کاشت کار اور کسان زمین کی پیداوار میں مالک زمین کے حصہ دار ہوں گے تو وہ زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی توقع میں زمین کو آباد کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے لیکن اگر ان کی حیثیت ایک مزدور کی ہو گی جیسا کہ سوشلزم کے حامی کہتے ہیں تو زمین کو آباد کرنے کی زیادہ کوشش ہی نہ کریں گے کیونکہ جب انہیں یہ یقین ہو گا کہ اگر ہم محنت کر کے پیداوار سو گنی بھی بڑھا دیں تب بھی ہمیں اتنی ہی مزدوری ملے گی جتنی پہلے (باقی ص ۱۵۱ پر)

پھل سے محروم رہیں گے۔ لیکن اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم جتنی زیادہ محنت کر کے زیادہ غلہ پیدا کریں گے۔ اتنا ہی زیادہ ہمیں فائدہ ہوگا۔ ہماری اولاد کو فائدہ ہوگا اور حکومت بھی زراعتی ٹیکس لے کر اپنے عزیزوں رشتہ داروں میں بانٹ نہ دے گی۔ بلکہ رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرے گی تو وہ جی جان سے محنت کریں گے۔ وہ بھی خوش حال ہوں گے اور حکومت کا خزانہ بھی افزوں ہوگا۔ رعیت کی خوشنودی و رضامندی امیرالمومنین کی نظروں میں عوام کی فلاح و بہبود اور حاکم کی حالت کی بہتری دونوں ہی کا واحد ذریعہ تھی۔ زور زبردستی بدترین تدبیر ہے امیرالمومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں

وان افضل قرة عین الولاة استقامة العدل فی البلاد وظہور مودة الرعیة وانہ لا تظہر مودتہم الا بسلامة صدورہم ولا تصح نصیحتہم الا بحیطتہم علیٰ ولاة امورہم وقلة استثقال دولہم۔ حکمرانوں کے لئے بہترین خنکی چشم اور مسرتِ قلب کا باعث یہی ہے کہ شہروں میں عدل و انصاف قائم اور رعیت کی محبت اور مودت ظاہر ہونے لگے اور جب تک ان کے دل سالم اور صاف نہ ہوں ان کی طرف سے محبت ظاہر نہیں ہوتی اور ان کا اخلاص اس وقت تک درست و قابل اعتبار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں۔ اس کے عہد کو گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دیں کہ اس کی مدت حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی۔

علیؑ نے کاشت کاری اور ہر دوسرے کام کو باعزت پیشہ سمجھا۔ معطل اور بے کار رہنے سے روکا۔ ہر شخص کو اس کی محنت کے لحاظ سے مزدوری دینا واجب قرار دیا۔ ان باتوں میں علیؑ نے بڑی سختی برتی۔ تاکہ ہر شخص یہ سمجھ لے کہ جب تک کوئی شخص محنت مشقت نہ کرے۔ علیؑ اس کو دیتے دلاتے نہیں۔ اپنے حقیقی بھائی عقیل ابن ابی طالب کے ساتھ علی کا برتاؤ دنیا جانتی ہے۔ انہوں نے بغیر کسی محنت و خدمت کے علیؑ سے روپے پیسے چاہے تھے۔ علی نے انہیں مایوس و ناکام واپس کر دیا۔

علیؑ کی نظروں میں اس سے بدتر کوئی ظلم نہ تھا کہ کام کرنے والے اس کی مزدوری نہ دی جائے اور سوئی کی نوک کے برابر بھی اس کی حق تلفی کی جائے۔ اگر کوئی کام معززین یا اشراف سے عمل میں آئے تو اسے بہت اہمیت دی جائے اور اگر معمولی لوگ کوئی کام کریں تو اسے حقیر سمجھا جائے ضروری ہے کہ کام کو دیکھا جائے نہ کہ کام کرنے والے کو۔ اگر کام بڑا ہے تو کام کو بڑا سمجھا جائے اس کو انجام دینے والا معمولی شخص ہی کیوں نہ ہو۔ معمولی کام ہو تو اسے معمولی ہی سمجھا جائے چاہے اس کام کے کرنے والا بڑا ہو یا چھوٹا آپ کے زمانہ میں بہت سے کارگزار اور محنت کرنے والے ایسے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ ۔ ملتی تھی تو بے کار کیوں اپنی محنت برباد کریں گے۔

نیز سوشلسٹ حکومتیں رعیت کے لئے بہت سنگین بار ہیں وہ رعایا کے ہر کام میں مداخلت کرتی ہیں اور رعایا ان کی کسی طرح خیر خواہ نہیں ہوتی کیوں کہ انہیں حکومت پر پورا بھروسہ نہیں ہوتا۔

تھے جنہوں نے اپنی مزدوری نہ پائی مشقتیں اٹھائیں مگر وہ مشقتیں رائگاں گئیں۔ امیر المومنینؑ کو یہ بات انتہائی ناگوار تھی جب تک زمین پر انسان کے قدم رہیں گے امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد سماجی و اخلاقی دستور کا لازوال سرمایہ بنا رہے گا۔

ثم اعرف لکل امرئ منہم ما ابلی ولا تضیفن بلاء امرئ الی غیرہ ولا تقصرن بہ دون غایۃ بلائہ ولا یدعونک شرف امرئ الی ان تعظم من بلائہ ما کان صغیرا ولا ضعۃ امرئ الی ان تستصغر من بلائہ ما کان عظیما۔

ہر شخص جس کارنامے کو انجام دے اسے پہچانتے رہنا اور ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کر دینا اور اس کارنامے کی وجہ سے وہ جس انعام و اکرام کا مستحق ہو۔ اس میں کمی نہ کرنا اور کبھی ایسا نہ کرنا کہ کسی شخص کی بلندی و رفعت کی وجہ سے اس کے معمولی کام کو بڑا سمجھ لو اور کسی کے بڑے کام کو اس کے خود پست ہونے کی وجہ سے معمولی قرار دے لو زمین کی آبادی اور کام کے لحاظ سے پوری پوری اجرت' یہ دو مضبوط ستون تھے جن پر علیؑ بہتر و صالح معاشرہ کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے تھے۔ ایک علاقہ کے لوگ امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ہمارے علاقہ میں ایک نہر ہے جو اب پٹ چکی ہے اگر وہ پھر کھد جائے تو اس سے ہم لوگوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ ان لوگوں نے خواہش کی کہ آپ حاکم کو لکھ دیں کہ اس نہر کی کھدائی میں شرکت ہر شخص پر لازم کر دے امیر المومنینؑ نے یہ تو منظور کیا کہ وہ نہر کھد جائے لیکن یہ درخواست منظور نہ کی کہ لوگوں کو اس لئے مجبور کیا جائے۔ آپ نے اس علاقہ کے حاکم قرظہ بن کعب کو لکھا امابعد تمہارے علاقہ کے لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان کے علاقہ میں ایک نہر تھی جو اب پٹ چکی ہے اگر وہ نہر یہ لوگ پھر کھود لیں تو اس کے ذریعہ ان کا علاقہ آباد ہوگا اور ہر قسم کا خراج دینے پر انہیں قدرت ہوگی ان کے یہاں سے مسلمانوں کے محاصل میں اضافہ ہوگا ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں تمہیں اس مضمون کا خط لکھوں کہ تم وہاں کے لوگوں کو اس نہر کی کھدائی کے لئے اکٹھا کر و اس کے مصارف برداشت کرنا لازم قرار دو میں تو مناسب یہ نہیں سمجھتا کہ کسی کو ایسے کام پر جسے وہ نہیں چاہتا مجبور کر دوں تم ایسا کرو کہ نہر کی کھدائی کے لئے لوگوں کو بلاؤ اور جو شخص خوشی خاطر کام کرنے پر تیار ہو اس سے کام لو اور جب وہ نہر بن کر تیار ہو جائے تو اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھانے کے حقدار ہوں گے جنہوں نے اس کی کھدائی میں حصہ لیا ہوگا۔ جو لوگ حصہ نہ لیں گے ان کو اس کے استعمال کا حق نہ ہوگا اگر وہ لوگ اپنے علاقہ کو آباد کریں اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو تو یہ کہیں اچھا ہے۔ یعنی ان کے کمزور ہونے کے کسی سے بیگار نہیں۔ امیر المومنینؑ کے نزدیک جائز نہ تھا اگرچہ ایک جماعت لوگوں کی اس کی خواہش مند تھی۔ اصل چیز عمل ہے۔ علیؑ فرماتے ہیں تم کو عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رہ گئی نہر تو اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے جو اس کی کھدائی میں ہاتھ بٹائیں گے لیکن جو لوگ ہاتھ نہیں بٹانا چاہتے انہیں مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا کام خوشی خاطر ہونا چاہیے۔ جبر و اکراہ سے نہیں یہ ایسا نظریہ تھا علی ابن ابیطالبؑ کا جس کے وہ سختی سے پابند تھے۔

آج سے صدیوں پہلے کام اور کام کرنے والے کے متعلق امیرالمومنینؑ یہ دستور بنا کر آج کل کے مفکرین مغرب سے سبقت لے گئے۔ تیرہ سو برس پہلے جو بات علی کہہ چکے تھے وہی آج مغرب کے مفکرین بڑے شدّ و مد سے پیش کر رہے ہیں امیرالمومنین نے عدل و انصاف کی ایسی بنیاد سے زیادہ مضبوط اور دانشمندانہ بنیاد تصور بھی نہیں کی جا سکتی[1] اور وہ بنیاد یہ ہے کہ کسی سے زبردستی کام نہ لیا جائے چاہے وہ کتنا ہی نفع بخش کیوں نہ ہو اس لئے کہ زبردستی کام لینا انسانیت کی توہین ہے انسان کی قیمت گھٹا دینا ہے اور اس کی مخصوص آزادی پر ظلم ہے مزید برآں وہ کام بھی بے وقعت ہو جاتا ہے جو زور زبردستی سے ہو کیوں کہ جس پر زبردستی کی جائے گی وہ کبھی کام جی لگا کر نہیں کرے گا بلکہ اس کی طبیعت اس سے گریزاں ہی رہے گی البتہ آپ نے دوسری طرح انہیں ترغیب دلائی وہ یوں کہ آپ نے صراحت فرما دی کہ جو شخص نہر کھود کر بنائے گا وہی اس کے پانی سے فائدہ اٹھانے کا حقدار ہو گا دوسرا نہیں آپ نے فرمایا والنھر لمن عمل ودون من کرھہ نہر ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اس کی کھدائی میں کام کیا نہ کہ ان لوگوں کی جنھوں نے ہاتھ بٹانے سے گریز کیا۔

علی کا یہی دستور وہ ستون ہے جس پر بیسویں صدی کے مفکرین کے عظیم ترین عقائد و نظریات قائم ہیں۔ اس بنا پر ہر شخص کے لئے کام کرنا ضروری ہے کوئی شخص چھوٹا یا بڑا نہیں مگر اپنے کام کے لحاظ سے جو شخص کام کرے گا اپنے کام کی جزا پائے گا۔ معززین و اشراف کو یہ حق نہیں کہ دوسروں کی محنت کا ثمر خود ہتھیا لیں اور ان کے حق کا پاس و لحاظ نہ کریں اگر خدا کسی کو محبوب رکھتا ہے تو بقول حضرت علی امانت دار پیشہ ور کو دوست رکھتا ہے اگر کوئی شخص اپنی محنت و مشقت سے مال حاصل کرتا ہے تو طبعی طور پر یہ اس کا مخصوص مال ہے کیونکہ اس نے اپنے دست و بازو سے کمایا ہے البتہ قوم و ملت کے مصالح کا پاس و لحاظ ضروری ہے۔ یہ مال اس کا ذاتی مال اسی

---

[1] اہل مغرب اس بارے میں دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک جماعت زبردستی کام لینے کو جرم اور ناجائز سمجھتی ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا دوسری جماعت لوگوں سے زبردستی کام لینے کو ضروری قرار دیتی ہے۔ سوشلزم کا یہی دستور ہے

[2] امیرالمومنینؑ نے مکتوب کے آغاز میں تحریر فرمایا تھا کہ والی لوگوں کو نہر کی کھدائی اور اس کے مصارف برداشت کرنے کی طرف رغبت دلائیں جو خود کام کر سکے وہ کام کرے جو کام نہ کر سکے وہ اپنی طرف سے مزدور کو اجرت دے کر رکھے نہر کے مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے نہر کی کھدائی میں جسمانی و مالی حیثیت سے شرکت کی ہے وہ اس نہر کے مالک ہیں جب تک ان کی ضرورتیں پوری نہیں ہو جاتیں دوسرا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ انہیں حق ہے کہ دوسرے کو نہر سے پانی نہ لینے دیں یا قیمت لے کر پانی دیں یہی مطلب ہے اس حدیث کا جو گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے کہ والنھر لمن عمل ودون من کرھہ۔ نہر ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اس کی کھدائی میں کام کیا نہ ان لوگوں کی جنھوں نے ہاتھ بٹانے سے گریز کیا۔

درست تک رہے گا جب تک کہ مصالحِ عامہ کو نقصان نہ پہنچے اگر مصلحت عامہ مقتضی ہوئی کہ افراد کے مال کا ایک حصّہ ایک ایسے کاموں میں صرف کیا جائے جو تمام خلائق کی فلاح و بہبود کے لئے ہوں تو بے شک اتنا مال بے کم صرف کر دیا جائے گا۔ یہ مال جس طرح افراد کے فائدہ کے لئے ہوتا ہے اسی طرح جامعہ یعنی قوم و ملت کے فائدہ کے لئے بھی (اسی بنا پر صاحبان ثروت سے بیت المال کے لئے خراج وصول کیا جاتا ہے) جب ملکیت کے حدود یہ قرار پائیں گے تو نہ دولت کی بہتات ہوگی اور نہ قوم میں ناداروں کا وجود ہوگا۔

اگر قوم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو کام کرنے سے مجبور و ناتواں ہوں جیسے چھوٹے یتیم بچے تو کیا علیؑ نے عربی حکام کے لوگوں کی طرح انہیں فراموش کر دیا۔ ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی یا ان کا پاس و لحاظ بھی کیا اور عدل و انصاف کے موافق اور اخلاق کے تقاضوں کے مطابق ان کا خیال کیا۔

بلاشبہ قوم و ملت کا افراد پر حق ہے اور افراد کا قوم و ملت پر۔ قوم مثل ایک جسم کے ہے جو مختلف اعضائے مرکب ہوتا ہے۔ ہر عضو کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے عضو کی مدد کرے۔ ہر شخص کو حق ہے کہ اپنے کام کا فائدہ اٹھائے خداوند عالم نے ضروریاتِ زندگی میں سب کو حصّہ دیا لہٰذا کسی کو حق نہیں کہ ضروریاتِ زندگی کو اپنے لئے مخصوص کرے دوسرے کو محروم کرے۔ لیکن وہ لوگ جو کام کرنے سے عاجز و لاچار ہوں جیسے کم سن بچہ یا بوڑھا ضعیف تو قوم کا فریضہ ہے کہ ان کی ضروریات کی کفیل ہو۔ لہ وہ لاچاروں کے ساتھ اسی طرح انصاف کرے جس طرح دوسرے لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لیتی ہے یہ واجبی حق ہے کوئی نیکی و احسان نہیں اور اس حق کی ادائیگی کے ذمہ دار اور جواب دہ حکومت اور حکومت کے افراد ہیں۔

حضرت علی ارشاد فرماتے ہیں۔ فان هؤلاء من بين الرعية احوج الى الانصاف من غيرهم وتعهد اهل اليتيم وذوى الرقة فى السن ممن لا حيلة لهم

تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں لہٰذا ہر ایک کا حق اس کو ادا کر کے خدا کے سامنے پیش کرنے کے لئے عذر مہیا کر لو اور ان یتیموں اور سن رسیدہ لوگوں کی خبر گیری کرو۔ جو نہ خود اپنی معاش کے لئے کوئی حیلہ رکھتے ہیں اور نہ دست سوال پھیلانے کے لئے دوسروں کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔

علیؑ اس معاملہ میں ہزاروں مفکرین اور دانشمندانِ مغرب پر سبقت لے گئے انہوں نے اس ضروری بات کا احساس

لہ۔ شریعت اسلامیہ میں زکوٰۃ اسی لئے واجب کی گئی ہے کافی میں عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ

خداوند عالم نے مالداروں کے مال میں ناداروں کا حق مقرر کیا جو ان کی کفایت کرے اگر خداوند عالم کو معلوم ہوتا کہ کفایت نہ کرے گا تو اس سے زیادہ کا حکم دیتا۔

کیا اور ان عاجز و ناتوان افراد کے حقوق کا پاس و لحاظ حکومت کے فرائض سے قرار دیا، نیکوکاروں کے تفضّل و احسان پر نہیں چھوڑا تاکہ ریاکار منافقوں کو فتنہ و فساد پھیلانے کا موقع باقی نہ رہے [1]

علیؑ کا ضمیر ان کی عقل دونوں اس حقیقت کے اچھی طرح معترف تھے کہ تمام انسان زندہ رہنے کا حق رکھتے ہیں یہ حق اجتماعی زندگی کی ضروریات سے ہے اور حریت و آزادی اس وقت تک کسی کام کی نہیں جب تک روزی میسّر نہ ہو نہ بغیر اس کے بہتر معاشرہ وجود میں آسکتا ہے، آپ نے قانون بنا دیا کہ تمام انسانوں کے یکساں حقوق ہیں سب حقوق میں ایک دوسرے کے برابر ہیں پھر آپ نے اسی قانون کی روشنی میں یہ طے کیا کہ بیت المال کی دولت کے حاجت مند افراد زیادہ مستحق ہیں نہ کہ دولت مند حضرات خواہ وہ دولتمند حضرات اسلام میں سابقیت ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔

محنت و کوشش ہی مستحق بناتی ہے مزدوری کا اور محنت ہی کر کے کوئی مال حاصل کر سکتا ہے یا زمین کا مالک بن سکتا ہے۔

امیر المومنینؑ کے فرامین، حکام و ولاۃ کو مسلسل پہنچتے رہتے، اُن پر سخت تاکیدیں ہوتی رہتیں کہ عوام کو ستائیں نہیں جو کاشت کار تہی دست ہوں اُن سے خراج کا تقاضا نہ کریں بلکہ ان کی مدد و اعانت کریں تاکہ وہ محنت کر کے زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کریں۔ خراج مالدار سے لیا جائے تاکہ بیت المال آباد ہو اور ناداروں کی احتیاج دور کرنے میں کام آئے

کتنی شرمناک بات ہے کہ ہم آج کل کے زمانہ میں جب کہ انسانی حقوق کا بڑے شدّ و مد سے اعلان کیا جاتا ہے بہت سے مشرقی ممالک کو دیکھتے ہیں کہ وہ غریبوں پر ٹیکسوں کے بوجھ لادتے چلے جاتے ہیں اور جو چیزیں ان کی ضروریات زندگی کی ہیں اُن سے چھین کر اپنا خزانہ بھرتے ہیں، ڈرا دھمکا کر قرقی کے ذریعہ ان کے معمولی اور حقیر سامان فروخت کر کے ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اُن پر وہ تمام حربے آزمائے جاتے ہیں جو کسی زمانہ میں نمرود اور چنگیز اور نمرود و فرعون آزمایا کرتے تھے، مشرقی حکومتیں اپنی رعایا کو نہ پہچانتی ہیں نہ ان کے حقوق تسلیم کرتی ہیں نہ اُن کی ناداری و احتیاج دور کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ رعیت بھی ان کی رفاہی کوششوں کا پورا بدلہ دے سکے۔

---

[1] ناداروں کی حاجت روائی اور ان کی ضروریات پوری کرنا صرف حکومت کا فریضہ نہیں جیسا کہ مولف نے کہا ہے شریعت اسلامیہ میں حکومت پر بھی فرض کیا گیا ہے کہ وہ ناداروں کی کفالت کرے اور افراد و اشخاص پر بھی۔ اگر زکوٰۃ کی وصولی اور ناداروں میں اس کی تقسیم صرف حکومت کا فریضہ ہوتی تو خرابی کے امکانات زیادہ تھے کیونکہ جو لوگ حکومت سے قریب ہوتے جن کی پہنچ زیادہ ہوتی وہ بہرہ مند ہوتے اور جو دور ہوتے جن کی رسائی دشوار ہوتی وہ محروم رہتے، اسی لئے خداوند عالم نے افراد کو حکم دیا ہے کہ اپنے عزیزوں، نزدیک کے لوگوں، ہمسایوں اپنے ہی شہر کے غریبوں کو نیز جن کی ناداری سے وہ بخوبی آگاہ ہوں حق زکوٰۃ پہنچائیں جب اپنے عزیز رشتہ دار اہل شہر ہمسایہ اور واقف کاروں میں کوئی مستحق نہ ہو تب حکومت کے حوالے کریں۔

ہماری نگاہوں میں علیؑ کتنے عظیم نظر آتے ہیں اُن کی قدر و منزلت کتنی ہی محیر العقول نظر آتی ہے جب ہم سنتے ہیں کہ آج سے ۱۴ سو برس پہلے علی اپنے عاملوں کو تاکیدی حکم دیتے تھے کہ :

ولا تبیعن للناس فی الخراج کسوۃ شتاء ولا صیف ولا رزقا یاکلونہ، ولا دابۃ یعتملون علیھا ولا تضربن احدا منھم سوطا لمکان درھم، ولا تمد علی دجلۃ فی طلب درھم، ولا تبع لاحد منھم عرضا فی شیٔ من الخراج فانما امرنا ان ناخذ منھم بالعفو» ۔ ولیکن نظرک فی عمارۃ الارض ابلغ من نظرک فی استحلاب الخراج ۔

اور لوگوں سے خراج وصول کرنے کے لئے اُن کے جاڑے یا گرمی کے کپڑوں، اُن کے کھانے پینے کے سامان کو اور مویشیوں کو جن سے وہ کام لیتے ہوں فروخت نہ کرنا اور کسی کو پیسہ کی خاطر کوڑے نہ لگانا، نہ پیسہ کی تلاش میں پیروں پر کھڑا رکھنا نہ خراج کے لئے کسی کا کوئی سامان بیچ ڈالنا . . . اور خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادی کا خیال رکھنا ۔

امیر المومنینؑ نے اپنے زمانہ کے ناداروں کی خستہ حالی اور پریشاں خاطری کے اسباب چند مختصر فقروں میں بیان کر دئے ہیں اور ان فقروں کی شرح و تفصیل اپنے بے شمار عہدناموں اور وصیتوں میں فرمائی ہے ۔

چنانچہ فرماتے ہیں :-

ما جاع فقیر الا بما متع بہ غنی

اگر کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے تو اس لئے کہ دولت مند نے اس کا حصہ روک لیا ہے ۔

یہ وہ بزرگترین حقیقت ہے جو بنیاد ہے آج کل کے عادلانہ نظام کی ۔ علیؑ نے چودہ سو برس پہلے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور اُسی وقت اُنہوں نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اس کے اُصول و قواعد تفصیل سے بیان کر دئے تھے ۔

میرا ایک لبنانی مصنّف دوست بیان کرتا ہے کہ جن دنوں میں یورپ کے ایک بڑے شہر میں مقیم تھا اور وہاں فقر و ناداری کو ختم کرنے کی تحریک چل رہی تھی میں نے وہاں کے وزیر تعلیم سے کہا ۔

ہم عرب کے رہنے والے آپ لوگوں سے صدیوں پہلے اس طبقاتی تفاوت اور اس کے مضرات کو سمجھ چکے ہیں جس کے دُور کرنے کے لئے آج آپ کوشاں ہیں ۔

وزیر تعلیم نے پوچھا وہ کیسے ؟

میں نے کہا چودہ سو برس پہلے علی ابن ابی طالب کہہ چکے ہیں ما رأیت نعمة موفورة الا والی جانبہا حق مضیع ۔ میں نے کسی کے پاس وافر نعمتیں نہیں دیکھیں مگر یہ کہ ان نعمتوں کے پہلو بہ پہلو کسی حق کو ضائع ہوتے بھی دیکھا۔
وزیر تعلیم نے کہا ہم تم سے کہیں بہتر ہیں۔
میں نے کہا وہ کیسے ؟۔
وزیر تعلیم نے کہا وہ یوں کہ ایک عربی شخص نے باوجودیکہ آج سے چودہ برس پہلے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا لیکن آج تک تم نے اس ناداری کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی اُسی فقر و ناداری کی مصیبت میں آج تک مبتلا ہو اور ہم تم سے پہلے ہی فقر و ناداری سے نجات پانے کی تدبیروں میں لگ گئے لہٰذا تم لوگ ہم لوگوں سے چودہ سو برس پیچھے ہو یعنی اگر ہم حضرت علی کا فقرہ اسی وقت سن لئے ہوتے تو اسی وقت سے مصروف عمل ہو جاتے۔
قبل اس کے کہ ہم اس فصل کو ختم کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب تک جو کچھ بیان کر چکے ہیں اس کا مختصر لفظوں میں خلاصہ بیان کر دیں اور ناظرین کو توجہ دلائیں کہ یورپ کے جدید مفکرین کے افکار و نظریات کو علی ابن ابیطالبؑ کے ان افکار و نظریات سے ملا کر دیکھیں جو انہوں نے سوشل اور معاشرتی مسائل کے متعلق بیان فرمائے ہیں اور ان پر سنجیدگی سے غور کریں۔
ہم حضرت علیؑ کے معاشرتی اُصول و نظریات کو ۹ جملوں میں بیان کر سکتے ہیں۔ یہ اُصول و نظریات دولتمندی اور ناداری اور لوگوں کے طبقاتی تفاوت کے اسباب و علل ہیں یا یوں کہا جائے کہ یہ ناداری و احتیاج کو زائل کرے اور لوگوں کے درمیان حقوق میں مساوات قائم کرنے کے بہترین ضوابط و دستور ہیں۔

(۱) ذخیرہ اندوزی سے روکو۔
(۲) کوئی نادار بھوکا نہیں رہا مگر اس لئے کہ دولت مند نے اس کا حصّہ ہتھیا لیا۔
(۳) میں نے کسی کے پاس وافر نعمتیں نہیں دیکھیں مگر یہ کہ ان نعمتوں کے پہلو بہ پہلو کسی حق کو ضائع ہوتے بھی دیکھا۔
(۴) خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادی کا خیال رہے۔
(۵) میں مناسب نہیں سمجھتا کہ کسی کو ایسے کام پر مجبور کیا جائے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔
(۶) پرہیزگار لوگوں کے دل جنّت میں ہیں اور اُن کے جسم دنیا میں مصروف عمل۔
(۷) نہر اُس کی ہے جس نے اُس کی کھدائی میں ہاتھ بٹایا نہ اُس کی جس نے نہ ہاتھ بٹایا نہ پیسے سے مدد کی۔
(۸) جو شخص جس کارنامے کو انجام دے اُسے پہچانتے رہنا اور ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کرنا۔
(۹) خبردار ان چیزوں کو اپنی خاص ملک نہ بنا لینا جن میں تمام لوگ برابر کے حصّہ دار ہیں۔

اگر امیر المومنین کے ان فقروں کو گہری نظر سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انہیں اصول پر عمل کر کے انسانی معاشرہ میں انسان کے حقوق محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور انسانی حریت و آزادی کی پوری رعایت ممکن ہے ،

یہ وہ اصول ہیں جن پر آج کل کے کمیونزم کے نظریات قائم ہیں اور اُن میں کوئی بات ایسی نہیں جو کمیونزم کے مخالف ہو۔

نہ تعصّب اور نہ عصمت[1]

ہر انسان خلقت میں تمہارے جیسا ہے۔

(الامام علی)

علیؑ نے اپنے لئے جو شاہراہ عمل متعین کی تھی اس پر بڑی ثابت قدمی و پامردی سے گامزن رہے اُن کی نگاہ ہمیشہ بلندی کی طرف رہی۔ اُنہوں نے انسان کے معاشی حقوق مقرر کئے ساتھ ہی ایسے دوسرے حقوق بھی جن کے بغیر معاشی حقوق پورے نہیں ہوسکتے۔ علی نے نہ تو کسی خاص مذہب کی پاسداری کی نہ کسی خاص عقیدہ کی نہ کسی خاص نسل و رنگت کی۔ سبھی انسان ایک دوسرے جیسے ہیں سبھی کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اور زندگی کے لوازم میں بھی سبھی برابر کے حق دار ہیں خواہ عقائد و نظریات میں فرق ہو، مذہب میں اختلاف ہو نسل اور رنگت مختلف ہو۔ علیؑ نے تمام نوع بشر کا پاس و لحاظ کیا، ان کے نزدیک معاشی حقوق اور زندگی کے لوازم میں گورے، کالے عرب غیر عرب مسلمان اور کافر کی کوئی تفریق نہ تھی۔

وہ باوجودیکہ جانشین پیغمبر اسلام کا فلعہ اور مسلمانوں کے امیر تھے لیکن انہیں ہرگز یہ بات گوارا نہ تھی کہ کسی کو زبردستی وہی عقائد رکھنے پر مجبور کریں جو مسلمانوں کے مذہبی عقائد تھے لوگ مختار ہیں جس طرح چاہیں خدا کی عبادت کریں اور جن عقائد[2] کو چاہیں اختیار کریں لیکن اسی شرط سے کہ دوسروں کو اُن کی ذات سے نقصان نہ پہنچے۔ تمام انسان خدا کے بندے ہیں اور دین و مذہب خدا اور خلق خدا کے درمیان رابطہ ہے۔

حضرت علی کی نظر میں انسان کا انسان ہونا ہی اس بات کے لئے کافی تھا کہ اسے محترم سمجھا جاوے، دوست رکھا جائے اس سے عطوفت و شفقت برتی جائے اور اُس کے حقوق کو تباہ و برباد نہ ہونے دیا جائے۔ آپ نے مالک اشتر

---

[1] مولف کتاب نے اس فصل میں ثابت کیا ہے کہ دین اسلام میں تعصب نہیں جس طرح کہ قرون وسطی میں یورپ والے تعصب کے عادی تھے۔ کسی شخص کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ہم حقیقت تک پہنچ گئے ہیں اور خطا سے مبرا ہیں اور جو شخص ہمارے جیسے عقائد نہیں رکھتا وہ باطل پر ہے۔

[2] دین اسلام میں یہود و نصاری اور مجوسی اپنے مذہب میں آزاد تھے انہیں ذمی کہا جاتا تھا ذمی انہیں کہتے ہیں جو مسلمان بادشاہوں کی رعایا ہوں

گورنر مصر کو جو عہد نامہ تحریر فرمایا تھا اس میں آپ لکھتے ہیں :-

ولا تکن علیهم سبعًا ضاریًا تغتنم اکلهم فانهم صنفان اما اخ لك فی الدین او نظیر لك فی الخلق فاعطهم من عفوك و صفحك مثل الذی تحب ان یعطیك الله من عفوه و صفحه ولا تندمن علی عفو ولا تبجحن بعقوبة -

ان کے لئے[1] پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ کہ انہیں نگل جانا غنیمت سمجھتے ہو اس لئے کہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہاری جیسی مخلوق خدا تم ان سے اسی طرح عفو و درگذر سے کام لینا جس طرح اللہ سے اپنے لئے عفو و درگذر پسند کرتے ہو تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتانا اور سزا دینے پر اترانا نہ چاہیے۔

اس بنا پر ہر شخص وہی حقوق رکھ سکتا ہے جو تم رکھتے ہو خواہ اس کے بعض عقائد یا سبھی عقائد تمہارے عقائد کے مخالف ہوں۔ دین و مذہب کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ وہ تم کو دوسروں سے برادرانہ رشتہ میں منسلک کر دے جیسے تم انسان ہو ویسے ہی دوسرے لوگ انسان ہیں بخلقت و پیدائش کی یہ ہمرنگی و مشابہت تمہارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان گہرا رابطہ ہے تم کو چاہیے کہ سب ہی انسانوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔ اگر تمہارا بھائی کسی خطا و گناہ کا مرتکب ہو تو اس کی خطا سے درگذر کر کے اس کو بخش دو اور ایسے کرنے میں قطعی شرمندگی محسوس نہ کرو دوسروں کے سینے سے کینہ و عناد دور کرو اس طرح کہ پہلے اپنے سینہ کو کینہ و عناد سے پاک کرو۔

فرزند آدم خواہ وہ کسی دین و مذہب کا پیرو ہو اس کا فریضہ ہے کہ اپنے ہمجنسوں کا ہمدرد اور بہی خواہ ہو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جو اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کے لئے بھی نہ پسند کرے۔ دوسروں سے اتنا ہی توقع رکھے جتنا خود دوسروں کی توقعات پوری کرتا ہو۔ واقعی مومن وہ ہے جو ہر نیک کام بجا لانے کی کوشش کرے۔ عمدہ ترین عمل بہترین عدل و انصاف ہے وہ یہ کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھو اور ان کے درمیان کوئی فرق نہ کرو جو شخص زندگی بسر کرنے میں حضرت محمد مصطفےٰ کے طور طریق اختیار کرے وہ اس شخص سے مختلف نہیں جو حضرت مسیح یا دوسرے مجموعہ کمالات انسانوں کی روش پر چلتا ہے۔ انسان کی غرض خلقت یہ ہے کہ وہ فضائل و کمالات حاصل کرے خوبیوں کا حامل بنے اب یہ جاہے جس طریقہ سے بھی ہو اس میں انسان آزاد ہے۔

---

[1] مصر کے رہنے والے جن کے متعلق امیر المومنین نے مالک اشتر کو یہ ہدایات دی تھیں عیسائی تھے۔

حضرت علی فرماتے ہیں :-

نہیں چاہیے کہ حضرت سرور کائنات کی پیروی و متابعت کرو جب کہ دنیا آپ کے قدموں کے نیچے سے سمیٹ لی گئی اور اس کی لذتوں سے آپ دور اور اس کی زیب و زینت اور آرائشوں سے آپ علیحدہ رکھے گئے اور اگر چاہو تو حضرت عیسیٰؑ کو دیکھو جو پتھر کا تکیہ لگاتے، موٹا کھردرا لباس پہنتے اور روکھی پھیکی غذائیں نوش کرتے آپ کی نان خورش گرسنگی تھی آپ کا چراغ چاند تھا آپ کا سائبان مشرق و مغرب تھا آپ کا میوہ اور خوشبو گھاس پات تھے کوئی زوجہ نہ تھی جو آپ کو اپنی زلفوں کا اسیر بنائے نہ کوئی اولاد تھی جس کے لئے فکر مند ہوں نہ کوئی مال و دولت تھی جس پر آپ کی توجہ مبذول ہو نہ کوئی طمع تھی جو آپ کو ذلیل کرے آپ کی سواری آپ کے دونوں پیر تھے آپ کا خادم آپ کے دونوں ہاتھ تھے ۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ۔

اولٰئك قوم اتخذوا الارض بساطًا و ترابها فراشا، وماءها طيبًا ثم ترضوا الدنيا قرضا على منهاج المسيح ۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے زمین کو اپنا فرش اور اس کی خاک کو اپنا بستر بنایا، عطر کی جگہ پانی پر قناعت کیا اور دنیا سے یوں گذر گئے جس طرح عیسیٰؑ گذرے ۔

وہ حقیقت جو حضرت محمد مصطفےٰ کے پیش نظر تھی یہ کہتے وقت کہ :-

الانبياء اخوة وامهاتهم شتى ودينهم واحد ۔

انبیا بھائی ہیں اُن کی مائیں مختلف مگر اُن سب کا دین ایک ہے ۔

وہی حقیقت علیؑ کے پیش نظر تھی حضرت محمد مصطفےٰؐ کے متعلق یہ فقرہ کہتے وقت کہ

ومضى ما مضى عليه الرسل الاولون ۔

اسی روش پر آں حضرتؐ نے اپنی زندگی گذاری جس روش پر پہلے کے انبیاء و مرسلین گذار گئے ۔

ان دونوں اقوال میں صریحی اعتراف و اقرار ہے اس بات کا کہ فضیلت ہی وہ چیز ہے جو لوگوں کو ایک نقطہ پر متحد کر دیتی ہے جس طرح انسانیت بنیادی حیثیت سے نقطہ اتحاد ہے ۔

ان سطور بالا سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح انسان کے اور بہت سے حقوق ہیں اسی طرح حضرت علیؑ کے دستور میں ایک حق انسان کا یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عقائد میں آزاد ہو جس طرح کے عقائد چاہے رکھے ۔ اس پر کوئی پابندی نہیں آزادی کی تقسیم نہیں ہو سکتی، یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان بعض حیثیتوں سے آزاد ہو بعض حیثیتوں سے مقید، مسلمان عیسائی کا بھائی ہے چاہے پسند کرے چاہے ناپسند اس لئے انسان انسان کا بھائی ہے چاہے ماننے چاہے نہ مانے ۔ اگر حضرت علیؑ کی نظروں میں انسان کو آزاد پیدا کرنے کی غرض اصلی یہ نہ ہوتی کہ انسان تحصیل فضائل کی جدوجہد کرے اور اگر آزادی آپ کے نزدیک ایک مقدس حق نہ

ہوتا تو آپ حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں کی اس طرح ہرگز مدح و ستائش نہ کرتے جس طرح آپ نے پیروان محمد مصطفےٰؐ کی مدح و ستائش کی گذشتہ صفحات میں ہم علیؑ اور اس نصرانی کا جس نے علیؑ کی زرہ چرائی تھی اور دعویٰ کیا تھا کہ میں نے اس کو خریدا ہے۔ واقعہ ذکر کر چکے ہیں کہ کس طرح حضرت علیؑ نے اس کے ساتھ اپنے ایسے انسان جیسا برتاؤ کیا بلکہ وہ سلوک جو باپ بیٹے کے ساتھ کرتا ہے اور کس طرح آپ نے اس کا مقدمہ شریح کی عدالت میں دائر کیا اور کیا انجام ہوا اور کس طرح نصرانی امام کے مخلص فدائیوں میں داخل ہوا اور آپ کی نصرت دیاری میں کتنی سرگرمی اس نے دکھلائی۔ عراق و حجاز میں اکثر ایسا ہوا کہ کسی مسلمان نے کسی عیسائی کو زبردستی مسلمان بنانا چاہا اس پر ظلم و زیادتی کی لوگوں نے دیکھا کہ حضرت علی سبز رنگ کا عمامہ پہنے کھلے لفظوں میں صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے مدینہ کی مسجد میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر فرمایا:۔

من اذی انجیلیا فقد اذانی — جس نے کسی عیسائی کو اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی

عرب کی تاریخ فخر کرتی ہے، علی کے اس فقرہ پر جو اُس کے صفحات کی زینت اور مایۂ صد افتخار ہیں کہ:۔

لوثنیت لی وسادة فجلست علیها لحکمت فی اهل التوراة بتوراتهم وفی اهل الانجیل بانجیلهم وفی اهل القرآن بقرآنهم حتی ترکت کل کتاب ینطق من نفسه لقد صدق علی۔

اگر میرے لئے مسند بچھا دی جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو میں اہل تورات کے مقدمات کا فیصلہ ان کی کتاب تورات سے اہل انجیل کا فیصلہ اُن کی انجیل سے اور اہل قرآن کا فیصلہ ان کے قرآن سے کروں اس طرح کہ ہر کتاب پکار اُٹھے کہ سچ کہا علیؑ نے۔

حضرت علیؑ معقل بن قیس کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اتق الله یا معقل ما استطعت لا تبغ علی اهل القبلة ولا تظلم اهل الذمة ولا تتکبر فان الله لا یحب المتکبرین۔

معقل جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو، مسلمانوں پر زیادتی اور کافروں پر ظلم نہ کرنا اور تکبر نہ کرنا کہ خداوند عالم تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

لاحظہ فرمائیے علی ابن ابی طالب تقوائے الہٰی کی تعریف ہی یہ قرار دے رہے ہیں کہ انسان اپنے بھائی انسان پر ظلم نہ کرے نہ کم یا زیادہ زیادتی کرے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ علی مسلمان اور غیر مسلم دونوں کو ایک ہی درجہ میں قرار دے رہے ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں نہ کسی ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز و تفوق حاصل ہے۔

مسلم و غیر مسلم کے درمیان یہی مساوات و برابری علیؑ کے ہر حکم میں نظر آتی ہے۔ جس حکم کو بھی دیکھیں۔ دیگر اسلامی

فضیلتوں سے متصف ہونے کے بہ نسبت عوام الناس کو ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھنا علیؑ کے نزدیک زیادہ ضروری و لازم تھا ارشاد فرماتے ہیں۔

"ولو سلکتم الحق .... واضاء لکم الاسلام لما ظلم منکم مسلم ولا معاهد۔

اگر تم لوگ راہِ حق اختیار کرو اور اسلام تم پر اچھی طرح واضح و روشن ہو جائے تو تم میں سے نہ کسی مسلمان پر ظلم ہو اور نہ کسی کافر ذمی پر۔

آپ نے مسلمانوں کو سخت سرزنش کی تھی اس بات پر کہ جب معاویہ کے افسر فوج سفیان بن عوف اسدی نے شہر انبار پر غارت گری کی اور وہاں کے باشندوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے تو انہوں نے حق کی مدد نہ کی نہ ظلم دور کرنے کی کوشش کی آپ نے سلسلۂ تقریر میں فرمایا۔

"لقد بلغنی ان الرجل منهم کان یدخل علی المراۃ المسلمة والاخری المعاهدة فینتزع حجلها.... فلوان امرأ مسلما مات من بعد هذا اسفا ما کان به ملوما"

مجھے تو اطلاعات ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھر میں گھس جاتا تھا اور ان کے پیروں سے کڑے ہاتھوں سے کنگن اور گلوبند اور گوشوارے اتار لیتا تھا اور ان کے پاس اس سے حفاظت کا کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا سوائے اس کے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہوئے صبر سے کام لیں..... ... اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج و ملال سے مر جائے تو اُسے ملامت نہیں کی جاسکتی بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیے۔

حضرت علی نے یہ زجر و توبیخ اور ملامت و سرزنش اس وجہ سے کی کہ ان لوگوں نے شہر کے رہنے والے اپنے بھائی اور بہنوں سے ظلم کو دور نہیں کیا خواہ وہ مسلمان رہے ہوں یا کافر ذمی۔

آپ نے جب محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا تو انہیں ہدایت کی کہ:۔

اوصیک بالعدل علی اهل الذمة وبالانصاف للمظلوم وبالشدة علی الظالم وبالعفو عن الناس والاحسان ما استطعت ولیکن القریب والبعید عندک فی الحق سواء۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ کفار ذمی سے عدل کرنا مظلوم سے انصاف کرنا ظالم پر سختی کرنا لوگوں سے حتی الامکان درگذر اور اُن پر احسان کرنا اور چاہیے کہ حق میں قریب و بعید دونوں تمہارے نزدیک برابر ہوں۔"

آپ نے نصارائے نجران کو جو عہد نامہ لکھا تھا اس میں آپ کا یہ فقرہ بھی تھا۔

"..... لا یضاموا ولا یظلموا ولا ینقص حق من حقوقهم۔

نہ اُن پر کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی ظلم ہوگا نہ اُن کے حقوق میں سے کوئی حق کم کیا جائے گا۔

آپ نے نصرانی شخص کی دیت بھی وہی قرار دی تھی جو مسلمان کی دیت ہوتی ہے۔

علیؑ کے نزدیک ہر انسان کی عزت تھی، یہی وجہ تھی کہ باوجودیکہ گذشتہ زمانہ کے ہر دین و مذہب کے غبی و جاہل افراد میں بلا کا تعصب، ہوا کرتا ہر مذہب کے نادان افراد دوسرے مذہب والوں سے نفرت کیا کرتے تھے لیکن علی اپنی اسی انصاف پسندی اور عدل گستری کی بنا پر اپنے زمانہ میں بھی اور اپنے زمانہ کے بعد بھی بامعرفت عیسائیوں کے انتہائی محبوب رہے سبھی آپ کا دم بھرتے اور آپ کا کلمہ پڑھتے تھے علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔

ما اقول فی رجل تحبه اهل الذمة علی تکذیبهم بالنبوة۔

میں اُس شخص (علیؑ) کے متعلق کیا کہوں جسے کفار ذمی جی جان سے چاہتے تھے حالانکہ وہ نبوت کے منکر تھے۔

غیر مسلموں کے ساتھ علیؑ نے اپنے سلوک و برتاؤ کی بنیاد ہی اس پر رکھی تھی کہ

اموالهم کاموالنا ودمائهم کدمائنا۔

اُن کے اموال ہمارے اموال جیسے ہیں اور اُن کی جانیں ہماری جانیں جیسی۔

ان مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؑ کی نگاہوں میں مذہبی تعصب انتہائی مذموم و قبیح تھا وہ حریت و آزادی جس کے آپ وسیع معنوں میں قائل تھے اور جسے آپ وسیع پیمانے سے ناپتے تھے۔ تعصب کے بالکل منافی تھی جب ہم اس سلوک اور برتاؤ پر نظر کرتے ہیں جو علی غیر مسلموں سے کرتے تھے اور اس سلوک کا مقابلہ اس سلوک سے کرتے ہیں جو قرون وسطی کے یورپین مذہبی پیشوا کرتے تھے خصوصیت سے وہ مذہبی پیشوا جو محکمہ تفتیش کے ذمہ دار تھے پھر ہم علیؑ کے عفو و رحم چشم پوشی و درگذر کا ان یورپین مذہبی پیشواؤں کی سختی و تشدد سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ علیؑ کتنے بلند تھے اور وہ لوگ کتنے پست تھے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ علی کا ایمان انسانیت و آزادی اور حریت و اختیار کی جڑوں سے پھوٹا تھا اور اس نظریہ و عقیدہ کے مطابق تھا جو علیؑ زندگی و حیات کے متعلق رکھتے تھے۔ علی کے ایمان کی بنیاد حریت و آزادی پر تھی اور وہ آزادی کو محترم سمجھتے تھے جب کہ یورپ کے مذہبی پیشواؤں کے ایمان کی بنیاد عادت اور باپ دادا کی تقلید پر قائم تھی آزادی و حریت کو کوئی دخل نہ تھا۔

ہم آج کے دن مذہبی تعصب کے خلاف برسرپیکار ہیں، اُسے قبیح و مذموم سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مذہبی تعصب دیگر تعصبات کے مقابلہ میں اتنا خطرناک نہیں بہت سے لوگ آپ کو ایسے ملیں گے جن میں مذہبی تعصب تو بالکل نہیں لیکن وہ اس مذہبی عصبیت سے بھی زیادہ مذموم و خطرناک تعصب کے حامل ہیں، جیسے رنگ و نسل کا تعصب، قومیت کا تعصب، سیاسی عقائد کا تعصب، مذہبی تعصب میں تو عفو و درگذر ممکن بھی ہے لیکن ان دوسرے تعصبات میں عفو و درگذر کی گنجائش نہیں، ان تعصبات کی بنیاد خودستائی، جاہ، لذت اور منفعت پرستی پر ہے اس قسم کا تعصب رکھنے والے کہتے ہیں کہ فقط ہمارا نظریہ صحیح

ہے۔ ہم نے جو کچھ سمجھا اور جانا ہے وہی حق ہے اور انسان اور زندگی کے متعلق ہماری رائے ناقابلِ تردید ہے وہ کسی کی بھی رائے کو اپنی رائے کے برابر نہیں سمجھتے۔

جب سے انسان کے قدم زمین پر آئے اور یہ دنیا آباد ہوئی تب ہی سے ہر قسم کا تعصب انسان کی فطرت و سرشت میں داخل رہا کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جب کہ انسان نے اس تعصب کے مظاہرے نہ کئے ہوں اس بزرگ ترین رہنمائے عالم علی ابن ابی طالب نے صرف مذہبی تعصب ہی سے جنگ نہیں کی بلکہ ہر قسم کے تعصب سے جنگ کی آپ مالی اور نسلی تعصب کو بغاوت و فساد اور دل کش، دل آویز زندگی کے چہرے کو جھلس دینے کے مترادف سمجھتے تھے۔

باپ دادا پر فخر کرنا بھی آپ کے نزدیک ایک قسم کا تعصب تھا آپ نے اس کی شدید مخالفت کی۔ دیکھیے آپ اپنے زمانہ کے صاحبان عصبیت کو کن لفظوں سے خطاب کرتے ہیں۔

الا وقد امعنتم فی البغی و افسدتم فی الارض! فالله الله فی کبر الحمیة، وفخر الجاهلیة فانه ملاقح الشنآن و منافخ الشیطان التی خدع بها الامم الماضیة والقرون الخالیة الا فالحذر الحذر من طاعة ساداتکم و کبرائکم الذین تکبروا عن حسبهم و ترفعوا فوق نسبهم و جاهدوا الله علی ما صنع فانهم قواعد اساس العصبیة و دعائم ارکان الفتنة!"

دیکھو تم نے اللہ سے کھلم کھلا دشمنی پر اتر کر ظلم و تعدی کی انتہا کر دی اور زمین میں فساد برپا کر دیا۔ تم زمانۂ جاہلیت والی خود بینی کی بنا پر فخر و غرور کرنے سے اللہ کا خوف کھاؤ کیونکہ یہ دشمنی و عناد کا سرچشمہ اور شیطان کی فسوں کاری کا مرکز ہے جس سے اس نے گذشتہ اُمتوں اور پہلی قوموں کو ورغلایا۔

دیکھو اپنے سرداروں اور بڑوں کا اتباع کرنے سے ڈرو جو اپنی جاہ و حشمت پر اکڑتے اور اپنے نسب کی بلندیوں پر غرہ کرتے ہیں (یعنی جنہوں نے اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھا اور اُن سے تعصب رکھا) اور اس کی قضا و قدر سے ٹکر لینے اور اُس کی نعمتوں پر غلبہ پانے کے لئے اُس کے احسانات سے یکسر انکار کر دیا۔ یہی لوگ تو عصبیت کی گہری بنیاد و فتنہ کے ایوان کے ستون ہیں۔"

آپ نے پہلے تو خاندانی و نسلی تعصب کو بغاوت اور زندگی کے چہرے کو بگاڑنے سے تعبیر کیا پھر اپنے اس نظریہ میں مزید وسعت و عمومیت پیدا کرتے ہوئے ہر قسم کے تعصب کو خواہ وہ لونی یا نسلی تعصب ہو یا سیاسی و مذہبی یا کسی بھی قسم کا تعصب ہو سبھی کو آپ نے بغاوت و فساد اور فتنہ انگیزی کے مترادف قرار دیا اور ایسا کلیہ قائم کر دیا کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائے گا اُس کی صداقت اور مسلم ہوتی جائے گی۔ فرماتے ہیں:۔

ولقد نظرت فما وجدت احدا من العالمین یتعصب لشئ من الاشیاء الا عن علة تحتمل

تموية الجهلاء او حجة تليط لعقول السفهاء"
میں نے نگاہ دوڑائی تو دنیا بھر میں ایک فرد کو بھی ایسا نہ پایا کہ کسی چیز کی پاسداری کرتا ہو مگر یہ کہ اُس کی نظروں میں اس کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے کہ جو جاہلوں کے اشتباہ کا باعث بن جاتی ہے یا کوئی ایسی دلیل ہوتی ہے جو بیوقوفوں کی عقلوں سے چپک جاتی ہے "

تعصّب کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اور جتنی توضیحات و تشریحات اس کی کی گئی ہیں، سب کو دیکھا جائے۔ علی ابن ابی طالبؑ جو کچھ کہہ گئے ہیں اس سے زیادہ کسی نے نہیں کہا ہوگا۔ تعصّب کرنے والے یا تو جہالت کی بنا پر تعصب کرتے ہیں یا سفاہت و نادانی کی بنا پر اور یہ دونوں چیزیں جہل بھی اور سفاہت و نادانی بھی زندگی کے خلاف بغاوت و فساد کی حامل ہیں اور اسی کی علیؑ نے اپنے مذکورہ بالا دونوں اقوال میں تصویر کشی کی ہے۔

غرضیکہ ہر قسم کا تعصّب علی ابن ابی طالبؑ کے نزدیک مذموم و قبیح ہے ہاں اگر تعصّب و پاسداری ہی کرنی ہے تو فضیلت و عدالت اور حقوق عامہ کی پاسداری کرنی چاہیے، مظلوم لوگوں کی جانبداری کرنی چاہیے ان ظالموں کے خلاف۔ جو ان کی کمائی لوٹ لیتے ہیں اور ان کے حقوق ہتھیا لیتے ہیں، پامردی، صدق و راستی سلامتی ضمیر کی جانبداری کرنی چاہیے آزادی و احترام بنی نوع انسان کے لئے تعصب کرنا چاہیے۔ لوگوں کی دادخواہی، متعصب افراد کی ایذا رسانی سے ان کو بچانے کے لئے تعصب کرنا چاہیئے۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:۔

فان كان لا بد من العصبية فليكن تعصبكم لمكارم الخصال و محاسن الامور والاخلاق الرغيبة والاحلام العظيمة والاثار المحمودة والاخذ بالفضل والكف عن البغي والانصاف للخلق واجتناب المفاسد فى الارض "

اگر تمہیں تعصب و جانبداری ہی کرنا ہے تو پاکیزگی اخلاق، حسن سیرت، قابل ستائش خصلتوں کی طرفداری کرنا چاہیے جیسے ہمسایوں کے حقوق کی حفاظت کرنا، عہد و پیمان کو نبھانا نیکیوں کی اطاعت سرکشوں کی مخالفت کرنا حسن سلوک کا پابند اور ظلم و تعدی سے کنارہ کش رہنا خون ریزی سے پناہ مانگنا خلق خدا سے عدل و انصاف برتنا زمین میں شرانگیزی نہ کرنا۔

تعصّب سے آپ کو کتنی بیزاری تھی اس کا اندازہ آپ کی اس وصیت سے ہو سکتا ہے جو آپ نے خوارج کے متعلق فرمائی۔ باوجودیکہ یہ خوارج آپ کے دشمن تھے انہوں نے آپ سے اپنی پوری طاقت سے جنگ کی لیکن آپ فرماتے ہیں:۔

" لا تقاتلوا الخوارج من بعدی فليس من طلب الحق فاخطاه

كمن طلب الباطل فادركه۔

میرے بعد خوارج سے جنگ نہ کرنا اس لئے کہ وہ شخص جو حق کا طلب گار ہو، اور بھٹک جائے اُس شخص جیسا نہیں جو باطل کو طلب کرے اور اُسے پا بھی لے۔

امیر المومنین ؑ نے لوگوں کو ذہن نشین کرایا کہ چونکہ ان کے افکار و عقائد میں غلطی ممکن ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ اپنے نظریہ وعقیدہ کی پاسداری نہ کریں نہ دوسروں کو اپنے نظریات ماننے پر مجبور کریں آپ نے اُن سے فرمایا کہ رائے مشورہ سے گریز کرنا اور حق بات قبول کرنے میں تامل نہ کرنا۔

جنگ و صلح

جھوٹا دعوےٰ کرنے والا ہلاک ہوا افترا پردازی کرنے والا ناکام رہا۔

جس نے ظلم و جور کر کے فتحیابی حاصل کی حقیقتاً وہ ناکام رہا۔

بدترین دشمنی بندگانِ خدا کے ساتھ دشمنی ہے۔

صلح کے دنوں میں شہر میں امن وامان رہتا ہے اور باشندگانِ شہر بے خوف وہراس ہوتے ہیں۔

اپنے کئے ہوئے معاہدوں کے پابند رہو۔ پیمان شکنی کے مرتکب نہ ہونا

حق خون بہا کر اپنی حکومت کو مضبوط نہ کرو۔

یہ جتنے حقوق بیان کئے گئے ان کے علاوہ لوگوں کے ایک دوسرے پر اور بھی بہت سے حقوق ہیں، سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ آپس میں محبت والفت کا رشتہ مضبوط کیا جائے۔ یہ رشتہ محبت افراد کے درمیان بھی قائم ہو، قبائل کے درمیان بھی، اور ملکوں کے عوام کے درمیان بھی کیونکہ سب بھائی بھائی ہیں ایک باپ کی اولاد ہیں، ان کی اصل ایک ہے راستے مشترک ہیں اور اغراض ومقاصد بھی جداگانہ نہیں۔

حریت وآزادی، خوشحالی و فارغ البالی، مقررہ قوانین، جدید کوششیں غرضکہ تمام وہ چیزیں جو بنی نوع انسان سے تعلق رکھتی ہیں بے معنی وفضول ہیں۔ نظروں میں اُن کی کوئی قیمت نہیں اس جنگ وپیکار اور کشت وخون کی موجودگی میں جو انسان کو نیست ونابود کر دے انسان ہی کے لئے یہ ساری چیزیں ہیں اور جب اُسی کی جان کو امان نہیں تو پھر ان چیزوں کی وقعت ہی کیا ؟۔

ہر وہ قول وفعل جو انسان کو خدمت کی دعوت تو دے لیکن صلح کی دعوت نہ دے وہ جھوٹا قول اور مذموم عادت ہے ہر وہ عمل جو زندگی کی خدمت کا تو مدعی ہو مگر زندوں کو موت کی طرف دھکیل دے گھوڑے کی ٹاپوں اور تلوار کی آنچ میں جھونک دے وہ کھوٹا عمل اور بے نتیجہ کام ہے۔

انسان اور اس کی زندگی کی بہتری کے تمام تصورات بیکار ہیں جب تک وہ انسان، انسان ہیں بھائی چارے کے محرک نہ ہوں۔

وہ قول و عمل اور انسان کی بہتری کے تصورات اس وقت کتنے مضحکہ خیز معلوم ہوتے ہیں جب کہ نہریں خون کی ندیاں بن جاتی ہیں باغ ویران ہو جاتے ہیں اور محلوں میں اُلّو بولنے لگتے ہیں۔

یہ قول و عمل اور انسان کی بہتری کے تصورات اس گھڑی کتنے عاجز نظر آتے ہیں جب انسان خشک گھاس کے مانند لڑائی کے منہ میں جھونک دیا جائے۔ انسان کا نام و نشان باقی نہ رہے زندگی کی خوبصورتی اس کی تمنائیں خاک میں مل جائیں۔

جب لڑائی ہلاکت و بربادی کا باعث ہے تو صلح اس ہلاکت و بربادی سے نجات کا واحد ذریعہ ہے یہ وہ غرض و غایت ہے جو بہت سی غایتوں تک پہنچانے والی ہے۔ صلح کے دنوں ہی میں ممکن ہے کہ فرزندانِ آدم اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں سے کام لے سکیں اپنی مشترکہ کوششوں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں تاکہ وہ آرزوئیں پوری ہوں جو سب کی مشترکہ آرزوئیں ہیں۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ جن کے اصول و طریقے ہر میدان پر اس طرح حاوی ہیں جس طرح ایک جڑ سے نکلی ہوئی بہت سی شاخیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ صلح انسان اور زندگی کے گرداگرد بلند و بالا چہار دیواری ہے جو دونوں کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھتی ہے۔

علی ابن ابی طالب لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

ان اللہ لم یخلقکم عبثا — خداوند عالم نے تمہیں فضول و بیکار نہیں پیدا کیا

علی کے خیال میں کس لئے خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا اس کا خود جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

ان اللہ خلقکم حرماً فی ارضہ امنا بین خلقہ ..... جمع الفتکم فنشرت النعمۃ علیکم جناح کرامتھا و اسالت لکم جداول نعیمھا۔

خداوند عالم نے تمہیں اپنی زمین میں محترم اور اپنی مخلوقات کے درمیان محفوظ و مامون پیدا کیا نعمتوں نے تم پر اپنی مہربانیوں کے پر پھیلا دیئے ہیں اور اپنی آسائشوں کی نہریں تمہارے لئے بہائی ہیں"

تو اُلفت و محبت علی ابن ابی طالب کے نزدیک بنی نوع انسان کے لئے بزرگترین نعمت ہے۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وعقد اللہ بینھم حبل الالفۃ التی ینتقلون فی ظلھا و یاوون الی کنفھا بنعمۃ لا یعرف احد من المخلوقین لھا قیمۃ لانھا ارجح من کل ثمن و اجل من کل خطر۔

خداوند عالم نے انسانوں کے درمیان محبت والفت کا رشتہ مضبوط کیا، وہ محبت جس کے سایہ میں لوگ چلتے پھرتے اور جس کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں۔ یہ محبت وہ نعمت ہے جس کی قیمت سے کوئی آگاہ نہیں کیونکہ اس کی جو بھی قیمت لگائی جاوے یہ اس سے مہنگی ہی ہوگی اور ہر عظیم چیز سے عظیم تر ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہر شخص دوسرے کے ساتھ دوستی و محبت کرے تاکہ صلح و آشتی برقرار رہے۔ کیوں کہ صلح و آشتی کے دنوں میں شہر میں اطمینان کی فضا رہتی ہے لوگ بے خوف و ہراس ہوتے ہیں۔ جنگ سے پرہیز کرے۔ اس لئے کہ جنگ ظلم ہے اور بندگانِ خدا پر ظلم انتہائی مذموم و قبیح ہے۔ جنگ کا نتیجہ خواہ فتحیابی ہو یا پسپائی۔ دونوں صورتوں میں یہ جنگ نقصان ہی نقصان اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔ یہ جنگ ایک تباہی و بربادی ہے جیتنے والے کے لئے بھی، اور ہارنے والے کے لئے بھی۔ جنگ میں عزّت انسانی خاک میں مل جاتی ہے۔ جیتنے والا عقل و ضمیر کا مخالف محبت کا دشمن اور انسانی زندگی کو بے قیمت سمجھنے والا ٹھہرتا ہے اور ہارنے والا ذلیل و خوار بھی ہوتا ہے اور اس کی جان و مال بھی تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں :۔

الغالب بالشر مغلوب — جو شخص بدی کے ذریعہ فتحیاب ہو حقیقتہً وہ مغلوب ہے

جنگ و خون ریزی سے بڑھ کر کوئی چیز بری نہیں۔

حضرت علی نے غارت گری و تاراجی کو جو اسلام سے پہلے جاہلی قبائل میں مقدمۂ جنگ تھیں انتہائی ہولناک و مذموم افعال میں شمار کیا ہے۔ غارت گری لوٹ مار بتوں کی پرستش، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا حضرت علیؑ کی نظروں میں ایک ہی جیسے قبیح افعال تھے ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ اپنی قدر و قیمت سے آگاہ ہے اور نہ زندگی کی قدر و قیمت سے آگاہ اس سے بڑھ کر جہالت اور کیا ہو سکتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں :۔

ماطباق جھل من بنات مؤدودۃ واصنام معبودۃ وغارات مشنونۃ

وہ جہالت کی گہرائیوں تک پہنچے ہوئے تھے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے بتوں کی پرستش کرتے اور ایک دوسرے پر غارت گری کیا کرتے۔

لڑائی سے اتنی آپ کو نفرت و بیزاری تھی کہ آپ سخت سے سخت دقتوں میں بھی اس لڑائی سے منع کرتے یعنی اس کی بھی اجازت نہ دیتے کہ کوئی دعوت مبارزت دے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

ولا تدعون الی مبارزۃ — دعوت نبرد ہرگز نہ دو۔

علیؑ کی سیرت اور اُن کی زندگی کا جائزہ لینے پر یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہ لوگوں کی بہت سی خصلتوں کی مذمّت کرتے اور دنیا کی بہت سی چیزوں کو مذموم سمجھتے۔ خصلتوں میں سب سے پہلے آپ فتنہ کی طرف مائل ہونے

کشت وخون کی رغبت رکھنے کی مذمت کرتے اور دنیا کی مذموم چیزوں میں جنگ سے بڑھ کر آپ کے نزدیک کوئی چیز مذموم وقبیح نہ تھی آپ کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ۔

فانها دار الحرب وسلب و نهب — یہ دنیا گھر ہے لڑائی لوٹ مار اور قتل وغارتگری کا

لڑائی حق کو اتنا ہی ضائع و برباد کرنے والی ہے جتنی باطل کے لئے وجہ امان اور جائے پناہ ہے، حق ہی کے ذریعہ انسان بلند ہوتا ہے معاشرہ اور سماج استوار ہوتا ہے اور دنیا نیک بخت ہوتی ہے۔ باطل ذلتوں اور رسوائیوں کا مجموعہ ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جنگ سے بُری کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ تمام بیہودگیوں کا گہوارہ ہے کیونکہ جنگ کے دنوں میں اشتباہی کیفیت ہوتی ہے یعنی باطل سر بلند ہوتا ہے اور حق کی آواز پست ہو جاتی ہے اور جب کہ صلح عین حق ہے تو جو شخص حق سے تجاوز کرے گا گم کردہ راہ ہو جائے گا۔

یہ تھی بنیاد اس عقیدہ ونظریہ کی جو علی لڑائی کے متعلق رکھتے تھے یہ کوئی تعجب خیز بھی نہیں کیونکہ ان کے نزدیک آزادی کا جو تصور تھا حریت کے متعلق وہ جو نظریہ رکھتے تھے۔ عام انسانوں پر انہیں جو وثوق واعتماد تھا زندگی اور زندوں کی ان کے دل میں جو حرمت تھی ان سبھی چیزوں کے مطابق ہے اسی لئے وہ بعض اوقات اپنے ساتھیوں کو فتنہ سے روکنے اور صلح کی طرف مائل کرنے کے لئے فرماتے۔

وحسب عدوكم خروجهم من الهدى الى الضلال۔

تمہارے دشمنوں کے لئے یہی خرابی بہت ہے کہ وہ ہدایت سے نکل کر گمراہی میں جا پڑے ہیں۔

اسی لئے آپ خطا کار اور زیادتی کرنے والے کو اپنی حرکتوں پر ندامت وافسوس ظاہر کرنے کا حکم دیتے تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور جس پر زیادتی ہوتی اس سے کہتے کہ تم زیادتی کرنے والے کی معذرت وندامت قبول کر لو چاہے اس کی خطا کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو فرماتے ہیں۔

اقبل عذر من اعتذر اليك — جو شخص تم سے معذرت کرے اس کی معذرت کو قبول کرو۔

وقاتل هواك بعقلك تسلم لك المودة

اپنی عقل کے ذریعہ اپنی ہوا وہوس سے جنگ کرو اس طرح تمہارے لئے محبت لوگوں کے دل میں باقی رہے گی۔

اسی لئے آپ اپنے پیروؤں کے لئے سب سے اچھی صفت یہ قرار دیتے تھے کہ وہ صلح کے خواہش مند لڑائی سے بیزار اور اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی عافیت کے طلب گار ہوں شیعوں کو کیسا ہونا چاہیے اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

شيعتنا ان غضبوا لم يظلموا، بركة على من جاوروا وسلم لمن خالطوا"

ہمارے پیر وجب غضبناک ہوتے ہیں تو ظلم نہیں کرتے اپنے پڑوسیوں کے لئے برکت اور میل جول والوں کے لئے وجہ سلامتی ہوتے ہیں۔

لیکن جنگ سے اس انتہائی نفرت اور صلح کی طرف غیر معمولی رجحان کے معنی یہ نہ تھے کہ علی کسی موقع پر جھک جاتے ہاری مان لیتے جنگ سے نفرت اور صلح کی طرف میلان کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کی جائے اور مفسدین کو آزاد چھوڑ دیا جائے کیوں کہ لڑائی بذاتِ خود ناپسندیدہ چیز نہیں بلکہ اپنی اذیت ناکیوں اور تباہ کاریوں کی وجہ سے بری ہے اور صلح بذاتِ خود اچھی چیز نہیں بلکہ اس لئے اچھی ہے کہ وہ لوگوں کو امن و اطمینان بخشتی ہے، معاشرہ کو بہتر بنانے کی مہلت دیتی اور زندوں کے سامنے زندگی کی راہیں کشادہ کرتی ہے۔

غرضیکہ جنگ ہو یا صلح کوئی بھی ان میں نہ ذاتی حیثیت سے اچھی ہے نہ ذاتی حیثیت سے بری اُن کی اچھائی یا برائی جو کچھ ہے وہ دوسروں کے لحاظ سے اگر جنگ و صلح ذاتی حیثیت سے کوئی قیمت رکھتی ہوتیں تو وہ انقلابی کوششیں جو دنیا کی مظلوم قوموں نے ظالم و جابر سلاطین اور استعمار پسندوں کے خلاف کیں وہ شر اور گناہ ہوتیں اور اُن ظالم بادشاہوں کی اطاعت و فرمانبرداری خیر و برکت ہوتی لیکن واقعاً ایسا نہیں اصل چیز عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی بھلائی ہے اگر عزت و آبرو سے زندگی گذر رہی ہو آرام اور چین میسر ہو تو عوام کے لئے صلح بہتر ہے اور اگر زندگی مصیبت و کلفت کی زندگی ہو، نکبت و بدحالی کی زندگی ہو اُن کے حقوق لٹ رہے ہوں وہ ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں تو ایسی صورت میں لڑائی نعمت ہے اُس وقت تک جب تک کہ حقیقی صلح کی ایسی فضا پیدا نہ ہو جائے جو انسانی شرافت کی بنیادوں پر قائم ہو جس میں نہ ذلت و بیچارگی ہو نہ ظلم و جور کی اطاعت و فرمانبرداری یہی چیز علی ابن ابی طالبؑ کے پیش نظر تھی علی جس جنگ کو ناپسند کرتے تھے وہ ابوسفیان و ابولہب کی جنگ تھی محمد مصطفیٰ کے خلاف نہ کہ محمد مصطفیٰ کی جنگ ابوسفیان و ابولہب کے خلاف۔ علیؑ اس جنگ کو ناپسند کرتے تھے جو ظالم و فاسق غازیوں نے اہل خیر و طالبانِ حق کے خلاف لڑی اس جنگ کو ناپسند نہیں کرتے تھے جو اہل خیر و طالبان حق نے ان فاسطین و منافقین سے لڑی۔

علیؑ چاہتے تھے کہ تم چنگیز خاں ہلاکو اور ہٹلر و مسولینی نہ بنو لیکن علیؑ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ تم ان لوگوں کی طرح ہو جنہیں چنگیز و ہلاکو اور ہٹلر و مسولینی نے غلام بنا لیا تھا۔

اگر جنگ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے چھنے ہوئے حق کو حاصل کرنے لوٹے ہوئے حق کو واپس کرنے تاراج شدہ عزت و آبرو کو بحال کرنے کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں یہ تو سماجی و معاشرتی ضرورت ہے اور انسانیت کا تقاضا ہے۔ بس شرط یہی ہے کہ پہلے صلح و مصالحت کی تمام کوششیں آزمائی جائیں۔

صفین میں حضرت کے اصحاب نے جب اذن جہاد دینے میں تاخیر پر بے چینی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا:۔

اما قولکم اکلّ ذالك کراهیة الموت فواللہ ما ابالی ادخلت الی الموت او خرج الموت الیّ ۔ واما قولکم اشکا فی اهل الشام فوا للہ ما دفعت الحرب یومًا الا و انا اطمع ان تلحق بی طائفة فتهتدی بی وتعشوالی ضوئی وذالك احب الیّ من ان اقاتلها علی ضلا لها وان کانت تبوء باثامها ؏

تم لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ پس و پیش کیا اس لئے ہے کہ میں موت کو ناگوار جانتا ہوں اور اس سے بھاگتا ہوں تو خدا کی قسم مجھے ذرا پروا نہیں کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف بڑھے اور اس طرح تم لوگوں کا یہ کہنا کہ کیا مجھے اہل شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ شبہ ہے تو خدا کی قسم میں نے جنگ کو ایک دن کے لئے بھی التوا میں نہیں ڈالا مگر اس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آکر مل جائے اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چندھائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں انہیں قتل کر دینے سے کہیں زیادہ پسند ہے اگرچہ اپنے گناہوں کے ذمّہ دار بہر حال یہ خود ہوں گے۔

دوسری شرط جنگ کی یہ ہے کہ جنگ سے غرض محض فتحیابی حاصل کرنا نہ ہو نیز یہ کہ جیتنے والا انتقام کی آگ نہ بجھا دے حریف کو عذاب نہ دے، تکلیف نہ پہنچائے، قیدیوں اور جنگ میں تباہ ہونے والوں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے، بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرے، نہ بوڑھوں عورتوں اور بچوں کے درپے ایذا ہو اگر لڑائی لڑنے والا اپنے کو حق پر سمجھتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ میں یہ جنگ حق کے لئے لڑ رہا ہوں اور میرا حریف ظالم ہے اس سے بدلہ لینا ضروری ہے تو بس اُسے اتنے ہی پر اکتفا کرنا چاہیے کہ حق کو اس کی جگہ بٹھا دے اگر تھوڑی سی لڑائی سے یہ مقصد حاصل ہو جائے تو فوراً ہاتھ روک لینا ہوگا۔ امیر المومنین کی تمام لڑائیوں کا بنیادی دستور یہ تھا کہ اس وقت تک خون ریزی سے ہاتھ آلودہ نہ کرنا چاہیے جب تک اُس کی شدید ضرورت نہ ہو لڑائی کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے۔ امیر المومنینؑ دشمن کو سمجھانے بجھانے نصیحت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے آپ کا مقولہ ہی یہ تھا۔

وایم اللہ لانصفن للمظلوم ولانصحن الظالم — قسم بخدا میں مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظالم کو نصیحت ضرور کروں گا

جب سمجھانے بجھانے اور صلح و مصالحت کی ترغیب سے کام نہ چلتا تب آپ ڈرانے دھمکانے سے کام نکالتے۔ اس لئے کہ اصل غرض یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے ایک قطرۂ خون بہنے نہ پائے۔ اہل نہروان کو آپ دھمکاتے ہوئے فرماتے ہیں،

فانا نذیرکم ان تصبحوا صرعی باثناء هذا النهر وباهضام هذا الغائط علی غیر بیّنة من ربکم ولا سلطان مبین معکم قد طوحت بکم الدار واحتبلکم المقدار وقد کنت نهیتکم عن هذه الحکومة فابیتم علی اباء المخالفین المنابذین حتی صرفت رائی الی هواکم وانتم معاشر اخفاء الهام سفهاء الاحلام ولم ات لا ابالکم بجرا ارادت لکم ضرًا ۔

"میں تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ تم لوگ نہر کے موڑوں اور اس کے نشیب کی ہموار زمینوں پر قتل ہو ہو کر گرے ہوئے ہو گے اس عالم میں کہ نہ تمہارے پاس اللہ کے سامنے (عذر کرنے کے لئے) کوئی واضح دلیل ہوگی نہ کوئی روشن ثبوت اس طرح کہ تم اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے اور پھر قضائے الٰہی نے تمہیں اپنے پھندوں میں جکڑ لیا میں نے تو تمہیں پہلے ہی اس تحکیم سے روکا تھا لیکن تم نے میرا حکم ماننے سے مخالف، پیمان شکنوں کی طرح انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ مجبوراً مجھے بھی اپنی رائے کو اُدھر موڑنا پڑا جو تم چاہتے تھے تم ایک ایسا گروہ ہو جس کے افراد کے سر عقلوں سے خالی اور فہم و دانش سے عاری ہیں، خدا تمہارا بُرا کرے میں نے تمہیں نہ کسی مصیبت میں پھنسایا ہے نہ تمہارا بُرا چاہا ہے۔"

پھر حضرت کی یہ حیرت انگیز دُعا ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ حضرت اخلاق کی کتنی بلند منزل پر فائز تھے اور خون کے پیاسے دشمنوں کے لئے بھی آپ کے دل میں کتنا درد تھا۔ جب صفین میں دشمن کی فوجیں جنگ پر تل گئیں اور صلح کی تمام کوششیں بیکار ہو گئیں تو آپ نے خداوند عالم سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا۔

اللّٰھمّ رب ھذہ الارض التی جعلتھا قراراً للانام ومدرجاً للھوام والانعام، ومما لا یحصی مما یریٰ ومما لا یریٰ ورب الجبال الرواسی الّتی جعلتھا للارض اوتاداً وللخلق اعتماداً ان اظھرتنا علی عدونا فجنّبنا البغی وسددنا بالحق وان اظھرتھم علینا فارزقنا الشھادۃ واعصمنا من الفتنۃ۔

بارالہا۔ اے اس زمین کے پروردگار جسے تو نے انسانوں کی قیامگاہ اور حشرات الارض اور چوپایوں اور لاتعداد دیکھی اور ان دیکھی مخلوق کے چلنے پھرنے کا مقام قرار دیا ہے اے مضبوط پہاڑوں کے پروردگار جنہیں تو نے زمین کے لئے میخ اور مخلوقات کے لئے (زندگی کا) سہارا بنایا ہے (خداوندا) اگر تو نے ہمیں دشمنوں پر غلبہ دیا تو ظلم سے ہمارا دامن بچانا اور حق کے سیدھے راستے پر برقرار رکھنا اور اگر دشمنوں کو ہم پر غلبہ دیا تو ہمیں شہادت نصیب کرنا اور فریب حیات سے بچائے رکھنا۔

امیر المومنینؑ کی صلح طلبی اور اس کے لئے آپ کی جی جان سے کوششیں حتیٰ کہ لڑائی شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے تک، ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے جس کے دوست دشمن سب ہی قائل ہیں آپ کی پُوری زندگی صلح کی محبت اور جنگ سے بیزاری کے مظاہروں سے بھرپور ہے، آپ کی زندگی کا جو ورق بھی اُٹھا کر دیکھئے آپ کو یہی نظر آئے گا کہ آپ نے اپنے امکان بھر کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے بلکہ میل ملّت ہو جائے۔ جنگ جمل کے موقع پر جب حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر اپنی فوجوں کے ہمراہ آپ سے آمادۂ پیکار ہوئے اور آپ نے اپنے اصحاب کو اُن کے مقابل صف آرا کیا تو فرمایا:۔

لا ترموا بسھم ولا تطعنوا برمح ولا تضربوا بسیف واعذروا۔

تیر نہ پھینکنا نیزہ نہ چلانا نہ تلوار کا وار کرنا تاکہ تمہاری حجت قائم ہو جائے۔

اور اُس وقت تک آپ نے جنگ کا آغاز نہ کیا جب تک دشمنوں نے آپ کے تین ساتھیوں کو تیروں سے چھلنی نہ کر دو اور آپ نے تین مرتبہ خدا کو گواہ نہ بنا لیا۔

بیسیوں مرتبہ آپ بغیر اسلحہ لگائے، بے زرہ پہنے خالی ہاتھ دشمن کے سامنے پہنچ گئے حالانکہ آپ کے دشمن فولاد و آہن میں ڈوبے ہوئے تھے آپ نے اُن کی سخت کلامی ہٹ دھرمی سخت و درشت لب ولہجہ کے برخلاف انتہائی نرمی و محبت سے اور دوستانہ انداز میں وعظ و نصیحت کی شفقت و مہربانی سے پیش آئے آپ کے سامنے دشمن زرہ و سپر میں ڈوبے ہوئے مثل تاریک شب کے معلوم ہوتے، لیکن علی کی زرہ نوع بشر کا احترام تھا، آپ کی سپر اپنے حق پر ہونے اور اپنے طرز عمل کے درست ہونے کا یقین تھا اور آپ کی تلوار عقل و وجدان کے احکام کی پیروی تھی بلکہ ضعیفوں پر آپ کی مہربانی حق کی پاسداری اور آپ کی صلح جوئی آپ کے لئے بمنزلہ ہزاروں سپر کے تھی۔

آپ ہی کا یہ فقرہ تھا:

من امنت اذینہ فاعتب فی اخوتہ — جس کی اذیت رسانی کی طرف سے تمہیں اطمینان ہو اُس کو بھائی بنانے کی کوشش کرو

آپ ہی وہ تھے جو خصومت و عداوت کو حد سے زیادہ ناپسند کرتے تھے اس لئے کہ خصومت اور نزاع شخصی اخلاق کو تباہ اور ملّی خوبیوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں کیوں کہ یہ دونوں چیزیں نفاق کو جنم دینے والی ہیں۔

ایاکم والمراء والخصومۃ فانھما یمرضان القلب وینبت علیھما النفاق

خبردار نزاع و خصومت سے پرہیز کرنا کیوں کہ یہ دونوں چیزیں دل کو بیمار کر دیتی ہیں اور انہیں کے سبب نفاق جنم لیتا ہے۔

آپ بارہا اسی طرح بے زرہ و سپر اور خالی ہاتھ دشمن کے مقابل پہنچ گئے انہیں یہ احساس دلانے کے لئے کہ آپ جنگ سے بیزار ہیں اور پیچیدگیوں کو دوستانہ و برادرانہ طریقہ سے حل کرنے کے انتہائی خواہشمند ہیں اور اپنے اس حکیمانہ اسلوب سے معاملہ کو نپٹانا چاہتے ہیں کہ:

خذ علی عدوك بالفضل فانہ احلی الظفرین — اپنے دشمن کے ساتھ نیکی کرو کہ یہ فتحیابی زیادہ خوشگوار و شیریں ہے

نیز یہ واضح کرنے کے لئے کہ جنگ بہت بُری چیز ہے اور اُس کے ذریعہ جیتنے والے کو جو بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ ایسی بھلائی ہے جو بُرائی سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی کوئی قیمت نہیں۔

ما خیر خیر لا یاتی الا بشر و ما قیمۃ یسر لا یاتی الا بعسر۔

اس اچھی چیز کی اچھائی بے حقیقت ہے جو بُرائی سے حاصل ہوئی ہو اس فراخی کی کوئی قیمت نہیں جو ناداری و بدحالی کا نتیجہ ہو۔

علیؑ نے ہر ممکن وسیلہ سے اس شر (لڑائی) کو دور کیا، بغیر کشت و خون اور بے جنگ و جدل خلائق کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی یہاں تک کہ جب دشمن مرنے مارنے پر ہی مصر تھے انہیں آپ کا اور آپ کے نیکوکار ساتھیوں کا خون بہانے کے علاوہ کوئی چیز منظور نہ ہوئی اس وقت بھی آپ نے انہیں پھر سے نصیحت کی، سمجھانے بجھانے جنگ سے باز رکھنے کی امکانی کوشش

کی جب یہ کوشش بھی ناکام رہی دشمن اپنی دشمنی ہی پر تُلے رہے اور لڑائی کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا اس وقت بھی آپ نے لڑائی میں پہل نہیں کی جنگ کی ابتدا دشمنوں کی طرف سے ہوئی۔ آپ نے صرف اُن کے حملوں کا جواب دیا اور جب آپ نے تلوار ہاتھ میں لے لی تو آپ علی ابن ابی طالب تھے موت اگر آپ کی طرف نہ بڑھتی تو خود آپ موت کی طرف پیش قدمی کرتے بہادروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے اور بڑے بڑے جوانمردوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ علی حق و انصاف کے خواہاں تھے آپ کے دشمن ظلم و جور کے طالب آپ انسان کی بھلائی و نیک بختی کے متمنی تھے، وہ شر کے لئے کوشاں، آپ خلائق کی آزادی و آسائش چاہتے وہ غلامی کی ذلت و بے چارگی۔ آپ چاہتے تھے کہ بندہ ہائے خدا شرافت ور اور ذی عزت ہوں اور آپ کے دشمن بندگانِ خدا کو غلامی و چاکری کی زنجیروں میں جکڑنا اور اُنہیں ذلیل و خوار بنانا چاہتے تھے۔

وہ چیزیں جن کا انسانی معاشرہ اور سماج میں ہونا ضروری ہے اور عقل کی شریعت بھی جنہیں لازم قرار دیتی ہے وہ چیزیں خطرہ میں تھیں ایسی حالت میں خاموش بیٹھنا سُستی و کاہلی اور کفر کے مرادف تھا اور اُن کی حفاظت شیوہ مردانگی و بہادری۔

معاویہ سے جنگ کرنے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:۔

ولقد ضربت انف هذا الامر وعینه وقلبت ظهره و بطنه فلم ار لی الا القتال او الکفر

میں نے اس معاملہ میں خوب جانچا اور پرکھا اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا مجھے اپنے لئے دو ہی راہیں کھلی ہوئی نظر آئیں۔ یا تو میں معاویہ سے جنگ کروں یا پھر کافر ہو جاؤں۔

دیکھئے کتنے اختصار اور جامعیت کے ساتھ جنگ جمل کی تصویر کشی اور اپنی پوزیشن کی وضاحت کی ہے۔

وکان طلحة والزبیر اول من بایعنی ثم نقضا بیعتی علی غیر حدث و اخرجا ام المومنین الی البصرة فصرت الیهما فی المهاجرین والانصار فدعوتهما الی ان یرجعا الی ما خرجا منه فابیا، فبالغت فی الدعاء، و احسنت فی اللقاء۔"

طلحہ و زبیر نے سب سے پہلے میری بیعت کی پھر بے سبب بے وجہ اُنہوں نے بیعت توڑ ڈالی اور ام المومنین عائشہ کو بصرہ لے کر گئے مجبوراً میں بھی مہاجرین و انصار کو لے کر ان کی طرف روانہ ہوا میں نے انتہائی کوشش کی کہ جس بیعت سے وہ باہر ہو گئے ہیں پھر اس میں داخل ہو جائیں، مگر انہوں نے انکار کیا میں نے سمجھانے بجھانے کی حد کر دی اور اُن سے اچھی طرح پیش آیا۔"

آپ نے اُن کے مقابل پہنچنے کے پہلے ہی جب کہ آپ ابھی راستہ میں تھے اپنے فرزند امام حسنؑ اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس، عمار یاسر اور قیس بن سعد بن عبادہ کو طلحہ و زبیر کے سمجھانے بجھانے کے لئے روانہ کیا۔ اس امید میں کہ شاید وہ اب بھی باز آ جائیں اور فتنہ و فساد سے پرہیز کریں مگر وہ اپنی ضد ہی پر اڑے رہے۔ امیر المومنینؑ اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وسرت بهم حتى نزلت بظهر البصرة فاعذرت فى الدعا واقلت العثرة وناشدت عقد بيعتهم فابوا الا قتالى فاستعنت الله عليهم فقتل من قتل وولوا مدبرين فسالوا ما كنت دعوتهم اليه قبل اللقاء فقبلت العافية ورفعت عنهم السيف واستعملت عليهم عبد الله بن عباس وبعثت اليهم زفر بن قيس فاساله عنا وعنهم۔

میں مہاجرین و انصار کو لے کر روانہ ہوا بصرہ کے قریب جا کر ٹھہر گیا میں نے اُنہیں صلح و مصالحت کی دعوت دی ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کی اس بعیت کا واسطہ دیا جو وہ کر چکے تھے مگر وہ مجھ سے جنگ کرنے ہی پر مصر رہے میں نے خدا سے مدد چاہی اور مجبوراً ان کے حملوں کا دفاع کرنے پر تیار ہو گیا نتیجہ میں جن کو قتل ہونا تھا قتل ہوئے باقی بھاگ نکلے اب انہوں نے اسی صلح و مصالحت کی مجھ سے درخواست کی جن کی خود میں جنگ سے پہلے اُن سے خواہش کر رہا تھا۔ میں نے عافیت قبول کی اور اُن سے تلوار اُٹھا لی ان پر عبداللہ بن عباس کو عامل مقرر کیا اور زفر بن قیس کو اُن کی طرف قاصد بنا کر بھیجا اب جو کچھ پوچھنا ہو ان دونوں سے ہمارے اور ان کے بارے میں پوچھو۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ اپنی غیر معمولی شجاعت اور کامل و عمیق ایمان کے سبب فتح یاب ہوئے مگر وہ اپنی فتح یابی و کامرانی پر اتنا ہی اندوہگیں ہوئے اتنی ہی انہیں قلبی اور روحانی تکلیف پہنچی جتنی دشمن کو اپنی ہزیمت و پسپائی پر اذیت و تکلیف ہوئی تھی۔ وہ انتہائی رنجیدہ و ملول ہوئے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اتنا غم منایا جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہر باپ اپنی اولاد سے انتہائی محبت کرتا ہے ذرا بھی اس کی اذیت و تکلیف باپ سے دیکھی نہیں جاتی مگر وہی اولاد نالائقی پر اتر آئے تو باپ مجبور ہو کر اس کی سزا اور تادیب بھی کرتا ہے اور اُس کی سزا کی تکلیف پر بیحد کڑھتا بھی ہے۔

یہی حالت علی کی تھی، مسلمان بمنزلہ اولاد کے تھے انہیں اپنی اولاد سے انتہائی محبت تھی ان کی ظلم و زیادتی پر مجبور ہو کر آپ نے ان کی تادیب کی لیکن اُن کی تکلیف و اذیت دیکھ کر آپ کا کلیجہ خون بھی ہوا۔

آپ کو خون ریزی سے بڑھ کر کوئی چیز ناپسند نہ تھی چونکہ آپ ولاۃ و عمال کی طرف سے مطمئن نہ تھے آپ کو یہ اندیشہ رہتا تھا، کہ آپ کے عمال جنگ میں ناحق خون ریزی سے پرہیز نہ کر سکیں گے اس لئے مسلسل تاکید کرتے رہتے کہ جہاں تک ہو سکے خوں ریزی سے پرہیز کرنا۔ آپ اخلاقی حیثیت سے بھی اس کا خیال رکھتے اور سیاسی و انتظام ملکی کے لحاظ سے بھی کہ ناحق خوں ریزی نہ ہونے پائے آپ نے دونوں حیثیتوں سے ممانعت فرمائی کیوں کہ جان بوجھ کر خوں ریزی امیر المومنینؑ کی نظروں میں حکومت کا تختہ اُلٹ جانے کا باعث بھی تھی اور مفہوم حکومت کے برخلاف بھی۔ آپ اس معاملہ میں کسی عامل کو بھی قابلِ معافی نہیں سمجھتے تھے اپنے ایک عامل کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

ولا تقوين سلطانك بسفك دم حرام فان ذالك مما يضعفه ويوهنه بل يزيله وينقله ولا عذر لك عند الله ولا عندى فى قتل العمد۔

ناحق خون بہا کر اپنی حکومت کو مضبوط نہ بنانا کیونکہ ایسا کرنے سے تمہاری حکومت اور کمزور ہو گی بلکہ یہ حکومت تمہارے ہاتھ

سے چھین کر دوسرے ہاتھ میں پہنچ جائے گی۔ عمداً خون ریزی میں خدا بھی تمہیں قابلِ معافی نہ سمجھے گا اور میں بھی نہیں سمجھوں گا۔

اس سلسلہ میں ناظرین کے سامنے ایک عجیب و غریب چیز پیش کرتا ہوں۔ سچ بتائیے علیؑ کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسا فرماں روا بھی گذرا ہے جس کی اپنے عمال و ولاۃ کو انتہائی سخت تاکید رہتی ہو کہ فوج کا افسر ہمیشہ ایسے شخص کو بنانا جو حلیم و بردبار ہو۔ قتل و غارت اور خون ریزی سے جسے نفرت ہو سمجھا بجھا کر معاملہ کو سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہو ناحق خون بہانے سے اُس کا دامن داغدار نہ ہو شفیق و مہربان پاک دل ہو سختی سے کام نکالنا گوارا نہ کرتا ہو نہ جبر و تشدد کا عادی ہو۔ ملاحظہ فرمائیے حضرت علیؑ کی وہ وصیت جو آپ نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت فرمائی تھی۔

وولّ من جنودك انقاهم جيبا وافضلهم حلما: ممن يبطئ عن الغضب ويستريح الى العذر ويرأف بالضعفاء وينبو على الاقوياء وممن لايثيره العنف …… "

اپنی فوجوں پر اس شخص کو افسر مقرر کرو جو تمہارے خیال میں سب سے زیادہ صاف باطن ہو بلحاظ حلم و بردباری سب سے افضل ہو اس کو دیر میں غصہ آتا ہو اور عذر قبول کر لیتا ہو ضعیفوں پر مہربان اور قوی لوگوں پر سخت ہو قساوت کی وجہ سے تند مزاج اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہو جاتا ہو۔

تو علی ابن ابی طالب صلح کو دوست رکھنے والے انسان تھے آپ نے برابر صلح کی تاکید کی جنگ سے آپ کو انتہائی نفرت تھی آپ نے ہمیشہ اس سے کانعت کی۔ آپ نے کبھی جنگ کی طرف قدم نہیں اٹھایا جب تک خود وہ جنگ آپ کی طرف بڑھ نہ آئی اور قدم اٹھایا بھی تو اُس وقت جب کہ دوستی و محبت نیکی و احسان کے ذریعہ اس کو روکنے کی تمام کوششیں نہ کر ڈالیں۔ اگر آپ کبھی جنگ پر مجبور بھی ہوئے تو آپ کی انتہائی کوشش رہی کہ کم سے کم لوگ مارے جائیں اور جب آپ دشمن پر غالب آ جاتے اس کی خطا کو بخش دیتے تھے۔ بیسیوں مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ دشمن پر فتحیاب ہوئے اور آپ نے اس کی جاں بخشی کی پھر آپ جیتنے والے اور ہارنے والے دونوں ہی پر بیک وقت محزون و غمگین بھی ہوئے۔ جب بھی دشمن نے آپ سے صلح کی درخواست کی آپ نے انتہائی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے اس کی درخواست قبول کی آپ کا مقولہ تھا :

فان فى الصلح دعة للجنود وراحة من الهموم وامنا للبلاد

صلح میں سپاہی آسودہ حال رہتے ہیں لوگوں کی پریشانیاں کم ہوتی ہیں اور شہروں میں امن و امان کی فضا طاری رہتی ہے۔

آپ نے اپنے سرداران لشکر اور عمال و ولاۃ کو بے شمار فرامین لکھے جن میں من جملہ دیگر ہدایات کے اس بات کی بھی شدید تاکید رہتی کہ ہمارے طرزِ عمل کی پابندی اختیار کرو جہالت کی جنگ نہ کرنا اور نہ بات بات میں تلوار کھینچ لینا جیسا کہ پرانے زمانے کے لوگوں کی عادت تھی۔ آپ کا ارشاد ہے :

ولا تحدكوا بايديكم وسيوفكم فى هوى السنتكم — دست و شمشیر کو زبان کی طرح معمولی معمولی بات میں حرکت میں نہ لاؤ۔

نیز آپ کا قول ہے :۔

ولا اعاقب علی ظنۃ — میں تہمت پر کسی کو سزا نہیں دیتا۔

ولست مقاتلہ حتی ادعوہ واعذر لہ فان تاب ورجع قبلنا منہ وان ابی الا الاعتزام علی حربنا استعنا اللہ علیہ وناجزناہ

میں اس وقت تک جنگ نہ کروں گا جب تک صلح و سلامتی کی دعوت نہ دے دوں اور حجت تمام نہ کر دوں اگر اس نے توبہ کی تو اس کی توبہ ہم قبول کریں گے اور اگر انکار کیا ہم سے جنگ ہی پر اڑا رہا تو ہم اس کے خلاف خدا سے مدد چاہیں گے اور اس سے جنگ کریں گے۔

ظالم دشمن کے ساتھ علیؑ کس طرح پیش آتے اس کو ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

ہر انسان کا فریضہ ہے کہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے اور کئے ہوئے وعدوں کو نباہے اس سے افراد اور جماعت کے درمیان صلح برقرار رہتی ہے اور جنگ کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔ خواہ عہد و پیمان ایک مذہب والوں سے ہو یا مختلف مذاہب والوں سے، ایک نسل کے لوگوں سے ہو یا مختلف نسل کے لوگوں سے دوست دوست ہیں ہو یا دشمن دشمن ہیں، علیؑ ابن ابی طالب کا یہی دستور تھا اور وہ ہمیشہ اسی طریقہ پر کاربند رہے۔

عہد و پیمان کی پابندی اور وعدوں کا ایفا صلح کا سبب ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا اور صلح شہر میں امن و امان کی فضا قائم رہنے لوگوں کے آسودہ حال ہونے کا ذریعہ ہے اور سماج و سوسائٹی کی بہت بڑی خدمت ہے اس لئے کہ یہی عہد و ایمان اور قوانین باہمی ارتباط اور قومی رشتہ اتحاد ہیں۔ وفاء عہد شیوہ مردانگی، وجدان کی تسکین اور ان مکارم اخلاق کی تحصیل کا ذریعہ ہے جس کے لئے امیر المومنینؑ ہمیشہ کوشاں رہے۔ وفاداری اپنے تمام حالات میں رفاقت و محبت کی دلیل اور نوع انسانی کے احترام کا مظہر ہے۔ وفاداری کی وجہ سے دونوں طرف اطمینان رہتا ہے اور جب دونوں طرف اطمینانی کیفیت رہے تو ہر فریق اطمینان سے یہ سمجھ سکے گا کہ ہم اپنے امور کو کس طریقہ سے انجام دیں کس کام کو کریں کس کام کو نہ کریں اور جب کوئی فریق مطمئن ہی نہ ہوگا تو وہ اپنے کام میں آزادی نہ ہوگا۔

ایفاء عہد امیر المومنینؑ کے زمانہ خلافت میں ایسا قانون تھا جس کی پابندی انتہائی ضروری و لازم تھی جس شخص نے بھی عہد و پیمان کر رکھا تھا اس پر واجب و لازم قرار دے دیا گیا تھا کہ وہ جی جان سے اس کی پابندی کرے یا تو اپنے عہد و پیمان پورے کرے یا پھر اپنی جان دے دے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ کو جس قدر جھوٹ سے نفرت تھی اتنا ہی آپ پیمان شکنی سے بھی نفرت کرتے تھے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

انّ الوفاء توأم الصدق ولا اعلم جنّۃ اوقی منہ ولا یغدر من علم کیف

المرجع ولقد اصبحنا فی زمان قد اتخذ اکثر اهله الغدر کیسًا ونسبهم اهل الجهل فیه الی حسن الحیلة، مالهم قاتلهم الله قد یری الحوّل القلّب وجه الحیلة ودونه مانع من امر الله ونهیه فیدعها رأی عین بعد القدرة علیها، بنتهز فرصتها من لاحریجة له فی الدین۔

وفائے (عہد) اور سچائی دونوں کا ہمیشہ کا ساتھ ہے اور میرے علم میں اس سے بڑھ کر حفاظت کی اور کوئی سپر نہیں جو شخص اپنی بازگشت کی حقیقت جان لیتا ہے وہ کبھی غداری نہیں کرتا مگر ہمارا زمانہ ایسا ہے جس میں اکثر لوگوں نے غدر و فریب کو عقل و فراست سمجھ لیا ہے اور جاہلوں نے ان (کی چالوں) کو حسن تدبیر سے منسوب کر دیا ہے۔ اور اللہ انہیں غارت کرے انہیں کیا ہو گیا ہے وہ شخص جو زمانہ کی اونچ نیچ دیکھ چکا ہے اور اس کے ہیر پھیر سے آگاہ ہے وہ کبھی کوئی تدبیر اپنے لئے دیکھتا ہے مگر اللہ کے اوامر و نواہی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس حیلہ و تدبیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس پر قابو پانے کے باوجود چھوڑ دیتا ہے اور جسے کوئی دینی احساس سدِّ راہ نہیں ہے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے جاتا ہے۔

مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت آپ نے انہیں جو عہد نامہ تحریر فرمایا تھا اس میں آپ لکھتے ہیں:۔

دان عقدت بینك وبین عدوك عقدة، او البسته منك ذمة فحط عهدك بالوفاء وارع ذمتك بالامانة، واجعل نفسك جنة دون ما اعطیت ولا تغدرن بذمتك، ولا تخیس بعهدك ولا تختلن عدوك۔

اگر تم اپنے دشمن سے کچھ شرائط طے کر دیا اس سے کوئی معاہدہ کرو تو وفا کر کے اس کا بار اپنی گردن سے اتارو اور جو ذمہ داری تم نے لی ہے اس کا امانت داری کے ساتھ لحاظ کرو اور جو کچھ تم نے عہد کر لیا ہے اس کی حفاظت کے لئے اپنے نفس کو سپر بنا دو پس تم جو ذمہ لے لو اس کو نہ چھوڑو اور جو عہد کر لو اس میں خیانت نہ کرو دشمن کو فریب نہ دو

پھر اتنی ہی تاکید کرنے پر اکتفا نہ کی کہ دشمن کو فریب نہ دینا بلکہ آپ نے سختی کے ساتھ اس کی بھی ممانعت کی کہ دشمن سے ایسے مبہم وعدے نہ کرو جس میں تاویل اور غلط معنی پہنانے کی گنجائش ہو تاکہ موقع ملنے پر اس وعدہ کی غلط توجیہ و تاویل کر کے توڑ دینے کی گنجائش ہو اور اس عہد نامہ کی تائید و توثیق کے بعد اس کے خلاف عمل درآمد کرنے کے لئے کسی لفظی غلطی کی طرف مائل نہ ہو۔

علی جب بھی کوئی رائے قائم کرتے یا اپنے کسی حکم کو نفاذ میں لاتے تو خوب اچھی طرح جانچ پرکھ کر اور اس کے تمام پہلوؤں کو دیکھ بھال کر کے وفاء عہد پر چونکہ آپ کا مستحکم عقیدہ تھا لہٰذا بڑی سے بڑی رکاوٹ کا بھی آپ کے اور وفائے عہد کے درمیان حائل ہونا ناممکن تھا چاہے اس وفاء عہد میں ہزاروں صعوبتیں ہی کیوں نہ جھیلنا پڑیں من جملہ ان مواقع کے جہاں آپ نے انتہائی جان گسل حالات میں عہد کی پابندی کی ہے صفین کا واقعہ ہے صفین کی جنگ میں جب تحکیم کی ٹھہری اور امیر المومنینؑ و معاویہ کے درمیان معاہدہ ہوا کہ جب تک حکمین اکٹھا ہو کر فیصلہ نہ کریں دونوں طرف سے جنگ بند رہے گی اور جنگ بند ہونے اور عہد نامہ لکھ جانے کے بعد امیر المومنینؑ کے ساتھیوں کو احساس ہوا کہ ہم زبردست

فریب کا شکار ہوگئے تو ایک شخص محمد بن حریش نے امیرالمومنینؑ سے عرض کی حضور! کیا اس معاہدہ کو نظر انداز کرکے ہم لوگ پھر جنگ نہیں شروع کریں گے رہیں ڈرتا ہوں کہ یہ معاہدہ بہت بڑی ذلت و رسوائی کا باعث ہوگا۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:۔

ابعد ان کتبناہ ننقضہ ان ھذا لایحل — کیا عہد نامہ لکھنے کے بعد ہم اس کی خلاف ورزی کریں یہ جائز نہیں

پھر علیؑ ہی کا یہ فقرہ تھا:

واعتصموا بالذمہ۔ — جو ذمہ داریاں تم نے لے رکھی ہیں ان پر مضبوطی سے قائم رہو

وذمتی بما اقول رھینۃ — میں اپنے قول کا ذمہ دار اور اس کی صحت کا ضامن ہوں

ان مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ علیؑ کی صلح کی کوششیں اپنے دوررس نتائج کے لحاظ سے عوام الناس کی تمناؤں کے عین مطابق تھیں۔ ہر ہی شخص عدل و مساوات اور آزادی کی تمنا رکھتا ہے۔ علیؑ کی یہ کوشش صلح ان کے تمناؤں کی تعبیر تھی جس کا وہ اپنے احکام و فرامین میں بھی اظہار و اعلان کیا کرتے۔

علیؑ اپنی اس سعی و کوشش میں کہ ہر انسان دوسرے انسان سے محبت کرے سابق کے انبیاء و مرسلین اور محسنین انسانیت کے ہم سر و ہم پلہ ہیں۔ علیؑ کی کوشش صلح محمد مصطفےٰؐ کی اس شفقت بھری آواز سے کتنی ملتی جلتی ہے کہ:۔

کونوا عباد اللہ اخوانا — بندگان خدا بھائی بھائی ہوجاؤ

نیز پیغمبرؐ کے اس ارشاد سے کتنی ملتی ہے کہ جب آں حضرت سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ما افضل الاعمال۔ سب سے افضل کون عمل ہے۔

آں حضرتؐ نے فرمایا:۔

افضل الاعمال بذل السلام للعالم — بہترین عمل یہ ہے کہ عالم کی سلامتی کے لئے کوشش کی جائے

نہ ظالم بنو نہ مظلوم

کمزور و حقیر میرے نزدیک طاقتور و باعزت ہے تاوقتیکہ میں اس کا حق اس کو دلوا نہ دوں ۔ طاقتور و باعزت میرے نزدیک ذلیل و حقیر ہے جب تک اس سے میں حق وصول نہ کرلوں ۔ جس قدر حسن و خوبصورتی انسان کو پسند ہوتی ہے اتنی ہی بدصورتی ناپسند جتنا انسان عدل کا خواہاں ہوتا ہے اتنا ہی ظلم و جور سے بیزار جس قدر گرمی وجود کا مشتاق ہوتا ہے اتنا ہی عدم کی برودت سے ہراساں ۔ جو شخص بندگان خدا سے دشمنی کرے گا خدا اس کے ساتھ دشمنی کرے گا کمزور پر ظلم بدترین ظلم ہے ۔

(الامام علی)

امیرالمومنینؑ کی زندگی عام مسائل و معاملات میں انتہائی مسلسل و مربوط زندگی تھی ۔ آپ کے پاکیزہ اخلاق ، انتظام مملکت اور لشکر کی قیادت میں آپ کا غیر معمولی تدبّر اور تمام ذاتی خصوصیات و کمالات سب ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ تھے سود خواری ، ذخیرہ اندوزی اور جور و ستم سے آپ کو بے حد نفرت تھی ، ارباب دولت و اقتدار جو اپنی دولت و طاقت کے ذریعہ خلائق پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھاتے وہ مجسمۂ جہالت افراد جو اپنے کو دوسروں سے افضل و برتر سمجھتے اور جاہلانہ ہٹ دھرمیوں سے کام لیتے علیؑ ان سب کے سخت دشمن تھے ، کمزور و غریب افراد کی دستگیری اُن کی نصرت و اعانت آپ کو حد سے زیادہ مرغوب و پسندیدہ تھی اس بنا پر کہ وہ بھی انسان ہیں اور اُنہیں حقیر و ذلیل سمجھنا ہرگز مناسب نہیں ۔ بندگانِ خدا کی آزادی آپ کی دلی تمنّا تھی ۔ کیونکہ خداوند عالم نے انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے ذلّت و خواری کی زندگی بسر کرنا ان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ، ان کی ذلّت و خواری انسانیت کی ذلّت و خواری ہے جو شخص بھی انسانیت کی ذلّت و اہانت کا مرتکب ہو وہ دشمن رکھے جانے کے لائق ہے ۔

ہم اب تک جو کچھ بیان کر چکے ہیں اُس کو پڑھنے کے بعد ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ علیؑ حاجتمندوں کے کتنے ہمدرد و غمگسار اور مظلوم اور ستائے ہوئے لوگوں کے کتنے زبردست حمایتی تھے، محاسن و فضائل کے دشمنوں سے آپ نے کیسی کیسی لڑائیاں لڑیں اور اُن لوگوں پر کتنا غیظ و غضب کا اظہار کیا جو عقل و وجدان کے برعکس عمل کرتے تھے۔

لیکن ہم جتنا لکھ چکے ہیں وہ کافی نہیں ستم پیشہ افراد کے ساتھ علی کس طرح پیش آئے اور ظلم و جور کے بارے میں آپ کے خیالات کیا تھے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کو ایک مستقل باب قرار دے کر تفصیل سے لکھیں کیوں کہ ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ایک ظلم یہ کہ کسی کا مال غصب کر لیا جائے ایک ظلم یہ کہ کسی کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچایا جائے ایک ظلم مخفی ظلم ہوتا ہے ایک علانیہ ظلم ہے ہم سب کو الگ الگ ذکر کریں گے۔

امیر المومنینؑ کا کوئی خطبہ کوئی وصیت، کوئی عہد نامہ ڈھونڈھے سے ایسا نہیں ملے گا جس میں آپ نے ظلم کا تذکرہ نہ کیا ہو اور انتہائی شد و مد سے اس کی مذمت نہ کی ہو۔ آپ کی پوری زندگی ہی ظلم و ستم اور ظالم و ستم پیشہ افراد سے جنگ کرنے میں گذری، یہ جنگ آپ نے ہاتھ سے بھی لڑی زبان سے بھی احکام و فرامین کے ذریعہ بھی اور تلوار کے ذریعہ بھی۔

ظلم و ستم کے ساتھ جنگ اس وقت سے جاری ہے جب سے کہ انسان کے قدم زمین پر آئے، لیکن یہ جنگ گوناگوں طریقوں اور مختلف صورتوں سے لڑی جاتی رہی جن لوگوں نے قاہر و جابر ستمگاروں کے زمانہ میں اس جنگ کا بار اپنے دوش پر لیا وہ لاکھوں ہی تھے۔ جس قدر ظالموں کے وجود نے بنی آدم کی تاریخ کو داغدار بنایا ہے اسی قدر ان لوگوں کا وجود انسان کی نازش و افتخار اور سربلندی کا سبب تھا۔ تاریخ کے یہ مشہور سورما یکے بعد دیگرے میدان میں آئے ایک جب اپنی طاقت آزما چکا تو دوسرے نے اس کی جگہ سنبھالی اور اس طرح میراث کی طرح ایک دوسرے سے اس جنگ کو جاری رکھنے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لیتے رہے۔

بنی آدم کے مقدس ترین بزرگوں میں بعض ہستیاں ایسی بھی گذری ہیں جن کی پوری زندگی ظلم کے خلاف جنگ کرتے ہی گذری جناب عیسیٰ کی تاریخ تمام تر جنگ تھی روم کے استعمار پسند ظالموں، ملک کے سود خواروں قیصر روم کے کارپردازوں اور سماجی بت پرستوں کے خلاف حضرت محمد مصطفیٰؐ کی تاریخ بھی تتمہ تھی حضرت عیسیٰؑ کی تاریخ کا اور تکمیل تھی مجاہدات عیسوی کی، آپ نے ظلم و ستم کو اس کی بنیادوں سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے سخت ترین انقلابی تحریک چلائی اور اس وقت تک دم نہ لیا جب تک مظلوموں نے داد نہ پالی اور ان کی حالت میں خوشگوار تبدیلی نہ آ گئی۔

یہی بات جو ہم نے حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے متعلق کہی سقراط اور دیگر بزرگانؒ بنی نوع بشر کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے

نوٹ۔ اس جگہ مصنف نے یورپ و ایشیا کے بہت سے رہنماؤں کے نام گنائے ہیں ہم حضرت عیسیٰ اور محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ ان کا نام لینا سوء ادب سمجھتے ہیں، ہاں سقراط اگرچہ پیغمبر نہ تھے لیکن پیغمبروں کے بعد اُن کی ذات بزرگ ترین ذات تھی چونکہ انہوں نے خود غور و فکر کر کے اپنی عقل سے کام لے کر عالم آخرت کو پہچانا لوگوں کو اس آخرت کی طرف دعوت دی اور مادی و طبیعی علوم سے ہٹا کر علم الٰہی کی طرف متوجہ کیا اور اس (باقی بر صفحہ ۱۸۴)

جس طرح ظلم و ستم بعض انسانوں کی سرشت و طینت کا جزو بن جاتا ہے، اُن کی شقاوت کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ وہ ظلم و جور بالکل اُسی طرح کرنے لگتے ہیں جس طرح فطری حرکتیں کرتے ہیں کھاتے، پیتے، پہنتے اور سانس لیتے ہیں، جیسے نیرو، چنگیز قرون وسطیٰ کے یورپین افسران محکمۂ تفتیش اور اسی طرح کے بے شمار جابر و قاہر سلاطین روم و عجم و مصر اور حجاج بن یوسف، زیاد بن ابیہ، عبیداللہ بن زیاد، مسلم بن عقبہ وغیرہ وغیرہ تو جس طرح ظلم و ستم ان اشخاص کی فطرت و ماہیت بن چکا تھا اُسی طرح تاریخ میں ایسے بھی بے شمار افراد گذرے ہیں کہ ظلم کی دشمنی ان کی فطرت میں داخل تھی اور ان کی سرشت و طینت کا جزو بن چکی تھی۔

گذشتہ زمانہ کے ظالموں کے ظلم و ستم اور اُن کے بد سے بدتر کام کرنے سے نہ شرمانے کی وجہ یہ تھی کہ ظلم و ستم کر کے انہیں کوئی دکھ نہیں پہنچتا تھا وہ کوئی کام اپنی رغبت اور طبیعت کے خلاف انجام نہیں دیتے۔ ظلم و ستم وہ کسی غرض و غایت کے تحت نہیں کرتے بلکہ محض اس لئے کرتے کہ اُن کی عادت تھی ظلم کرنے کی۔

حجاج بن یوسف ایک مرتبہ دستر خوان پر اپنے چند دوست احباب کے ساتھ بیٹھا کھانے میں مشغول تھا سامنے ایک مرد ضعیف و کہن سال بے قصور و بے خطا کھڑا تھر تھرا رہا تھا حجاج نے ایک مرتبہ گردن اٹھائی خادم سے کہا اس بڈھے کی گردن مار دے اس بڈھے کی گردن اُڑا دی گئی اور حجاج اسی طرح کھانے میں مشغول رہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ اُس نے غلام سے پکار کر کہا ٹھنڈا پانی لا۔ نیرو نے روم میں آگ لگوا دی روم جل رہا تھا اور اس کے شراب و کباب اور رقص و سرود میں کوئی فرق نہ آیا۔

یہی توجیہ ان لوگوں کی پامردی اور ثبات و استقلال کی کی جاسکتی ہے جو ہمیشہ ظلم و جور سے برسر پیکار ہے۔ جس طرح مذکورۂ بالا ستم کیش و ظالم افراد ظلم اس لئے کرتے تھے کہ ظلم اُن کی فطرت میں داخل تھا اسی طرح نوع بشر کے یہ محسن اور بزرگ افراد ظلم سے برسر پیکار اس لئے رہتے کہ مظلوم کی حمایت خدمت خلق ان کی طینت میں داخل تھی وہ جو کچھ کرتے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر کرتے۔

سقراط نے زہر کا پیالہ دوا کی طرح پی لیا کہ ان کا پینا باطل کے مقابلہ میں ثبات قدم اور پامردی تھی۔ والٹیر[ف] نے اپنے زمانہ کے رؤسا و نوابین یورپ سے جنگ کی جس طرح پیاسا پانی کی طرف بھوکا روٹی کی طرف بڑھنے پر مجبور ہوتا ہے اسی طرح وہ یورپ کے اکابر سے لڑائی لڑنے پر مجبور ہوا۔ رفقاء و انصار حسینی نے حسینؑ کی حمایت میں اپنی جانیں قربان کر دیں جب کہ ایک طرف حسینؑ تھے اور اُن کے مقابل بنی امیہ کی حکومت صف آرا تھی۔

بقیہ حاشیہ ص۱۸۳ راہ میں اپنی جان بھی دے دی اور حکیموں فلسفیوں کے درمیان انہوں نے پیغمبر کا کام انجام دیا۔

ف۔ والٹیر VOLTAIRE سنہ۱۶۹۴ء میں پیرس میں پیدا ہوا اور سنہ۱۷۷۸ء میں مرا۔ فرانس کا مشہور مصنف ہے اور اپنے زمانہ کے نامی گرامی لوگوں میں تھا انگلینڈ، روس، سوئٹزرلینڈ میں مدتوں اس کا قیام رہا۔ اُس نے اپنی بے پناہ قوتِ نظم و نثر اور آتش فشاں تحریروں کے ذریعہ یورپ میں آگ سی لگا دی اور اُس زمانہ کے ارباب اقتدار اور مذہبی پیشواؤں پر کڑی کڑی تنقیدیں کیں سنہ۱۷۸۹ء کے مشہور انقلاب فرانس کی راہ اسی نے ہموار کی تھی۔ بہت سی گرانقدر کتابوں کا مصنف ہے (مترجم) ۱۲

یہ تھے محسنین نوع بشر اور بزرگان بنی آدم جن کے افسر و سرتاج علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے، علیؑ اسی لئے دنیا میں آئے تھے کہ حق کو قائم کریں اور باطل کو نیست و نابود کریں، وہ اسی لئے اُٹھے اور اسی لئے انہوں نے خلافت قبول کی تھی۔ مگر دنیا باوجود اپنے اس طول و عرض کے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے دستور و قوانین کو کہاں قبول کر سکتی تھی۔ ظالم و ستم کیش افراد تعداد میں بھی بے شمار تھے اور طاقت میں بھی زیادہ۔ علیؑ جس کام کو انجام دینا چاہتے تھے وہ دشوار و پرخطر تھا۔

علیؑ کا کہنا تھا کہ نہ ظالم بنو نہ مظلوم وہ چاہتے تھے کہ نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔ نہ کوئی کسی کا ظلم سہے مگر زمانہ علیؑ کے اس نظریہ کو ماننے پر تیار نہ تھا وہ علیؑ کے اس ارادے کا ساتھ نہ دے سکا حتیٰ کہ خود مظلوم افراد علیؑ کا ساتھ نہ دے سکے کیوں کہ ان کے دلوں میں ظالموں کا خوف رائج تھا وہ ظالموں کی عداوت و عناد اور کینہ جوئی سے خوف زدہ تھے، اُن کی نادانی کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے علیؑ کے دشمنوں سے رشوت لے کر علیؑ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہاں گنتی کے چند افراد جنہیں خدا نے بڑے دل گردے کا پیدا کیا تھا انہوں نے کسی قیمت پر علیؑ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

لیکن علیؑ کمزور اور سست پڑ جاتے ؟ جب کہ دشمن اپنے سرغنہ افراد کی قیادت میں آپ کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے تھے۔ کیا غمگین و محزون غریب و تنہا بیاور مصائب و آفات سے بھرپور زمین میں درندوں کے درمیان ہمت چھوڑ کر بیٹھ رہ سکتا ہے جب کہ واقعتاً ہر انسان موت سے بے حد گھبراتا بھی ہے۔

کیا علیؑ تھک کر بیٹھ رہتے ؟ جب کہ ظالم روز بروز سرکش ہوتے جا رہے ہوں۔ ارباب اقتدار عقل و خرد کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوں دین کو دنیا کے عوض بیچ رہے ہوں مال و دولت اور جاہ و منصب کے حصول کے لئے عقل و وجدان کی بازی لگا رہے ہوں، شہروں میں انہوں نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہو ظلم و جور پر مصر، کبر و غرور میں ڈوبے اور خود نمائی خود ستائی میں اپنے آپے سے باہر ہوں نت نئے رنگ اختیار کرتے اور ہر حق کے مقابلہ میں باطل کو کھڑا کرتے ہوں، ایک دوسرے کی باطل پرستی اور زبوں کاریوں کی تعریف و ستائش کرتے ہوں اور اس پہ اچھے صلہ کے اُمیدوار بھی ہوں، حق و انصاف کا گلا گھونٹ رکھا ہو۔ بغاوت و سرکشی پر مائل ہوں، زمین پر تباہی مچا رکھی ہو اُن کے جور و تشدد کا ٹھکانا نہ ہو۔

کیا علیؑ سست و ضعیف ہو سکتے تھے جب کہ آپ کے اصحاب کی یہ حالت تھی کہ۔

ماعزت دعوة من دعاهم ولا استراح قلب من قاساهم ومن فاز بهم فقد فاز بالسهم الاخيب صمّ ذوو اسماع بكم ذوو كلام لا احرار صدق عند اللقاء ولا اخوان ثقة عند البلاء۔

جو شخص ان کی مدد کے لئے پکارتا وہ کبھی کامیاب نہ ہوتا جس کا ان جیسے لوگوں سے واسطہ پڑتا اس کے دل کو کبھی چین نصیب نہ ہوتا جو ان جیسے لوگوں کو لے کر میدان میں آتا وہ گھاٹا ہی گھاٹا اٹھاتا جو کان رکھتے ہوئے بہرے تھے قوت گویائی رکھتے ہوئے گونگے تھے۔ جنگ میں نہ شریف و باغیرت انسانوں کی طرح ثابت قدمی دکھاتے نہ سختی و مصیبت میں ان کی ہمدردی و

غمگساری بھروسہ کے قابل تھی۔

بے شک ایسے حالات وکیفیات میں ہر شخص کو کمزور وضعیف ہونا ہی چاہیئے اُسے تھک ہار کر بیٹھ رہنا ہی ناگزیر ہے۔ بشرطیکہ وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ نہ ہو۔

وہ گہری شفقت ومحبت جو ہر بنی انسان کے لئے علیؑ کے دل میں تھی وہ انہیں مجبور کرتی تھی کہ وہ اُس شخص کے ساتھ ذرا بھی نرمی نہ برتیں جو لوگوں کی ایذا رسانی کا مرتکب ہو چاہے اُس کے لئے انہیں اپنی جان سے ہاتھ ہی دھونا کیوں نہ پڑے۔

وہ شخص جو ظالموں کے مقابلہ میں خاموش رہنے کو محبت وشفقت سے تعبیر کرے اور نرمی ومہربانی کی علامت قرار دے وہ جھوٹا ہے یا طبیعتوں کے حال سے ناواقف ہے۔

ایسا نہیں ہے اخلائق کے ساتھ سچی محبت ومہربانی یہ ہے کہ ظالموں کے ساتھ سختی کی جائے اور ان کو کچلنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے تاکہ وہ خلائق کو قید وبند سے آزاد کریں عطوفت وشفقت نرمی ومہربانی بعض حالات میں انسان کو انتہائی تشدد پر مجبور کر دیتی ہے۔ لہٰذا جتنا انسان حسن وجمال کو پسند کرتا ہے اتنی ہی بدصورتی اُسے ناپسند ہوتی ہے، جس قدر انسان عدل کا خواہاں ہوتا ہے اُسی قدر ظلم وجور سے اُسے نفرت ہوتی ہے جس قدر انسان گرمیٔ وجود کا مشتاق ہوتا ہے اتنا ہی عدم کی برودت سے اُسے ہول آتا ہے۔ سرکشوں اور ظالموں کی گردن پر کوئی شخص تلوار چلا ہی نہیں سکتا جب تک زندگی کو نعمت نہ سمجھتا ہو مختصر یہ کہ جو شخص نفرت نہیں کرتا وہ محبت بھی نہیں کر سکتا۔

اس کا بہترین ثبوت کہ علیؑ کے مزاج میں جتنی نرمی ومہربانی تھی اتنا ہی ظالم کے خلاف اُن کے مزاج میں سختی وخشونت تھی۔ ظلم کو دُور کرنے کے لئے وہ انتہائی تشدد سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ سودہ بنت عمارہ ہمدانیہ والا واقعہ ہے۔

سودہ بیان کرتی ہیں کہ میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں آپ کے ایک عامل کی شکایت لے کر پہنچی جسے آپ نے صدقات کی وصولی پر مامور کیا تھا۔ میں جب آپ کے سامنے کھڑی ہوئی تو آپ نے انتہائی محبت وشفقت سے فرمایا۔ کیا تمہاری کوئی حاجت ہے میں نے آپ سے اس عامل کی شکایت بیان کی آپ سُن کر رونے لگے پھر بارگاہِ الٰہی میں مناجات کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خداوندا میں نے ان عاملوں کو یہ ہرگز حکم نہیں دیا کہ وہ تیری مخلوق پر ظلم کریں، نہ اُن سے یہی کہا ہے کہ تیرا حق چھوڑ دیں۔

پھر آپ نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور اُس پر لکھا۔

"فاوفوا بالکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین واذا اتاک کتابی ھذا فاحتفظ بما فی یدیک حتی یاتی من یقبضہ منک"

ناپ تول پوری کرو اور لوگوں کو اُن کے سودے کم نہ دو نہ زمین میں فساد پھیلاؤ۔ جب یہ خط تمہیں ملے تو تمہاری تحویل میں جتنی چیزیں ہیں اُنہیں روک رکھو تاکہ دوسرا شخص پہنچ کر تم سے چارج لے لے۔"

دیکھئے اس مظلوم عورت کے ساتھ آپ کی شفقت ومہربانی اس حد کی تھی کہ آپ اُس کی شکایت سن کر رونے لگے پھر دیکھئے کہ اُسی

شفقت ومہربانی نے پلٹ کر عامل کے حق میں کس قدر سختی ودرشتی اور غیظ وغضب کی صورت اختیار کرلی، مظلوم کے ساتھ انتہائی محبت اور ظالم کے ساتھ انتہائی تشدد۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ سرکشی وزیادتی کے خلاف جنگ کرنے سے کبھی باز نہ رہے جب بھی انہوں نے کسی مظلوم کو ظالم کے پنجہ میں گرفتار دیکھا انہوں نے ذرہ برابر بھی کمزوری نہ دکھلائی۔ وہ کمزوری دکھلاتے بھی کیوں کہ جب نرمی ومہربانی نے انہیں کی پامردی وثابت قدمی دے رکھی تھی اور باطل سے جنگ کرنے اور حق کو قائم کرنے کا انتہائی شیدائی بنا رکھا تھا۔

علیؑ کا یہ محکم عقیدہ تھا کہ:۔

لا بد من امام یوخذ به للضعیف من القوی وللمظلوم من الظالم حتی یستریح برٌّ ویستراح من فاجر۔

ایک ایسے امام کا ہونا ضروری جس کے ذریعہ کمزور کا حق طاقتور سے مظلوم کا ظالم سے وصول کیا جاسکے تاکہ نیکوکار راحت اٹھائیں اور بدکاروں کی طرف سے اطمینان نصیب ہو۔

ان اللّٰہ قد اعاذ النّاس من ان یجور علیهم۔	خداوند عالم نے لوگوں کو پناہ دے رکھی ہے اس بات سے کہ ان پر ظلم ہو۔

اور جب خدا ہی نے امان دے رکھی ہو تو ظلم کرنے والے اُن پر ظلم کیسے کرسکتے ہیں۔

انه امتحن الامراء بالجور	خداوند عالم نے حکام کا امتحان لیا ہے ظلم کے ذریعہ۔

لہٰذا جب وہ ظلم کریں گے تو اُن کی حکومت ختم ہوجائے گی کیونکہ

الظالم فلن یفوت اخذه فهو له بالمرصاد علی مجاز طریقه

اور اگر ظالم کو مہلت مل بھی گئی تو وہ خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکتا خود خداوند عالم اس شخص کی گھات میں ہے اور اس کی گھات بڑی سخت ہوگی۔

یوم العدل علی الظالم اشدّ من یوم الجور علی المظلوم۔

انصاف کا دن ظالم کے لئے اُس دن سے کہیں زیادہ سخت ہوگا جس دن اُس نے مظلوم پر ظلم کیا تھا مظلوم کو اتنی تکلیف نہ پہنچی ہوگی جتنی ظالم کو قیامت کے دن پہنچے گی۔

علی ابن ابی طالبؑ کے من جملہ ان احکام کے جو ہمیشہ ہی واجب التعمیل ہیں یہ احکام بھی ہیں کہ:۔

امرتکم بالشدة علی الظالم	میرا حکم ہے کہ ظالم کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔
وخذوا علی ید الظالم السفیه	نادان ظالم کا ہاتھ پکڑلو اسے ظلم کرنے سے روک دو۔

بے شک علی ابن ابی طالب کے دل میں جو شفقت وعطوفت تھی وہ ضامن تھی اُس بات کی کہ آپ حق وباطل کے معرکہ میں پوری

طرح ثابت قدم رہیں۔ وہ جب اس حق و باطل کی طرف متوجہ ہوتے تو فرماتے :۔

"لنظهر الاصلاح فی بلادك فيامن المظلوم من عبادك"

"خداوندا! ہماری کوشش محض یہ ہے کہ تیرے شہروں میں امن وامان قائم ہو تاکہ تیرے بندے محفوظ رہیں۔

اور جب اس معرکہ میں کود پڑتے تو فرماتے :۔

وایم الله لانصفن المظلوم من ظالمه فلاخذن الظالم بخزامته حتی اورده منهل الحق وان کان کارها۔

خدا کی قسم ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر کے رہوں گا۔ ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر کشاں کشاں حق کے چشمہ تک لاؤں گا چاہے اُسے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے" یا یہ فرماتے :۔

الکف عن البغی والانصاف للخلق واجتناب المفاسد فی الارض ؕ

ضروری ہے کہ ظالم ظلم سے باز رہے خلق کے ساتھ انصاف سے کام لے اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے سے باز رہے۔

اگر ہولناک جنگ ہوتی گھمسان کا رن پڑتا اور آپ اپنے ساتھیوں کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کا اندازہ اور اپنی حالت کا دوسروں کی حالت سے موازنہ کرتے تو فرماتے :۔

"ماضعفت ولاجبنت فلانقبن الباطل حتی یخرج الحق من جنبه"

میں نے نہ کمزوری دکھلائی نہ سستی۔ باطل سے میں اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک اس کے پہلو سے حق کو برآمد نہ کروں

آپ اپنی آنکھوں کے سامنے موت کو کھڑا دیکھتے مگر آپ کے ہاتھ لڑائی سے نکلتے نہ تھے، نہ آپ کے دل کو ذرہ برابر ہراس لاحق ہوتا خواہ سارا عرب ہی سمٹ کر آپ کے مقابل کیوں نہ آ کھڑا ہوتا اور ہر طرف سے آپ کی ناکہ بندی کر لیتا۔

آپ کو اپنے عدل و انصاف پر پورا بھروسہ اور اس بات کا محکم یقین ہوتا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ عدل و انصاف کے مطابق کر رہے ہیں فرمایا کرتے :۔

الذلیل عندی عزیز حتی اخذ الحق له، والعزیز عندی ذلیل حتی اخذ الحق منه" فوالله ما ابالی ادخلت علی الموت او خرج الموت الی۔

مرد کمزور و ضعیف میرے نزدیک طاقتور ہے اس وقت تک جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلوادوں اور مرد طاقتور و توانا میرے نزدیک کمزور ہے۔ جب تک اُس سے حق نہ وصول کر لوں" خدا کی قسم مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میں خود موت پر جا پڑوں یا موت مجھ پر آ پڑے۔

جس وقت آپ ظالموں کی کسی جماعت سے جنگ کر کے انہیں مغلوب کر لیتے لیکن ان ظالموں میں کچھ دم خم باقی رہ جاتا تو آپ فرماتے:۔

وبقیت بقیة من اهل البغی، لئن اذن الله فی الکرة لادیلن منهم الا ما یتشذر فی

اطراف البلاد تشذرا۔

ظالموں میں ابھی کچھ جان باقی رہ گئی ہے اگر خدا نے چاہا تو ہم انہیں جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکیں گے ہاں کچھ لوگ متفرق شہروں میں بھاگ نکلیں تو دوسری بات ہے۔

صاحبان علم حضرت علیؑ کے نزدیک پیشوایان امت ہیں، اسی وجہ سے اُن پر بہت سی اہم ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، سب سے بڑی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ ظالم کا مقابلہ اور مظلوم کی نصرت وحمایت کریں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

وقد اخذ الله علی العلماء ان لا یقادوا علی کظة ظالم ولا سغب مظلوم"

خداوند عالم نے علماء پر فرض کیا ہے کہ وہ ظالم کے زور زبردستی اور مظلوم کی بیچارگی و اندوہناکی پر خاموش بیٹھے نہ رہیں۔"

اس غرض سے کہ قوم وملت میں ظالموں کا وجود نہ رہے نہ ایسے لوگ ہوں جو ظلم میں معین ہوں یا ظلم پر راضی رہیں، علیؑ نے لوگوں کے گناہوں کے مختلف درجات قرار دیئے ہیں بعض گناہ ایسے ہیں جو معاف کر دیئے جا سکتے ہیں سوا ظلم کے کہ یہ کسی حال میں معاف نہیں کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

" واما الذنب لا یغفر فظلم العباد بعضهم لبعض۔

لیکن وہ گناہ جو بخشا نہ جائے گا وہ بعض انسان کا دوسرے انسان پر ظلم کرنا ہے۔

آپ کا نظریہ تھا کہ:۔

ظلم الضعیف افحش الظلم — کمزور پر ظلم کرنا بدترین ظلم ہے۔

اس طرح علیؑ نے ہر صورت و ہر طریقے سے ظلم دُور کرنے کی کوشش کی اور رعیت کے ساتھ آپ کا یہ دستور و طرزِ عمل رہا۔ ظالموں سے آپ نے زبان کے ذریعہ بھی جنگ کی اور تلوار کے ذریعہ بھی وہ اپنے اس عہد پر انتہائی مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ جب تک زندہ رہے ظالموں کے خلاف لڑائی لڑتے رہے یہاں تک کہ آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور اپنی جان جہاں آفریں کو سپرد کر دی اگر زمانہ کی نیرنگیاں نہ ہوتیں، حالات ناموافق نہ ہوتے تو بہت سی چیزوں کو آپ بدل کر رہتے۔

امیر المومنینؑ کا نظام حکومت

ولاۃ و عمّال کو ہدایات

"خبردار ایسی چیزوں میں ترجیحی حقوق کی خواہش نہ کرنا۔ جن چیزوں میں سبھی لوگ برابر کے حق دار ہیں۔"

(الامام علیؑ)

یہ جاننے کے بعد کہ انسانی سماج اور معاشرہ کے ساتھ امیر المومنینؑ کا ایسا محیر العقول عادلانہ برتاؤ تھا اور بنی آدم کے باہمی تعلقات و روابط کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار بنانے کے لئے آپ کی ایسی پاکیزہ روش تھی۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عہدنامہ کے کچھ حصے بھی یہاں پیش کر دیں جو امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت تحریر فرمایا تھا۔ یہ عہدنامہ آپ کے تمام عہدناموں میں سب سے زیادہ مبسوط اور عظمت و شان کے لحاظ سے انتہائی اہم ہے۔

ہم نے امیر المومنینؑ کی سیرت پر روشنی ڈالتے وقت امیر المومنین کے اکثر خطوط اور عہدناموں سے کام لیا ہے کیوں کہ آپ نے اپنے سب ہی خطوط و فرامین میں افراد اور جماعت کے حقوق بیان فرمائے ہیں لہٰذا ممکن ہی نہیں کہ ہم اس موقع پر مالک اشتر کے نام آپ کا وہ عہدنامہؒ نہ درج کریں جو آپ کا منتخب اور جامع ترین عہدنامہ ہے اور انسانی معاشرہ کے متعلق آپ کے جملہ عقائد و نظریات کو اپنے میں سمیٹے ہے۔

اس عظیم الشان عہدنامہ میں ولاۃ و عمال کے لئے آپ کا مکمل نظام حکومت مذکور ہے دو چار اصول و قواعد اور دوسری ضروری باتیں دیگر خطوط و فرامین میں بھی ملتی ہیں جنہیں موقع ملا تو ہم کتاب کے آخری حصے میں ذکر کریں گے۔

لہ ہم حضرت امیر المومنین حصہ رابعہ میں مالک اشتر کے نام حضرت کے اس عہدنامہ کا ترجمہ جناب علامہ ابن حسن صاحب رضوی جارچوی کے رسالہ "علیؑ اور ان کا طرز جہانبانی" سے مکمل نقل کر چکے ہیں، اس جگہ ہم پھر اسی رسالہ سے اس عہدنامہ کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ یہ چیز ہی ایسی ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اور پڑھنے کے بعد دعا مانگی جائے کہ کاش آج کل کی حکومتیں اس دستور کا سواں حصہ بھی اپنا لیں اگر ایسا ہو تو یہ زمین ہمارے لئے بہشت بن جائے۔

یہاں موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس بہترین و نفیس دستور حکومت کے چند اجزا پیش کرتے ہیں جو عقل و ضمیر کی پیداوار اور انسانوں کے درمیان ملّی و قومی روابط پیدا کرنے میں اپنی آپ نظیر ہے۔

امیر المومنینؑ مالک اشتر کے نام اپنے عہدنامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اے مالک! یہ سمجھ لو کہ میں تم کو ان شہروں کی طرف بھیج رہا ہوں جہاں تم سے پہلے صاحب عدل اور صاحب جور حکومتیں گزر چکی ہیں (یاد رکھو) کہ لوگ تمہارے امور کو بھی اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم اپنے پیش رو والیانِ ملک کے امور کو دیکھتے رہے ہو اور تمہاری بابت بھی وہی باتیں کہیں گے جو تم (گذشتہ حکام) کی بابت کہتے رہے ہو۔

اور صالحین (کی صلاحیت) پر اُسی (ذکر جمیل) سے استدلال کیا جاتا ہے جو اللہ زبان خلق پر جاری کر دیتا ہے۔ پس چاہیے کہ عمل صالح کا ذخیرہ تمہارے نزدیک محبوب ترین ذخیرہ ہو۔ اپنی خواہشات نفسانی پر قابو رکھو اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس جن امور کو پسند کرتا ہو اور جن سے اُس کو نفرت ہو اُن کی نسبت اُس کو انصاف پر مائل کرو اور اپنے دل میں رعیّت پر لُطف و محبت اور مہربانی کرنے کا جذبہ و احساس پیدا کرو اور اُن کے ساتھ ضرر رساں درندہ کا سا سلوک نہ کرو جو اُن کو کھا لینا ہی غنیمت سمجھتا ہے، کیوں کہ اُن میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا تو تمہارے دینی بھائی یا وہ لوگ جو (چہرے، مہرے ہاتھ پاؤں اور جسم کی، بناوٹ کے لحاظ سے تم ہی جیسے انسان ہیں (تمہاری طرح) اُن سے بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں، اور ان کو بھی (خطا و نسیان اور سہو و عصیان) کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور ان سے عمداً سہواً برائیاں سرزد ہو جاتی ہیں، پس تم ان کو اسی طرح معاف کر دیا کرو اور درگذر کرتے رہو جس طرح تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو معاف کر دے اور تمہاری برائیوں کو درگذر کرے (اس دنیا میں ایک کے اوپر دوسرا نگران موجود ہے، تم ان لوگوں پر (حاکم) ہو تمہارا امیر تم پر (نگران) ہے اور خدا اس پر بھی (حاکم) ہے جس نے تم کو والی بنایا ہے، اُن کے اُمور کا متکفل کیا ہے اور ان کے ذریعہ سے تمہاری آزمائش کرنی چاہی ہے۔

اور (قوانین فطرت) خدا سے جنگ مول لے کر اپنے نفس کو تعجب میں نہ ڈالو کیونکہ تمہارے اندر نہ اُس کے عذاب کو دفع کرنے کی طاقت ہے، نہ اُس کے عفو رحمت سے مستغنی ہونے کی قوت (کسی کو معاف کر کے) نادم و شرمندہ نہ ہو، (کسی کو سزا دے کر خوش نہ ہو اور (غصہ میں کوئی ایسی بات یا کام کرنے میں جلدی نہ کرو، جس کے ترک کی گنجائش ہو اور یہ نہ کہتے پھرو کہ میں امیر ہوں کہ حاکم ہوں، میری اطاعت لازم ہے، کیوں کہ اس سے قلب فاسد اور دین کمزور ہوتا ہے، اور تغیّرات دنیا قریب آ جاتے ہیں، اور جب کبھی ریاست و امارت تمہارے دل میں تکبّر اور گھمنڈ پیدا کرے تو غور کرو کہ تمہارے اوپر اللہ کی حکومت کتنی عظیم الشان ہے اور خود تمہارے نفس کی ان باتوں پر وہ قدرت و تصرف رکھتا ہے جو تم نہیں رکھتے، اس سے تمہارا جوش نخوت کم اور حدتِ شعور دب جائے گی اور گئی ہوئی عقل واپس آ جائے گی۔

دیکھنا! عظمت و اقتدار میں خدا کے مقابل اور سطوت و جبروت میں اس سے مشابہ بننے سے بچتے رہنا کیوں کہ وہ ہر جبار کو ذلیل اور ہر متکبّر کو خوار کر دیتا ہے۔

اپنے نفس، اپنے خاص اعزاء اقارب اور ان افراد رعیت کے مقابلہ میں جن کی طرف تم کو خاص میلان طبع ہو خدا اور عامۃ الناس کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھو لہ

اگر تم ایسا نہ کروگے تو ظالم ٹھہروگے اور جو شخص بندوں پر ظلم کرتا ہے خدا خود اپنے بندوں کی طرف سے اُس کا مخالف بن جاتا ہے اور جس سے وہ مخالفت و مخاصمت کرے اُس کی حجت کو وہ باطل کر دیتا ہے اور جب تک وہ باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے وہ اُس سے برسر جنگ رہتا ہے اور ظلم سے زیادہ کوئی چیز اس کی نعمت کو بدلنے اور اس کے عذاب کو قریب کر دینے والی نہیں ہے، کیونکہ وہ مظلوموں کی دعاؤں کو سننے والا ہے اور ظالموں کی گھات میں رہتا ہے۔

جمہور کی رضامندی

اور تم کو وہی امر سب سے زیادہ پسند ہونا چاہیے جو بلحاظ حق سب سے زیادہ وسط میں واقع ہو، بلحاظ عدل سب سے زیادہ عمومیت رکھتا ہو اور رعایا کی رضامندی کا سب سے زیادہ جامع ہو، کیونکہ عامۃ الناس کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر و بے سود بنا دیتی ہے اور عامۃ الناس کی رضامندی کے ساتھ خواص کی ناراضگی ناقابلِ التفات ہو جاتی ہے، تمام رعایا میں طبقۂ خواص سے زیادہ (حسب ذیل برائیاں) رکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

(۱) خوش حالی کے وقت والی کے لئے سب سے زیادہ بارِ خاطر۔

(۲) مصیبت کے وقت سب سے کم مدد کرنے والا۔

(۳) انصاف و عدل سے نفرت کرنے والا۔

(۴) سوال کرنے میں بیحد اصرار کرنے والا۔

(۵) اگر عطیات ملیں تو سب سے کم شکر گذار۔

(۶) نہ ملیں تو قبول عذر میں بہت سست۔

(۷) حوادث زمانہ پر سب سے کم صبر کرنے والا۔

(طبقہ خاص کا تو یہ حال ہے، برخلاف اس کے) عامۃ الناس ستونِ دین اور نظامِ مسلمین ہوتے ہیں دشمنوں کے مقابلے میں تیار فوج کا کام دیتے ہیں۔ پس تمہارا رجحانِ خاطر اور میلانِ طبع انہی کی طرف ہونا چاہیے۔

چغل خور سے بچو

تم کو چاہیے کہ رعیت کا جو آدمی لوگوں کی عیب جوئی میں زیادہ مشغول رہتا ہو، اس کو اپنے پاس سے بہت

لہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے نفس یا اپنے عزیزوں اور منظور نظر افراد رعایا کی خاطر تم حقوق عباد کو ضائع و برباد کرو کہ بحر دنیا میں یہی تین چٹانیں ہیں جن سے ٹکرا کر عدل و انصاف کے جہاز پاش پاش ہوا کرتے ہیں۔

لہ مطلب یہ ہے کہ تمہارا طرز حکومت ایسا ہو جو عامۃ الناس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے تاکہ تم کو وہ محبوب سمجھنے لگیں کہ اصل میں حکومت کی بقا عامۃ الناس کی خوشنودی پر مبنی ہے۔

دور رکھو، کیونکہ لوگوں میں عیوب تو ضرور ہوتے ہیں اور والی سے زیادہ ان کی پردہ پوشی کا حق کس کو ہوسکتا ہے۔ پس جو عیوب تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں۔ ان کی تلاش نہ کرو، کیونکہ تم پر تو انہیں عیوب کا ازالہ فرض ہے جو ظاہر ہوں اور جو تمہاری نظر سے پوشیدہ ہوں ان کا فیصلہ خداوند عالم کرے گا پس حتی الامکان لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالو تاکہ خدا بھی تمہارے وہ عیوب چھپائے جن کو تم رعیت سے مخفی رکھنا چاہتے ہو۔

لوگوں کے دلوں سے ہر قسم کے حسد اور کینہ کی گرہ کھولتے اور ہر طرح کی عداوت کے سبب کو رفع کرتے رہو اور جو امور تمہارے لئے مناسب نہیں ان کو نظر انداز ہی کرتے رہو اور چغل خور کی باتوں کی تصدیق کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ ایسا شخص دل کا کھوٹا ضرور ہوتا ہے اگرچہ وہ ناصح (مشفق) ہی کے لباس میں کیوں نہ نظر آئے۔

مشیر کیسا ہونا چاہیئے

اپنے مشورہ میں بخیل کو ہرگز داخل نہ کرو جو تم کو رعایا پر تفضل کرنے سے روکے اور فقیر ہو جانے کا خوف دلائے۔ اور نہ اس بزدل کو (شریک کرو) جو تم کو انصرام امور میں کمزور بنائے اور نہ اس حریص کو (شریک کرو) جو حرص و طمع کو تمہاری نگاہ میں زینت دے۔ بات یہ ہے کہ بخل جبن اور حرص ہیں تو مختلف طبعی (خصائل) مگر ان کا جامع اور قدر مشترک اللہ کی طرف سے سوءِ ظن[1] ہے

انتخاب وزراء

تمہارا سب سے بُرا وزیر وہ شخص ہوگا جو تم سے پہلے اشرار کا وزیر اور معاصی میں ان کا شریک رہ چکا ہو پس لازم ہے کہ وہ تمہارے خواص میں داخل نہ ہونے پائے، کیونکہ ایسے لوگ گنہگاروں کے مددگار اور ظالموں کے بھائی ہوتے ہیں، تم کو ان کے اخلاف میں وہ لوگ مل سکتے ہیں جو انہی کی طرح صائب الرائے اور صاحب نفوذ و اثر ہوں اور ان کی طرح گناہوں کا بار بھی اپنی گردن پر نہ رکھتے ہوں (یہ ایسے لوگ ہوں گے) کہ انہوں نے کسی ظالم کی مدد ظلم میں اور کسی گنہگار کی تائید اس کے گناہ میں نہ کی ہوگی، وہ لوگ تمہارے لئے نہایت سُبک بار، اچھے مددگار اور سب سے زیادہ مہربان ثابت ہوں گے، ان کو تمہارے اغیار سے بہت کم الفت ہوگی، پس تم انہیں لوگوں کو خلوت اور جلوت میں خاص ہم نشین بناؤ اور ان میں سے بھی اس شخص کو ترجیح دو جو حق کی تلخ باتیں سب سے زیادہ کہنے والا ہو اور ایسے امور میں تمہاری مساعدت سب سے کم کرنے والا ہو جن کو خداوند عالم اپنے دوستوں کے لئے پسند نہیں کرتا خواہ وہ تمہاری خواہش دل کے کتنے ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔

خوشامد پسند نہ ہو

اہل ورع اور صدق سے ملو اور ان کو اس کا عادی بنالو کہ تمہاری زیادہ تعریف نہ کیا کریں اور کسی ایسے کام کو جو تم نے کیا نہ ہو جھوٹ موٹ تمہاری طرف منسوب کرکے تمہارا دل خوش نہ کریں، کیونکہ مدح و ثنا کی کثرت عجب و نخوت پیدا کرتی ہے اور کبر و غرور سے قریب کردیتی ہے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے فضل و کرم اور اسی کی قدرت کاملہ کا یقین نہیں رکھتا وہی ان بُری عادتوں کا شکار ہوتا ہے۔

اچھے اور بُرے کا فرق

نیک عمل اور بدکار دونوں تمہارے نزدیک برابر نہ ہوں اس لئے کہ ایسا کرنا نیکوں کو اچھے کام سے روگرداں اور بدکاروں کو بُرے کام کا خوگر بنا دیتا ہے۔ اسی لئے ہر شخص کو اسی (چیز) کا مستحق قرار دو جس کو اس نے اپنے نفس کے لئے لازم کر لیا ہے۔

حُسنِ ظن کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟

یہ جان لو کہ اس سے زیادہ کوئی شئے حاکم کے دل میں رعیّت کی طرف سے حُسنِ ظن پیدا کرنے والی نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کرے اور ان کے بار کو ہلکا کرتا رہے، اور ایسے امور پر ان کو مجبور کرنا چھوڑ دے جو ان کے بس کے نہیں ہیں۔ پس تم سے وہی بات ظاہر ہو جو تمہارے دل میں رعیّت کی طرف سے حُسنِ ظن پیدا کر سکے۔ یہ حُسنِ ظن تمہارے بہت سے تعب کو دور کر دے گا اور درحقیقت وہی شخص تمہارے حُسنِ ظن کا زیادہ حقدار ہے جس کے ساتھ تم نے نیک سلوک کیا ہے اور سوءِ ظن کا حقدار وہ ہے جس کے ساتھ تم نے بُرا سلوک کیا ہے [۱]

قدامت پسندی اور تجدد

اور تم اس اچھی سنت (طریقہ و قاعدہ) کو نہ توڑو جس پر اس امت کے اگلے لوگ عمل کرتے رہے ہیں، جس سے امت کے درمیان رشتۂ الفت قائم ہے اور جس پر رعیّت کی صلح و صفائی کا مدار ہے، اور کوئی نیا طریقہ ایسا نہ ایجاد کرو جو (ان اچھی) سنن قدیمہ میں سے کسی کو نقصان پہنچائے کیونکہ اجر تو اس کو ملے گا جس نے یہ سنت جاری کی تھی اور اس کے توڑ دینے کا سارا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

اور ان امور کے ثابت و قائم رکھنے کے لئے جن کی وجہ سے تم سے پہلے (اس ملک کے) شہروں کے معاملات درست رہے اور وہاں رہنے والے لوگوں کی خوشحالی قائم رہی علماء و حکماء سے بکثرت مشورے کرتے رہا کرو۔

اپنی فوجوں پر اس شخص کو افسر مقرر کرو جو سب سے زیادہ صاف باطن ہو اور بلحاظ علم و عقل سب سے افضل ہو، اس کو دیر میں غصہ آتا ہو، اور عذر قبول کر لیتا ہو، ضعیفوں پر مہربان اور قوی لوگوں پر سخت ہو قساوت کی وجہ سے تند مزاج اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہو جاتا ہو۔

ان لوگوں کے امور کی ایسی دیکھ بھال کرتے رہو جیسے والدین اپنی اولاد کی (نگہداشت) کرتے ہیں اور تم اپنے دل میں کسی ایسی چیز کو جس کے ذریعہ سے تم نے ان کو قوت پہنچائی ہے بڑا نہ سمجھو (کہ وہ اس سے بڑے احسان کے اہل ہیں) اور کسی مہربانی کو جو تم نے ان کے ساتھ کی ہو حقیر نہ سمجھو اگرچہ (واقعی) وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ بھی ان کے دل میں

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ تم ہمدردی کی امید اسی سے رکھ سکتے ہو جس سے تم نے نیک سلوک کیا ہو جن کے ساتھ برائی کی ہے اس سے سوائے برائی کے تم کو اور کیا حاصل ہو سکتا ہے [۲] مطلب یہ ہے کہ اچھے عمل والوں کو انعام و اکرام کا مستحق ٹھہراؤ کہ دوسروں کو عمل صالح کی ترغیب اور بد اعمال کو سزا دو کہ اس کو دیکھ کر اور لوگ عبرت حاصل کریں۔

تمہاری طرف سے خلوص و حسنِ ظن پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

اور ان کے چھوٹے چھوٹے امور کی خبر گیری کرنا اس بھروسہ پر نہ چھوڑو کہ تم نے اُن کے بڑے امور کی دیکھ بھال کر لی ہے۔ کیونکہ تمہاری تھوڑی مہربانی بھی بہ محل ہوتی ہے کہ اس سے وہ منتفع ہوتے ہیں اور بڑی عنایت بھی باموقع ہوتی ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اور فوج کے افسروں میں سے اسی کو تمہارے حضور میں ترجیح ہونی چاہیئے جو (فوجیوں) کی غمخواری کرتا ہو۔ اور اپنے مال و دولت سے ان کو اتنا فیض پہونچاتا ہو کہ ان کے لئے اور ان کے اہل و عیال کے لئے جن کو وہ پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں کافی ہو سکے یہاں تک کہ ان کو ایک ہی فکر باقی رہ جائے یعنی دشمن سے جہاد، اور بس ان کے حال پر تمہاری یہ توجہ ان کے قلوب کو تمہاری طرف مائل کرے گی۔

اور والیانِ ریاست کے لئے بہترین خنکی چشم (اور مسرت قلب) کا باعث یہی ہو کہ شہروں میں عدل و انصاف قائم ہو اور رعیت کی محبت و مودت ظاہر ہوتے لگے، اور جب تک ان کے دل سالم اور صاف نہ ہوں ان کی طرف سے محبت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور ان کا اخلاص اس وقت تک درست (و قابل اعتبار نہیں) ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں۔ اس کے عہد دولت کو گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دیں کہ اس کی مدت حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی پس تم انکی امیدوں کو پورا کرتے میں وسعت سے کام لو اور برابر ان کی مدح و ثنا کرتے رہو اور ان کے بہادروں نے جو بڑے بڑے کام انجام دیئے ہوں ان کا ایک ایک کرکے شمار و اظہار کرتے رہو کیونکہ اچھے کاموں کا کثرت سے ذکر کرنا شجاع کو حرکت میں لائے گا اور پست ہمت کو جرأت دلائے گا۔ انشاء اللہ

پھر یہ واقفیت حاصل کرتے رہو کہ کس نے کون سا بڑا کام انجام دیا ہے۔ اور ایک کے کارنامے کو دوسرے کی طرف منسوب نہ کرو، اور اس کارنامے کی وجہ سے وہ جس انعام و اکرام کا مستحق ہو اس میں کمی نہ کرو (اور دیکھنا ایسا نہ ہو کہ) کسی آدمی کی وجاہت و شرافت تم کو اس طرف مائل کر دے کہ تم اس کے چھوٹے کاموں کو بڑا سمجھنے لگو اور کسی کی کم حیثیتی اس بات کی ترغیب دلائے کہ تم اس کے بڑے کاموں کو بھی حقیر جانے لگو۔

محکمۂ قضا

لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہارے خیال میں تمہاری ساری رعیت میں افضل ہو، معاملات کی پیچیدگی اس کو تنگی میں نہ ڈالتی ہو۔ جھگڑا کرنے والوں کی (رد و قدح) اس کو غضبناک نہ کرتی ہو اور وہ خطا پر (اُ کے ظاہر ہونے کے بعد) قائم نہ رہتا ہو اور حق پر مطلع ہو جانے کے بعد اس کی طرف بازگشت کر لینے سے تنگ نہ ہوتا ہو اور اپنے نفس کو طمع (کے مارم) میں نہ گرا دیتا ہو اور معاملات میں انتہائے فہم سے کام لینے کے بجائے (سرسری نظر اور) معمولی فہم پر اکتفا نہ کرتا ہو، مواقع شبہات میں جہاں کوئی نص صریح نہ مل سکے اٹکل پچو حکم صادر کرنے والا نہ ہو بلکہ) سب سے زیادہ توقف و تامل کرنے والا ہو اور اپنے (فیصلوں میں) دلائل (شرعیہ) و براہین (قطعیہ) سے تمسک کرنے والا ہو مقدمہ لڑنے والے کی جوابدہی سے بہت کم تنگ دل اور حقائق امور کو منکشف کر لینے کی (زحمت) پر صبر کرنے والا اور حکم صحیح ظاہر ہو جانے کے بعد (نزاع و خصومت) کو قطع کرنے والا ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہو جو دوسروں کی مدح و ثنا (اور خوشامد) کرنے سے

پھول نہ جاتے ہوں اور کسی کے ابھارنے سے (ناحق کرنے پر) مائل نہ ہوتے ہوں (دنیا میں) ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں پھر تم (اُس کی طرف سے غافل نہ رہو بلکہ) اس کے فیصلوں کی اکثر دیکھ بھال کرتے رہو۔ اور اس کے ساتھ بذل و عطا میں اتنی وسعت دو کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور اس کو لوگوں کی احتیاج باقی نہ رہے (اور طبیعت رشوت ستانی پر مائل نہ ہو) اپنے نزدیک اس کو وہ قرب و منزلت عطا کرو جس کی تمہارے خواص میں سے کوئی دوسرا طمع نہ کر سکتا ہو۔ تاکہ وہ تمہارے ہاں لوگوں کی بدگوئی سے محفوظ رہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اس پر خوب غور و فکر ہو کیونکہ یہ دین پہلے اشرار کے ہاتھوں میں گرفتار تھا۔ ہوائے نفس کے حکم کے مطابق اُس پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا۔ اور اس کو طلب دنیا کا وسیلہ بنایا جاتا تھا۔

عمالِ سلطنت

اب اپنے عاملوں کے امور پر غور کرو (دیکھنا) اُن کا تقرر جانچنے پرکھنے کے بعد کرنا۔ (ایسا نہ ہو کہ) اپنے استبداد اور خود داری سے محض بطور پرورش و اعانت کسی کو حاکم مقرر کرو کیونکہ کسی خصوصیت کی بنا پر یا بطور پرورش اپنی رائے سے حاکم مقرر کر دینا) طرح طرح کی خیانت اور ظلم و جور کو جمع کر دیتا ہے۔ تم ان کو پورا پورا رزق عطا کرو کیونکہ اس کی بدولت اُنہیں اپنے نفس کے لئے طلب اصلاح کی قوت اور اپنے قبضہ میں رہنے والے اموال پر تصرف کرنے سے استغنا ہو جائے گا۔ اور اس کے باوجود) اگر وہ تمہارے حکم کی مخالفت کریں اور تمہاری امانت میں خیانت کریں تو تم کو اُن پر ایک حجت ہاتھ آجائے گی ۔ اور یہ نہ ہو کہ تم اُن کا تقرر کر کے بالکل غافل ہو جاؤ) بلکہ ان کے کاموں کے متعلق تحقیق و تفتیش بھی کرتے رہو۔ اور ایسے (جاسوس اور) نگراں ان پر مقرر کرو جو صاحبِ صدق اُن کے امور کی جانچ کے لئے خفیہ پولیس کا مقرر کر دینا ان کو امانت داری اور رعیت کے ساتھ رفق و مدارا کرنے پر آمادہ کرتا رہے گا

صیغہ مال گزاری

پھر معاملات خراج کی چھان بین اس طریقہ سے کرو اہل خراج کی بہبودی کا باعث ہو سکے۔ کیونکہ خراج اور اہل خراج ہی کی بہبودی کے ساتھ دوسروں کی بہبودی وابستہ ہے اور انہی کے ذریعہ سے دوسروں کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کل آدمیوں کی معیشت اور گزر بسر کا دارو مدار خراج اور اہل خراج پر ہے۔ اور (دیکھنا) خراج کی وصولی سے زمین کی آبادی یعنی کاشت وغیرہ ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ خراج بغیر آبادی کے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اور جس نے زمین کو آباد کئے بغیر خراج طلب کیا اُس نے ملک کو خراب اور بندگان خدا کو برباد کیا اور اس کی حکومت چند دن سے زیادہ نہ چل سکے گی اگر (کاشتکار) مقدار خراج کے بھاری ہونے یا کسی آفت ناگہانی اور زراعتی بیماری (ٹڈی دل کا گزرنا، کیڑا لگ جانا وغیرہ) یا آبپاشی کے بند ہو جانے، بارش نہ ہونے، زمین کے غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب نہ ہو سکنے سے بوئے بیج کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو (اُن کے خراج) سے اتنی مقدار جس سے اُن کی اصلاح حال کی توقع ہو کم کر دو۔ یہ تخفیف تم پر گراں نہ گزرے کیونکہ یہ ایک ذخیرہ (INVESTMENT)

ہے جس کو وہ تمہارے ملک کی آبادی اور ولایت کی زیب و زینت کی شکل میں تم کو واپس کر دیں گے، اُس کے ساتھ ہی ساتھ تم کو اُن کی مدح و ثنا بھی حاصل ہو گی اور اُن میں عدل و انصاف جاری کرنے سے تم کو مسرت و شادمانی بھی نصیب ہو گی، ان کو راحت پہونچا کر جو کچھ تم نے اُن کے پاس ذخیرہ (INVEST) کیا ہے۔ وہ خوشحالی اور فراوانی کے (زمانہ میں) اُن کی بچی ہوئی روزی سے وصول کر کے (عند الضرورت) سہارا بنا سکو گے۔ ان کے ساتھ نرمی کر کے اور اُن کو اپنے عدل و انصاف کا عادی بنا کر اُن کا اعتماد بھی حاصل کر لو گے اُس کے بعد اگر ناگہانی امور پیش آئیں گے۔ اور تم اُن سے مدد طلب کرو گے تو وہ بخوشی اس کا بار اُٹھا سکیں گے، کیونکہ (ملک کی آبادی) و خوشحالی ہر بار اُٹھا سکتی ہے اور زمین والوں کا افلاس ہی زمین کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اور افلاس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کے نفوس (مال و دولت جمع) کرنے پر مائل ہو جاتے ہیں۔ اُن کو اپنے عہدوں پر باقی رہنے کا اطمینان نہیں رہتا اور (زمانے کے) عبرتناک (واقعات) سے بہت کم نفع حاصل کرتے ہیں۔

سکریٹری ایٹ

پھر تم اپنے کاتبوں (دبیروں، سکریٹریوں) کے حالات پر نظر کرو، اُن میں سے بہتر شخص کو اپنے (خاص) امور پر معیّن کرو، کیونکہ جو اپنے نفس کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے۔ وہ دوسرے کی قدر سے کیا واقف ہو گا (تم کو چاہیئے کہ) محض اپنی عقل و فراست، اعتماد اور حُسنِ ظن کی بنا پر اُن کا انتخاب نہ کرو، کیونکہ (بسا اوقات) لوگ محض تصنّع اور حسنِ خدمت (چاپلوسی) ہی کو حکام کی نظرِ فراست میں تعارف و روشناسی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ حالانکہ باطن میں اخلاص و دیانت کا پتہ بھی نہیں ہوتا، پس اُن کا انتخاب اُن خدمات کی بنا پر کرو جو انھوں نے تم سے پہلے گزرے ہوئے صالح (حکام) کے لئے انجام دی ہیں، اُس شخص کو (مقرر) کرنے کا قصد کرو جو عامّۃ النّاس میں سب سے زیادہ باثر اور امانت داری میں مشہور ہو، پس جب تمہارے کاتبوں میں نقص ہو گا اور تم اس سے تغافل کرو گے تو اس کا الزام تمہارے ذمہ عائد ہو گا۔

تجار و صنّاع

پھر تم سوداگروں کی بابت عام اس سے کہ وہ مقیم ہوں یا مال لے کر شہروں میں پھرنے والے ہوں نیز اہلِ صنعت و حرفت کی بابت (جو اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر روزی کماتے ہیں) سفارش قبول کرو اور اپنے (عمال) کو اُن کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیّت کرو، کیونکہ (تجار و صنّاع) یہی لوگ منافع کے مواد اور فوائد کے اسباب ہیں اُن کو وہ دور دست مقامات، بحر و بر، دشت و کوہ سے کھینچ کر لاتے ہیں۔ تم اُن کے امور کی تفتیش و نگرانی اپنے سامنے اور اطراف بلاد میں کرتے رہو۔ مگر اُن کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین رکھو کہ ان میں سے اکثر لوگوں میں بلا کی تنگدلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی موجود ہوتی ہے نفع کمانے کے لئے احتکار[1] کرتے ہیں اور بیچنے میں تحکم کرتے ہیں (یعنی کم تولتے

۱؎ احتکار، مال کو اس اُمید میں روکے رکھنا کہ جب گراں ہو گا تو فروخت کریں گے۔

ہیں اور دام زیادہ لیتے ہیں) یہ امر عامۃ الناس کے لئے نقصان رساں اور حکام کے لئے عیب ہے۔ پس تم اُن کو احتکار سے باز رکھو کیونکہ رسولِ خدا نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اور چاہیئے کہ خرید و فروخت سہل اور موازین عدل[1] کے مطابق ہو اور ایسے نرخ پر ہو جو فریقین میں سے کسی کو خسارہ میں نہ رکھے۔ جو شخص تمہاری طرف سے ممانعت صادر ہونے کے بعد بھی احتکار کا مرتکب ہُوا اس کو تعزیر اور سزا دو، مگر دیکھنا اس میں ظلم و زیادتی نہ ہو۔

سماج کا سب سے پست طبقہ

پھر خُدا سے اس طبقہ ادنی کی بابت ڈرو جو بیچارہ لوگوں، مسکینوں، فقیروں، بیماروں اور اپاہجوں پر مشتمل ہے۔ اُن کے لئے اللہ کا وہ حق محفوظ رکھو۔ جس کی حفاظت کا اُس نے تم کو حکم دیا ہے (اُن کی امداد دو مدوں سے کرو) ایک تو اپنے بیت المال سے اور ایک ہر خطہ کی اُن زمینوں کے غلّوں سے جو غنیمت حاصل ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان میں دور رہنے والوں کا بھی ویسا ہی حق ہے، جیسا قریب رہنے والوں کا، اور تم ہر ایک کے حق کے نگران و محافظ بنائے گئے ہو، پس (نعمت و دولت کا) غرور تم کو غافل نہ کرے کیونکہ صرف اس وجہ سے کہ تم اہم امور کو محکم طور پر سر انجام دے چکے ہو قلیل و حقیر امور کو ضائع کر دینے پر معذور نہیں سمجھے جا سکتے۔ پس تم اُن کی جانب سے اپنی توجہ کو نہ ہٹاؤ اور اپنا چہرہ ان کی طرف سے نہ موڑو اور ان میں سے جو تم تک نہ پہونچ سکتے ہوں اُن کے امور کا تجسس کرو۔

تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں۔ اور ان یتیموں اور سن رسیدہ لوگوں کی خبر گیری کرو جو نہ خود اپنی معاش کے لئے) کوئی حیلہ رکھتے ہیں اور نہ دست سوال پھیلانے کے لئے دوسروں کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔

دربارِ عام

اور (اپنے اوقات کا) ایک حصّہ اہلِ حاجت کے لئے مخصوص کر دو جس میں تم اپنی ذات کو (دوسرے کاموں سے) فارغ کر لو ایک مجلس عام میں آ بیٹھو اور اُس خُدا کی خوشنودی کے لئے جس نے تم کو خلق کیا ہے، اس مجلس عام میں متواضع اور منکسر المزاج رہو، اپنی فوج، پولیس اور چوکیداروں کو اہلِ حاجت کے ساتھ تعرض کرنے سے باز رکھو تاکہ بولنے والے بے خوف و دہشت تم سے کلام کر سکیں، میں نے بہت سے مواقع پر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ وہ اُمت جس میں بے خوف و خطر قوی سے ضعیف کا حق نہیں لیا جاتا خدا کی تقدیس نہیں کرتی اُن کی سخت کلامی و بدزبانی کو برداشت کرو اور تنگ دلی اور استکبار کو ان کی طرف سے دور کرو۔

تمہارے معاملات میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو تمہیں بذاتِ خود انجام دینا پڑے گا (مثلاً) عمال کے (ایسے مراسلوں کا) جواب دینا جس کے جواب سے تمہارے سکریٹری (ناواقفیت کی وجہ سے) عاجز ہوں یا عامۃ الناس کی دن کے دن حاجت روائی کر دینا (کہ اکثر اس امر سے) تمہارا معین و مددگار عملہ تنگ ہو جاتا ہے۔ (اور اپنی اغراض کی بنا پر اُس کو ٹال دینا چاہتا ہے

[1] یعنی ترازو ٹھیک اور باٹ پورے ہوں۔

ہر دن کے لئے مخصوص کام ہوتے ہیں، اس لئے ہر روز کا کام اُسی روز تمام کر دیا کرو۔

گوشہ نشینی

ان تمام باتوں کے علاوہ یہ خیال رکھو کہ بہت طویل مدت تک رعیت سے چھپے نہ رہا کرو، کیونکہ والی کا رعیت سے مخفی رہنا (امور متعلقہ میں) تنگی اور قلت اطلاع کا باعث ہوتا ہے، ان سے حجاب میں رہنا باہر کی باتوں کے علم کو قطع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بڑی باتیں چھوٹی اور چھوٹی باتیں بڑی ہو جاتی ہیں، اچھے کام بُرے اور بری باتیں اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور حق باطل سے مخلوط اور مشتبہ ہو جاتا ہے آخر والی بھی بشر ہی ہے وہ اُن اُمور کو نہیں جان سکتا جن کو لوگ اس کی نظروں سے چھپائے رہتے ہیں۔ اور حق (کی پیشانی) پر ایسی کھلی ہوئی کوئی علامت بھی نمودار نہیں ہوتی جس کی وجہ سے صدق کی اقسام کو کذب سے علیحدہ پہچان لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ تم دو میں سے ایک ہی قسم کے آدمی ہو یا تو ایسے شخص ہو جس کا نفس حقوق عطا کرنے میں سخی ہے تو پھر چھپنے کی کیا وجہ ہے؟ آیا اُس حق واجب کی وجہ سے جس کو تم عطا کر رہی ہو، یا اُس اچھے عمل کی وجہ سے جس کی بخشش تم عام کئے ہوئے ہو؟ یا تم بخل کے مرض میں مبتلا ہو (اگر ایسا ہے) تو لوگ (دو چار ہی دن آئیں گے) پھر مایوس ہو کر جلد ہی سوال سے باز آ جائیں گے اور پھر لوگوں کی بہت سی حاجتیں ایسی بھی تو ہوتی ہیں جن کا تم پر کوئی بار نہیں پڑتا، جیسے کسی ظالم کی شکایت، یا کسی معاملہ میں انصاف چاہنا۔

اپنے خواص واقارب کو دوسروں پر مسلط ہونے کا موقع نہ دو

پھر (یہ واضح رہے) کہ والی کے بعض خاص لوگ اور اقارب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو دوسرے کی ہانڈی اتار کر اپنی چڑھانے، (لوگوں کے اموال پر) دست درازی کرنے اور معاملات میں ناانصافی برتنے کی عادت ہوتی ہے، پس ان تمام (خرابیوں) کے اسباب کو دفع کر کے ان کے مادہ (شر) ہی کو ختم کر دو (یعنی ان کو وہ اختیارات ہی نہ دو جن کی بدولت وہ یہ زیادتیاں کر سکیں) اپنے حاشیہ نشینوں اور حامیوں کے لئے کوئی جاگیر نہ مقرر کرو اور ان کو اپنی طرف سے کسی ایسی جائداد کی طمع نہ دلاؤ جس سے آس پاس کے لوگوں کو آبپاشی یا کسی اور مشترک کام میں ضرر پہنچنے کا امکان ہو کہ وہ نقصان کا بار دوسروں کے سر ڈالیں گے، اس طرح خوش گوار فائدہ تو اُن کو ہوگا اور دنیا و آخرت میں تم پر مفت میں اس کا الزام رہے گا۔

اور ہر اُس شخص کے لئے جس پر واجب ہو حق کو لازم کرو عام اس سے کہ یہ شخص تم سے قریب ہو یا بعید، اور تم مستقل مزاج رہو، خواہ اُس حق (کا اثر) تمہارے خواص واقارب ہی پر کیوں نہ پڑے) عاقبت کی بہتری کا قصد کرو کہ

لے امراء و حکام اسی خوف سے گوشہ نشین رہتے ہیں کہ مستحقین اپنا حق مانگیں گے اور حاجت مند اپنی حاجتیں پیش کریں گے۔ پس اگر تم سخی ہو تو تم کو روپوشی کی ضرورت نہیں، اور اگر بخیل ہو تو مایوس ہو کر لوگ خود ہی آنا چھوڑ دیں گے۔

اس وقت تو یہ امر تم پر گراں ہوگا مگر انجام اس کا بہتر ہوگا۔

رعایا کے سامنے صفائی پیش کرو

اور اگر رعیّت کو تمہاری طرف کسی ظلم کا سوءِ ظن پیدا ہو جائے۔ تو تم اپنا عذر اس کے سامنے ظاہر کرو اور اُس کے شبہات کو دُور کر دو، اس عذر طلبی سے تمہارے نفس کی ریاضت ہوگی۔ اور رعیّت پر مہربانی اور شفقت، اور تمہارا یہ مقصود بھی پورا ہو جائے گا کہ وہ (راہ) حق پر قائم ہو جائے۔

دعوتِ صُلح

اور تم کسی ایسی (دعوت) صُلح کو رد نہ کرو جو دشمن کی طرف سے پیش ہو اور خدا کی مرضی اور خوشنودی بھی اس میں ہو، اس لئے کہ صلح سے فوج کو آرام ملے گا۔ تم کو فکروں سے راحت ہو گی اور بلاد (ملک) کو امن نصیب ہوگا۔

اگر تم اپنے دشمن سے کچھ شرائط طے یا اس سے کوئی معاہدہ کرو تو وفا کرکے اس کا بار اپنی گردن سے اتارو اور جو ذمہ داری تم نے لی ہے اُس کا امانتداری کے ساتھ لحاظ کرو اور جو کچھ تم نے عہد کر لیا ہے اس کی حفاظت کیلئے اپنے نفس کو سپر بناؤ تم جو ذمہ لے لو اس کو نہ چھوڑو جو عہد کر لو اس میں خیانت نہ کرو دشمن کو فریب نہ دو۔

عہد شکنی

اور تم کوئی ایسا معاہدہ نہ کرو جس میں تاویل کرکے توڑ دینے کی گنجائش ہو، اور اس (عہد نامہ) کی تائید و توثیق کے بعد (اس کے خلاف عملدرآمد کرنے کے لئے) کسی لفظی غلطی کی طرف مائل نہ ہو اور اس عہد کی وجہ سے اگر کسی امر میں کوئی تنگی پیش آئے تو وہ تم کو اس عہد کے ناحق فسخ کرنے پر مائل نہ کرے۔

فساد اور خوں ریزی

ناجائز خونریزی سے اپنی سلطنت کو قوّت دینا نہ چاہو کیونکہ وہ ضعف و خلل پیدا کرتی ہے، بلکہ اس کو فنا اور (دوسرے کی طرف) منتقل کر دیتی ہے، اگر تم عمداً قتل کروگے تو میرے اور خدا کے نزدیک کوئی عذر پیش نہ کر سکوگے،

احسان نہ جتاؤ، وعدہ خلافی نہ کرو

اور تم رعیّت پر احسان جتانے یا اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے پرہیز کرو، اور خبردار ایسا نہ کرو کہ ان سے وعدہ کرو اور پھر خلاف وعدہ کر بیٹھو۔ کیونکہ احسان جتانا احسان کو ملیامیٹ کر دیتا ہے اور اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا کر دکھانا سچائی کی روشنی زائل کرتا ہے اور وعدہ خلافی خدا اور عامۃ الناس دونوں کے نزدیک ملامت اور سرزنش کا مستحق بنا دیتی ہے۔

وقت پر کام کرو

خبردار جلد بازی کرکے کاموں کو اُن کے وقت (وموقع) سے پہلے نہ کر ڈالو، اور جب ان کے ہونے کا امکان اور موقع آجائے تو اُن کے کرنے میں تساہل نہ کرو، اور جب اُن کی خرابی معلوم ہو جائے تو ان کے کرنے میں سستی کرو، ہر امر کو اس کے مقام پر رکھو اور ہر کام کو اس کے

موقع پر انجام دو۔

تخصیص اور ضبط نفس

اور تم کسی ایسی چیز کو اپنے لئے مخصوص نہ کرو جس میں سب لوگوں کے حقوق برابر ہوں اور (لوگوں کے) اُن مہتمم بالشان امور میں تغافل کرنے سے پرہیز کرو جو نگاہوں کے سامنے عیاں ہو چکے ہیں، کیونکہ ان امور کا تمہارے غیر کے لئے تم سے مواخذہ کیا جائے گا اور تھوڑی سی دیر میں جملہ امور کے اوپر سے پردے ہٹ جائیں گے اور مظلوم کا انتقام تم سے لے لیا جائے گا۔ اپنے جوش تکبر، ہیجان غضب ہاتھوں کی سطوت اور زبان کی تیزی کو قابو میں رکھو اور اُن سب کے (شر) سے اپنی ذات کا تحفظ کرو، بے اختیار صادر ہونے والے امور کی روک تھام کرو اور حملہ آوری میں تاخیر کرو یہاں تک کہ تمہارا غصہ ساکن ہو جائے اور تم ضبط پر قابو پا جاؤ۔

ماضی سے سبق لو

تمہارے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو یاد رکھو جو تم سے پہلے لوگوں پر گزریں خواہ وہ حکومت عادلہ سے متعلق ہوں یا کسی طریقۂ فاضلہ سے، احادیث رسولؐ ہوں یا کتاب خدا میں بیان کیا ہوا فریضہ اور اُس کی اسی طرح پیروی کرو جیسے تم نے ہم کو کرتے دیکھا ہے۔ اس عہد نامہ میں کچھ احکام میں نے تمہارے ذمہ عائد کئے ہیں ان کی اور اپنے نفس کی (برأت) کے لئے جو حجتیں میں نے تم پر مسلط و مستحکم کر دی ہیں، اُن کی پیروی کرنے میں جد و جہد کرنا، تاکہ جب تمہارا نفس ہوا و ہوس کی طرف سبقت کرے تو تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور میں خدا سے اس کی رحمت کی وسعت اور ہر مرغوب چیز عطا کرنے پر اس کی عظیم قدرت کا واسطہ دیکر اس امر کا سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تم کو اپنے نزدیک اور اپنی مخلوق کے نزدیک اس عذر پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جس میں اس کی رضا ہو، ساتھ ہی ساتھ اس کے بندوں (کی زبان پر بھی) ہماری مدح و ثنا رہے اور قطار زمین پر ہمارا نقش قائم ہو۔ (علی اور اُن کا طرز جہانبانی)

منشور اقوام متحدہ
اور حقوق انسانی کا اعلان

علی علیہ السلام کا دستور اس سے بلند و بہتر نظر آتا ہے۔

ناظرین، حقوق انسانی کو جنہیں علی علیہ السلام نے بیان فرمایا اور لوگوں کو ان کی تعلیم دی بخوبی سمجھ چکے اور اپنے ذہن نشین کر چکے۔ اس فصل میں دوبارہ ان کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا اگر چاہیں تو اُن کا ایک اجمالی جائزہ لے سکتے ہیں۔ اور اُن کا خلاصہ پیش نظر رکھ کے اُن کے مختلف پہلوؤں پر غور کر سکتے ہیں۔

ہم نے آپ کے اُن عہدناموں، مکتوبوں، وصیتوں اور فرمانوں کو جو آپ نے اپنے ولاۃ و عمال کے نام صادر فرمائے اور حقوق عامہ و خاصہ کے بارے میں آپ کے خیالات و نظریات کو اچھی طرح سمجھ کے ہر ایک کو جداگانہ فصل میں درج کیا ہے اور ہر ایک کی تشریح و تفصیل میں کافی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اُن کا مطالعہ کرنے والے کے لئے بآسانی ممکن ہے کہ پھر ان فصلوں کی طرف رجوع کر کے بغیر کسی زحمت کے حقوق انسانی کے بارے میں علی علیہ السلام کے منشور سے پوری آگاہی حاصل کرے اور فصل فصل کر کے اُس کو مرتب کر لے۔

ہم نے اس مقصد سے کہ ان حضرات کے عقاید و تصورات کو نمایاں کر سکیں اور بہتر و واضح تر طریقے سے معلوم کر سکیں کہ کس قوّت قدسیہ کے ساتھ یہ ہدائتیں صادر ہوئی ہیں، مناسب سمجھا کہ اقوام متحدہ کے منشور اور حقوق انسانی کے اعلانیہ میں سے ان اہم اصول کا اس مقام پر ذکر کر دیں جن کا تمام قوموں کے نمائندوں نے اعتراف کیا ہے۔ اگر علی علیہ السلام کے دستور اور اس منشور کے درمیان کوئی فرق ہوگا تو اُس کو ناظرین خود سمجھ لیں گے۔ اور اس کا سبب معلوم کر لیں گے۔

ہم اجمال و اختصار کے ساتھ کہتے ہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے امام علیہ السلام کے دستور اور حقوق انسانی کے بارے میں منشور اقوام متحدہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اگر کوئی فروعی اور ظاہری فرق نظر بھی آئے تو وہ اصطلاحات زمانہ میں تغیر واقع ہو جانے کی وجہ سے مجبوراً ہے نہ کہ بنیادی اور اصولی حیثیت سے۔

اس منشور میں کوئی فصل ایسی نہیں ہے جس کی نظیر علی علیہ السلام کے دستور میں نہ پائی جاتی ہو، بلکہ حضرتؑ کے

دستور میں اس سے بہتر اور بالاتر چیزیں موجود ہیں۔

دونوں دستوروں کے درمیان جو کچھ فرق ہے وہ میرے نزدیک چار[۴] بروجہوں سے ہے۔

اوّل۔ یہ کہ اقوام متحدہ کے منشور کو دنیا کے ہزاروں عقلمند نے مرتب کیا ہے جو اکثر ممالک بلکہ تمام ملکوں سے اکٹھا ہوئے تھے لیکن دستور علوی کو صرف ایک ذات نے نافذ کیا ہے اور وہ ہیں علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

دوسری یہ کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام س سے چودہ[۱۴] برس قبل تشریف لائے تھے۔

تیسری یہ کہ اقوام متحدہ کے منشور کے وضع کرنے یا درحقیقت اس کا مواد اکٹھا کرنے والوں نے بیہودہ لاف و گزاف اور اس قدر خودستائی سے کام لیا کہ لوگ سنتے سنتے تھک گئے اور پھر ان کے کاندھوں پر اپنے ہزاروں احسانات کا بارِ گراں بھی لادا۔

لیکن علی علیہ السّلام نے بارگاہِ خداوندی میں خشوع و خضوع اور لوگوں کے سامنے فروتنی اختیار کی۔ نہ آپ نے اپنی برتری چاہی نہ بزرگی تلاش کی۔ آپ خدائے تعالیٰ اور انسانوں سے یہی خواہش رکھتے تھے۔ کہ آپ کی کردہ اور ناکردہ باتوں کے مقابلے میں درگذر کریں۔

چوتھی وجہ جو ان تینوں سے اہم ہے یہ کہ ان اقوام متحدہ میں سے جنہوں نے حقوق انسانی کے منشور مرتب کرنے میں شرکت کی اور اس کو تسلیم کیا اکثر نے خود ہی اس کو توڑ دیا اور اس عہدنامے کو پارہ پارہ کرنے اور ان حقوق کو باطل کرنے کے لئے لڑائی کے میدانوں میں فوجیں اُتار دیں۔ لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جس مقام پر قدم رکھا، جس موقع پر بات کہی اور جس وقت تلوار بے نیام کی ہمیشہ جور و استبداد کا پردہ چاک کیا، ظلم وستم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور زمین کو ہموار کیا کہ تاکہ اس پر آسانی سے قدم بڑھائے جاسکیں، یہاں تک کہ انسانی حقوق کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوئے، باوجودیکہ آپ اپنی زندگی میں ہزاروں بار شہید ہو چکے تھے۔

اب ہم منشور اقوام متحدہ کی سب سے بڑی فصل کو کتاب "تاریخ اعلان حقوق انسان" سے جو ایک فرانسیسی اہل قلم بیر بابیہ کی تالیف ہے، جس کا محمد مندور نے عربی میں ترجمہ کیا ہے اور جس کو متحدہ عرب جمہوریہ نے شائع کیا ہے، نقل کرتے ہیں

(۱) افراد بشر ذاتی شرافت اور حقوق میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ سب قوت غور و فکر اور تشخیص خیر و شر کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ لہٰذا سب کو آپس میں بھائی چارے کا برتاؤ رکھنا چاہیئے۔

(۲) ہر انسان کو تمام حقوق اور اس منشور میں درج کی ہوئی آزادیوں سے بہرہ اندوز ہونا چاہیئے، ان کے درمیان نسل و رنگ یا زبان، مذہب، سیاسی عقائد، وطن، اجتماعی اصول، دولتمندی، فقیری، نسب اور خاندان کے اختلاف کی وجہ سے کوئی فرق نہیں۔

(۳) یہ حقوق جو اس منشور میں ذکر کئے گئے ہیں۔ ان ممالک کے لوگوں کے لئے بھی مسلم ہیں جو دوسرے ممالک کے

ماتحت ہیں اور ان ممالک میں بسنے والوں کے لئے بھی جن کی حکومتیں دوسری حکومتوں کے تابع ہیں۔ پس ان خطوں کے باشندے آزاد ملکوں میں رہنے والوں کے برابر ہیں۔

(۴) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وسیلہ معاش رکھتا ہو اور امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

(۵) غلامی انسان کے لئے جائز نہیں ہے، غلامی اور بردہ فروشی بہر صورت ممنوع ہے۔

(۶) افراد انسانی کی ایذا رسانی اور ان پر بے جا دباؤ جائز نہیں ہے۔ جو بات کسی کی آبرو ریزی اور ہتک حرمت کا باعث ہو وہ ممنوع ہے۔

(۷) ہر انسان حق رکھتا ہے کہ وہ جس ملک میں بھی ہو اس کی قانونی حیثیت تسلیم کی جائے۔

(۸) تمام انسان قانون کے سامنے برابر ہیں۔ ہر شخص حق رکھتا ہے کہ قانون کی حمایت کا سہارا لے۔ افراد بشر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر انسان کو حق ہے کہ ہر اس فرق و امتیاز کی مخالفت کرے۔ جو اس منشور کے برخلاف ہو۔

(۹) ہر شخص کو اس کا حق ہے کہ اس باقاعدہ عدالت میں اپنی شکایات پیش کرے جو حقوق اور مقررہ قوانین میں دست اندازی کا فیصلہ کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔

(۱۰) کسی شخص کو گرفتار قید اور شہر بدر نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۱) یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص حق کے برخلاف کسی دوسرے کی ذاتی، خاندانی یا گھریلو زندگی یا اس کی خط و کتابت میں مداخلت کرے۔ کوئی شخص کسی کی آبرو اور شرافت پر حملہ نہیں کر سکتا، اور ہر شخص حق رکھتا ہے کہ زیادتی اور مداخلت کے موقع پر قانونی محکموں سے چارہ جوئی کرے۔ [۱]

(۱۲) ہر شخص حق رکھتا ہے کہ اپنے ملک میں آزادی سے سفر کرے اور جہاں چاہے سکونت اختیار کرے۔ اور ہر شخص جس شہر سے چاہے ہجرت کر سکتا ہے اور پھر وہاں واپس آ سکتا ہے۔

(۱۳) ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ جب اس پر ظلم و تعدی ہو تو دوسرے ملک میں جا کر پناہ لے۔

(۱۴) ہر شخص ذاتی یا اشتراکی حیثیت سے مالکانہ حق رکھتا ہے اور کسی کو زور و زبردستی کے ساتھ اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۵) ہر شخص آزادی کے ساتھ سوچنے سمجھنے کا حق رکھتا ہے اور حکومتوں کو لوگوں کے مذہبی عقائد و اعمال میں

---

[۱] اس منشور کا زیادہ تر مواد سوشلزم کے مقصد سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ وہاں افراد بشر کی مکمل آزادی مصالح حکومت کے خلاف سمجھی جاتی ہے۔

مداخلت کا حق نہیں ہے۔

(۱۶) ہر شخص آزاد رائے رکھنے اور اس کو ظاہر کرنے کا حق دار ہے اور ضمنی طور پر کوئی شخص اس کی رائے کی بنا پر اس کو تکلیف نہیں پہونچا سکتا۔ لے

(۱۷) ہر شخص حق رکھتا ہے کہ ملک کے محکمۂ امور عامّہ میں مداخلت کرے، خواہ براست خواہ اس طریقے سے کہ آزادی کے ساتھ اپنا نمائندہ منتخب کرے۔ ہر شخص عام مشاغل میں مساوی شرائط کے ساتھ حصّہ لے سکتا ہے اور لوگوں کو خود ارادیت اقتدار حکومت کی اصل و بنیاد ہے۔

(۱۸) ہر شخص مستحق ہے کہ ایک دوسرے بارے میں افراد جماعت کی فطری ذمہ داریوں سے فائدہ اٹھائے۔ ہر شخص کی مناسبت سے اقتصادی، اجتماعی، تربیتی اور علمی حقوق جس حد تک اس کی پرورش کے لئے ضروری ہوں اُس کے لئے مسلّم ہیں، اور ساری قوم نیز حکومتوں کا تعاون اُن حقوق کی ادائگی کا ذمہ دار ہے۔

(۱۹) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جس کام کا چاہے انتخاب کرے اور اس کام کے لئے کافی اور مبنی بر انصاف شرائط کا مطالبہ کرے۔ نیز وہ حقدار ہے کہ بے کاری سے چھٹکارا دلانے میں اُس کی مدد کی جائے۔ تمام اشخاص بلا امتیاز، اس کے مستحق ہیں کہ اپنی محنت کے عوض مناسب اُجرت کا مطالبہ کریں۔ ہر کام کرنے والا اتنی مزدوری طلب کرنے کا حق رکھتا ہے جو اُس کے اور اس کے گھر والوں کے لئے کافی ہو، اور جس سے انسانی شرافت کے لحاظ سے اپنی زندگی کی تعمیر کر سکے۔ اگر کسی وقت ایسی ضرورت پیش آجائے کہ معمولی مزدوری اُس کے لئے کفایت نہ کرے تو کسی اجتماعی وسیلے سے اس کی تلافی ہونی چاہئے۔ ٢ے

(۲۰) ہر فرد اس کا حق رکھتی ہے کہ خود وہ اور اس کا خاندان فلاح و بہبود اور سلامتی کے وسائل کے ساتھ زندگی بسر کرے، خصوصاً خوراک، لباس، مکان، صحت اور اجتماعی امور ہیں۔ نیز یہ کہ بے کاری ناتوانی، ضعیفی، بیوگی اور اور ہر اس حالت میں جب کام اور کسب معاش کے وسائل اور ناچاری کی بنا پہ ہاتھ سے جاتے رہیں، اس کی حمایت کیجئے۔

لے جو رائیں امن و سکون میں خلل ڈالنے والی، فتنہ و فساد برپا کرنے والی اور سلطنت کی خود مختاری و سلامتی کے لئے مضر ہوں وہ قانوناً جرم ہیں اور ہر ملک کے قوانین میں اس قسم کے جرم ثابت ہیں۔

٢ے آزادیٔ عمل، اسٹرائک، کام کرنے والے کی شکایت اور اس قسم کی دوسری چیزیں سوشلزم کے نظریئے میں ممنوع ہیں، کیونکہ جو کچھ عمل اور اقتصادیات سے متعلق ہو وہ حکومت جابرہ کے تصرف میں ہے اور حکومت کی مخالفت بغاوت سمجھی جاتی ہے۔

(۲۱) ہر شخص کو حق ہے کہ علم حاصل کرے۔ تعلیم مفت اور ابتدائی تعلیم جبری ہونا چاہئے۔ تعلیم کی غرض انسانی شخصیت کی تربیت نیز حقوق اور سیاسی آزادی کا احترام ہونا چاہیئے۔ اور ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان باہمی مفاہمت درگزر اور دوستی کو تقویت پہونچائے اور صلح و آشتی کے لئے اقوام متحدہ کی کوشش میں مدد دے۔

(۲۲) افراد ہیئت اجتماعی کے بارے میں کچھ ذمہ داریاں رکھتے ہیں جو اُن کو پوری کرنا چاہیئے۔ کیونکہ افراد کی شخصیت ہیئت اجتماعی میں پرورش پاتی ہے۔

(۲۳) افراد بشر کو اپنے حقوق کے مطالبے اور آزادی سے بہرہ اندوز ہونے سے کوئی مانع باز نہیں رکھتا، سوا ان چیزوں کے جو دوسروں کے حقوق کی حفاظت، اُن کی آزادی اور اُن کے احترام کے لئے قانون کی رو سے وضع ہوئی ہیں، یا محاسن اخلاق کے تحفظ، نظم حکومت اور آسائش عامہ کے لئے جمہوری قوم نے مقرر کی ہیں۔ ان حقوق اور آزادیوں کو کسی حالت میں اقوام متحدہ کے اغراض و مقاصد کے اندر مُخل نہ ہونا چاہیئے۔

(۲۴) اس منشور کے جملوں اور عبارتوں کی تشریح اس طریقے سے نہ ہونا چاہیئے کہ اس سے کسی حکومت یا جماعت یا فرد کو کوئی ایسا عمل انجام دینے کا حق ملتا ہو، جس سے مندرجۂ منشور بالا آزادیاں عملی طور پر لغو قرار پائیں۔

یہ وہ اہم ترین مطالب ہیں جو منشور اقوام متحدہ کے اندر انسان کے حقوق اور اس کی آزادی کے بارے میں درج ہیں۔ یہی وہ حقوق ہیں۔ جن کو متحدہ حکومتیں اُن کی حمایت اور اجرا کی مدعی ہونے کے باوجود برابر توڑتی رہتی ہیں۔

میرا خیال ہے ناظرین نے امام علیہ السلام کے دستور سے ان ہدایات کی مناسبت کا اندازہ کر لیا ہوگا۔ اور اُن کی مشابہت کو سمجھ لیا ہوگا۔ علاوہ ان اصطلاحات کے جو مرور زمانہ کی وجہ سے بدل چکے ہیں، اور ان نظریات کے جو اس دور ترقی کی مناسبت سے رونما ہوئے ہیں پھر بھی بنی نوع انسان کے جو عطوفت و مہربانی امام علیہ السلام کے دستور میں نظر آتی ہے وہ اقوامِ متحدہ کے منشور میں ناپید ہے۔

ہم آئندہ فصل میں علی علیہ السلام کے مکارم اخلاق اور فضائل نفسانی کو بیان کریں گے اور ثابت کریں گے کہ آپ نے اس رابطۂ حیات کو جو زندہ موجودات کے درمیان قائم ہے۔ کیونکر پیشِ نظر رکھا اور اپنی گفتار و کردار کے اندر کس طرح سے اس کا لحاظ فرمایا۔

اس کے بعد ایک فصل میں بنی اُمیہ، بنی عباس اور اُن کے بعد آنے والے دیگر فرمانرواؤں کے عہد حکومت میں دنیائے عرب کے حالات تشریح کے ساتھ بیان کریں گے اور پھر بتائیں گے کہ ان لوگوں نے کیونکر اس دستور سے روگردانی کی، تاکہ ان نا اہل اخلاف کے طرز عمل سے موازنہ کرنے کے بعد دستور علوی

کی قدر وقیمت بہتر طریقے سے معلوم ہو سکے ، جیسا کہ گذشتہ فصلوں میں اسی خیال سے ہم نے حضرت کے دستور کی تفصیل پیش کرتے ہوئے فی نفسہ اس کی قدر ومنزلت ظاہر کی ہے ۔ اور ان دو فصلوں میں ہم علی علیہ السلام اور حقوق انسان کے بارے میں اپنی گفتگو کو انجام تک پہونچاتے ہیں ۔ تاکہ دوسرے مطالب کی جانب توجہ کر سکیں ۔

زندگی کے روابط

تمہارے درمیان میری مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے میں چراغ، تاکہ جو شخص اندھیرے میں آئے اُس چراغ سے روشنی حاصل کرے۔

اگر کسی پیمانے میں کوئی چیز رکھی جائے تو اُس کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔ سوا پیمانہ علم کے کہ اس میں جس قدر علم بھرا جائے اُس کی وسعت بڑھتی جاتی ہے۔

خدا نے جاہل کو علم حاصل کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جب تک علماء پر تعلیم دینے کا فرض عائد نہیں کر دیا۔

اپنی اولاد کو اپنی عادت سیکھنے کا پابند نہ کرو[1]۔ کیونکہ وہ دوسرے زمانے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

دوسروں کے لئے بھی وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور جو کچھ اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کیلئے بھی پسند نہ کرو۔

جب تم اپنے بھائی پر عتاب کرنا چاہو تو اس کے ساتھ نیکی کرو اور اس پر انعام واکرام کا دروازہ کھول دو۔

نیک اور پرہیزگار لوگوں کو گناہگاروں سے عفو و بخشش کا برتاؤ کرنا چاہئیے۔ "حضرت علی علیہ السلام"

ہم نے جان لیا کہ علی علیہ السلام مظلوموں کی محرومی پر رنجیدہ ہوتے تھے، اپنے حقوق کو ثابت کرنے میں اُن کی مدد فرماتے تھے، اُن کو اُن کا حق پہنچواتے تھے اور زمانے کی سختیوں میں لپنے کو بھوکے، پیاسے اور محروم کے ساتھ

---

[1] یقیناً اس سے اخلاقی فضائل مقصود نہیں ہیں، کیونکہ اولاد کو نیک خصلت کا پابند بنانا ضروری ہے چاہے آئندہ زمانے والوں کی اکثریت بدکردار ہی کیوں نہ ہو۔

شریک رکھتے تھے تاکہ عدل وانصاف کی قدر معلوم ہو اور نشان عدالت بلند ہو۔ ہم نے ظلم کو دفع کرنے میں آپ کا طریقہ کار پہچانا ہم نے فرمانروائی میں آپ کا دستور سمجھا، اور معلوم ہو گیا کہ مشرق ومغرب کے تمام بڑے بڑے صاحبان عقل وفہم کے اصول و قوانین کے درمیان حضرت کا دستور کس قدر بلند و بالاشان ومرتبہ رکھتا ہے۔ اس سے قبل بھی اُس زمانہ کی عرب زندگی سے متعلق مختلف لغوی، فلسفی اور عقلی مطالب میں آپ کی نکتہ سنج طبیعت کا کچھ تذکرہ کیا جا چکا ہے، ہم نے بتایا ہے کہ حضرت ان کے علوم کی بنیاد اور سرچشمہ تھے، ہم نے امام کی اس مافوق العادت قدرت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ لوگوں کے فطری رجحانات اور اُن کے اخلاق وطبیعت کو روشن کرنے میں دوسرے افراد بشر پر فوقیت رکھتے تھے اور ایک عجیب وغریب فصاحت کے ساتھ اُن کے اخلاق ورجحانات کی تصویر کشی فرماتے تھے۔ امام کی ذہنی قوتیں اور نفسانی فضائل سب ایک دوسرے سے شیر وشکر تھے اور آپ ہر مقام پر اُن کے باہمی تعاون سے ایک فکر جدید کا درخت دلوں میں نصب کرتے تھے اور اس میں تروتازہ برگ وبار پیدا کرتے تھے تاکہ معرفتِ بشر کے دفتر کو مکمل فرمائیں۔ آپ نے اپنے مجموعہ کلام اور ان قواعد سے جن پر عربی، فقہی اور اجتماعی علوم کی بنیاد رکھی ایک ایسی نئی بنیاد قائم کی کہ دوسروں کے علوم اسی کی پیداوار ہیں۔

یہ ضخیم کتاب معرفت بشر کی تدوین الغیر اس کے نہیں کر سکتی کہ مؤلف انسانوں کی سرشت اور خصلت کی پوری تصویر کشی کرے، ان کے اخلاق وعادات میں انقلابات زمانہ کے اثرات کا پتہ لگائے اور اپنے ہوش وخرد اور فطری احساسات کو انسانوں کی خیر مطلق اور اُن کے کشف سعادت کی طرف متوجہ کرے، اس کے بعد انفرادی اور اجتماعی سرشت کے موافق اور تاثیر زمانہ کی مناسبت سے حکم لگائے۔

اور امام علیہ السلام نے اپنے حکم وامثال میں اسی طریقے کو اختیار فرمایا، اور حسن وخوبی میں سوا پیغمبرؐ کے حکم وامثال کے ان حکمتوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

علی علیہ السلام کے بعض حکم وامثال میں عقل نظری سے خطاب ہے، بعض میں عقل عملی سے اور بیشتر ایسے جن کا رُخ دونوں کی طرف ہے۔ جن میں عقل نظری سے خطاب ہے۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ واقع کو کیونکر دریافت کرنا چاہیئے اور جو عقل عملی سے متعلق ہیں اُن کا مقصد یہ ہے کہ حصول سعادت کے لئے کونسا عمل ضروری ہے۔

پہلی قسم کے بارے میں کہنا چاہیئے کہ آپ نے اصل حقیقت اور واقع کی صحیح نوعیت معلوم کی، آپ کی باریک بین عقل ونظر نے زمانے کے نیک وبد کا جائزہ لیا، اس کی آزمائش کرکے درست اور قطعی نتیجہ برآمد کیا اور اپنے تجربات سے سارے حقائق کو دریافت کرکے اُن کو بیان فرمایا ہے [1]

[1] ہمارے عقیدے میں حضرت کا کلام الہام اور قوت قدسیہ یعنی روح امامت وولایت کے ذریعے تھا اور یہ تمام معارف تنہا عقل اور تجربے سے ممکن نہیں ہیں۔

آپ کے مطالب اس قدر سنجیدہ اور مطابق واقع ہیں کہ گویا مقادیر و حدود کے ساتھ علم ہندسہ کے قواعد سے استخراج کئے گئے ہیں، اور حسن تدبیر کے لحاظ سے ایسی دلآویز صورت میں جلوہ گر ہیں کہ معنوی حیثیت سے بھی اور تعبیر کی جہت سے بھی عربی زبان میں ادب کی اصل بنیاد ہیں۔ حضرت کے تمام افکار و خیالات جو نہج البلاغہ کے اندر جمع ہیں۔ اسی مرتبہ پر فائز ہیں۔

اس قسم میں جہاں امیرالمومنینؑ عقل نظری سے مخاطب ہوئے ہیں۔ لوگوں کو اُن کی عقل و نظر میں آزاد رکھا ہے کہ جو کچھ صورت واقعہ ہے اس کو دریافت کریں اور اپنی فہم فراست کے مطابق عمل کریں۔

اس قسم کے اندر امر و طلب کا صیغہ نہیں پایا جاتا بلکہ ایسے مطالب ہیں جو امر و نہی کی صورت سے خالی اور لفظ خبر کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ایسی حکمتیں ہیں جن میں دوست و دشمن، نیکوکار و مجرم، احمق و خردمند، سخی و بخیل، راست گو و منافق، ظالم و مظلوم دُور اندیش و توانگر، اہل حق و باطل، پاک سرشت و بدخو، عالم و جاہل، سخن گو و خاموش، سفیہ و عاقل اور حریص و قانع کی سرشت و خصلت کو پوری تشریح و توضیح سے پیش کیا گیا ہے معیشت کی آسانی و دشواری کے اسباب اور انقلاب زمانہ نیز لوگوں کے اخلاق میں اس کی تاثیر کو بیان فرمایا ہے اور اسی طرح کے بہت سے مسائل ہیں جن کی ایک فصل یا باب میں گنجائش نہیں اور وہ سب کے سب اصل حقیقت و واقع کا اظہار اور مطابق عقل ہیں۔ ان کو دیگر علمی قواعد کے مانند جن پر زمان و مکان کے اختلافات کا کوئی اثر نہیں پڑتا منطقی استدلال کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ان کا کچھ حصّہ آپ اس کتاب کی دوسری فصل میں دیکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان مطالب کے بارے میں جو عقل عملی سے متعلق ہیں یا عقل نظری و عملی دونوں سے وابستہ ہیں ہم کہتے ہیں۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف حکومت کے اُصول و قوانین اور نظام حکومت اُمور رعیت کی تدبیر کے لئے کافی ہے وہ غلطی پر ہیں، اس لئے کہ ان اصول و قوانین کو انسانی کی وضاحت کرکے ان کی رعایت و محافظت کی ذمّہ داری لینا چاہیے جس طرح اُن کے وضع کرنے والے کو ایک عقل مند، آزمودہ کار، پاک طینت اور مکارم اخلاق کا حامل انسان ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح ایک آدمی ان صفات کا ہونا چاہیے کہ ان کو رائج کرے اور ان سے مطلوبہ نتیجہ برآمد کرے۔ اس لئے کہ آدمیوں کی یہ دنیا قوانین کو نافذ کرنے والوں کے نیک یا بد اخلاق و صفات کی پابند ہے۔ نیز ان لوگوں کی عقل و توجہ سے وابستہ ہے جن کے لئے یہ نظام اور قانون وضع ہوا ہے۔ باوجود ان تمام چیزوں کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ معاملات خلق کو درست کرنے کے لئے جو نئے نئے اصول و قوانین بنائے گئے ہیں وہ زیادہ تر ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان سارے قوانین کو نافذ کرنا ملکوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے بغیر جبر و قہر کے ممکن نہیں اور نافذ کرنے والوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ ایک حد تک اُن کے نفاذ میں پہلوتہی کریں۔ قدیم حکومتوں کے اصول و قوانین بھی زیادہ تر نافذ کرنے والوں کے اخلاق و عادات سے مناسبت رکھتے تھے، ان اسباب کی بنا پر جو اس وقت میرے موضوع بحث سے خارج ہیں۔

(مؤلف کتاب نے اس مقام پر ثابت کیا ہے کہ لوگوں کا فریضہ ہے کہ قانون کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھیں دل سے اس کے معتقد رہیں اور اپنے کو اس پر عمل پیرا ہونے کا ذمہ دار جانیں۔ نہ یہ کہ حکومت اس پر عمل درآمد کرانے کی ذمہ دار ہو اور لوگ حکومت کی سختی اور سزا کے خوف سے اس پر کاربند ہوں۔

اس مطلب کو حکماء و متکلّمین اہل اسلام نے اپنی کتابوں میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور تمام مسلمان جانتے ہیں کہ بشری قوانین انسانی سعادت حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

الٰہی قانون کے لئے لازمی ہے کہ پیغمبر وحی کے ذریعے اس کو نافذ کرے اور لوگ عقیدے کے رو سے اس پر عمل پیرا ہوں۔

لیکن مؤلف چونکہ عیسائی ہے اور عیسائی لوگ اس قسم کے مطالب بیان کرنے میں مہارت نہیں رکھتے۔ لہٰذا لمبی چوڑی گفتگو اور فضول عبارت آرائی کے ساتھ ایک ناقص چیز پیش کی ہے۔ اور ہم متن کتاب کو محفوظ کرنے کے لئے مجبوراً اس کے ترجمے کی طرف متوجہ ہوئے، حالانکہ اس کا مکمل بیان ہماری قدیم کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ انسانی دستور قوانین لوگوں کے لئے سودمند اصول وضع کریں اور اُن کو اُس پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں، لیکن اگر قرالقض کی انجام دہی وجدان اور عقیدے کے رو سے نہ ہو تو انسان کے لئے اس کی کوئی قیمت نہیں ہمارے عقیدے میں ہر وہ عمل جو انسان سے عقل عملی کی تصدیق، نفسانی شوق اور مستقل ارادے کے ساتھ بغیر جبر واکراہ کے صادر نہ ہو اس کو انسانی عمل نہیں سمجھا جا سکتا۔ سب سے زیادہ قیمتی اور بزرگ ترین انسانی عمل وہ ہے جو انسان کے وجدان سے صادر ہو۔

کسی حکومت کے اُصول وقوانین کسی صورت سے بشری روابط کو بہتر بنانے کے لئے کافی نہیں ہیں سوا اس کے کہ عقل نظری و عملی بشر کو اُن کے نفاذ پر قانع کر دے۔

ایسی صورت میں لوگوں کا ارادہ اور عمل خیر دونوں ایک دوسرے کے موافق ہو کر افراد اور جماعتوں کو تمدن کے راستے میں منزل مقصود تک پہنچا دیں گے، کیونکہ ایسے اشخاص سوا عمل خیر کے اور کچھ نہیں چاہتے۔

جو کچھ افراد و جماعت کے بارے میں ہم نے کہا ہے، عقلاء و حکماء، سابق علماء اور محققین علوم کے لئے بخوبی ثابت ہے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وجدان اور ایمان نے اُن کو خدمت پر مجبور کیا۔

جن لوگوں نے انسان اور تمدّن کی خدمت کی ہے جب ہم اُن کی تاریخ کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے سامنے واضح ہوتا ہے کہ تنہا عقل باوجودیکہ ہر مطلب کو سمجھنے میں ان کی رہنما تھی لیکن اُن کی تاریخ زندگی میں تنہا نہیں تھی عقل نظری کی قوت جامد اور خشک ہے، یہ مقادیر و ارقام اور انواع و اقسام کے ساتھ ایک رفیق و ہمدم رکھتی ہو۔ تم کو راستے کی نشان دہی کرتی ہے لیکن رفتار کی نہیں، اور تم کو راہ روی پر مجبور نہیں کرتی۔ جو چیز تم کو عمل کی منزل میں لاتی ہے وہ شوق

اور میلان ہے۔

مارکونی نے اپنے جذبات شوق اور میلان طبع کی وجہ سے اس کو پسند کیا کہ دنیا کی رونق اور دلچسپیوں سے بہرہ اندوز نہ ہو اور انسان و تمدن کی خدمت کے لئے گوشۂ تنہائی اختیار کرے، ورنہ گوشہ نشینی کیوں اختیار کی اور وحشت تنہائی پر کیوں قناعت کی۔ اگر عقل عملی اس کو انسان کی خدمت پر مجبور نہیں کر رہی تھی اور حرارت جذبات اس میں نہیں گرمی نہیں پیدا کر رہی تھی؟ لہ

یہ بات جو میں نے مارکونی کے بارے میں کہی ہے یہی پاسٹور، کالیلی، کینڈی اور تھوفن وغیرہ کے ایسے بزرگان مشاہیر انسانوں کے لئے بھی صحیح ہے۔

اسی طرح نیک مرد دل اور نوع بشر کے خدمت گذاروں نے پوری لگن اور دلی شوق کے ساتھ نیک کام انجام دئے شریر و بدبخت لوگ چونکہ صحیح عقل عملی اور نیک رجحانات سے عاری تھے لہذا عقل نظری کے باوجود ان سے کوئی خدمت انجام نہ پاسکی۔ اڈولف ہٹلر، میکیاویلی۔ حجاج ابن یوسف ثقفی، چنگیز خاں، اسکندر مقدونی اور ہمارے زمانے کے بڑے بڑے صاحبان علم جنھوں نے انسان کے بارے میں اپنے علمی تجربات سے کام لیا۔ یہ سب کے سب قوت عقل و نظر میں ان خدمت گذاروں کے ساتھ شریک تھے، لیکن اس کے بعد بھی اُن کا کام سوا قتل و غارت گری، حیات بشری سے بے اعتنائی، تباہ کاری، تمدن انسانی کے نتائج کی بربادی، کوشش کے ثمرات کو تلف کرنے اور ہزارہا نیک نفس افراد کو رنج و تکلیف پہنچانے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا، محض اس لئے کہ اُن کی عقل نظری اور خیالات، عقل عملی اور نیک جذبات سے متحد نہیں تھے۔ اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو عقل نظری سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان کا نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ سنائی کا قول ہے۔ ع

چو دزدی با چراغ آید گزیدہ تر برد کالا

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ انسان کی مختلف قوتیں یعنی عقل نظری، عقل عملی اور میلان، ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، کیونکہ یہ قوی ایک دوسرے کے معاون اور دوسرے پر اثر انداز ہیں۔

میرا مقصد یہ ہے کہ عقل نظری عین اشیاء کا ادراک کرتی ہے، سبب اور نتائج کو ایک دوسرے سے مربوط بناتی ہے علت اور معلول کو ایک دوسرے سے وابستہ کرتی ہے اور ایسے ناقابل تغیر حدود و قواعد مہیا کرتی ہے جو اخلاق اور ملتوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتے۔ برخلاف عقل عملی اور جذبات کے جو لوگوں کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔

عقل نظری ہر شخص میں موجود رہتی ہے اور صحیح نوعیت کے ساتھ واقع کا ادراک کرتی ہے لازمی طور پر ضرورت ہے

لہ مارکونی اٹلی کا ایک عالم اور بے تار کے تار برقی کا موجد ہے۔

کہ اُس کے اندر میلان بھی موجود ہو اور عقل عملی اُس کو خیر و سعادت کے راستے پر گامزن کرے ورنہ وہ اپنی عقل کو ایسے انکشافات میں صرف کرے گا جو انسانوں کی تباہی اور اپنی بدبختی کا سبب ہوں گے۔ یہ بات جس طرح شارع اور قانون بنانے والے کے بارے میں صحیح ہے اُسی طرح اُن لوگوں کے حق میں بھی نافذ ہے، جن کے لئے قانون وضع ہوا ہے۔ اُن کے وجدان اور میلان کو مبنی بر عدل و انصاف قوانین کی اطاعت کا شائق ہونا چاہیے، صرف ان قوانین کے حسن و خوبی کا عقلی اعتراف کافی نہیں ہے۔ انسانی سعادت کی تکمیل کے لئے اُن کا دل گندگیوں سے پاک ہونا چاہیے تاکہ قوم کی سعادت کے راستے میں ولولے اور شوق کے ساتھ کوشش کریں۔ نیز اُن کا اخلاقی فضائل سے آراستہ ہونا ضروری ہے کیونکہ انسان کے فضائل ایک قلعے کے مانند غلط کاروں اور گنہ گاروں سے قوانین و احکام کی حفاظت کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے امام علیہ السّلام افراد بشر کے اندر نیک رجحانات کو بیدار کرتے تھے اور اخلاق حسنہ کی تربیت کے لئے وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ اپنی وصیّتوں، خطبوں، عہدناموں اور گفتگو میں برابر لوگوں کے وجدان کو مخاطب فرماتے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ دنیا کی تدبیر و تنظیم اور لوگوں کے باہمی برتاؤ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اُن کے اخلاق آراستہ ہوں۔ اپنے نفس کی پاکیزگی اور تہذیب ذات انسانی کا کمال ہے اور اسی کے ساتھ عدل و انصاف کی حامی اور اُس کے حدود کی محافظ ہے، نیز لوگوں کے جذبات اور شوق کی سعادت کی جانب رہبری کرتی ہے۔

علی علیہ السّلام لوگوں کی نصیحت اور تہذیب کے لئے ایک مافوق العادت قدرت رکھتے تھے۔ آپ کا کلام دلوں کی گہرائیوں میں اُتر جاتا تھا، ان کی خصلت اور سیرت کو خوب پہچانتے تھے، ان کی سرشت اور اخلاق کو جانتے تھے، ان کے نیک و بد کا باہم موازنہ فرماتے تھے، ان کے حقائق کو اپنے بیان میں مجسّم فرماتے تھے، ان کے انواع و اقسام کو بیان فرماتے تھے، امر و نہی فرماتے تھے، اور خیر و شر کے درمیان لوگوں کے وجدان اور تمیز کے لئے پورا حسن ظن رکھتے تھے۔

انسانوں کے وجدان و تمیز کے بارے میں علی علیہ السّلام کا حسن ظن دیگر بزرگان بشر کے مانند تھا جو عقل روشن اور مہربان دل کو باہم جمع رکھتے تھے اور نوع بشر کے حق میں اُن کی محبت حد سے زیادہ تھی۔

انسانوں کے وجدان و عقل کے لئے علی علیہ السّلام کا حسن ظن مسیح اور محمد علیہما السّلام کے حسن ظن کے مانند تھا۔ (یہاں مصنّف نے دوسرے مشاہیر عالم کی ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے جن کو ایک سیاق کلام کے اندر دو اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مثال میں پیش کرنا خلاف ادب ہے) جو نور اُن کے دلوں سے تاباں تھا اُس کے مقابلے میں ہر روشنی خاموش ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السّلام نے اپنے حکم و امثال کو اُسی حسن ظن کی بنیاد پر بیان فرمایا ہے، اور جن مواعظ و نصائح کے ساتھ وجدان بشر کو مخاطب فرمایا ہے وہ بھی اسی حسن ظن کی بنا پر تھے جو آپ لوگوں کی سلامتی فطرت سے رکھتے تھے۔

چونکہ علی علیہ السّلام باوجود اُن تمام صدمات اور مصائب و آلام کے جو آپ کو لوگوں سے پہنچتے تھے، ان سے اس قدر

حسن ظن رکھتے لہذا برابر یہی کوشش فرماتے تھے کہ نیک اخلاق کو اُن کے دلوں میں تربیت دیں۔

آپ جانتے تھے کہ لوگوں کی سرشت میں خیر وشر دونوں پائے جاتے ہیں لیکن ایک حلیم وبردبار انسان کے شایان شان یہی ہے کہ نگاہِ دل کو خیر کی طرف موڑے اور اس کی پرورش کرے۔ آپ مثال بیان کرکے اور حسن سیرت کے ذریعے تعلیم دیتے تھے کہ اس طریقے سے اُن کی تعلیم زیادہ سودمند اور بہتر تھی۔

امام علیہ السلام بار بار وصیت فرماتے تھے کہ انسان کے وجدان سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔ آپ کے اقوال میں سے ہے کہ جو شخص تم سے نیک گمان رکھے اُس کے گمان کو صحیح کردکھاؤ" اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔ جو بات کسی کی طرف سے سرزد ہو۔ اُس پر اُس وقت تک برا گمان نہ کرو جب تک اُس کا کوئی نیک مقصد نکالا جاسکے۔"

بعض مورخین جنہوں نے علی علیہ السّلام کی تاریخِ زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرتؑ لوگوں سے بدظن اور بیزار تھے، اور اُن کی دلیل وہ بہت سے کلمات ہیں۔ جن زمانے والوں کو سختی اور شدت کے ساتھ ملامت وسرزنش کی ہے۔ ہم اُن حضرتؑ کو اس کے برعکس سمجھتے ہیں۔ آپ نوعِ انسانی سے نیک گمان رکھتے تھے اور یہ ملامت ایک مخصوص حالت میں ایک خاص گروہ کے لئے تھی۔

جو شخص لوگوں کی ایذا رسانی اور سخت برتاؤ کے مقابلے میں حضرت کے صبر و تحمل کو دیکھے، خائن و بدکار دشمنوں کے پہنچائے ہوئے رنج ومصیبت، بلکہ اپنے ہی ساتھیوں کی بیوفائی میں آپ کی تاب وتواں اور قوت برداشت کا جائزہ لے اور پھر اُنہیں اشخاص کے ساتھ آپ کی مہربانی اور ملائمت پر غور کرے تو لامحالہ اعتراف کرے گا کہ آپ انسان کی فطرت سے حسنِ ظن رکھتے تھے۔ اگرچہ بُرے آدمیوں اور فاسد قوم کی معاشرت کبھی اکثر لوگوں کو گمراہ بنادیتی ہے۔

اگر کچھ باتیں خیانت کار اور ستم پیشہ اشخاص کی خدمت میں فرمائی بھی ہیں تو محض اس غرض سے کہ آپ تنبیہ اور نصیحت کے ذریعے ان کی اصلاح کو ممکن سمجھتے تھے ہرچند اس میں کافی زحمت ہو اور ایک زمانہ صرف ہوجائے۔

جو شخص نیک خیالات رکھتا ہے وہی غلط کاروں کو سزا اور نیکوکاروں کو جزا دیتا ہے کیونکہ اس کو اُمید ہوتی ہے کہ اس طریقے سے ان کی کجی کو درست کیا جاسکے گا اور اُن کی رفتار و کردار کی اصلاح ہوسکے گی۔

اگر امام یہ اُمید نہ رکھتے ہوتے تو بدکردار لوگوں کی ڈھائی ہوئی ان تمام ناقابل برداشت مصیبتوں کا تحمل اور مکروہات زمانہ پر صبر نہیں کرسکتے تھے۔

آپ نے دنیا اور اہل دنیا کے بارے میں فرمایا" دنیا دار کتوں اور درندوں کے مانند ایک دوسرے کے سامنے غراتے ہیں، اُن کا طاقتور کمزور کو کھائے جارہا ہے اور بڑے چھوٹوں کو ذلیل کررہے ہیں"۔ یہ آپ نے اس لئے فرمایا کہ تباہ کاروں کی خیانت اور نافرمانی سے بہت زیادہ رنج اٹھاچکے تھے اور اُن کی ایذا رسانی سے تنگ آگئے تھے۔ آپ یہ باتیں کہہ کے درندوں، ظالموں اور جابروں سے جنگ فرماتے تھے جس طرح طبیب روح وجسم کی سلامتی کے لئے مرض کے جراثیم

سے جنگ کرتا ہے۔ آپ زندگی کو موت پر ترجیح دیتے تھے اور انسان کی نجات کے امیدوار تھے۔

پس امام علیہ السّلام حیات کا احترام فرماتے تھے، اس لئے کہ یہ پروردگار کی بہت بڑی بخشش ہے، اور زندہ افراد کو اس لئے محترم سمجھتے تھے کہ ان کے وجود میں آثار آفرینش کا ایک نمونہ قائم رہے۔ آپ انسان کے وجدان اور پاکی فطرت سے مکمل حسن ظن اور انسان کی نیک بختی کے لئے بڑی امید رکھتے تھے۔ خواہش یہ تھی کہ انسان جس طرح اس کے شایانِ شان ہے آزاد رہے۔

اگر یہ حسن ظن اور اُمیدواری نہ ہوتی تو لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرتے اور یہ نہ فرماتے کہ جو کلمہ کسی سے صادر ہو اس پر گمانِ بد نہ کرو جہاں تک اس کا کوئی نیک مطلب نکل سکے لوگوں کے وجدان سے انبیا جیسی شفقت و مہربانی کے ساتھ خطاب نہ فرماتے، اور دل سوزی کے ساتھ ان کو مواعظ و نصائح سے انسان کی بلند غرض و غایت کی جانب ہدایت نہ فرماتے آپ چاہتے تھے کہ ان وصیتوں کے ذریعے لوگوں کے اخلاق کو فساد سے محفوظ رکھیں اور ان کے اندر انسانی امنگ کی پرورش فرمائیں تاکہ وہ کارِ خیر کو خود بخود اپنی عقل و تشخیص سے انجام دیں۔

آپ ہر کام میں خود انسانوں ہی میں سے اُن پر کچھ جاسوس معین فرماتے تھے اور اُن کے اعضائے بدن کو اُن کی گھات میں قرار دیتے تھے۔ چونکہ ان کی تشخیص پر حسن ظن رکھتے تھے لہٰذا فرمایا" اے بندگانِ خدا تم یہ جان لو کہ تمہارا نفس تمہاری گھات میں اور تمہارے اعضائے بدن تمہارے جاسوس ہیں جو تمہارے اعمال بلکہ تمہاری سانسوں کا شمار رکھتے ہیں وجدان بشر سے حُسنِ ظنّ اور اُس کی زندگی کے احترام کے سبب سے اپنے زمانے کے لوگوں کو متوجہ فرماتے تھے کہ انسانی زندگی کو مقید نہیں کیا جاسکتا، اور مدتوں تک اس کو گہوارۂ طفولیت میں باقی نہیں رکھا جاسکتا اس کو بے جا قید و بند میں نہ رکھنا چاہیے جس سے یہ گندہ ہو کر فنا ہو جائے۔

زندگی حسین و محترم اور آزاد ہے، یہ خود مقررہ قوانین کی تابع ہے، اپنے کو محفوظ رکھتی ہے اور بدبینوں کے ارادے کی تابع نہیں ہے یہ خود بخود بدلتی رہتی ہے، اور ایک حال پر قائم نہیں ہے بلکہ روز بروز حرکت میں رہتی ہے۔ حضرتؑ کی خوش بینی ایسی تھی کہ فرماتے تھے، زندوں کو خود اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور قوانین زندگی کے ساتھ ساتھ چلنا چاہیے [1] نیز اپنے زمانے کے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اپنی اولاد کو اپنی عادت پر پرورش نہ کرو کیونکہ وہ دوسرے زمانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جو تمہارے زمانے سے مختلف ہے [2]

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام نے اکثر اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی بغیر قرآن و سنت کی ہدایت اور متابعت شریعت کے رستگار نہ ہوگا۔ لہٰذا مؤلف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔

[2] اگر یہ ارشاد درحقیقت امیر المومنین علیہ السّلام ہی کا ہو تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اگر آئندہ (باقی بر صفحہ ۲۱۶)

اگر فطرت خلق سے آپ پُرامّید نہ ہوتے اور لوگوں کو خیر و سعادت کے لئے اہل اور مستعد نہ جانتے تو یہ بات نہ فرماتے۔ اس کلام سے خلقت کے تغیر پذیر اور مائل بہ ترقی ہونے نیز بہتر شئے کو اختیار کرنے کے لئے انسان کی استعداد کے بارے میں حضرتؑ کا اعتقاد معلوم ہوتا ہے، اور صحیح تربیت یہی ہے۔ اس فصل کو تمام کرنے سے پہلے ہم اس نکتے کی طرف بھی اشارہ کردیں کہ حضرت انسانی شوق و میلان کے بارے میں ایک گہری نظر اور صائب رائے رکھتے تھے جو اس بات پر مبنی تھی کہ تمام انسانوں کو خیر و خوش حالی کے ساتھ رہنا چاہیے۔

جب ہم ان بڑے بڑے علماء کے کلمات و بیانات میں غور کرتے ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کے احوال و عادات کی تحقیق میں اپنا وقت صرف کیا ہے تو نظر آتا ہے کہ انہوں نے اپنے سلسلۂ کلام میں سعادت اور خوش بختی کی لفظیں کثرت سے استعمال کی ہیں، انہیں کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے اور انسان کا اصلی مقصد قرار دیا ہے لیکن علی علیہ السّلام بجائے کلمہ خوش بختی کے دوسرا لفظ لائے ہیں جو معنوی حیثیت سے کہیں زیادہ دقیق، جامع اور بلند ہے، اور انسان کا فرض ہے کہ اُس کا طلب گار بنے اور اس سے متمتع ہو۔ آپ نے بجائے لفظ خوشش بختی کے کلمہ خیر استعمال فرمایا اور لوگوں کو اُس لفظ سے پھیر کے اِس کلمے کی طرف متوجہ فرمایا کیوں کہ خوش بختی کا جو مفہوم اشخاص کے ذہن میں آتا ہے وہ اُس سے ذاتی سعادت مراد لیتے ہیں، لیکن خیر کسی ایک فرد کے اندر منحصر نہیں ہے۔ پس خیر زیادہ عام ہے اور سعادت پر بھی حاوی ہے۔ لیکن سعادت خیر پر حاوی نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ انسانوں کے ایک گروہ نے زشت و نامشروع کاموں کے ذریعے اپنی خوش بختی فراہم کی ہے اور دوسرے کے آزار و بدبختی ہے۔ اپنے کو خوشبخت بنایا ہے، بیا بے کاری، تعیش اور خوش حالی کو اپنے لئے سبب سعادت سمجھتے ہیں، لیکن خیر خوش بختی سے علاوہ ہے ہر چند لفظی حیثیت سے اس کی مشابہت رکھتی ہے۔ خیر وہ خوش بختی ہے جو تمام لوگوں کی خوش بختی سے وابستہ ہو، اس صورت سے کہ سب کے جسم، عقلیں اور وجدان سعادت و آرام و آسائش میں رہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۵

زمانے کے لوگ بے دین، بے عفت، بے شرم، چور اور خائن ہوں تو اپنی اولاد کی تربیت بھی انہیں کے مانند کرو۔ یقیناً اپنے بچّوں کو دین دار، پرہیزگار، امین، بااخلاق اور پابند شریعت بنانا چاہیے اگرچہ زمانے کے لوگ اس کے برخلاف ہی ہوں۔ اگر اس کلام کو قبول ہی کرنا ہو تو ان عادات و اخلاق کو مراد لینا ہوگا جو دین اسلام میں پسندیدہ ہو۔

اسی جہت سے امام علیہ السّلام اپنے نصائح ومواعظ میں زیادہ تر یہی لفظ استعمال فرماتے تھے اور اسی فرق کے ساتھ جو خیر اور سعادت کے درمیان قائم کیا آپ نے اپنا اخلاقی دستور مکمل فرمایا۔

ہم آئندہ کسی دوسری فصل میں حضرت کے چند ایسے نادر اقوال نقل کریں گے کہ جب تک صفحۂ روزگار پر نیکو کار انسان باقی ہیں وہ ارشادات زندۂ جاوید رہیں گے۔ اور ہم نے اُن حضرت کے سرچشمۂ فیض نہج البلاغہ سے انتخاب کیا ہے تاکہ اس بزرگ شخصیت کا حق ادا کر سکیں اور اُن کلمات کے فضائل وخصوصیات میں سے جو کچھ محتاج بیان ہو وہ اس فصل میں ظاہر ہو جائے۔ وہ ارشاداتِ اخلاقِ کریمہ کی تحصیل، سیرت نیک اور پاکی انسان کے بارے ہیں ہیں۔

امام کے بعد

میرے بعد تمہارے اوپر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ حق سے زیادہ پوشیدہ اور باطل سے زیادہ ظاہر کوئی چیز نہ ہوگی۔ (امام علیہ السلام)

زمین خدا کی ملکیت ہے اور میں بھی خدا کا خلیفہ ہوں جو کچھ میں خدا کے نام پر لے لوں وہ میری ملکیت ہے اور جو چیزیں چھوڑ دوں وہ میرے اختیار میں ہے۔

(معاویہ ابن ابوسفیان)

اے لوگو میں خدا کی طرف سے روئے زمین کا بادشاہ ہوں۔ (ابوجعفر منصور)

یہ مصیبتیں اور سماجی اور اخلاقی تباہیاں اُس روز سے دنیائے عرب میں رونما اور مشرق میں طاقت پکڑنے لگیں جس دن کہ ابن ملجم جیسے گنہ گار کا ہاتھ علی ابن ابی طالبؑ جیسے نمونۂ عدالت اور مجسمہ اخلاق کی طرف دراز ہوا۔

اب ضروری ہے کہ میں قوم عرب کی طرف تھوڑا اشارہ کردوں کہ امیرالمومنین علیہ السّلام کے بعد بنی اُمیّہ اور بنی عباس کے دورِ حکومت میں اس کا حال کس نوبت کو پہنچا، اور ان فرمانرواؤں نے جو امام علیہ السّلام کے دستور سے منحرف تھے کیا کیا۔ رعیّت کیونکہ مال میراث کے مانند ایک گروہ سے دوسرے گروہ کی طرف منتقل ہوتی رہتی، لیکن یہ مال بہت ہی ارزاں اور کم قیمت تھا۔

امیرالمومنین علیہ السّلام کی خلافت زمانۂ عثمان اور معاویہ و جانشینان معاویہ کی حکومت کے درمیان ایک فترت تھی۔ اس فترت میں حق اور عدالت کا مقام بہت بلند تھا، لیکن اس سے قبل لوگوں کے حقوق ضائع ہو رہے تھے اور اونچے طبقہ کے لوگوں پر اس حکومت کا کوئی رعب نہ تھا اور نہ وہ اُس کو خاطر میں لاتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ظلم و ستم کی گرم بازاری تھی کبھی کم اور کبھی زیادہ اس سے پہلے آپ کو معلوم ہوا کہ سرداران قوم اور حکام و والیانِ ریاست کیونکہ عوام کے لئے بدبختی

کا سبب بنے ہوئے تھے اور اُن کا مال ہضم کر رہے تھے۔ اور عثمان کے مشیر کار و مددگار لوگ کیسی مطلق العنانی سے کام لے رہے تھے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے دَور میں رعایا اور بادشاہوں کی جو حالت تھی اس کی تھوڑی سی تشریح کر دی جائے تاکہ علی علیہ السّلام کے دستور کی قدر و قیمت زیادہ اور بہتر طریقے سے جانی پہچانی جا سکے، اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ علی علیہ السّلام عقل و فکر کے میدان میں کیسے پہلوان تھے۔ آپ کی تلوار خود غرضی کے غبار میں شگاف ڈال دیتی تھی، اور آپ کا دستِ حق پرست باطل کی گردن مڑوڑ دیتا تھا۔

جونہی حضرت علی علیہ السّلام غدار و ظالم ابن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے معاویہ ابن ابوسفیان نے اپنی خلافت کے مخالفین کے لئے جال بچھانا شروع کر دیا۔ جو شخص اس کو خلیفۃ اللہ نہیں کہتا تھا اس کو سخت سزا دیتا تھا اور ابھی اپنا کام مکمل نہیں کر چکا تھا کہ اپنے رسوائے زمانہ فرزند یزید کو وارث بنانے کے لئے رعیت و مملکت کو ہموار کرنے لگا۔ اس کی بادشاہی منوانے کے لئے جتنی تدبیریں مفید ہو سکتی تھیں سبھی سے کام لیا۔ ایک گروہ کو بُلا کر خلعت و منصب عطا کیا تو ایک جماعت کو دھتکار دیا اور اُس کو اس نے وقار و اقتدار سے محروم کر دیا۔ معاویہ نے لوگوں سے اُن کی مرضی کے خلاف یزید کی بیعت لینے کے لئے جو ہزاروں ترکیبیں کیں ہم اُن میں سے صرف ایک تدبیر کا اس مقام پر تذکرہ کرتے ہیں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یزید اور اس کے اخلاف کی خلافتیں کس بنیاد پر مستحکم ہوئی تھیں۔

معاویہ نے ایک مجمع فراہم کیا تاکہ تمام صوبوں کے لوگ اکٹھا ہو کر اس کی زندگی ہی میں بجبر یزید کی بیعت کریں۔

جس وقت لوگ جمع ہوئے اور معاویہ بھی مع فرزند یزید کے موجود تھا تو ایک چاپلوس منافق یزید ابن مقنع اٹھا اور کہا، امیر المومنین یہ ہیں اور معاویہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد کہا، اگر معاویہ دنیا سے اُٹھ جائیں تو یہ اور یزید کی طرف اشارہ کیا پھر کہا، جو شخص مخالفت کرے اس کی سزا یہ ہے، اور اپنی تلوار کی طرف اشارہ کیا۔ معاویہ نے کہا بیٹھ جاؤ، کیونکہ تم خطیبوں کے سردار ہو۔

اہل حجاز یزید کی بیعت پر راضی نہ تھے، وہ نہ مال پر فریفتہ ہوئے اور نہ فوجی طاقت سے خائف تھے ان لوگوں کے ساتھ معاویہ کے واقعات حیرت انگیز ہیں۔ ایک مرتبہ اُن کو دھمکی دیتے ہوئے کہا، "خدا کی قسم اگر تم میں سے ایک شخص بھی اس مقام پر کوئی لفظ میرے خلاف زبان سے نکالے گا تو دوسرا لفظ کہنے سے پہلے ہی تلوار سے اس کا سر جدا ہو جائے گا پس اے لوگو! اپنی جان کی فکر کرو اور اپنی موت کی خواہش نہ کرو" حجاز کے ہر شخص کے سر پر دو نگہبان مسلّط کئے، اور پولیس کے افسر سے کہا کہ ان لوگوں میں سے جو شخص بھی تکذیب یا تصدیق میں لب کشائی کرے اُس کی گردن مار دی جائے۔

امر خلافت اس طریقے سے یزید ابن معاویہ تک پہنچا۔

عبداللہ ابن حنظلہ کہتے تھے کہ ہم لوگ اس سے ڈرے کہ اگر یزید پر خروج نہ کریں گے تو آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش

ہوگی اور ہم سب قہر الٰہی سے ہلاک ہوجائیں گے۔ لہٰذا ہم نے اس پر خروج کیا۔

یہی وہ یزید ہے جس نے حسین ابن علی علیہما السلام کو اس جانگداز طریقے سے شہید کیا۔ کعبے کا محاصرہ کیا، منجنیق سے اس پر سنگ باری کی، مدینے میں لوگوں کے خون اور مال کو مباح کیا، بدمستی اور لہو و لعب میں زندگی بسر کی، جو کتوں اور بندروں سے کھیلتا تھا۔ یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوا، پھر دوسرے بنی امیہ کا تسلط ہوا، انہوں نے بیت المال لوٹ لوٹ کے اپنے گھر والوں اور حاشیہ نشینوں کے درمیان تقسیم کیا۔ جس قصر عدالت کی بنیاد امیر المومنین علیہ السلام نے قائم کی تھی۔ وہ اُن کے ہاتھوں ویران ہوگیا اور ایک ظالم گروہ کا دور دورہ ہوگیا، ایک گروہ انتہائی دولت مند ہوگیا تھا اور رعیت کا مال ہضم کرکے ان کو بھوکا چھوڑ دیا، ایک جماعت نے ظلم و جور سے اپنی زندگی سنواری اور ہزاروں دردمندوں کو ہلاکت کے منہ میں جھونک دیا۔ کتنے ہی انسان ایسے تھے جو ایک روٹی کو ترس رہے تھے اور اموی خلیفہ نے بارہ ہزار دینار اس لئے معبد گویے کو بخش دیئے کہ اُس نے اپنے گانے سے خلیفہ کو مسرور کیا تھا۔ امراء میں سے ہر ایک کے پاس بے شمار زرخرید غلام اور کنیزیں تھیں۔ تنہا سلیمان ابن عبد الملک نے ستر ہزار غلام اور کنیزیں آزاد کیں۔

بنی اُمیہ کے عہد میں نسلی، خاندانی اور جماعتی تعصب کا عام رواج تھا، باوجودیکہ اسلام نے اس قسم کے تعصب کو فنا کردیا تھا اور امام نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔

اس زمانے میں یمن والوں اور بنی قیس کے حقوق میں فرق تھا۔ عرب والے اہلِ عجم پر اپنی فوقیت جتاتے تھے۔ اور قریشی غیر قریشی پر۔ اُن کے درباروں میں عیش پرست لوگوں کی کثرت تھی جو بیت المال سے طرح طرح کے ناموں سے وظیفے حاصل کرتے تھے اور بغیر کسی زحمت کے خزانے جمع کرتے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ ولید ابن عبد الملک نے تیس ہزار سے زیادہ شاہی وظیفہ خواروں کو برطرف کیا۔

عمر ابن عبد العزیز کے علاوہ تمام بنی اُمیہ کی روش یہی تھی وہ ظلم و جور کے ساتھ ملک پر مسلط ہوتے تھے۔ اور معاویہ و یزید کا کام انجام دیتے تھے۔ عبد الملک ابن مروان اپنے حسبِ دل خواہ حکم جاری کرتا تھا اور لوگوں کے جان و مال کی اُس کے نزدیک کوئی قیمت نہیں تھی۔ اُس نے حکم دیا کہ بحرین کے کنوئیں اور چشمے پلیٹ دیئے جائیں تاکہ وہاں کے لوگ فقیر ہوجائیں اور حکام کی اطاعت کریں اور حجاج ابن یوسف جیسے خونخوار ظالم کو عراق پر مسلط کیا۔

ابن ریحانی بنی اُمیہ کے بارے میں کہتا ہے کہ عدل کو جس کا پابند ہونا بادشاہ کے لئے ضروری ہے۔ اُموی تخت نشینوں نے کنڈ دیا تھا، یہ ایک کمینوں اور نالائقوں کا گروہ تھا، اگر ایک بیوقوف تھا تو دوسرا حقیر، ایک ذلیل و بے آبرو تھا تو دوسرا شراب خوار و ظالم کم سے کم اس مذموم و قبیح طرزِ عمل سے تو چشم پوشی نہیں کی جاسکتی اور اس کو بغیر کہے نہیں چھوڑا جاسکتا کہ علی علیہ السلام اور آپ کے فرزندوں کو منبروں پر گالیاں دی جاتی تھیں۔

بنی اُمیہ میں صرف عمر ابن عبد العزیز ایک عادل خلیفہ تھا، اُس نے اپنی حکومت ظلم کو دفع کرنے سے شروع کی

اُس نے چاہا کہ لوٹے ہوئے اموال کو بیت المال میں واپس لائے اور اپنی خلافت میں نیک روش اختیار کرے، لیکن اس کی قوم اس پر راضی نہیں ہوئی اور اس کو قتل کر دیا۔

بنی اُمیّہ نے مکر و فریب سے خلافت حاصل کی اور زور و زبردستی کے ساتھ اُس کو بادشاہی سے بدل دیا، اور ایسی سلطنت کی بنیاد قائم کی جس میں عدل و داد کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

آخر کار اُن کی حکومت کا محل منزلزل ہو گیا اور اُنہیں کے سروں پر آ پڑا۔

اُن کے بعد بنی عباس کی حکومت سامنے آئی اور منصف مزاج لوگوں نے بنی اُمیّہ کو دعائے خیر سے یاد کیا۔

امین ریحانی کہتا ہے۔ بنی عباس نے قتل و خون ریزی سے ملک حاصل کیا، شام، فلسطین اور عراق میں چپہ چپہ قتل عام ہو رہا تھا، اور اس شدید تباہی و بربادی کے بعد دوسرے امراء نے بھی خون ریزی میں ابوالعباس سفاح کی تقلید کی۔

ایک شخص عمیطر شام میں لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہا تھا، یمن والوں نے اس کی اطاعت کی۔ اور بنی قیس مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، عمیطر نے اُن پر شبخون مارا، ان کو قتل کیا، اُن کا مال اور اُن کے گھر جلا دیے۔

ایک دوسرے شخص ابن بیہس نے عمیطر سے جنگ کی اور دمشق پر قابض ہو کر اہل دمشق کو سزائیں دیں۔

بنی عباس کے زمانہ میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی تعصب کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور تکلیف صرف ظالم و خون ریز باغیوں ہی کو نہیں پہنچ رہی تھی بلکہ بے چاری رعیت بھی جو خراج ادا کرتی تھی اور دعوت جہاد پر لبیک کہتی، ان فتنوں کی مصیبت سے عاجز تھی۔

اس کے بعد بنی عباس کے آخری دَور کی چھوٹی بڑی حکومتوں کے بارے میں امین ریحانی کہتا ہے۔

"بدنصیب تھے وہ لوگ جو اس تاریک دور میں جی رہے تھے، ہر حاکم دوسرے حاکم سے ظلم و خونریزی، تاخت و تاراج اور تباہ کاری میں بازی لگائے ہوئے تھا اور اس کی کثرت پر فخر و مباہات کرتا تھا۔ اس شہر کو تین روز کے لئے میں نے تمہارے اُوپر مباح کیا۔"

یہ تھا حکام کا وہ قول جو وہ اپنے لشکر والوں سے کہتے اور کسی شہر کی لوٹ مار اور قتل و غارت کا اُن کو حکم دے دیتے تھے۔ متنبی کا ایک شعر ہے۔

السبی ما انکحوا والقتل ما ولدوا   والنهب ما جمعوا والنار ما زرعوا

یعنی جن عورتوں نے اُن سے اُلفت اختیار کی وہ اسیری کے لئے ہیں، اُن کی اولاد قتل ہونے کے لئے ہے جو مال اُنہوں نے جمع کیا وہ لٹنے کے لئے ہے اور اُن کی کھیتیاں جلائے جانے کے لئے ہیں۔

حیف ہے اُس زمانے پر اور اُس زمانے کے لوگوں کے خوف و ہراس پر۔ خدا ان بیچاروں پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان فرمانرواؤں اور فوجیوں پر لعنت بھیجے۔ کیا جس انسان کو خدا نے اپنے جمال و مثال پر پیدا کیا ہے وہ ایک وقت درندے کی صورت میں مسخ ہو جاتا ہے؟ آیا یہ وحشی اس کے مستحق ہیں کہ تاریخ کے پچاس صفحے ان کے لئے سیاہ کئے جائیں؟ نہیں بلکہ ایک ہی سطر میں اُن کے سارے اعمال کا خلاصہ کرنا چاہیے۔ یہ ایک دوسرے کی جان کے خواہاں ہو گئے، جنگ کی قتل کیا، لوٹا پھونکا فسق و فجور کے مرتکب ہوئے اور فساد پھیلایا یا دوسری عبارت میں یوں کہا جائے کہ انہوں نے لوگوں کے خون اور مال و آبرو کو حلال سمجھا۔"

یہ ہیں وہ باتیں جو ابن ریحانی نے عہد بنی عباس اور اُن کے آخری دور کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے قتل و غارت کے بارے میں کہی ہیں۔ یعنی اس وقت جب کہ عباسی خلیفہ کا صرف نام باقی رہ گیا تھا۔ اور اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

اب ہم بنی عباس کے عہد کا انحصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ امیرالمومنینؑ جس طرز کی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اس کی مخالفت کرکے اور آپ کی عادلانہ روش ترک کرکے بنی اُمیہ نے حکومت کو اپنی خاندانی جائداد قرار دے لیا تھا۔ کسی کو بھی اس حکومت میں اپنا شریک نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایسی فسطائیت برتی اور ایسا طریقہ اختیار کیا جیسے یہ حکومت اور اس کے محاصل خاص ان کی ملکیت ہیں دوسروں کا اس میں کوئی حق نہیں نہ کم نہ زیادہ۔

جب بنی اُمیہ کے بعد بنی عباس اقتدار کے مالک ہوئے تو انہوں نے بھی اپنی حکومت کی بنیاد انہیں تصورات پر رکھی، ان کا بھی یہی نظریہ رہا کہ بادشاہ روئے زمین پر خدا کا جانشین ہے اور حکومت اُس کا پیدائشی حق ہے جو خدا نے اسے دے رکھا ہے اس حکومت میں دوسرا کوئی شخص بھی تغیر یا تبدل کرنے کا مجاز نہیں اسی نظریہ و عقیدہ کی بنا پر منصور دوانیقی بنی عباس کے دوسرے خلیفہ نے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"لوگو! میں خدا کی طرف سے روئے زمین کا بادشاہ ہوں، اللہ کی توفیق و تائید سے تم پر حکومت کرتا ہوں۔ خدا کے مال کا نگہبان ہوں خدا کی مشیت و ارادہ سے بیت المال میں تصرف کرتا ہوں اور اسی کی اجازت سے کسی کو دیتا ہوں کیونکہ خداوند عالم نے مجھے اپنے خزانہ کا قفل بنایا ہے اگر خدا چاہے تو تمہیں دینے اور تمہاری روزی پہنچانے کے لئے اس قفل کو کھولے گا اور اگر چاہے کہ مجھے بند رہنے دے تو بند رہنے دے گا۔

یہی روش بعد میں آنے والے دیگر خلفاء بنی عباس کی بھی رہی ہر ایک زمین پر خدا کا خدا جانشین تھا۔

مذکورہ بالا شواہد کی بنا پر یہ حقیقت پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ بے رحمی اور قساوت بنی عباس اور انہی کے ذیل کے دوسرے چھوٹے بڑے امراء کی حکومت کے دو انتہائی اہم رکن تھے۔ اُن کے نزدیک سلطنت خداوندی عطیہ تھی۔ اور

خداوند عالم جن بندوں کو محبوب اور پسندیدہ سمجھتا انہیں عنایت کرتا جس کو دوست رکھتا اُسے بادشاہ بنا دیتا اور جب اس کی مشیت کو خلائق کی عافیت و آسائش منظور ہوتی اسے حلیم و عاقل اور فیاض بادشاہ عنایت کرتا۔

اس انداز فکر اور اس نظریہ وعقیدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ سرگرمی سے اس حکومت کے وفادار رہے اور انہیں جتنی سختی یا راحت نصیب ہوئی سب کو خدا کی طرف سے سمجھ کر صبر و شکر کرتے رہے۔

بغداد جو بنی عباس کا پایہ تخت تھا اس کے خزانے زمین کی دولت و اموال سے چھلکنے لگے لیکن یہ تمام دولت و اموال صرف بادشاہ وقت ان کی اولاد ان کے خاندان اور ان کے مقربین بارگاہ کے لئے مخصوص تھے دوسرے لوگ خواہ وہ کتنے ہی ہنر مند ہوں ملک و قوم کے لئے کتنے ہی مفید ہوں اُن کی خدمات کتنی ہی لائق صلہ و ستائش ہوں لیکن اگر وہ عبّاسی خلیفہ کی خوشامد چاپلوسی نہ کریں اُن کے آستانوں پر اپنی پیشانیاں نہ رگڑیں تو اُن کا کوئی حصّہ اس دولت میں نہیں تھا۔ اور ذلّت و بیچارگی ہی ان کا مقدر تھی۔

اس صورت حال کے نتیجے میں دو طرح کے طبقے پیدا ہوگئے اور ان دونوں طبقوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایک انتہائی دولت مند طبقہ جو سونے اور چاندی سے کھیلتا اور جی کھول کر داد عیش دیتا۔ دوسرے ناداروں کا طبقہ جو باوجود ہنر مند ہونے کے فقر و فاقہ اور موت سے بدتر زندگی گذارتا تھا۔ حکومت کے محاصل اور سرکاری خزانہ عامرہ خلفاء امراء کے مقربین اور اہل کاروں کے قصور و محلّات اور ان کی تفریح و دل بستگی کے سامانوں پر صرف ہوتا تھا یہ لوگ اپنے گھروں میں لاکھوں لاکھ اپنے حاشیہ نشینوں، جی حضوریوں پر لٹاتے اور کنیزوں اور خواجہ سراؤں پر صرف کرتے۔

تو خلفاء امراء اور سرکاری کارندوں کا طبقہ عباسی عہد کے معاشرہ میں بلحاظ دولت و ثروت سب سے اونچا طبقہ تھا دوسرے نمبر پہ تجارت پیشہ افراد تھے اگرچہ اُن کی جان و مال کو بھی بڑے لوگوں کی طرف سے ہر وقت خطرہ لاحق رہتا۔ لیکن بڑے لوگوں کے بعد دولت انہیں لوگوں کے پاس تھی۔ رہ گئے عوام الناس تو ان کا حصّہ فقط ذلّت و بے چارگی اور گرسنگی و ہلاکت تھی۔ بغداد میں اونچے اونچے محلّات سے ملے ہوئے غریبوں کے خستہ حال جھونپڑے بھی تھے گویا جنّت و جہنّم ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو تھے۔

اس زمانہ کا ایک شاعر بغداد کے متعلق لکھتا ہے۔

تصلح للموسر لا لامری — یبیت فی فقر و افلاس

لو حلها قارون رب الغنی — اصبح ذا هم و وسواس

هی التی توعد لکنها — عاجلة للطاعم الکاسی

حور و ولدان و من کل ما — تطلبه فیها سوی الناس

یہ بغداد صرف سرمایہ داروں کے رہنے کے لائق ہے فقیر و مفلس کے لئے نہیں۔

اگر قارون ایسا دولتمند بھی بغداد آجائے تو وہ بھی فکر و اندوہ میں مبتلا ہو جائے
بغداد وہی بہشت ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے مگر قبل از وقت ان لوگوں کو ہاتھ لگ گئی جن کو کھانے کو بھی نصیب ہے اور پہننے کو بھی۔
اس بغداد میں حور و غلمان بھی ہیں اور ہر وہ چیز جو تم چاہو نہیں ہے تو انسان نہیں ہے۔
ایک سرمایہ دار اور عیش کا پروردہ کہتا ہے۔

اعاينت في طول من الارض والعرض	كبغداد دار انها جنة الارض
صفا العيش في بغداد واخضر عوده	وعيش سواها غير صاف ولا غض
تطول بها الاعمار ان غذاءها	مرئٌ وبعض الارض امرأ من بعض

زمین کے طول و عرض میں تم نے بغداد سا بھی کوئی شہر دیکھا، یہ بغداد زمین کی جنت ہے۔
بغداد میں عیش کا چشمہ پاک و صاف اور خوشی کا درخت سرسبز ہے لیکن دوسری جگہوں کی زندگی نہ صاف ہے نہ پر مسرت ہے۔
بغداد میں زندگی دراز ہوتی ہے اس کا آب و دانہ لذیذ و خوشگوار ہے اس میں شک نہیں کہ بعض زمینوں کا آب و دانہ دوسری زمینوں سے لذیذ و خوشگوار ہوتا ہے۔

یہ کوئی عیب نہیں کہ بغداد عباسی عہد میں بلکہ ہر زمانہ میں روئے زمین کی بہشت رہا ہو وہاں عیش کا چشمہ پاک و صاف اور خوشی و مسرت کا درخت سرسبز ہو آب و ہوا وہاں کی لذیذ و خوشگوار ہو۔ عمریں وہاں طولانی ہوتی ہوں۔ ان میں سے کوئی بات عیب نہیں انسان ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ ایسی بہشت میں زندگی بسر کرے جس میں عیش و آرام کے وسائل میسر ہوں۔ پھل پھول اور ہر اچھی چیز موجود ہو لیکن یہ تمام لذائذ و نعمات یہ تمام عیش و عشرت کے سامان اسی وقت گوارا ہو سکتے ہیں۔ جب کہ غریبوں ناداروں پر ظلم و زیادتی کر کے لوٹے ہو گئے ہوں زور زبردستی کر کے یتیموں اور بیواؤں سے نہ چھینے گئے ہوں۔ یہ عیش و عشرت کی زندگی اور اس کے لوازم بغداد میں آئے کہاں سے حالانکہ اسی بغداد میں ہزاروں بھوکے ننگے اور بے خانماں افراد تھے جنہیں مرتے دم تک بغداد کی عشرتیں نصیب نہ ہوئیں۔ مشہور شاعر ابوالعتاہیہ عوام کی ترجمانی کرتا ہوا اپنے وقت کے خلیفہ سے کہتا ہے :۔

من مبلغ عني الامام نصائحا متوالية	اني ارى الاسعار اسعار الرعية غالية
وارى المكاسب نزرة وارى الضرورة فاشية	وارى غموم الدهر رائحة تمر وغادية
وارى اليتامى والارامل في البيوت الخالية	من بين راج لم يزل يسمو اليك وراجية
يشكون مجهدة باصوات ضعاف عالية	يرجون رفدك كي يروا مما لقوه العافية

من محیبات جوع تمسی و تصبح طاویہ من للبطون الجائعات والجسوم العاریۃ
القیت أخبار الیك من الرعیۃ شافیہ

کون ہے جو میری متواتر و مسلسل نصیحتیں خلیفہ تک پہنچا دے ۔ میں لوگوں کی زندگی کے نرخ کو دیکھتا ہوں کہ انتہائی گراں ہے۔

اور آمدنی انتہائی قلیل ضرورت و احتیاج حد سے زیادہ ہے اور غم ہائے روزگار کی صبح و شام اُن پر یورش ہوتی ہے۔

ایتام اور بیوائیں اُجاڑ گھروں میں خالی ہاتھ بیٹھی ہیں۔ مرد بھی تجھ سے لو لگائے ۔ تیرے احسانات کی طرف ہاتھ پھیلائے ہیں اور عورتیں بھی۔

سب ہی اپنی زندگی کی تلخیوں کے شاکی ہیں اور کمزور صدائیں فریاد کی بلند کر رہے ہیں تیرے الطاف و عنایات کے اُمیدوار ہیں تاکہ اپنی مصیبتوں سے نجات پائیں اور عافیت کا منہ دیکھیں۔

بچوں والی مائیں رات بھی گرسنگی میں بسر کرتی ہیں اور دن بھی فاقہ میں گذارتی ہیں کون ہے جو اُن کے گرسنہ شکموں کو سیر کرے اور اُن کے عریاں تنوں کو لباس پہنائے۔

میں رعیت کی طرف سے صحیح حالات تیرے پاس روانہ کر رہا ہوں۔

ایک شخص خلیفہ واثق باللہ سے ملنے آیا اُس نے خلیفہ کا جاہ و حشم اور اُس کے محل کی جو شان و شوکت دیکھی اس کی تصویر کشی کرتا ہوا بیان کرتا ہے (یہ ملحوظ رہے کہ صرف ایک محل کی شان و شوکت)

مجھے ایک خادم نے دوسرے خادم کے حوالہ کیا دوسرے نے تیسرے کے اسی طرح متعدد خادموں کے ہاتھوں ہوتا ہوا ۔ میں ایک ایسے مکان میں پہنچا جس کے صحن اور دیواروں پر منقش زربفت کے کپڑے آویزاں تھے پھر میں شاہی ایوان میں پہنچا اس ایوان کا فرش اور دیواریں بھی اسی طرح منقش زربفت کے کپڑوں سے ڈھکی ہوئی تھیں ایوان کے صدر میں واثق تخت پر بیٹھا ہوا تھا ۔ تخت موتیوں سے مرصع تھا ، اس کی کنیز فریدہ کا ہاتھ میں ستار لئے بیٹھی تھی ۔ واثق کے جسم پر بھی زربفت کا قیمتی لباس تھا اور کنیز کے جسم پر بھی ۔ الخ

یہ دولت سے اس طرح کھیلنا اور سرمایہ دارانہ شان و شوکت متعدی بیماری تھی جس میں اونچے طبقے والے سبھی مبتلا تھے ، خلفاء و سلاطین بھی ان کے عزیز و اقارب ، حاشیہ نشین اور ملازمین بھی نیز بہت سے تجار بھی لہو و لعب ، تفریح و دل بستگی نیز اور بہت سی ناگفتہ بہ حرکتیں جو اُن محلات میں عمل میں لائی جاتی تھیں اُن کا تو ذکر ہی بیکار ہے ۔

غلاموں ، کنیزوں[1] کی درہم و دینار کے عوض خرید و فروخت جس کی نہ پیغمبرؐ نے اجازت دی تھی نہ امام ؑ نے ، اتنی ترقی پر تھی

---

[1] اسلام میں صرف کفار حربی اور ان جنگی قیدیوں کو جو جہاد میں ہاتھ آئیں غلام اور کنیز بنایا جاتا ہے لیکن خلفاء کے (باقی ص ۲۲۶ پر)

کہ ہر شہر میں ایک مخصوص بازار ہوا کرتا تھا جس میں صرف غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ بغداد میں جو عباسیوں کا پایہ تخت تھا۔ خیابان دارالرقیق مشہور جگہ ہے۔ بردہ فروش ہر نسل اور ہر رنگ کے غلام اور کنیزیں رکھتے۔ سیاہ فام غلاموں کے جھنڈ کے جھنڈ جنوب کی طرف سے عباسی شہروں میں لائے جاتے اور دو سو درہم (تقریباً پچاس پچپن روپیہ) میں فروخت کر دئیے جاتے اور سپید رنگ کے غلام اور کنیزیں سمرقند سے لائی جاتیں جو سپید رنگ کے غلاموں، کنیزوں کی بہت بڑی منڈی تھا کنیزوں کی بہت سی قسمیں تھیں کچھ کنیزیں قندھار اور سندھ کی ہوتیں۔ دُبلی۔ پتلی سیاہ چشم اور لمبے گیسوؤں والی۔ کچھ کنیزیں جو مدینہ کی تربیت یافتہ ہوتیں وہ ناز و انداز شوخی و کرشمہ میں مشہور اور گانے بجانے میں ماہر ہوتیں اور مکہ میں پرورش پائی ہوئی کنیزیں دست و بازو کی نزاکت اور مستانہ نگاہی میں اپنا جواب نہیں رکھتیں اور کچھ کنیز ممالک مغربی ممالک کی ہوتیں۔

ابو عثمان دلال جو اس زمانہ کے غلاموں اور کنیزوں کی خوبیوں کی پوری واقفیت رکھنے والا تھا کہتا ہے۔

کنیز بربر میں پیدا ہو اور ۹ برس کی عمر میں اپنے وطن سے جدا ہو جائے ۳ سال مدینہ میں رہے۔ ۳ سال مکہ میں اور سولہ سال کی عمر میں عراق آئے تاکہ معاشرہ کے آداب وہاں سیکھے اور ۲۵ برس کی عمر میں فروخت ہو۔ ایسی کنیز پیدائشی ملاحت مدینہ کے ناز و ادا۔ مکہ کی لطافت اور عراق کی تہذیب و شائستگی اور اخلاق و آداب کی جامع ہوگی۔

ابو عثمان افسوس کہ ایسی کنیز کی قیمت بیان کرنا بھول گیا۔

بربری کنیزوں کے علاوہ حبشی، ترکی، صقلبی، رومی، ارمنی کنیزیں جو تھیں جو اُن کا ذکر ہی بےکار ہے ہر جگہ کی کنیزیں علیحدہ علیحدہ صفات اور امتیازی خصوصیات کی حامل ہوتیں جن کے بیان میں اس زمانہ کے ماہروں نے کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔

عباسی عہد حکومت میں غریبوں کا تو ذکر ہی کیا جو ارباب ثروت و دولت تھے اُن کی بھی یہ کیفیت تھی۔ کہ کسی کی اپنی جان و مال کی طرف سے ایک دن بھی اطمینان نصیب نہیں رہتا۔ خلائق کی جانیں بادشاہ کے قبضۂ اختیار میں تھیں بادشاہ کے ایک اشارہ پر جان سے ہاتھ دھونے پلک جھپکنے مال و متاع چھن جانے کا خطرہ رہتا اس لئے کہ اس زمانہ میں خلفاء اور امراء کے جود و سخا بذل و عطا کی کوئی حد نہ تھی اسی طرح خلائق کے مال کو بے سبب ہتھیا لینے کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا کبھی بادشاہ گانے والے کا گانا سن کر ایک شعر پر وجد میں آکر کوئی برجستہ جواب یا شیریں فقرہ سن کر ہزاروں ہزار

بقیہ حاشیہ ص ۲۲۵

زمانہ میں نیز بعد کے زمانوں میں یہ کیفیت ہوگئی کہ اوباش لوگ جس کسی کو بھی بے سرپرست پاتے اور اسلامی شہروں میں دیکھتے پکڑ کر فروخت کر دیتے تھے۔

اشرفیاں انعام میں دے دیتے اور کبھی کوئی بات ناگوار ہوتی تو فوراً گردن اڑا دیتے اور مال و اسباب ضبط کر لینے کا حکم صادر فرما دیا عتابی نے اپنے زمانہ کی اس کیفیت کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم نے ادبی صلاحیتیں رکھتے ہوئے دربار میں رسائی حاصل کرنے کی کیوں نہیں کوشش کی اس نے جواب دیا۔

"میں خلیفہ کو دیکھتا ہوں کہ بے سبب بے وجہ کسی کو ہزاروں ہزار اٹھا کر دے دیتا ہے اور بے قصور کسی کو بام قصر سے زمین پر پھینکوا دیتا ہے۔ اگر میں دربار میں رسائی حاصل کر دوں تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھے ان دونوں شخصوں میں سے کس شخص کا انجام نصیب ہو گا۔"

جس وقت خلیفہ مہدی کا قاصد مفضل ضبی کو بلانے پہنچا مفضل ڈرے کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے مہدی سے میری چغلی کھائی ہے۔ انہوں نے کپڑوں کے نیچے کفن پہن لیا اور مرنے کے لئے تیار ہو کر چلے۔ دربار میں پہنچ کر مہدی کو سلام کیا۔ مہدی نے جواب سلام دیا یہ خاموش کھڑے رہے تھوڑی دیر کے بعد دل کی دھڑکن ٹھہری اور اطمینان ہوا کہ مہدی نے قتل کرنے کے لئے نہیں بلایا ہے۔ مہدی نے ان سے پوچھا کہ فخر و مباہات میں سب سے اچھا شعر عرب میں کس نے کہا ہے اسی طرح کچھ اور باتیں بھی پوچھیں۔ مفضل نے ہر ایک کا مناسب جواب دیا۔ مہدی کو جب جوابات پسند آئے تو اس کے حالات پوچھے۔ مفضل نے اپنے دیون کی شکایت کی۔ مہدی نے ۳۰ ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا۔

جس وقت مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل کو قتل کرا کر احمد بن ابی خالد کو اپنی وزارت پیش کی تو اس نے قبول نہیں کیا لوگوں نے جب وجہ پوچھی تو کہا:

"میں نے تو یہی دیکھا کہ جب بھی کوئی اس عہدہ پر فائز ہوا اس نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا۔"

دولت و ثروت کی افراط اور بہتات کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیاشیوں کی انتہا نہ رہی اوباشی و ہوسناکی ہمہ گیر وبا کی صورت میں پھیلی ہوئی تھی۔ گھر میں گانے بجانے ناز و انداز میں ماہر کنیزوں کا ہجوم تھا۔ شراب خواری۔ قمار بازی فیشن بن چکی تھی۔ دولتمند و سرمایہ دار لہو و لعب تفریح و دل بستگی عیاشی و اوباشی کی نت نئی صورتیں پیدا کرتے جب ایک قسم کی عیاشی سے تھک جاتے تو دوسری قسم کی عیاشی ایجاد کر لیتے۔ بعضوں کی سرمستی و بے خودی کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی اچھا گانا سن کر آپے سے باہر ہو جاتے کہ سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کریں جو چیز سامنے پڑ جاتی اسی سے اپنا سر پھوڑ لیتے جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی اور دیگر مؤرخین نے اس قسم کے متعدد واقعات آغانی وغیرہ میں نقل کئے ہیں۔ اس آپے سے باہر ہو جانے کی وجہ یہی تھی کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنی مسرت و شادمانی کا اظہار کس طرح کریں اس لئے آئے دن نت نئی حرکتیں کرتے رہتے۔

دوسری طرف بے شمار افراد ایسے تھے جو فقر و ناداری غربت و بے چارگی کی اذیتوں میں مبتلا تھے ایک طبقہ فرط مسرت و شادمانی سے مرا جاتا تھا۔ دوسرا طبقہ کثرت اندوہ مصائب سے کچھ ایسے تھے جو زندگی ہی سے بیزار ہو گئے تھے انہیں زندگی سے بھی نفرت تھی اور سماج و معاشرہ سے بھی انہیں خلائق کی حالت سدھرنے کی امید ہی باقی نہ رہ گئی تھی (العقد

ایسے ہی لوگوں کی ترجمانی کرتا ہوا کہتا ہے ؎

رغیف خبز یابس … تاکله فی زاویة
وغرفة ضیقة … نفسك فیها خالیة
او مسجد بمعزل … عن الوری فی ناحیة
خیر من الساعات فی … فی القصور العالیة
تعذه وصیة … مخبرة بحالیة
طوبیٰ لمن یسمعها … تلك لعمری کافیة
فاسمع لنصح مشفق … یدعی ابا العتاهیة

سوکھی روٹی جو گوشہ میں بیٹھ کر تم کھاؤ۔
اور ایک تنگ مکان جس میں تم زندگی کے دن بسر کر لو۔
یا کسی مسجد کا گوشہ جس میں تم لوگوں سے الگ تھلگ رہ سکو۔
بہتر ہے ان محلات سے جو اونچے محلات کے سایہ میں گذریں۔
یہ وصیت ہے اُس کی جو حقیقت حال سے پوری طرح باخبر ہے۔
خوشا حال اس کا جو میری اس نصیحت کو سنے اپنی زندگی کی قسم یہ نصیحت اس کے لئے کافی ہے۔
ناصح مشفق کی یہ نصیحت سنو جسے ابوالعتاہیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دونوں حالتیں فرط شادمانی و مسرت سے خودکشی یا دنیا کو ترک کر کے خودکشی فطرت انسانی کے خلاف[1] ہیں۔ خداوند عالم نے انسان کو نہ اس کے لئے پیدا کیا ہے نہ اس کے لئے لیکن بنی عباس کے عہد میں یہ دونوں خرابیاں انسانی معاشرہ میں عام تھیں۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا بہت ہلکی سی جھلک تھی بنی عباس کے ابتدائی دورِ حکومت میں عوام الناس کے حالات

[1] ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اسلام میں صرف ان قیدیوں کو غلام بنایا جاتا جو ان لڑائیوں میں ہاتھ لگتے جو پیغمبر خدا یا امام کی اجازت سے لڑی جائیں اور ایسا بہت کم ہوتا تھا لیکن خلفاء کے عہد میں نیز خلفاء کے بعد کچھ لوگوں نے اسلامی شہروں میں بردہ فروشی کا کاروبار شروع کر دیا تھا ایسے کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کو جن کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوتا پکڑ لیتے اور فروخت کر ڈالتے اور اسلامی احکام کی اس بارے میں ذرا بھی پرواہ نہ کرتے کسی مسلمان یا کافر ذمی کو یا ایسے کافر کو جس سے معاہدہ ہو چکا ہو غلام بنانا ہرگز جائز نہیں۔ اتفاق یہ کہ زیادہ تر غلام اور کنیز انہیں اقسام کی تھیں۔

کی ۔ بعد کے زمانوں میں تو عوام کی زبوں حالی اس حد تک جا پہنچی جس کا اندازہ بھی کرنا ممکن نہیں ۔ یہ دولت مند و ارباب ثروت پہلے سے کہیں زیادہ عیاش ہو چکے تھے اور ناداروں کی غربت و بے چارگی بد سے بدتر ہو گئی تھی ۔ مالداروں کے پاس دولت ذخیرہ ہو کر رہ گئی تھی اور فقر و فاقہ نے ناداروں کے یہاں ڈیرہ ڈال رکھا تھا ۔

تم جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے یا جس گھر کا جائزہ لیتے یا تو انتہائی دولت مند و خوش حال کو دیکھتے جو لہو و لعب اور عیاشی میں غرق ہوتا یا ایسے فقیر و نادار نظر آتے جو ایک روٹی اور ایک کمبل کے لئے بھی محتاج تھے ۔

وہ لوگ جو دولت مند اور خوش حال تھے اور جن کی زندگی تمام تر تفریح و دل بستگی میں گذرتی اُن کی تعداد بہت کم تھی لیکن ناداروں ، محتاجوں کی بہتات تھی ۔ جان و مال کی طرف سے اطمینان ان دونوں میں سے کسی کو بھی حاصل نہ تھا مطمئن لوگ بس گنتی کے تھے یعنی بادشاہ کے عزیز اقارب اور حاشیہ نشین افراد ، ان کے سوا جتنے دولتمند تھے ان میں سے اطمینان کسی کو بھی حاصل نہ تھا ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کب بادشاہ اُن سے ناراض ہو جائے اور چشم زدن میں مال بھی ضبط ہو اور سر بھی تہِ تیغ اس ظلم و خود سری کی ابتداء متوکل کے عہد سے ہوئی جس نے جہنم کے پہلو بہ پہلو بہشت بنائی تھی ۔

دولت مندوں نے شرم و حیا کے ہر پردے کو چاک کر دیا تھا ایسی بیہودگی اور اوباشی پر اُتر آئے تھے جو پہلے کبھی دیکھی سنی نہ گئی تھی ۔ وہ شراب پیتے خوشی سے دیوانے ہو جاتے ۔ عیش و طرب کی محفلیں اپنے محلات میں منعقد کرتے ، جی بھر کر چیخ پکار مچاتے ۔ اچھل کود کرتے ۔ یہاں تک کہ شراب کے نشہ میں بدمست ہو کر یا فرطِ مسرت سے بے خود ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے ۔ زمین پر گر کر لڑھکنیاں لگانے لگتے آنکھیں نچاتے کبھی چیختے چلاتے فریاد و واویلا کرتے نشہ کی وجہ سے نہ اپنے پر قابو رہتا نہ نیک و بد کی تمیز باقی رہتی ۔ بُرے سے بُرا کام کرنے سے بھی باز نہ رہتے ۔ کوئی سرخوشی و بدمستی میں خیال کرتا کہ میں نے اپنے پیروں سے زمین میں زلزلہ پیدا کر دیا ہے ۔ اس قسم کی بے شمار حکایتیں ابوحیان توحیدی نے اپنی کتاب الامتاع والمؤانسہ میں درج کی ہیں ۔

کنیزوں کی اس زمانہ میں اتنی بہتات ہو گئی تھی جتنی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی متوکل جس نے ارباب عقل و خرد اور غیرت مند و باحمیت انسانوں کو ذلیل و خوار کرنے میں کسر اٹھا نہ رکھی ، قبر حسینی کو خراب کرنے کی پوری کوشش کی تھی جس نے بیہودہ اور اوباش انسانوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ اُس کے دربار میں علی ابن ابی طالب کا مذاق اُڑائیں اُن پر طعن و تشنیع کریں اُس متوکل کی حالت یہ تھی کہ اُس کے قصر میں کئی کئی ہزار کنیزیں تھیں ، بعض عباسی خلفاء کے یہاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ کنیزیں تھیں ، کنیزوں کے علاوہ خواجہ سراؤں سے بھی شاہی محلات بھرے رہا کرتے ۔

اُونچے طبقہ کے افراد اور دولت مند لوگ عورتوں کی حفاظت کے لئے خواجہ سراؤں کو رکھا کرتے ۔ امین کے عہد میں خواجہ سراؤں کی بے حد زیادتی ہو گئی تھی ، خلیفہ مقتدر گیارہ ہزار خواجہ سرا رکھتا تھا ، متوسط طبقہ میں بھی غلاموں کی کثرت تھی جو بہت ہی بے شرم و بے حیا تھے وہ غلاموں سے شرمناک خدمات لیتے ۔

ان تمام خرابیوں کا اصل سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے پیغمبر خدا اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کے دستور کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور خلائق کو ایک دوسرے کے برابر نہیں سمجھتے تھے دولت مند اور صاحبان اقتدار اپنے کو رعیت سے بلند اور برتر سمجھنے اور رعیت کی کمائی کو لوٹ کر اپنے عیش و طرب کا سامان بہم پہنچاتے۔

ہم عباسی عہد کے ارباب دولت و اقتدار کے عیاشی و فحاشی اور غریبوں کی ناداری و بے چارگی کی مزید وضاحت کے لئے اس زمانہ کے لوگوں کے اخلاق و عادات کا پھر تذکرہ کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی چیزیں عیش و عشرت اور فقر و ناداری اس سماج میں جس کے افراد زیادہ تر محتاج و نادار ہوں اسی قاعدہ کے مطابق جنم لے سکتی ہیں جس کی طرف امیر المومنینؑ نے اس فقرہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

ما رأیت نعمۃ موفورۃ الاولیٰ جانبہا حق مضیع

میں نے کسی کے پاس دولت کی بہتات نہیں دیکھی مگر یہ کہ اس کے پہلو میں کسی حق کو ضائع ہوتے بھی دیکھا۔

وہ اونچے اونچے محلات جن میں دولت کی ریل پیل تھی جن کی تعمیر میں بے اندازہ سرمایہ صرف ہوا تھا ان کی شان و شوکت کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ متوکل نے ایسے ایسے قصور و محلات تعمیر کئے تھے جن کی عظمت و جلالت اور حسن و جمال کی توصیف کسی انسان سے ممکن نہیں۔

ایک محل میں بیگمات اور کنیزان حرم کی پیراکی کے لئے بڑا سا تالاب بنایا گیا تھا۔ مشہور شاعر بحتری نے جب یہ محل دیکھا تو اس کی وسعت، اس کے باغات، رنگا رنگ مکانات اور نادر حیرت انگیز تعمیرات دیکھ کر اسے گمان ہوا کہ جنوں اور دیووں نے اس محل کو بنایا ہے وہ اس محل کی تصویر کشی کرتا ہوا کہتا ہے۔

کان جن سلیمان الذین ولوا — ابداعہا فادقوا فی محاسنہا
فلو تمر بہا بلقیس عن عرض — قالت رھی الصرح تمثیلا و تشبیہا
اذا النجوم تراءت فی جوانبہا — لیلا حسبت سماء رکبت فیہا
لا یبلغ السمک المحصور غایتہا — لبعد ما بین قاصیہا و دانیہا

گویا حضرت سلیمان کے تابع فرمان دیووں نے اس محل کی تعمیر کی ہے اور ہر چیز میں انتہائی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔

اگر اتفاقاً بلقیس ملکہ سبا کا گذر اس قصر سے ہو جائے تو جناب سلیمان کے محل سے انتہائی مشابہت کی وجہ سے یہی گمان کریں کہ یہ وہی قصر سلیمان ہے۔

رات میں اس تالاب پر ستاروں کا عکس پڑتے دیکھ کر تم یہی سمجھو گے کہ تالاب آسمان ہے اور ستارے اسی آسمان میں ٹنکے ہوئے ہیں۔

مچھلیاں تالاب کے کنارے تک نہیں پہنچنے پاتیں کیوں کہ تالاب کی ابتداء و انتہا میں کافی فاصلہ ہے۔

یاقوی حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں:۔

سامرا میں جتنی شان دار عمارتیں متوکل نے بنوائیں کسی بھی خلیفہ نے ویسی عمارتیں نہیں بنوائیں۔ من جملہ ان عمارتوں کے ایک قصر عروس تھا۔ جس کی تعمیر میں ۳ کروڑ درہم خرچ کئے۔ ایک قصر جعفری تھا۔ جس میں ایک کروڑ درہم خرچ ہوئے ایک قصر غریب تھا جس پر ایک کروڑ درہم صرف ہوئے قصر شیدان تھا جس پر ایک کروڑ درہم صرف ہوئے قصر بلیح تھا جس پر پچاس لاکھ درہم صرف ہوئے قصر برج تھا جس پر ایک کروڑ درہم خرچ ہوئے، قصر صبح تھا جس پر ۵۰ لاکھ درہم خرچ ہوئے۔ قصر بستان ابتاخیہ تھا جس پر ایک کروڑ درہم خرچ ہوئے۔

اسی طرح یاقوت حموی نے ایک طویل فہرست ان محلات کی گنائی ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

ان تمام محلات کی تعمیر میں تقریباً ۳۰ کروڑ صرف ہوئے۔

علی بن جہم متوکل کے قصر جعفری کی توصیف میں کہتا ہے۔

بدائع لم ترها فارس ولا الروم فی اطول اعمارها
صحون تسافر فیها العیون اذا ما تجلت لابصارها
وقبة ملك كان النجوم تفضی الیها باسرارها

ایسی نو بہ نوادر تازہ بہ تازہ صنعتیں ہیں اس قصر میں کی کہ روم و فارس کی سلطنتوں نے اپنی اس طولانی حکومت کے زمانہ میں بھی اس کی نظیر نہ دیکھی ہوں گی۔

ایسے وسیع و عریض صحن ہیں جن کے عجائب و نوادر دیکھنے کے لئے آنکھوں کو ایک مدت تک سفر کرنا پڑے۔

اور ایسے بلند گنبد ہیں جنہیں دیکھ کر تم کہو کہ ستارے ان گنبدوں سے سرگوشیاں کر رہے ہیں

ابن معتز نے ایک محل بنوایا تھا جس کا نام کامل رکھا اس کی چھتیں سونے کی اینٹوں سے پاٹی گئی تھیں۔ اور گرداگرد درخت لگائے گئے تھے۔ بحتری شاعر ان ہواؤں کی تعریف میں جو محل میں چلتیں اور ان درختوں کے متعلق جو ہر طرف جھومتے رہتے کہتا ہے:۔

لبست من الذهب الصقيل سقوفه نورا يضئ على الظلام الحافل
وتنفست فيه الصبا فتعطفت اشجاره من حول وحوامل
مشى العذارى الغيد رحن عشية من بين حالية اليدين وعاطل

اس کی چھتیں سونے کی بنی ہوئی اور روشن و تابندہ تھیں۔ اپنی تابندگی سے تاریکیوں کو منور بنا رکھا تھا۔

باد صبا اس میں اٹکھیلیاں کرتی پھرتی اور پھل دار اور بے ثمر ہر قسم کے درخت ہر طرف جھومتے تھے۔

جیسے رات کے وقت نازک اندام دوشیزائیں تفریح کے لئے نکلی ہوں۔ بعض کے ہاتھ میں زیور ہو بعض بے زیور کے ہوں۔

قصر ثریا خلیفہ معتضد کے بنائے ہوئے محلات میں سے ایک محل تھا بہت ہی وسیع و کشادہ اور اتنا حسین و جمیل اور ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ کہ ابن معتز بھی جس نے خود عظیم الشان محل تعمیر کیا تھا اُسے جنوں کی صناعی و کاریگری قرار دیتا تھا۔

مؤرخ خطیب بغدادی نے سفیر روم اور خلیفہ مقتدر کے ملاقات کے تذکرہ کے سلسلہ میں مقتدر کے قصر کی بڑی جامع منظر کشی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

مقتدر کے پاس گیارہ ہزار خواجہ سرا تھے ان کے علاوہ اور بھی کئی ہزار صقلی رومی اور حبشی غلام تھے۔ یہ تو محل کی صرف ایک چیز کا ذکر ہے۔ زیب و زینت کے اور دیگر سامان اسی مناسبت سے بے حد و حساب تھے مقتدر کا حکم تھا کہ سفیر کو قصر کی پوری سیر کرائی جائے اور توشہ خانوں میں بھی لے جایا جائے۔ جہاں ایک سے ایک بیش قیمت اور نادر چیزیں اس طرح سجائی ہوئی تھیں جیسے دلہن کے جہیز کا سامان ہو پردے پڑے ہوئے تھے اور انتہائی بیش قیمت موتی ڈبیوں میں رکھے ہوئے تھے اور ان ڈبیوں پر سیاہ منقش ریشمی کپڑے منڈھے ہوئے تھے۔ گھماتے پھراتے اس سفیر کو اس دالان میں لایا گیا جس میں خالص چاندی کا بنا ہوا درخت استادہ تھا اور اس کا وزن ۵ لاکھ درہم تھا سفیر اس درخت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس درخت پر چاندی کے بنے ہوئے طیور بھی تھے جو ہوا کے جھونکوں سے حرکت میں آتے اور سیٹیاں بجانے لگتے۔ اس منظر کو دیکھ کر سفیر ہر چیز سے زیادہ متحیر و متعجب ہوا۔

اس قصر میں جتنے پردے آویزاں تھے ان کی تعداد ۳۸ ہزار تھی وہ تمام پردے ریشم و زربفت کے تھے جن پر گوناگوں نقش و نگار اور ہاتھی گھوڑے اونٹ درندے اور کشتیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے پردے ارمینیا واسط اور بہنس کی کاریگری و صناعی کے اعلیٰ نمونے تھے۔ جن میں کچھ سادے تھے کچھ منقش۔

پھر وہ سفیر اس مکان میں لے جایا گیا جو اصطبل خانہ کے نام سے موسوم تھا وہ ایسا مکان تھا۔ جس کے دونوں زیادہ تر سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھے۔ دائیں حصے میں ۵۰۰ گھوڑے تھے ہر گھوڑے پر گنگا جمنی زین

اور لگام بھی۔ بغیر زین پوش کے اور بائیں طرف بھی ۵۰ گھوڑے تھے۔ ہر گھوڑے پر گنگا جمنی زین اور لگام تھی۔ اور ریشمی زین پوشش بھی، ہر گھوڑے کے لئے بہترین وردی پہنے ایک خادم تھا۔

پھر وہ سفیر اس مکان میں لے جایا گیا جس میں طرح طرح کے جنگلی جانور سدھائے ہوئے رکھے تھے۔ وہ جانور آدمیوں کے پاس آتے انہیں سونگھتے اور ان کے ہاتھ سے کھاتے۔

پھر وہ سفیر اس جگہ لایا گیا جہاں چار ہاتھی بندھے تھے۔ ہر ہاتھی پر ریشمی منقش پوشش تھی۔ اور آٹھ سندھی اور کئی کئی آدمی پٹرول چھڑکنے والے متعین تھے۔ سفیر اس منظر کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا۔ خوف و دہشت کے مارے دل ہاتھوں سے جاتا رہا۔

پھر وہ سفیر اس مکان میں لایا گیا جہاں حیوانات درندہ رکھے جاتے تھے۔ تقریباً سو جانور تھے۔ پچاس دائیں طرف پچاس بائیں طرف۔

پھر وہاں سے اُس جگہ لایا گیا جو جو کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ ایسی جگہ تھی جس کے چاروں طرف باغات تھے اور بیچ میں رانگے کا حوض جدید بنا ہوا تھا اور اس حوض کے چاروں طرف بھی رانگے کی نہر بنی ہوئی تھی جو چاندی سے زیادہ خوب صورت، حوض کا طول ۳۰ ہاتھ اور عرض ۲۰ ہاتھ تھا اس حوض میں چار کشتیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر زریں کرسیاں بیٹھنے کے لئے تھیں، اس حوض کے چاروں طرف باغات جن میں ۵-۵ ہاتھ کے درخت آئے خرما چار سو کی تعداد میں لگے ہوئے تھے۔ ہر درخت کو جب ڑے سے لے کر چوٹی تک منقش آبنوس سے ڈھانک دیا گیا اور اس میں پیتل کے حلقے بنائے گئے تھے۔ اس مکان کے کنارے حوض کے دائیں طرف ۱۵ مجسمے بنے ہوئے تھے یہ پندرہ گھوڑوں پر سوار پندرہ سپاہی کے مجسمے تھے۔ ہر مجسمہ ریشم وغیرہ کا لباس پہنے تھا۔ ہر سوار کے ہاتھ میں نیزے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ یہ سپاہی محاذ جنگ پر صف بستہ دشمن پر حملہ کر رہے ہیں بائیں طرف بھی اسی طرح کے ۱۵ مجسمے تھے۔

جب سفیر روم کو اسی طرح ۲۳ قصروں میں گھما پھرا لیا گیا تب اس صحن میں لایا گیا جس کا نام تسعینی تھا۔ اس صحن میں نوخیز غلام پورے ہتھیار سجائے کھڑے تھے پھر سفیر کو خلیفہ مقتدر کے حضور لایا گیا جو دجلہ کے کنارے قصر تاج میں بیٹھا ہوا تھا سر پر تاج پہنے جس کا نام طویلہ تھا۔ سر سے پیر تک ریشم و زربفت کے لباس میں ڈوبا ہوا تخت آبنوس کا تھا جس کا فرش بھی منقش ریشمی و زربفتی تھا۔ تخت کے دائیں طرف نو ہار موتیوں کے آویزاں تھے۔ بائیں طرف بھی نو ہار تھے۔ ایسے ایسے بیش قیمت موتی جن کی روشنی دن کی روشنی پر غالب آتی تھی (ضحی الاسلام جلد اول ص۱۰، ص۱۴)

اسی طرح تمام خلفائے بنی عباس سے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دونوں ہاتھوں سے دولت لٹاتے رہے

ایک کے بعد جب دوسرا خلیفہ ہوا۔ اس کی یہی کوشش رہی کہ اسراف اور فضول خرچی میں دوسرے سے بڑھ جائے یہانتک کہ مہتدی خلیفہ ہوا یہ زہد پسند انسان تھا لیکن اسے جینا نصیب نہیں ہوا۔ اس کے عزیز و اقارب ہی نے اس کا کام تمام کر دیا۔

وزراء بھی اسراف اور فضول خرچی میں خلفاء سے کم نہ تھے۔

متوکل کے وزیر فتح بن خاقان نے ایسے ایسے اونچے محلات تعمیر کئے جن کے کنگرے آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ بحتری کہتا ہے۔

ومن شرفات فی السماء کانها قوادم بیضان الحمام المحلق

آسمان میں کنگرے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بلندی فضا میں بلند پرواز سپید کبوتروں کے پر و بال ہوں

ابن مقلہ وزیر نے اتنی قسموں کے وحوش وطیور اپنے قصر میں اکٹھا کئے تھے کہ کسی حکومت کا خزانہ اتنے وحوش و طیور کے مصارف کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

وزیر ابن فرات بے شمار زمینوں جائدادوں اور بے تھاہ دولت کا مالک تھا بلور کے چمچوں سے کھانا کھاتا۔ ایک چمچے کو دوبارہ استعمال میں نہ لاتا۔ ہر لقمہ کے لئے ایک چمچہ ہوتا اس کے دستر خوان پر ۳۰ سے زیادہ چمچے رکھے جاتے۔

وزیر مہلبی گلاب کے پھولوں کا دلدادہ تھا ایک شخص جس نے مہلبی کو دیکھا تھا بیان کرتا ہے کہ:۔

مہلبی کے لئے تین دن میں ہزار دینار کے گل سرخ خریدے گئے اور اس کی بزم میں نچھاور کئے گئے اور اس کے محل کے وسیع حوض میں چھڑکے گئے اس حوض میں عجیب وغریب فوارے بنے ہوئے تھے گلاب کے پھول حوض میں ڈالے جاتے اور فوارہ ان پھولوں کو مہلبی کی بزم میں منتشر کرتا اور وہ پھول بزم میں بیٹھنے والوں کے سر پر گرتے جب وہ بزم ختم ہونے لگتی تو پھول لوٹ لئے جاتے۔

خلیفہ مقتدر کی ماں کی جوتیوں کے لئے دبیز قسم کا ریشمی کپڑا خریدا جاتا جسے ثیاب النعال کہتے تھے۔ اوپر کا حصہ بھی اسی ریشمی کپڑے کا ہوتا اور استر بھی اسی کا اور دونوں کے بیچ میں مشک وعنبر گھلا کر بھرا جاتا تاکہ دونوں خوب اچھی طرح چپک جائیں ان جوتیوں کو مادر مقتدر دس روز سے زیادہ نہیں پہنتی۔ دس روز کے بعد ان جوتیوں کو نوکر چاکر لے لیتے اور اس کا مشک وعنبر نکال کر کام میں لاتے۔

وزراء و عمال کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ شان وشوکت اور دولت و سرمایہ کی بہتات میں خلفاء سے پیچھے رہیں۔

علی بن احمد راضی گورنر جندیشاپور، سوس، اور مادریا نے اپنے مرتے پر سونے، چاندی، یاقوت، موتی، ہیرے بلور، اسلحہ، ساز و سامان وعطریات، پوشاکیں، قیمتی ظروف، محلات ومکانات، گھوڑے اسی تعداد میں چھوڑے کہ اگر انہیں غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا تو وہ بھی دولت مند ہو جاتے۔ نیز اس نے غلاموں، خواجہ سراؤں، کالے، گورے نوکروں کی اتنی

بڑی فوج چھوڑی کہ اگر اس فوج کے ذریعہ کسی ملک پر چڑھائی کرتا تو وہ ملک فتح کر لیتا۔

اس ایک علی بن راضی سے باقی دوسرے گورنروں کی دولت و سرمایہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی حالت دولت مند تاجروں کی بھی تھی۔ رہ گئے غریب عوام النّاس تو وہ اُن کی زندگی خلیفہ کے کسی ایک صاحب یا وزیر یا گورنر کے ایک مختصر لفظ یا آنکھ کے ایک اشارہ پر موقوف تھی۔ انہیں امن و سلامتی اور جان کی امان بس اُسی وقت تک نصیب تھی جب تک اربابِ اقتدار ان پر ناراض نہ ہوں۔

یہ دولت ثروت عیش و عشرت کے ساز و سامان دولت مندوں کو کہاں سے حاصل ہوئے۔ اسے کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان دولت مندوں نے تمام عوام الناس کی بضاعت اور پونجی لوٹ لی تھی۔ اُن کی کمائی ہتھیا کر اپنا گھر بھر لیا تھا اور انہیں بدبختی و بے چارگی کے حوالے کر دیا تھا۔ سرکاری محصولات حاصل کرنے اور مال و دولت اکٹھا کرنے کا انتہائی ظالمانہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ خلفاء وزراء یا عمال لگان اور ملک میں جتنے ٹیکس نافذ تھے سب ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتے وہ شخص کروڑ دس کروڑ روپے سرکاری خزانہ کو ادا کر دیتا اور خود جتنا جی چاہتا ظلم و زبردستی کر کے لگان اور ٹیکس عوام الناس سے وصول کر لیا کرتا جیسا کہ ترکی کے سلطان اپنے دورِ حکومت میں ان اسلامی ملکوں میں کیا کرتے جو ان کے زیرنگین تھے۔

عدالت کا محکمہ بھی اسی طرح درہم برہم تھا۔ ارباب حکومت برابر عدالت کے کاموں میں دخیل و اثرانداز ہوا کرتے کسی منصف و قاضی کی مجال نہ تھی کہ حکام کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ کر سکے۔ رشوت کا شدت سے رواج تھا خلائق کی ناداری و احتیاج روز بروز بڑھتی جاتی اور بدبختی پر بدبختیوں کا اضافہ تھا۔ اس حد تک کہ اگر کوئی مرجاتا تو وہ مبارکباد دیئے جانے کا سزاوار ہوتا نہ کہ لائق تعزیت۔

ابن لنگک بصری کہتا ہے۔

نحن من الدھر فی اعاجیب لو رأیناہ فی المنام فزعنا

یصبح الناس فیہ من سوء حال حق من مات منھم ان یھنا

ہم زمانہ کی عجیب نیرنگیاں دیکھ رہے ہیں جو کچھ جیتے جاگتے دیکھ رہے اگر خواب میں کہیں میں کہیں دیکھ لیں تو گھبرا کے بیدار ہو جائیں۔

لوگ بدحالی کے اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں کہ اگر کوئی مرجائے تو وہ مبارک باد دیئے جانے کے قابل ہے۔

ابن لنگک خدا سے دعا کرتا ہے کہ لوگوں کو صبر ایوب عطا کرے خود اُن پر جناب یعقوب کی طرح گریہ و زاری کرتا ہوا کہتا ہے۔

نحن واللہ فی زمان غشوم نسال اللہ صبر ایوب

اقفرت الارض من محاسنھا فابک علیھا بکاء یعقوب

خدا کی قسم ہم ظالم و چیرہ دست زمانہ کے قبضہ میں گرفتار ہیں اور خدا سے صبر ایوب کا سوال کرتے ہیں۔

زمین اپنے حسن و جمال سے خالی ہو چکی ہے۔ لہذا اس پر جناب یعقوب کی طرح گریہ و زاری کرو۔

لیکن علماء و اہل عقل اور قدر و قیمت رکھنے والے افراد جن کے متعلق حضرت علیؑ نے دونوں فرزند حسنؑ و حسینؑ کو وصیت کی تھی کہ تم اُن کی صحبت اختیار کرنا اُن کی باتیں توجہ سے سننا اور ان کے درجہ و مرتبہ کو پہچاننا اور عمال و ولاۃ کو تاکید کی تھی کہ ان لوگوں سے ہر کام میں رائے مشورے کرتے رہنا انہیں خصوصی تقرب عطا کرنا، ان کی قدر و قیمت کو بڑھانا

اس لئے کہ یہ مسلمانوں کے درمیان تابندہ نور ہیں اور جب تک دنیا باقی رہے گی یہ بھی زندہ رہیں گے۔ یہ خود بھی ہر آفت سے محفوظ ہیں اور خلائق بھی اُن کی عقل و دانش کی وجہ سے محفوظ رہے گی۔ [۷]

یہی علماء باوجود اپنی اس شان و مرتبہ کے اس عباسی عہد میں انتہائی کس مپرسی، ناداری اور ذلت و بے چارگی کے عالم میں تھے۔ سوا اُن صاحبانِ علم کے جنہوں نے اپنے چہروں کا پانی عباسی خلفا کے آستانوں پر بہا دیا تھا۔ ابوحیان جو بڑا دانشمند اور لائق و فائق مصنف گذرا ہے۔ اور بڑی پسندیدہ مصنفات کا مالک ہے۔ اپنی کتاب الامتاع والمؤانسة میں لکھتا ہے۔

"میں مجبور ہوگیا اس پر کہ اپنے دین و مروت کو بیچ ڈالوں اور ریاکاری و نفاق سے کام لوں اور ایسے نازیبا کام کروں جنہیں کوئی شریف آدمی قلم بند کرنا پسند نہ کرے"

یہ شخص آخر عمر میں دنیا اور زندگی سے اتنا بیزار ہوگیا تھا اور حکومت سے اتنی مایوسی ہوگئی تھی کہ اس نے اپنی کتابیں جلا ڈالیں۔

ابوعلی قالی بھی مجبور ہوا کہ اپنی کتابوں کو جو اس کی عزیز ترین دولت تھی بیچ ڈالے۔
اس کے متعلق کہتا ہے۔

انست بها عشرین حولا وبعتها	فقد طال وجدی بعدها وحنینی
وما کان ظنی اننی سابیعها	ولو خلدتنی فی السجون دیونی
ولکن الجوع وافتقار وصبیة	صغار علیهم تستهل جفونی

بیس سال تک یہ کتابیں میری دل بستگی کا سامان رہیں اور اس کے بعد میں نے انہیں بیچ ڈالا۔ بیچنے کے بعد میرے حزن و اندوہ کا ٹھکانا نہ رہا۔

میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں ان کتابوں کو بیچنے کا ارادہ کروں گا، چاہے قرضوں کی وجہ سے برابر میں قید خانہ ہی میں پڑا رہتا۔

لیکن انتہائی محتاج و نادار ہو کر اپنا اور اپنے چھوٹے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ان کتابوں کے بیچنے پر مجبور ہو گیا۔

خطیب تبریزی کے پاس ازہری کی کتاب تہذیب اللغة کا ایک نسخہ کئی جلدوں میں تھا۔ اس کی خواہش ہوئی کہ

---

۷ امام حسنؑ و امام حسینؑ دوسروں کے محتاج نہ تھے، امیر المومنینؑ نے ان حضرات کو اس قسم کی جو وصیتیں فرمائیں، بطور ادب و تعلیم فرمائی تھیں جیسا کہ خود امیر المومنینؑ بھی علماء کی تعظیم کیا کرتے۔

ماہر فن سے اس کتاب کو پڑھوا کر سنے اور اس کے مطالب کی تحقیق کرے۔ لوگوں نے ابوالعلائے معری کا نام لیا۔ اس نے کتاب کو توڑے میں رکھ کر پیٹھ پر لادا اور معرۃ النعمان کی طرف پاپیادہ چل کھڑا ہوا۔ کیونکہ اتنا پیسہ نہ تھا کہ سواری کا انتظام کر سکتا۔ پیدل چلنے میں پیٹھ سے اتنا پسینہ بہا کہ کل جلدیں ناس ہو گئیں۔ یہ خطیب تبریزی زمانہ کی شکایت میں کہتا ہے۔

فمن یسام من الاسفار یوما — فانی قد سمت من المقام
اقمنا بالعراق علی رجال — لئام ینتمون الی لئام

دوسرے سفر سے تھک جاتے ہوں گے میں قیام سے تھک گیا ہوں۔
عراق میں ایسے لوگوں میں رہنا ہوا جو سب کے سب کمینے اور کمینوں کی اولاد ہیں۔
زمانہ کی کج نگاہی اور شریف انسانوں کے ساتھ اُس کی بے شرمی اور بد رفتاری کے متعلق ابن لنکک بصری کہتا ہے۔

یازمانا البس الاحرار — ذلا ومهانة
لست عندی بزمان — انما انت زمانة
کیف ترجو منك خیرا — والعلا فیك مهانة
اجنون ما نراه — منك یبدو ام مجانة

اے وہ زمانے کہ جس نے شریف انسانوں کو ذلت و خواری کا لباس پہنایا ہے۔
میں تجھے زمانہ نہیں سمجھتا بلکہ تو زمانہ ہے (یعنی تو ایسا مرض ہے جو چلنے پھرنے سے معذور بنا کر زمین گیر بنا دیتا ہے)
تجھ سے نیکی کی اُمید کیوں کر کی جائے کہ تو کمال و ہنر کو ننگ سمجھتا ہے۔
ہم جو تیری یہ کیفیت دیکھ رہے ہیں اس کی اصلیت کیا ہے دیوانگی ہے یا بے شرمی و شوخ چشمی۔

بنی عباس کے تمام زمانہ بادشاہت میں خواہ وہ ابتدائی زمانہ ہو یا درمیانی یا آخری عوام الناس دو طبقوں میں منقسم رہے۔ ایک مالداروں کا طبقہ، ایک ناداروں کا طبقہ اور دونوں طبقوں میں اپنے اپنے حالات کے لحاظ سے بے شمار اخلاقی خرابیاں رہیں۔ بنی عباس کے آخری زمانہ میں بھی ایسی اخلاقی پستی تھی، جیسا کہ ابتدائی زمانہ میں تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

مال داروں کے یہاں عیش و عشرت کی افراط تھی۔ نت نئے طریقوں سے مزے اُٹھانے، طرح طرح سے داد عیش دی جاتی۔ فحاشی و شہوت رانی کی انتہا نہ تھی اور ناداروں میں، کینہ، حسد، کذب، دروغ بیانی

مکر، فریب کی گرم بازاری تھی۔ فقر و ناداری کے عام ہونے کی وجہ سے زہد و تصوّف کی بھی کثرت تھی لیکن حقیقی و واقعی تصوّف نہیں جو تحصیل اخلاقِ حمیدہ کی رغبت اور اس دنیا کو ناپائیدار سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ وہ تصوّف تھا جو عاجزی، ناکامی اور ناامیدی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اسی فقر و ناداری کے عام ہونے کی وجہ سے دوسری بُری عادتیں بھی کثرت سے لوگوں میں پیدا ہوگئی تھیں جیسے جادو شعبدہ بازی، خرافات اور اسی قسم کی دوسری بیہودہ باتیں کہ جب انسان حقیقی وسائل سے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو مجبوراً ان چھوٹے وسائل کا سہارا لیتا ہے۔

جو حکومتیں بنی عباس کی سلطنت کے زوال کے بعد منظرِ عام پر آئیں اُن میں طبقاتی اختلافات پہلے سے بھی زیادہ تھے اور اخلاقی خرابیاں زیادہ ہولناک تھیں۔

جس وقت سے دستِ جفاکار علی ابن ابی طالبؑ کی طرف بڑھا اور حقوقِ عامہ کے حامی و محافظ علی ابن ابیطالبؑ کو شہید کیا گیا، مصائب و آلام کا ہمیشہ کے لئے تسلّط قائم ہوگیا۔

لیکن اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ لوگوں نے کیسے علیؑ کے خلاف سازشش کی اور دستِ گنہگار آپ کی طرف کیسے دراز ہوا۔

ضروری نوٹ

مؤلّف کتاب نے ذرا مبالغہ سے کام لیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اکثر سلاطین بنی عباس ظالم و جفاکار عیش و عشرت کے دلدادہ اور رعایا پر ظلم کے پہاڑ ڈھانے میں انتہائی بدنام ہوئے لیکن ان میں دو چار ایسے بھی گذرے ہیں جو عدل گستر اور انصاف پسند تھے۔ انہوں نے آئمہ طاہرین کے حق کو پہچانا ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ بہتوں نے علم و ادب صنعت و حرفت کی ترویج میں کوشش کی۔ رفاہِ عامہ کی سینکڑوں صورتیں نکالیں۔ لاکھوں لاکھ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئیں۔ ایسے ایسے رصد خانے بنوائے گئے کہ روم و یونان والوں نے دیکھے بھی نہ ہوں گے۔ بڑے بڑے شفاخانے بنوائے۔ حکماء اور علماء کی تربیت کی جیسا کہ یہ تمام باتیں تاریخ

کے صفحات پر تفصیل سے مذکور ہیں ۔ یہ تمام باتیں بغیر سلاطین اور امراء و حکام کی کوششوں کے منظرِ عام پر نہیں آسکتی تھیں ۔ کیونکہ عوام الناس کو ان چیزوں کی اہمیت کا اندازہ بھی نہ تھا۔ اگر سلاطین کوشش نہ کرتے تو یہ عظیم الشان اسلامی تمدن جس نے یونان و مصر و کلدہ کے تمدن کو بھولی بسری داستان بنا دیا ہرگز دیکھنے میں نہ آتا ۔

اسلام میں سازش

جب دنیا کسی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اُسے عاریۃً دے دیتی ہے۔ اور جب کسی سے اپنا منہ موڑتی ہے تو خود اس کی ذاتی خوبیاں بھی سلب کر لیتی ہے۔

ہر حق کے مقابلہ کو ایک باطل آمادہ ہے ہر راہ راست کے مقابلہ میں کجی ہے۔ ہر زندہ کے لئے قاتل ہے ہر دروازہ کے لئے کنجی ہے اور ہر شب کے لئے چراغ ہے۔ (الامام علی)

آپ تاریخ عالم پر نظر کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکومت و اقتدار تک پہنچنے کے لئے ہمیشہ سے سازشیں ہوا کیں۔ جس روز سے کہ انسانی معاشرہ عالم وجود میں آیا حکومت کی بنیاد پڑی اُسی دن سے انسان کی اس سے بڑی کوئی تمنا نہ رہی کہ حکومت کے مالک ہم ہوتے۔ اس حصول دولت و اقتدار کے لئے انسان نے انفرادی حیثیت سے بھی جد و جہد کی اور اجتماعی حیثیت سے بھی۔ نہ معلوم کتنی جماعتیں اس جنگ زرگری اور کشاکش اقتدار میں خود اپنے خون میں غرق ہوئیں اور ریاست و سیادت کی طمع میں دوسروں کو بھی انہوں نے موت کے گھاٹ اُتارا۔ کوئی قوم بھی اس ہولناک ہلاکت و بربادی سے محفوظ نہ رہی۔

اگلی قوموں میں بہت زیادہ کشت و خون ہوا کیا۔ کیونکہ پہلے زمانہ میں حکومت و اقتدار کی طمع و حرص اتنی شدید تھی کہ کسی طرح ان کی روک تھام ممکن ہی نہ تھی۔ جس شخص کو ہلکی سی اُمید بھی ہوتی کہ میں تخت حکومت تک پہنچ سکتا ہوں وہ اس کے حصول کے لئے ہر چیز داؤں پر لگا دیتا یہاں تک کہ اپنی جان بھی۔ اس لئے کہ جو شخص حکومت کا مالک ہوتا وہ ہر چیز کا مالک ہوتا۔ ہر طرح کی نعمت ہر قسم کا اختیار و اقتدار اور جملہ انواع و اقسام کے سامان عیش و لذائذ زندگی سلاطین کو میسر تھے وہ سیاہ و سپید کے مالک ہوا کرتے، ان پر کسی قسم کی جوابدہی نہ ہوتی نہ اُن سے کوئی پوچھ گچھ کرنے والا ہوتا وہ اپنے کو اتنا سربلند اور ارفع و اعلیٰ سمجھتے نہ لبسا اوقات خدائی کا دعویٰ تک کر بیٹھے۔

حکومت حاصل کرنے کے لئے یا حکومت کی حفاظت اور مسند حکومت پر جمے رہنے کے لئے جو سازشی کارروائیاں اور سیاسی گروہ بندیاں ہوئیں اُن کے ذکر سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں اور اتنے بے شمار افراد کا خون بہا ہے کہ نہریں جاری ہوگئی ہیں۔

ہم گذشتہ زمانہ کے بادشاہوں کی حکومتوں کی تاریخ کو مختصر لفظوں میں یوں بیان کرسکتے ہیں کہ وہ یا تو کسی مخالف کی سرکوبی کی داستان ہے یا کسی دوسرے کمزور بادشاہ کو زیر کرنے کا قصہ یا اُن عوام کو کچلنے کی سرگذشت جو بادشاہ کے ظلم و ستم سے رہائی پانے اور آزادی و انصاف کے لئے کوشاں ہوئے۔

تو یہ تیاریاں اور یہ کوششیں کبھی تو شر ہی شر ہوتیں ڈکیتی اور رہزنی سے بھی بدتر جس طرح چور ڈاکو پرائے مال کو ہتھیانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح حکومت و اقتدار کے حریص ملک و دولت اور زمین کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور کبھی یہ سب کوشش خیر ہی خیر ہوتیں اور وہ یہ کہ نیکوکار اور مصلحین رفع شر اور ترویج عدل و داد کے لئے اور چھنتے ہوئے حق کو واپس پانے کے لئے جد و جہد کرتے۔

تاریخ کے صفحات پر ہمیں دونوں قسم کی سازشوں کے تذکرے ملتے ہیں وہ بھی جو دولت و حکومت ہتھیانے یا حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے کی گئیں اور وہ بھی جو چھنے ہوئے حق کو واپس پلٹانے کے لئے ہوئیں یعنی ظالم و ستم پیشہ افراد کی حصول دولت و حکومت کے لئے سازشیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حصول دولت و حکومت کے لئے جو سازشیں ہوئیں اُن میں زیادہ کشت و خون، قتل و غارت ہوا بہ نسبت اُن سازشوں کے جو طالبان آزادی کی طرف سے ظہور میں آئیں۔

اسلام کی تاریخ بھی اسی طرح سیاسی سازشوں سے مملو ہے جس طرح دیگر اقوام و ملل اور زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی تاریخیں۔

لیکن یہ سازشیں نہ تو دعوت اسلامی سے کوئی نسبت رکھتی ہیں نہ اسلام نے انہیں جائز ہی قرار دیا تھا اسلام تو صلح صفائی، نیکی و حسن سلوک کا خواہاں اور آداب و قوانین اجتماع کا پاس و لحاظ چاہتا ہے جب کہ سازش ایسی چیزوں کو تباہ و برباد کردیتی ہے۔

اس سازش کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب کہ قریش والوں نے اپنے جاہ و اقتدار کی حفاظت اور بت پرستی کے عقائد کو محفوظ بنانے کے لئے پیغمبرؐ اور اصحاب پیغمبرؐ سے جنگ کرنے کے لئے رائے مشورہ کیا۔

قریش والوں کا مشورہ اور اُن کی سازشیں ظاہراً تو اپنے آبا و اجداد کے دین و مذہب کی حفاظت کے لئے تھیں لیکن باطناً سیاسی اغراض و مقاصد کارفرما تھے اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار نے قریش کی دینی سرداری ختم کردی تھی اور اس دینی سرداری کی بدولت انہیں جو فوائد و منافع حاصل ہوتے تھے وہ اُن سے محروم ہوچکے تھے

اس زمانہ کے دستور کے مطابق سیاست و مذہب دونوں ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ تھے جو دینی سردار ہوا کرتا اسی کے ہاتھ میں انتظام ملک کی باگ ڈور بھی ہوتی۔

اس روز قریش والوں کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی جب انہیں خبر ملی کہ پیغمبر اپنے اصحاب کو مکہ سے مدینہ روانہ کرنے کے بعد اب خود بھی عازم سفر ہیں اس خبر کو سن کر قریش والوں کی آنکھوں میں دنیا تیرہ و تار ہو گئی ان کے دلوں پر حزن واندوہ کے پہاڑ پھٹ پڑے وہ رائے مشورہ کے لئے دار الندوہ میں اکٹھے ہوئے عرب کے دوسرے قبائل کے سرداروں کو بھی شریک کیا۔ سب سر جوڑ کر بیٹھے اور پیغمبر خدا کے متعلق رائے مشورہ ہوا کہ کیونکر ان کی روک تھام کی جائے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں بالآخر طے یہ ہوا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی منتخب کیا جائے اور یہ کئی آدمی مل کر ایک ساتھ تلواروں سے پیغمبر کا خاتمہ کر دیں۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور بنی ہاشم اکیلے تمام قبیلوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے

تاریخ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ قریش والوں کی یہ سیاسی سازشیں اُس وقت تک ختم نہ ہوئیں جب تک پیغمبر ہولناک اذیتوں حوصلہ فرسا تمسخر و استہزا اور دشمنوں کی عداوت و انتقام کو جھیلتے ہوئے کامیابی کی منزل تک نہ پہنچ گئے اور آپ کے گرد پاک فطرت جاں نثاروں کی خاصی تعداد اکٹھی نہ ہو گئی اور قریش والے بالکل مایوس ہو کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہ ہو گئے۔

مسلمانوں میں بھی باہم صلاح و مشورے ہوئے ہیں مگر ان کی نوعیت دوسری ہوتی تھی یہ صلاح و مشورے عمدہ و مستحسن مقاصد کے حصول شر و فساد کے دفعیہ اور نفاق کے مقابلہ میں ایمان کو سر بلند کرنے کے لئے ہوتے تھے جیسے مسلمانوں کا وہ صلاح و مشورہ جو اسود عنسی کا قصہ پاک کرنے کے لئے ہوا تھا۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ جب اسلام کی مقبولیت کافی بڑھ گئی اور جوق جوق گروہ و قبائل حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اسلام کی حقانیت و صداقت دنیا تسلیم کرنے لگی تو بعض لوگوں نے لالچ میں آ کر خود بھی دعوائے نبوت کر دیا وہ یہ سمجھتے نہیں کہ آپ کا دعوائے رسالت خالی دعویٰ نہیں بلکہ یہ خداوندی عطیہ ہے اور ان کا دعویٰ محض زبانی ہے۔

ان جھوٹے مدعیان نبوت میں سب سے زیادہ با اثر اور صاحب جاہ و اقتدار اسود عنسی تھا۔ اُس نے بڑی جمعیت فراہم کر لی اور اس جمعیت کو ساتھ لے کر یمن جا پہنچا تاکہ وہاں سے جزیرہ عرب کے دوسرے حصوں پر قابض ہونے کی کوشش کرے۔

ایسی صورت میں یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ یمن کے بہت سے مسلمان مرتد ہو کر اسود عنسی سے جا ملے ہوں۔ ان لوگوں کا اسلام ابھی بالکل کمزور تھا۔ اسلام کی حقانیت و صداقت ابھی اُن کے دلوں میں پورے طور پر گھر نہ کر سکی تھی۔ اس لئے کہ حجاز میں جو گہوارۂ اسلام تھا اور یمن میں جہاں اسود نے جا کر ڈیرا جمایا۔ بہت سے ریگستان اور بے آب و گیاہ صحرا حائل تھے مکر و فریب کو کسی زمانہ میں ساتھیوں کی کمی نہ رہی۔ جاہل و نادان افراد بہت زیادہ اُن کے دھوکے میں آ جاتے ہیں۔

پیغمبرؐ خدا کو تردد ہوا کہ کہیں اسود عنسی یمن میں فتنہ نہ کھڑا کر دے کیونکہ ابھی آفتاب اسلام کی ضیا پاشیاں سرزمین یمن کو پوری طرح منور نہ کر سکی تھیں اور اس وجہ سے عنسی نے وہاں ایک حکومت کی تشکیل کر لی تھی اور ارادے یہ تھے کہ پورے جزیرہ عرب کو اپنے لپیٹ میں لے لے۔

پیغمبر اسلام نے یمن میں اپنے عاملوں کو فرمان بھیجا کہ سب مل کر اسود عنسی کے فتنہ کو ختم کرنے کی تدبیریں کریں اور جس تدبیر سے بھی اس کی سرکوبی ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کریں۔

عاملوں نے باہم رائے مشورے کئے اور انہیں یہی تدبیر مناسب معلوم ہوئی کہ اسود پر ناگہانی حملہ کر دیا جائے عاملوں نے اسود عنسی کی بیوی سے سازش کی۔ بیوی نے اس عداوت کے سبب جو اسے اپنے شوہر سے تھی مسلمانوں کو اس کی خواب گاہ تک پہنچایا۔ مسلمانوں نے اس کے سر پر پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کی نبوت بھی خاک میں مل گئی اور سلطنت و بادشاہت بھی۔

پیغمبرؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ کا زمانہ آیا۔ سب سے پہلے ابوبکر خلیفہ ہوئے اور اس وقت جزیرہ نمائے عرب کی جو کیفیت تھی۔ اس سے مسلمانوں کا غافل رہنا ناممکن تھا۔ اسلام نے بہت سے لوگوں کی تمنائیں خاک میں ملا دی تھیں جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی سینے کینہ و عداوت سے مملو تھے وہ تاک میں تھے کہ کب موقع ملے اور ہم کھویا ہوا اقتدار اور چھنے ہوئے منافع کو حاصل اور اپنی سرداری اور عزت کو پھر سے بحال کر لیں۔ جب یہ صورتحال تھی تو اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ دینی سرداری اور دنیوی ریاست دونوں ایک دوسرے میں سمو دیا جائے[1] تاکہ حالات میں استحکام پیدا ہو اور رؤسائے قریش کی طمع و ہوس کا ہمیشہ کے لئے سدباب ہو جائے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کے دنیا سے اٹھتے ہی ہوا و ہوس ان اکابر و معززین قریش کے سینوں میں انگڑائیاں لینے لگی تھی۔ ان میں باہمی صلاح و مشورے ہونے لگے کہ کیسے اس اسلام کے قلادہ کو اپنی گردنوں سے نکال پھینکیں جسے انتہائی مجبور ہو کر انہوں نے گلے میں ڈال لیا تھا۔ اور پھر اپنی سابق گمراہی کی طرف پلٹ جائیں۔ یہ انہیں لوگوں کی سازشیں تھیں جن کی بنا پر حضرت ابوبکر کو اپنی دو برس کی خلافت کا بہت بڑا حصہ ان لوگوں سے لڑنے میں صرف کرنا پڑا۔

حضرت عمر کے عہد میں بھی اسلام کے خلاف ان تیاریوں اور سازشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت عمر نے نئے نئے معرکے سر کئے، جدید کامیابیاں حاصل کیں وہ ابھی قیصر و کسریٰ کے کھنڈرات پر اسلام کا قلعہ تعمیر کرنے میں مصروف رہی

---

[1] مصنف نے اس بات کی طرف توجہ نہ کی کہ حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت خود بڑی سازش کا نتیجہ ثمرہ تھی۔ اور انہوں نے اپنے عہد میں جتنی لڑائیاں لڑیں زیادہ تر اسی سازش کو کامیاب بنانے کے لئے۔

دیکھئے حضرت امیرالمومنین حصہ ثانیہ ص۳ تا ۱۴۴۔

تھے کہ ایک مجرم کی مہلک تلوار نے ان کا کام تمام کر دیا۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ ابولولو نے محض ذاتی عداوت کی بنا پر انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی اگرچہ بہت سے مورخین اسلام اور مستشرقین یورپ نے حضرت عمر کی ہلاکت کی وجہ ابولولو کے کینہ و عناد قرار دیا ہے جو وہ ان سے محض اس وجہ سے رکھتا تھا کہ انہوں نے اس کے لگان میں کمی منظور نہیں کی تھی لیکن بات بعید از قیاس نہیں کہ ابولولو کا یہ اقدام معززین و سرداران قوم کی مخفی سازشوں کا نتیجہ ہو کیونکہ حضرت عمر نے ان لوگوں کو ذخیرہ کرنے ال متھیانے اور ان کے اثر و اقتدار کی بڑی حد تک روک تھام کر دی تھی۔

حضرت عمر اپنے عمال سے سختی کے ساتھ محاسبہ کرتے ان کی دولت و جائداد کو آدھا آدھ بانٹ لیتے۔ سعد بن ابی وقاص کو جاہ طلبی کے جرم میں خانہ قید بھی کر دیا تھا، یہ سب لوگ اپنے دلوں میں ہزاروں تمنائیں پرورش کر رہے تھے۔ حکومت و اقتدار کے خواہاں اور بیت المال کی دولت کو اپنا خاص حق سمجھتے تھے۔ حضرت عمر ان کے مقابلہ میں نرم نہیں ہوئے، نہ ان کے ساتھ دنیاداری اور ریاکاری کا برتاؤ کیا ان لوگوں نے جب اپنی آرزوں کا خون ہوتے اور اپنے مقصد میں ناکامی محسوس کی تو ایک شخص کو ورغلا کر ان کا قصہ پاک کرادیا۔

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان ہوئے وہ بھی سازشوں کی بھینٹ چڑھے لیکن ان اسباب میں جو حضرت عمر کی ہلاکت کا باعث ہوئے اور ان اسباب میں جن کی بناء پر حضرت عثمان قتل ہوئے زمین آسمان کا فرق تھا۔ حضرت عثمان نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو سر چڑھا رکھا تھا ان کے متعلق یہ خیال ان کے دل میں قائم تھا کہ یہ قریبی اعزّہ میرے بڑے ہمدرد اور شریف طبیعت افراد ہیں ان کا سرغنہ مروان بن حکم تھا۔

حضرت عثمان نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی حضرت عمر کے مقرر کردہ ان تمام ولاۃ عمال کو معزول کر دیا تھا جنہیں حضرت عمر کی نگاہ انتخاب نے چنا تھا اور حضرت عمر نے جنہیں عادلانہ سیرت کی تعلیم دی تھی اور بجائے اپنے رشتہ داروں اور قرابت مندوں کے انہیں فوقیت بخشی تھی۔ پھر حضرت عثمان نے یہ کیا کہ تمام کلیدی عہدے اپنے خاندان کے لوگوں کے حوالے کر دیئے، ان کی مرضی اور خواہش پر چلے۔ انتظام مملکت اور بیت المال کی دولت اڑانے میں انہیں آزاد چھوڑ دیا۔

تمام اسلامی شہروں کے عمال و حکام جو حضرت عثمان ہی کے عزیز رشتہ دار تھے۔ انہوں نے خود مختاری سے کام لیا۔ اپنی حکومت کے رعایا کو خوب لوٹا کھسوٹا ان کی زندگی تلخ کر دی اور ان کی گاڑھی کمائی لے لے کر اپنا گھر بھر لیا اسی زمانہ میں خلافت ذلیل و بدنام ہوئی اور اُسے ذاتی منفعت، حرام خدا کو حلال بنانے اور دینی و دنیوی قوانین کی مخالفت کرنے کا ذریعہ سمجھا جانے لگا۔

جب مختلف شہروں کے وفود یہ توقع کرتے ہوئے کہ جس طرح حضرت عمر عدل و انصاف سے کام لیتے تھے۔ یہ تیسرے خلیفہ بھی اسی طرح عدل و انصاف سے کام لیں گے۔ ان عمال و حکام کے ظلم و استبداد اور لوٹ کھسوٹ کی شکایتیں لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے تو حضرت عثمان نے انہیں تسلّی دلاسہ دے کر واپس کر دیا وہ یہ اُمیدیں لے کر خوش خوش

گھر پلٹے کہ بارگاہِ خلافت سے جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ یقیناً شرمندہ تعمیل ہوں گی یہ لوگ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ایک ناقہ سوار انہیں تیزی سے جاتا ہوا مل گیا جب اُسے پکڑا اور تلاشی لی گئی تو مروان کا خط برآمد ہوا جس میں عمال وحکام کو تاکید کی گئی تھی کہ بر جود وفود آئے تھے۔ جیسے ہی یہ واپس پہنچیں ان کے سرغنوں کو قتل کر ڈالا جائے۔ یہ لوگ اُلٹے پیروں دارالخلافہ مدینہ واپس پلٹے اور مطالبہ کیا کہ مجرم یعنی مروان کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ حضرت عثمان نے انکار کیا ادھر سے اصرار بڑھا۔ حضرت عثمان ان لوگوں کی ایک بات بھی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ ان لوگوں کی برہمی بڑھتی گئی وہ آپے سے باہر ہوتے گئے اور نوبت یہ آئی کہ حضرت عثمان خانہ نشین ہونے پر مجبور ہو گئے۔

علی ابن ابی طالب نے بڑی کوششیں کیں کہ یہ جھگڑے معقول طریقے سے مٹ جائیں مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس لئے کہ حضرت عثمان اپنی جگہ سے ذرہ برابر ہٹنے پر تیار نہ تھے۔ حضرت عثمان کی اس ضد نے برہم مجمع کو اور غضبناک کر دیا۔ ان باہر سے آئے ہوئے وفود کا پہلو اس لحاظ سے اور قوی ہو گیا کہ مدینہ اور آس پاس کے لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے انہوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا جب خطرہ حد سے زیادہ بڑھ گیا اور یہ یقین ہو گیا کہ گھر میں جتنے لوگ ہیں وہ بچ نہ سکیں گے تو حضرت عثمان کے سارے عزیز رشتہ دار انہیں یکہ وتنہا چھوڑ کر شام کی طرف بھاگ گئے۔ جہاں ان کے خاندانی عزیز معاویہ بن ابی سفیان گورنر شام اُن کے چشم براہ تھے۔ صرف گنتی کے چند نفر حضرت عثمان کی حفاظت کے لئے موجود رہے جن کے سردار حسن وحسین فرزندان علی تھے یہ لوگ دروازہ سے ہٹے نہیں اس خیال سے کہ غضبناک مجمع حضرت عثمان کو کہیں گزند نہ پہنچائے۔

۴۰ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ حضرت عثمان کے مخالفین محاصرہ کو سخت کرتے گئے ادھر سے دفاع کرنے والوں کا عزم وارادہ بھی پختہ ہوتا گیا مگر بوڑھے خلیفہ کی موت مقدر ہو چکی تھی کچھ لوگ دیوار پھاند کر گھر میں گھسے۔ اور ان کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد سب سے بڑی جو سازش عرب کی تاریخ میں ہوئی وہ سازش تھی جو علی کی جان لینے کے لئے کی گئی نیز ہر اس شخص کی جان لینے کے لئے جو آپ کی روش پر چلا۔ جیسے آپ کے فرزندان وانصار، نیز ان کے علاوہ دوسرے افراد بھی جیسے بزرگ ترین بنی اُمیہ عمر ابن عبدالعزیز جو اپنی قوم اور عوام الناس میں عدالت وحق کے مسلک پر گامزن رہے جن کی خواہش تھی کہ عوام الناس یوں ایک دوسرے کے برابر ہوں جس طرح کنگھی کے دانتے برابر ہوتے ہیں۔ جنہوں نے فتوحات اور لوٹ مار کا سلسلہ بند کیا جس کی وجہ سے انہیں کی قوم بنی امیہ والوں نے ان کے خلاف سازش کر کے اُن کا کام تمام کر دیا۔

علی کے خلاف یہ زبردست وہمہ گیر سازش اپنی آغوش میں بے شمار سازشیں سمیٹے ہوئے تھی۔ اس کے نتائج یہ رونما ہوئے کہ مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ شیعیان علی کو سخت سے سخت عذاب و عقاب میں مبتلا کیا گیا۔ تاریخ کی ایک طویل مدت تک بنی ہاشم کو مبتلائے مصائب کرنے، جلاوطن کرنے اور

انہیں تباہ و برباد کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔

قبل اس کے کہ ہم اس سازش کی تفصیلات ذکر کریں۔ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم بنی اُمیّہ کے خاندان پر جو اس سازش کا گڑھ تھا روشنی ڈالتے چلیں۔

نیز اس طویل مدّت میں بنی اُمیّہ کے صفات و اخلاق اور بنی ہاشم کے صفات و اخلاق کیا رہے دونوں میں موازنہ کرتے چلیں تاکہ ان حقیقی و واقعی اسباب کے سمجھنے میں آسانی ہو جن کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان وہ کشت و خون برپا ہوا اور وہ ہولناک جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ صدیوں جاری رہا۔

قریش کے دو خاندان

جب اولاد ابی العاص کی تعداد ۳۰ تک پہنچ جائے گی تو یہ مالِ خدا کو کھلونا اور بندگانِ خدا کو اپنا غلام بنا لیں گے۔ (پیغمبرِ خدا)

یہ وہی رشوت خور لوگ ہیں کہ اگر تمہارے حاکم بنا دیئے جائیں تو تم میں غیظ و غضب فخر و ناز جاہ و جبروت تسلط و اقتدار کا مظاہرہ کریں گے اور روئے زمین پر فساد پھیلائیں گے۔

(علی ابن ابی طالب)

پیغمبر نے بالکل ٹھیک ہی کہا تھا کہ میری اُمت کی ہلاکت قریش کے نوخیز نوجوانوں کے ہاتھوں ہوگی" یہ نوخیز نوجوان جن کا حوالہ زبان رسول پر آچکا تھا، ہنگامہ خیزیوں اور سازشی کارروائیوں کے لئے اس مکان میں پیدا ہوئے جو یزید بن معاویہ جیسے بے حیاؤں کا گہوارہ تھا۔

پیغمبر نے دیکھا کہ ایک وقت میں یہ جماعت اپنی سرداری اور ریاست کو محفوظ رکھنے کے لئے جنگ و جدال کا بازار گرم کئے ہوئے ہے اور پھر ایک روز حکومت و امارت حاصل کرنے کے لئے اطاعت قبول کر کے اظہار اسلام بھی کر رہی ہے۔ پیغمبر نے جب اطرافِ عالم پر نظر دوڑائی اور ان افراد کو دیکھا تو کرب و اندوہ کے ساتھ فرمایا کہ میری اُمت کی ہلاکت قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں ہوگی۔

یہ چند نوجوان کون تھے؟ خاندان قریش کی تاریخ کو جس کا میں ذکر کرتے جا رہا ہوں، اپنی نظر کے سامنے رکھئے تاکہ ان میں سے ایک ایک کی پوری شناخت ہو سکے۔

بنی اُمیہ و بنی ہاشم کی عداوت بہت پرانی تھی جب کہ ان دونوں کے درمیان حکومت و اقتدار کی کشاکش پیدا بھی نہ ہوئی تھی بلکہ اسلام کو غلبہ بھی نصیب نہ ہوا تھا تب سے یہ ایک دوسرے کے مخالف تھے۔

ان دونوں کی باہمی عداوت کوئی ایک دو وجہوں سے نہ تھی بلکہ داخلی و خارجی جتنے قوی سے قوی اسباب ہو سکتے تھے وہ تمام اسباب ایک ایک کر کے مجتمع ہو گئے تھے۔ قبائلی تعصب، احساس برتری، پرانے کینے، اپنے مقتول عزیزوں کے انتقام کا جذبہ جو برسہا برس سے وراثۃً چلا آرہا تھا، سیاسی نظریات، ذاتی جذبات، طرزِ معیشت کی مغائرت، اندازِ فکر کا اختلاف وغیرہ وغیرہ غرضکہ بہت سی باتیں تھیں جنہوں نے دونوں کو ایک دوسرے کا حریف بنا رکھا تھا۔ بنی اُمیہ و بنی ہاشم زمانہ جاہلیت ہی سے منصب و سرداری کے مالک تھے لیکن بنی ہاشم کی سرداری دینی سرداری تھی اور بنی امیہ کی سرداری سیاسی حیثیت سے تھی اور یہ تجارت پیشہ اور صاحبان دولت و ثروت بھی تھے۔

تمام اسلامی مورخین اور مستشرقین یورپ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بنی ہاشم اسلام سے پہلے بھی بت پرست کاہنوں کی طرح جوڑ توڑ اور مکر و فریب کے خوگر نہ تھے نہ اپنی مذہبی قیادت اور دینی سرداری کی آڑ میں وہ سادہ لوح عوام کو فریب دیتے نہ دوسروں کا مال ہتھیا کر اپنا گھر بھرنے کی کوشش کرتے اور نہ اپنی ذاتی منفعت کو پیش نظر رکھتے بلکہ وہ اس کے برعکس پروردگار خانۂ کعبہ پر ایمان رکھتے اور حلال و حرام خدا کے دل سے معتقد تھے۔ ان کی شریعت میں مظلوم کی نصرت، بے سہارا لوگوں کی ہمدردی، ظلم کا دفعیہ، ناداروں کی حاجت روائی، بے کسوں کی دستگیری واجب تھی وہ اپنے ایمان میں سچے تھے، نہ کسی کو فریب دیتے نہ نفاق جائز سمجھتے۔ چنانچہ عبدالمطلب پیغمبر خدا اور علی ابن ابی طالب کے جدِّ نامدار قریب تھا کہ اپنے ایک فرزند کو اس خدا کی راہ میں قربان کر دیتے کیونکہ وہ اپنے پروردگار پر ایمان صادق رکھتے اور نذر کر چکے تھے کہ اگر میرے دس فرزند زندہ رہے تو میں ان میں سے ایک کو آستانۂ کعبہ پر خدا کے لئے قربان کر دوں گا اور انہیں اپنی نذر کی تکمیل کا اس وقت تک اطمینان نہ ہوا جب تک اپنے ایمان کی ہدایت سے یہ یقین نہ کر لیا کہ فرزند کو ذبح کرنا خدا کی خوشی کا باعث نہ ہوگا۔[1]

---

[1] شمس العلماء شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔ انہوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو۔ دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا یہ اُن کو لے کر قربان گاہ کو چلے۔ عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربان کیجئے ان کو چھوڑ دیجئے۔ عبدالمطلب نے پجاری سے کہا عبداللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب نے اب دس کے بجائے بیس کر دیئے۔ یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کئے اور عبداللہ بچ گئے۔ (سیرت النبی جلد اول)

تاریخیں بتاتی ہیں کہ سو اونٹوں پر قرعہ آنے کے بعد بھی جناب عبدالمطلب کو اطمینان نہ ہوا فرمایا نہیں خدا کی قسم میں نہیں مانوں گا۔ جب تک سو اونٹ اور عبداللہ پر تین مرتبہ قرعہ نہ ڈالا جائے اور تینوں دفعہ اونٹوں پر نہ نکلے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہر دفعہ اونٹوں ہی پر قرعہ نکلا تب جناب عبدالمطلب کو اطمینان ہوا۔

وہ اپنے عقائد میں پختہ تھے مظلوم کی مدد بے آسراؤں کی نصرت، ہمدردی اور حاجت مندوں کی حاجت روائی میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہ کی ان باتوں میں انہیں اتنا اہتمام تھا اور ایسی ہی لگن تھی کہ خاص ان باتوں کے لئے انہوں نے قریش کے چند قبائل کے ساتھ باہمی معاہدہ کر رکھا تھا۔ بنی امیہ اس معاہدہ میں شریک نہ تھے اس معاہدہ کی خاص دفعہ یہ تھی کہ مظلوم کا ساتھ دے کر اس کو اس کا حق دلوائیں گے اور اقتصادی و معاشی امور میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ صاحبان قوت و طاقت کو ظلم و ستم سے روکیں گے اور لوگوں کو غریبوں کی ایذا رسانی سے باز رکھیں گے۔

اس معاہدہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ قریش کے ایک شخص نے کسی پردیسی سے کچھ چیزیں خریدیں اور وعدہ کیا کہ اتنی مدت کے بعد قیمت ادا کریں گے۔ مقررہ مدت پر اس قریشی نے قیمت ادا نہ کی۔ اُسے اپنی خاندانی وجاہت اور اعزہ و احباب کی طاقت کے بھروسے اطمینان تھا کہ قیمت کی ادائیگی پر مجھے کوئی مجبور نہ کر سکے گا۔ پھر جس شخص سے چیزیں خریدی تھیں وہ معمولی خاندان کا غریب الوطن اور بے یار و مددگار بھی تھا۔ لیکن بنی ہاشم اس غریب الوطن کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے انہوں نے آپس میں اس کا ساتھ دینے، قریشی سے روپیہ وصول کرنے اور داد خواہی اور عدل و انصاف پر باہم عہد و پیمان کر لیا لیکن یہ عہد و پیمان چونکہ بنی اُمیہ کے مزاج کے موافق نہ تھا اس لئے انہوں نے پوری سرگرمی سے اس کی مخالفت کی۔

یہ مذہبی قیادت اور دینی سرداری جو بنی ہاشم زمانۂ جاہلیت میں نسلاً بعد نسلٍ آباؤ اجداد سے بطور میراث پاتے رہے ان کی طبیعت اور سرشت کے مطابق تھی پاکیٔ فطرت اور شرافت طبعی انہیں اپنے باپ دادا سے ملی تھی، ہر اولاد اپنے باپ کے کمالات و فضائل کی آئینہ دار ہوتی رہی فضل و شرف نسلاً بعد نسلٍ بنی ہاشم میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے پیغمبر خدا کو خاندان بنی ہاشم کے اخلاق و کمالات کا نمائندہ بنا کر مبعوث بہ رسالت کیا اور ساتھ ہی ساتھ علی ابن ابی طالب کو۔

آپ پیغمبر اسلام کے بعد بنی ہاشم کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے خواہ یہ تاریخ سو برس کی ہو یا دو سو برس کی یا پانچ سو برس بعد کی آپ دیکھیں گے کہ بنی ہاشم (میری مراد اولاد ابی طالب سے ہے) تمام اوصاف و کمالات میں اپنے آباؤ اجداد کے نمونہ رہے جیسی مردانگی و شجاعت پاکیزہ نفسی صدق و صفا وفاداری اور دل و زبان کی یکسانیت باپ دادا میں رہی۔ وہی پوتے پڑپوتوں میں بھی تاریخ ہر دور میں اپنے ورق الٹ پلٹ کر دکھاتی رہی جو آیا وہ اپنے جد و پدر کا نمونہ بن کر آیا۔

اگر یہ خاندان فطری طور پر پسندیدہ صفات و کمالات کا حامل نہ ہوتا شرافت ان کا ذاتی جوہر نہ ہوتی تو یہ خاندان طہارت و پاکیزگی کا نمونہ ہرگز نہ بنتا کیونکہ اس زمانہ میں انانیت و خود پرستی خوشامد و تملق اور جاہ پسندی کی عام طور پر وبا پھیلی ہوئی تھی سبھی کے اخلاق ذلیل و پست تھے۔ اور دنیا اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی پستی میں جانا آسان ہے بہ نسبت بلندی کی طرف جانے یا اپنی جگہ مضبوطی سے جمے رہنے کے مگر بنی ہاشم باوجود فضا کی ناسازگاری اور زمانہ کے فاسد ہونے کے ذرہ برابر متاثر نہ ہوئے اور اُن کی پاکیٔ فطرت اور فضائل و کمالات جوں کے توں باقی رہے۔

لیکن بنی اُمیّہ اس کے بالکل برعکس تھے۔ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں صاحبان تجارت و سیاست تھے اور جس شخص کے قبضہ میں تجارۃ و سیاۃ دونوں ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ دولت و ثروت اثر و اقتدار کا وہی مالک ہوگا۔ اور اس کی یہی کوشش ہوگی کہ ان تمام چیزوں کا میں ہی مالک رہوں یہ تمام چیزیں میرے ہی خاندان کے لئے مخصوص رہیں۔ کوئی بھی باہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو شخص خود بھی تجارت کا مشغلہ رکھتا ہو اور اس کے عزیز و اقارب بھی تجارت کا پیشہ کرتے ہوں وہ اپنی غرض نکالنے کے لئے جو چاہے کر سکتا ہے۔ کم سے کم یہ تو کر ہی سکتا ہے کہ خریداروں پر ظلم کرے، ذخیرہ اندوزی، دھوکا فریب ٹال مٹول سے کام لے۔

بنی اُمیّہ نے انہیں باتوں کو اپنے لئے پسند کیا کیونکہ یہ باتیں ان کی طبیعت کے موافق تھیں۔ جیسا کہ بنی ہاشم نے اپنی فطرت و سرشت کی مناسبت سے پاکیزہ مزاجی سلامت روی اور عفت و پاکدامنی کو منتخب کیا۔ بنی اُمیّہ ان باتوں میں پوری مہارت رکھتے تھے مدتوں ہی سے وہ یہی سب کچھ کرتے آرہے تھے۔ ان باتوں کے تمام اُصول و فروع کلیات و جزئیات کو انہوں نے اتنا برتا تھا کہ یہ سب باتیں ان کی فطرت و طبیعت کا جز بن چکی تھیں۔ وہ مظلوموں کی مدد سے پہلو تہی کرتے تھے۔ اس لیے کہ مظلوموں کی مدد انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی نہ ان کی دولت میں اضافہ کرتی بلکہ اس میں کچھ اپنی ہی گرہ سے خرچ ہونے کا امکان تھا۔ نیز یہ کہ چونکہ وہ خود ظالم تھے اس لئے اس معاہدہ میں شرکت اپنے ہی خلاف حجۃ قائم کرنا اور اپنی ہی گردن پھنسانی ہوتی۔

بنی اُمیّہ کے مورث اعلیٰ اُمیّہ کو ہاشم جیسی پاکیزہ نفسی اور پرہیزگاری نصیب نہ تھی جو اُسے شریف عورتوں سے تعرض کرنے سے باز رکھتی جس وقت کہ عبدالمطلب، علی کے جد اور حرب بن امیہ معاویہ کے جد میں نزاع ہوئی اور یہ دونوں فیصلہ کے لئے نفیل بن عدی کے پاس گئے تو نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ صادر کیا ان کی مدح و ستائش کی اور امیہ کے سامنے ایک شعر پڑھا جس میں اُمیہ اور ہاشم دونوں کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی۔

ابوك معاهر وابوه عف وزاد الفيل عن بلد الحرام

تیرا باپ زناکار اور ان کا باپ پاکدامن تھا۔ ان عبدالمطلب نے ابرہہ کے لشکر کو مکہ سے واپس لوٹنے پر مجبور کیا۔ نفیل بن عدی نے اس شعر میں ابرہہ کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہاتھی پر سوار ہو کر اور بہت بڑے لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا تھا اور امیہ حرب کے باپ اور بنی امیہ کے مورث اعلیٰ کی سیاہ کاریوں کی مذمت کی ہے جو عورتوں کے معاملہ میں کافی بدنام تھا ایک مرتبہ تو اس کی جان جاتے جاتے بچی۔ اس نے بنی زہرہ کی کسی عورت کے ساتھ شرمناک حرکت کی بنی زہرہ تلواریں لے کر چل پڑے یہ گرفتار ہو چکا تھا اور وہ زندہ بچ گیا۔ عورتوں کے معاملہ میں اس کے ایک سے ایک حیرت انگیز واقعات ہیں۔

جب خانوادہ ہاشمی کے چشم و چراغ حضرت محمد مصطفےٰ مبعوث بہ رسالت ہوئے اور آپ نے اسلام کی لوگوں کو دعوت دی تو آپ کی مخالفت یوں تو بہتوں نے کی مگر سب میں پیش پیش ابوسفیان تھا جو اس وقت اموی خاندان کا رئیس و

مگر وہ تھا۔ اس نے تمام مشرکین کو آپ کے خلاف برانگیختہ کر کے آپ کے مقابل لا کھڑا کیا۔ آپ کے خلاف جتنی سازشیں اور فوجی تیاریاں ہوئیں ان سب کا کرتا دھرتا یہی تھا۔ پیغمبرؐ کے اصحاب و انصار کی ایذا رسانی اور عذاب و عقاب کی نت نئی صورتیں اسی نے ایجاد کیں۔

اگر ابوسفیان کی یہ مخالفت اور پیغمبرؐ سے اس کی نزاع دینی عقیدہ کے رو سے ہوتی یا وہ اپنے قدیمی اُصول و عقائد کی حفاظت کے لئے یہ سب کچھ کئے ہوتا تب بھی اس کے لئے تھوڑی بہت عذر کی گنجائش ہوتی کیونکہ ہر عقیدہ والا خواہ اس کا عقیدہ صحیح ہو یا غلط چونکہ دل سے اپنے عقیدہ پر ایمان لائے ہوتا ہے اس لئے اگر وہ اپنے عقیدے کی حفاظت و نگہداشت میں کوشش کرے تو اس کے لئے عذر کی گنجائش ہے، لیکن ابوسفیان ایسا نہ تھا اس نے نہ تو کبھی اپنے دل ہی میں اپنے کو معذور سمجھا نہ زبان ہی سے اپنے کو معذور کہا۔ اس نے پیغمبرؐ کی مخالفت کسی بھی مذہبی جذبہ کے تحت نہیں کی۔ اس کا مقصد محض یہ تھا کہ بنی اُمیّہ کے تسلّط و اقتدار پر آنچ نہ آ جائے۔ وہ تسلّط و اقتدار کہ تجارت نفع پرستی ذاتی اغراض اور کمزوروں کو غلام بنانا جس کے بنیادی ارکان تھے اس نے یہ دیکھ کر کہ ہمارا یہ اقتدار جو پہلے ہی سے کمزور و متزلزل ہے پیغمبرؐ کے ہاتھوں تباہی و بربادی سے ہمکنار ہونے والا ہے پیغمبرؐ کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔

ابوسفیان اپنی منفعت پرست فطرت کی بنا پر جسے اموی فطرت کہنا صحیح ہو گا مسلمان ہونے کے بعد بھی اسلام کا سچے دل سے معتقد نہیں ہوا۔ وہ اُسے دولت و اقتدار ہی کے ترازو میں تولتا رہا۔ اس کے دل میں یہی بات بیٹھی رہی کہ اسلام اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ حکومت و اقتدار بنی اُمیہ کے ہاتھوں سے نکل کر بنی ہاشم کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اس کی نگاہوں میں نہ پیغمبرؐ کی سیرت کی کچھ قیمت تھی نہ آپ کے اصحاب کی سیرت اور اُن کی قربانیوں کی کچھ اہمیت تھی، پیغمبرؐ جن انسانی اقدار کو معراج کمال پر پہنچانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے جو کردار و اخلاق آپ لوگوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا اس کے دل میں خطور تک نہ ہوا تھا۔

فتح مکّہ کے موقع پر جب اس نے پیغمبرؐ کے اردگرد جاں نثاروں کا عظیم الشان مجمع اور پیغمبرؐ کے سامنے مومنین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر دیکھا تو اس نے عمِ پیغمبرؐ عباس بن عبدالمطلب سے کہا۔

"ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہو گئی!"

یہ فقرہ اس کی زبان سے اسی وجہ سے نکلا کہ جو بلند ترین مقاصد آپ لے کر آئے تھے جن روحانی تعلیمات کی اشاعت آپ کے پیش نظر تھی اُن کا اُسے تصوّر تک نہ ہوا۔ وہی بلند ترین مقاصد اور روحانی تعلیمات جنہیں بنی ہاشم خوب اچھی طرح سمجھ چکے تھے اور جن کی اشاعت کے لئے انہوں نے اتنی کوششیں کیں کہ اپنی جان پر بھی کھیل گئے۔

مکّہ فتح ہو جانے پر ابوسفیان کا گھرانا مسلمان تو ہو گیا لیکن اس کا اور اس کے گھر والوں کا اسلام دشوار ترین اسلام تھا جو فتح مکّہ کے بعد جانا اور پہچانا گیا ابوسفیان اور اس کی زوجہ ہند دونوں کی نظر میں اسلام ذلیل و خوار ہو جانے کے مترادف تھا اسلام

لانے کے بعد مدتوں ابوسفیان اسلام کے غلبہ کو اپنی ذاتی شکست سے تعبیر کرتا رہا۔ اسلام کی حقانیت کا یہ خیال نہ تھا بلکہ یہی سمجھتا تھا کہ ہمارے ہی بازوؤں میں کس بل نہیں رہا ایک مرتبہ اس نے مسجد میں پیغمبر کو حیران و ششدر انسان کی طرح دیکھا۔ اور اپنے دل میں کہا۔ کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ آخر کس چیز کی وجہ سے محمدؐ مجھ پر فتحیاب ہوئے۔

پیغمبر سے ابوسفیان کی اس نگاہ کا مطلب مخفی نہ رہ سکا۔ آپ نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا" ابوسفیان! میں خدا کی وجہ سے تم پر فتح یاب ہوا"

پیغمبر اسلام نے مکہ فتح ہونے سے پہلے بھی اور فتح ہونے کے بعد بھی جہاں تک ممکن ہو سکا اس کی تالیف قلب کی کوشش کی فتح مکہ سے پہلے آپ نے اس کی دختر ام حبیبہ سے عقد فرمایا اور فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کے گھر کو جائے امن قرار دیا۔ یہ اعلان کرتے ہوئے کہ جو بھی اس گھر میں آجائے اس کی جان و مال کو سلامتی ہے۔ مولفۃ القلوب افراد جنہیں عام مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ دیا جاتا تھا کہ شاید اس طرح ان کی تالیف قلب ہو اور اسلام سے انہیں جو کراہت ہے دور ہو جائے۔ ان لوگوں میں پیغمبر نے ابوسفیان کو مقدم کیا اور اس کے ساتھ ہر ممکن رعایتیں برتیں۔ ان سب باتوں کے باوجود مسلمانوں کو اس کی طرف سے کبھی اطمینان نہ ہوا۔ وہ ہمیشہ اس کی طرف سے محتاط رہے نہ خاطر میں لائے نہ اس کے پاس اٹھتے بیٹھتے۔ ابوسفیان کو یہ بات شاق گذری اور اس نے چاہا کہ مسلمانوں کے دل ہماری طرف سے صاف ہو جائیں اس نے پیغمبر سے التجا کی کہ معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیجئے۔ جب پیغمبر خدا کی رحلت ہو گئی اور خلافت کے متعلق مہاجرین و انصار میں پھر مہاجرین مہاجرین میں اختلاف رونما ہوا تو ابوسفیان نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس نے سوچا کہ میں مسلمانوں کے اس رخنے سے گذر کر قریش کی سرداری کے منصب تک پہنچ سکتا ہوں اور پھر اسی راستہ پوری ملت اسلامیہ کا سردار بن جانا دشوار امر نہیں وہ عباس و علی کے پاس پہنچا تاکہ انہیں اپنی مدد اور پشت پناہی کا یقین دلا کر برانگیخت کرے۔ اس نے کہا۔

اے علی اور اے عباس! یہ خلافت قریش کے ایسے قبیلہ تک کیسے پہنچ گئی (یعنی حضرت ابوبکر کا خاندان) جو ذلیل ترین بھی اور تعداد میں مختصر بھی۔ خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو مدینہ کی گلی کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔

ابوسفیان یہ سمجھ نہ سکا کہ ہم یہ بات اس علی سے کہہ رہے ہیں جنہیں ایک حکم حق کے عوض ساری دنیا کو فروخت کرنے میں تامل نہیں اور جن سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ ابوسفیان کی برہمی و ناراضی اس لئے نہیں تھی کہ خلافت بنی ہاشم میں کیوں نہ قائم رہی اگر بنی ہاشم میں قائم رہتی تو ابوسفیان کے غیظ و غضب کی اور بھی انتہا نہ رہتی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی قوم و قبیلہ کو ساتھ لے کر ساری دنیا کو بنی ہاشم کے خلاف صف بستہ کر دیتا۔

علیؑ نے انتہائی سکون و وقار سے اس پر نظر کی اور فرمایا۔

نہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ابوبکر کی مخالفت میں مدینہ کی گلی کوچوں کو سوار اور پیادوں سے بھر دو۔ اگر ہم ابوبکر کو خلافت کا سزاوار نہ دیکھتے تو انہیں ہم خلافت پر قابض ہی نہ ہونے دیتے [1]

[1] حاشیہ صفحہ ۲۵۷ پر ملاحظہ ہو۔

پھر آپ نے ابوسفیان کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔

"ابوسفیان مومنین ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں اور منافقین ایک دوسرے سے دغا فریب کے خوگر، ایکدوسرے سے بے وفائی کرنے والے ہیں اگرچہ ان کے مکان ملے ہوئے اور جسم باہم متصل ہیں۔"

ابوسفیان اس طبقہ امراء کا فرد تھا جو خود کو اور اپنے طبقہ کے افراد کو دوسرے لوگوں سے افضل و بہتر سمجھتے ہیں، وہ سید و آقا ہیں اور عوام اُن کے غلام ہیں وہ اسلام کو بھی اپنی ہی نظر سے دیکھتا اس کے نزدیک پیغمبر اسلام کی دعوت اسلام محض حصول حکومت و اقتدار کی ایک کوشش تھی اور بس اس کے خیال میں اصول و مبادی اسلام اور بتوں کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں ہی چیزیں حصول منفعت کا ذریعہ تھیں جس طرح بت پجاریوں کاہنوں کی آمدنی کا ذریعہ تھے اسی طرح اصول و مبادی اسلام بانیانِ اسلام کی آمدنی کا ذریعہ تھے وہ اس کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہ سکا کہ عوام کو اطاعت سے غرض ہے وہ اپنی قوم کے معززین و اشراف کے فرمانبردار ہوتے ہیں، اب یہ معززین و اشراف چاہے کعبہ کے پجاری ہوں یا بزرگان اسلام۔

اسلام اور بت پرستی کے درمیان اس کے نزدیک اگر فرق تھا تو یہ کہ اسلام زیادہ منفعت بخش تھا اس میں نچلے طبقہ کے لوگوں کی اطاعت و فرمانبرداری اور اونچے درجے کے لوگوں کے دبدبہ و اقتدار اور تسلط اور غلبہ کا زیادہ امکان تھا اگر عوام النّاس اونچے درجے کے لوگوں کی اطاعت شعاری نہ کریں اور جس طبقہ کے غلبہ و اقتدار کو نہ مانیں تو اسلام فضول و بیکار ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اُسے ایسی چیز سے بدل دینا زیادہ بہتر ہے جو مفید و منفعت بخش ہو۔

جب خلافت ابوبکر و عمر سے ہوتی ہوئی حضرت عثمان کے پاس پہنچی جو بنی اُمیّہ کے خاندان سے تھے تو ابوسفیان نے سمجھا کہ ہماری خاندانی سیادت و ریاست پھر ہمارے خاندان میں لوٹ آئی ہے۔ وہ کینہ و عناد جو اس کے دل میں حمزہ کی طرف سے تھا اسے کھینچ کر حمزہ کی قبر پر لے گیا اس نے قبر کو پیروں سے ٹھوکر مار کر کہا۔

"حمزہ اٹھو، دیکھو جس حکومت کے لئے ہم دونوں برسرپیکار تھے وہ پھر ہمارے پاس واپس آگئی ہے۔"

حاشیہ صفحہ ۲۵۲

لے عیسائی فاضل کا یہ فقرہ خلاف حقیقت و واقعہ ہے۔ امیر المومنین اگر ابوبکر کو خلافت کا سزاوار ہی پاتے تو بیعت ہی کیوں نہ کر لیتے اس کی نوبت ہی کیوں آتی کہ عمر بیعت کے لئے علی کے گلے میں رسیاں ڈال کر مسجد کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے خانہ سیدہ پر آگ لکڑی اکٹھا کرتے کہ گھر میں جتنے افراد ہیں وہ باہر نکل کر ابوبکر کی بیعت کریں ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔ کہنے والے نے کہا بھی کہ اس گھر میں تو فاطمہ بھی ہیں تو عمر نے کہا کہ ہیں تو ہوا کریں۔ امیر المومنینؑ نے ابوسفیان کی ان باتوں پر جو توجہ نہ کی وہ صرف اس وجہ سے کہ آپ جانتے تھے کہ ابوسفیان ہماری یا اسلام کی ہمدردی میں ایسا نہیں کہہ رہا ہے بلکہ موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ آپ نے ابوسفیان سے صرف اتنا کہا کہ

"تم اسلام کے ہمدرد کب سے ہو گئے۔"

یہ فقرہ جس تلخی وحرارت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اس کی نظیر ڈھونڈے سے نہ ملے گی، اس طرح اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

جب تک خلافت ابوبکر وعمر کے قبضہ میں رہی بنی اُمیّہ اپنے دل کا بھید نہ ظاہر کرسکے نہ وہ منصوبے جنہیں پیش نظر رکھ کر انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھا تھا کہ ہم موقع ملتے ہی اس حکومت اسلامیہ کو سلطنت و بادشاہی سے بدل دیں گے بروئے کار لانے کا موقع میسر ہوا۔

یہ خیال کرنا انتہائی سادہ لوحی ہوگی کہ بنی اُمیّہ مفہوم خلافت سے واقف تھے ان کے نزدیک خلافت اور بادشاہی میں کوئی فرق ہی نہ تھا نہ وہ خلافت اسلامیہ کے محاسن کا اندازہ کرسکتے تھے۔ ان کا اسلام انتہائی کمزور تھا وہ اسلام لائے بھی تھے تو بادلِ ناخواستہ لائے تھے ان کی جاہلی عصبیت بار بار ٹھوکے دیتی اور مجبور کرتی کہ اُلٹے پیروں اسی جاہلیت کی طرف واپس لوٹ جائیں۔ یہ بات وہ کبھی بھولنے پر تیار نہیں ہوسکتے تھے کہ پیغمبر ہمارے خاندان سے نہیں تھے بلکہ ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ تھے جن سے انہیں ہمیشہ کی عداوت تھی۔ ابوبکر وعمر ہوا و ہوس کے بندوں کو خوب پہچانتے تھے ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو جو حکومت و سلطنت کو رئیسوں کا کھلونا سمجھتے ہیں اپنے یہاں گھسنے کا موقع دیں دونوں بنی اُمیہ کو خاطر میں نہ لائے۔ یہ سوچ سوچ کر ان کے کلیجے پر سانپ لوٹتا رہا کہ حکومت و دولت ہمارے ہاتھ نہ لگ سکی بلکہ دوسرے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ بنی اُمیہ جی مار کر کچھ دن خاموش بیٹھے رہے وہ تاک میں تھے کہ جیسے ہی موقع ملے ہم اس حکومت کو اپنے قبضہ میں کرلیں۔ حضرت عثمان کی خلافت نے ان کی تمناؤں کا دروازہ کھول دیا۔ یہ پہلی منزل تھی جسے طے کرکے وہ اپنی آرزوؤں کی تکمیل کرسکتے تھے ان کے خلیفہ ہوتے ہی تمام بنی اُمیّہ ان کے گرد سمٹ آئے اور عوام الناس سے الگ تھلگ کردیا اب نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا نہ اپنے دکھ درد کی شکایتیں ان سے بیان کرسکتا تھا۔ اب یہ حکومت اسلامیہ اموی حکومت بن گئی۔ اس کے منافع اور فوائد کی صرف بنی اُمیہ ہی والے طمع کرسکتے تھے۔ گورنری اور حکومت کے کلیدی عہدے صرف انہیں لوگوں کو مل سکتے تھے جو بنی اُمیہ سے تھے یا بنی اُمیہ کے حوالی موالی ان سب کا سرغنہ مروان بن حکم تھا۔ پہلا وہ شخص جس نے خود مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا اور عوام النّاس کو خلیفہ وقت کے خلاف صف بستہ ہونے پر مجبور کیا۔ اور پہلا شخص تھا۔ جس نے علانیہ اس نظریہ کا اظہار کیا کہ بادشاہت خلافت سے بہتر ہے اور بادشاہت صرف بنی اُمیّہ سے مخصوص ہے۔ اور ایک حق ہے ان کے حقوق سے اس نے حضرت عثمان کو مجبور کرکے ان تمام عاملوں کو معزول کرا دیا جو ابوبکر و عمر کے زمانہ سے چلے آرہے تھے اور ان کے بدلے بنی اُمیّہ کے افراد عامل مقرر کئے گئے۔ دولت و سلطنت خاص بنی امیہ کی ملک بنالی گئی۔ ان کے علاوہ کوئی شخص اس کی بھلائیوں کی طمع کرسکتا تھا نہ اس کے اموال و مناصب کی امید رکھ سکتا تھا۔

ہم اس کے بعد کی فصل میں دکھائیں گے کہ مروان کتنا بدسرشت و بدنہاد انسان تھا اور حکومت میں اس نے کیسے کیسے اندھیر کئے اور کتنے نفوس کو اپنی ہوا و ہوس پر اس نے قربان کیا یہ وہی مروان بن حکم ہے جس نے ایک دن عامل مدینہ کو

ترغیب دلائی تھی کہ حسین کو قتل کر دے اور جب اس نے قتل کرنے سے انکار کیا تو دوسرے دن لعنت ملامت کی کہ تم نے میری بات نہ مانی۔

مروان حکومت و بادشاہی اور اس کے لذائذ و نعمات کا طلبگار تھا جس طرح اس کے آباء و اجداد زمانۂ جاہلیت میں طلبگار تھے اور اگر یہ حکومت و بادشاہی اُسے ہاتھ نہ آسکے تو کسی دوسرے اموی کو ملے جو اس کے اعزہ و احباب اور اعوان و انصار سے ہو بہر حال رہے اپنے ہی خاندان میں ہیر پھیر کے۔

اس نے حکومت و بادشاہی پر قبضہ پانے کے لئے جن جن طریقوں سے کام لیا ان پر نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ایک بات بھی ایسی نہ تھی جو لوگوں کی ذرہ برابر بھی محبت کا باعث ہوتی۔

معاویہ اور ان کے جانشین

جس کسی کو اپنی رائے پر نہ پانا اُسے تہ تیغ کر دینا
جس کسی کے پاس مال پاؤ اور وہ ہمارا مطیع و فرمانبردار
نہ ہو اُسے لوٹ لینا۔

(معاویہ)

بنی اُمیہ کی سرشت دو چیزوں سے مرکب تھی۔
ایک مالداری کی طمع ہوسناکی کی حد تک دوسرے
فتح یابی کی محبت لوٹ مار کے ارادے سے

(کازانوفا)

معاویہ کا علم ایک طرف تو اتنا وسیع تھا کہ انہوں نے
مصر اور مصر کے باشندوں کو عمرو عاص کو بخش دیا اور
دوسری طرف اتنا تنگ کہ انہوں نے مصر اور مصر
والوں کے زندہ رہنے کا حق چھین لیا اور چھین کر ایک
شخص کو تحفۃً پیش کر دیا۔

بنی اُمیہ کے خصوصیات و اوصاف کا مکمل مرقع معاویہ ابن ابی سفیان تھے۔ ہم جب معاویہ کے صفات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو پہلی چیز ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ ان میں اسلامی انسانیت کا نام و نشان تک نہ تھا اور نہ اس پاکیزہ عہد کے مسلمانوں کی کوئی خصلت ان میں تھی اگر ہم اسلام کو جاہلی عرب کے عقائد و رسوم کے خلاف بغاوت سے تعبیر کریں جیسے ذاتی منفعت پرستی شخصی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر کوئی کام کرنا عوام الناس کو بھیڑ بکری سمجھنا انہیں صف حیوان

ودلت و اقتدار کی قوت و دولت کا خزانہ سمجھنا۔ تو یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ معاویہ کو اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا جیسا کہ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔

اور اگر دوسری حیثیت سے اسلام نام ہے اس دین و مذہب کا جس کے اوامر و نواہی ہر ہر فرد سے متعلق ہیں تو یہ بات آئینہ کی طرح واضح ہے کہ معاویہ کو اس سے بھی کوئی ربط نہیں تھا۔ اس کا اقرار خود انہوں نے اپنی زبان سے کیا تھا چنانچہ وہ ریشمی لباس پہنتے اور سونے چاندی کے برتن میں کھاتے پیتے ابو درداء صحابی پیغمبرؐ نے اعتراض کیا اور کہا میں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھائے پیئے اس کے شکم میں آتش جہنم انڈیلی جائے گی۔ معاویہ نے بڑی لاپروائی سے کہا میں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ صدر اول کے مسلمان دینی معاملات میں کتنے سخت تھے، وہ دین کے لئے اپنی جان پر کھیل جاتے منہیات سے انتہائی بیزار تھے، پیغمبر کے ارشادات کی خواہ وہ ارشادات اوامر سے تعلق رکھتے ہوں یا نواہی سے انتہائی تعظیم کرتے تھے اور پھر ہم معاویہ کے اس بے باکانہ جواب کو دیکھتے ہیں جو انہوں نے ابو درداء کو دیا تھا اور ان کی اس صریحی مخالفت پیغمبر پر ہم نظر کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ معاویہ مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہی نہ ہوئے وہ مسلمان جو عقائد روحانی و اخلاقی کے دل سے معتقد تھے۔

معاویہ اسلام میں بالکل ویسے ہی تھے جیسا ان کا باپ ابو سفیان جاہلیت میں تھا۔ خاندانی رئیس جو لوگوں سے بیگار لیتا اور ان کے احوال و عقائد اور ان کے معاملات سے اس طرح کھیلتا کہ ان کے گلوں میں اس کا پھندا اور مضبوط ہو جاتا اور بادل ناخواستہ مسلمان ہوا اور بادل ناخواستہ اسلام پر باقی رہا۔

معاویہ کیا تھے اور ان کے اسلام کی کیا کیفیت تھی اس کو ان لوگوں سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے جو معاویہ کے ہمعصر تھے اور جنہوں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کیا ان کے تمام معاصرین نے انہیں وہ الزامات نہیں لگائے، جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے، کیا علی ان کے متعلق سب سے زیادہ باخبر نہیں تھے۔ اور انہوں نے اپنے خط کے اس فقرہ میں ان کی صحیح تصویر کشی نہیں کی ہے کہ فقد سلکت مدارج اسلافک بادعائک الاباطیل واقحامک غرور المین والاکاذیب۔ تم باطل دعوے کرنے کذب و فریب میں لوگوں کو جھونکنے اپنی حیثیت سے بلند چیز کا ادعا کرنے اور ممنوعہ چیزوں کے ہتھیا لینے میں اپنے بزرگوں کے مسلک پر چل رہے ہو۔

کیا پیغمبر کے عہد میں یا خلفائے راشدین کے عہد میں ایسا شخص مسلمان کہا جا سکتا تھا جو باطل دعوے کرنے والا اور جھوٹا ہوتا۔ کیا اس پاکیزہ عہد کے مسلمانوں میں کوئی مسلمان ایسا بھی تھا جس کے متعلق اور جس کے گھر والوں کے متعلق علی نے یہ فقرہ کہا ہو ما اسلم مسلمکم الا کرھا۔ تمہارے گھر کے جو مسلمان اسلام لائے ہیں وہ بادل ناخواستہ مسلمان ہوئے۔

رہ گئیں معاویہ کی بعض خوبیاں جو دیکھنے میں بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہیں جیسے بردباری، نرمی، سخاوت، کشادہ دلی تو یہ سب کام نکالنے کے ہتھکنڈے تھے ان کی عقل وفہم نے یہ بات سمجھا دی تھی کہ آرزوؤں کی تکمیل اور سلطنت و بادشاہت تک پہنچنے میں یہ چیزیں بڑی مددگار ثابت ہوں گی

یہ خیال ہے کہ معاویہ کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ ہمارے آباؤ اجداد اور ہمارے زمانہ کے اموی لوگوں کی سیرت و کردار لوگوں کو پسند نہیں اور وہ جاہ و حشم اور ریاست و سرداری جو ہمارے باپ دادا کو حاصل رہی آج کل کے زمانہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں، انہوں نے کوشش کی کہ بردباری جود و بخشش کر کے لوگوں کی نگاہوں پر پردہ ڈال دیں۔ عوام الناس حقائق کو دیکھ ہی نہ سکیں بلکہ وہ میری داد و دہش اور حلم و بردباری کے گرویدہ ہو جائیں۔ ورنہ اگر کہیں صلاحیت و استعداد شریف النفسی سیرت پاکیزہ کرداری معیار قرار دے دی گئی تو بنی امیہ کو بنی ہاشم سے کوئی نسبت نہ ہوگی حلم و بردباری معاویہ کے نزدیک صرف لوگوں کو ہموار کر کے حکومت تک پہنچنے کا راستہ تھا، داد و دہش سے بڑھ کر لوگوں کو اپنا طرفدار بنانے اور اپنے خاندانی معائب کو چھپانے کی بہترین تدبیر کیا ہو سکتی تھی؟

ورنہ سچ پوچھئے تو یہ کیسا حلم تھا؟ یہ کیسی مروت تھی جس پر پرستاران معاویہ اپنا سر دھنتے ہیں حالانکہ یہ وہی معاویہ ہیں جن کی سیاست ٹھیک وہی سیاست تھی جو ظالم کی مظلوم کے ساتھ طاقتور کی خستہ حال و کمزور کے ساتھ ہوتی ہے ظلم و تشدد، زور و زبردستی، لوٹ کھسوٹ کی وہ سیاست جو وہ اپنے بعد کے آنے والے اموی سلاطین کے لئے چھوڑ گئے۔

پرستاران معاویہ یہ کیسا حلم و مروۃ معاویہ میں پاتے ہیں جب کہ معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو لوٹ مار کرنے کی ہدایت دے کر روانہ کیا تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ لوٹ مار کرتے جاؤ اور مدینہ سے گذرو لوگوں کو مار بھگاؤ۔ راستہ میں جو آبادی بھی تمہیں ایسی ملے جہاں کے لوگ علیؑ کے اطاعت گذار ہوں انہیں لوٹ لو۔

یہ کون سی مروۃ یہ کیسا حلم تھا جب کہ معاویہ نے ابو سفیان بن غامدی کو عراق پر غارت گری کرنے کے لئے روانہ کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ تم فرات کے کنارے کنارے چل کر ہیت پہنچو۔ اگر وہاں (علی کا) کوئی لشکر ملے تو ان پر حملہ کر دینا ورنہ آگے بڑھ کر انبار پہنچنا اور وہاں لوٹ مار مچانا وہاں بھی اگر کوئی مزاحم نہ ہو تو بڑھے چلے جانا یہاں تک کہ مدائن پہنچ جاؤ اور یہ سمجھو کہ مدائن و انبار پر حملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا خود کوفہ پر حملہ۔ سفیان! یہ حملے عراق والوں کے دلوں کو سہما دیں گے اور ان میں کے جو لوگ ہمارے ہوا خواہ ہیں انہیں بڑی مسرت حاصل ہوگی۔ لوگوں کو ہماری طرف دعوت دینا اور جس کو بھی اپنے راستے پر نہ پانا تہ تیغ کر دینا جس گاؤں سے بھی گذرو اس کو لوٹ لو اور جتنا مال و متاع وہاں ملے سب اپنے قبضہ میں کر لو۔ زر و مال کی تباہی قتل جیسی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ جانکاہ و روح فرسا صفحہ ۱۲۸ جلد ا نہج البلاغہ شرح ابن ابی الحدید، ضحاک بن قیس فہری کو بھی اسی طرح کی تاکیدیں کی تھیں جب کہ امیر المومنینؑ کے بعض شہروں پر چھاپہ مارنے کے لئے روانہ کیا تھا۔

"تم روانہ ہو کر کوفہ کی جانب پہنچو راستہ میں جتنے عرب تمہیں علی کے مطیع ملیں ان پر حملہ کر دو اگر اسلحہ خانہ وغیرہ ان

کا نظر پڑے تو اُسے لوٹ لو......"

ضحاک نے اسی طرح ان احکام کی تعمیل کی جس طرح بسر بن ارطاۃ اور سفیان بن غامدی نے کی تھی اس نے بھی لوٹ مار قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور ظلم و تشدد کی انتہا کر دی۔ یہ کیسا علم اور کیسی مروت تھی جب کہ انہوں نے لاکھوں عجمی مسلمانوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ ان عجمی مسلمانوں کی بہت کثرت ہو گئی ہے وہ دن دور نہیں کہ یہ ہمارے بزرگوں کا نام ختم کر دیں گے۔ میں سوچتا ہوں کہ ان میں سے آدھے آدمیوں کو زندہ رکھوں تاکہ یہ بازار قائم اور راستوں کو آباد رکھیں۔ اگر احنف بن قیس روکے نہ ہوتے تو منصوبے کے بروئے کار آنے میں کوئی دیر ہی نہ تھی اور معاویہ ہزاروں ہزار غریبوں کو موت کے گھاٹ اتار دیئے ہوتے۔ حالانکہ ان غریبوں کا کوئی قصور نہ تھا۔ سوا اس کے کہ وہ عرب کے نہیں عجم کے تھے۔

معاویہ بردبار تھے نرم مزاج تھے حلیم تھے کریم تھے مگر اس وقت جب اُن کا سامنا کسی جھکنے والے سے ہوتا یا کسی اثر و اقتدار والے سے اور اس سے انہیں اپنا تخت حکومت خطرے میں نظر آتا۔ وہ شخص کھری کھری سناتا بخئے ادھیڑ دیتا اور ایسی بات کہتا جو تیر بن کر سینے میں پیوست ہو جاتی تو معاویہ اپنے کو قابو میں رکھتے۔ اس برہم و غضبناک شخص کی خوشامدیں کرنے لگتے وہ جو کچھ کہتا اُسے تسلیم کر لیتے

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنے اعوان و انصار اور حاشیہ نشینوں کے حلقے میں بیٹھے ہوتے اور کوئی مقتدر شخصیت انہیں سرزنش کر بیٹھتی تو وہ فوراً نرم پڑ جاتے اور بردباری کرنے لگتے اس ڈر سے کہ کہیں حملہ نہ کر بیٹھے اور اپنے کاتبوں کو حکم دیتے کہ یہ سرزنش والا فقرہ لکھ لیا جائے کہتے هذه حكمة فاكتبوها یہ حکمت کی بات ہے اسے لکھ لو لیکن اگر کوئی ایسا آدمی ہوتا جس کے پاس نہ جتھا ہوتا نہ جمعیت اور نہ وہ اثر و اقتدار والا ہوتا تو اس وقت معاویہ نہ نرم پڑتے نہ بردباری سے کام لیتے۔ چاہے اس آدمی نے انہیں کوئی سخت بات نہ بھی کہی ہو مگر ان کا دل چاہتا کہ اُسے ایسے دردناک طریقے سے قتل کریں کہ اسلام میں اس طریقہ سے کوئی بھی نہ قتل ہوا ہو۔

معاویہ نرم مزاج تھے حلیم تھے کریم تھے اس وقت جب اُن کی خصوصی مصلحت انہیں ایسے شخص کے ساتھ اکٹھا کر دیتی جس سے فائدہ پہنچنے کی اُمید ہوتی ایسے موقع پر وہ ہر بات مان لیتے ہر کام انہیں منظور ہوتا بس شرط یہ ہوتی کہ وہ شخص ان کی حکومت مضبوط کرنے میں مدد کرے چاہے وہ جفا کار و ستم پیشہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے موقع پر وہ پورا مصر اور مصر کے تمام باشندے اُسے عطا کر دیتے جیسا کہ انہوں نے عمرو عاص کے ساتھ کیا۔

معاویہ کا حلم ایک طرف تو اتنا وسیع ہوتا کہ وہ عمرو عاص کو پورا ملک مصر اور اس کے تمام باشندے بخش دے اور دوسری طرف اتنا تنگ ہوتا کہ مصر اور مصر والوں کے جینے کا کل حق چھین لیتے اور انہیں بطور تحفہ و ہدیہ اپنے شریک کو بخش دیتے۔

اگر اسی کا نام حلم و بردباری ہے تو اس میں شک نہیں کہ نیرو اور چنگیز خان اور ہلاکو بھی بڑے حلیم و بردبار تھے۔

جو شخص معاویہ کی سیاست کو گہری نظر سے دیکھے تو اس کی دہشت و سراسیمگی کی انتہا نہ رہے گی۔ یہ دیکھ کر معاویہ لوگوں کو اپنا طرفدار بنانے میں کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے کام لیتے اور ان کے ہتھکنڈے حیلہ سازی اور فتنہ و فساد کے کیسے کیسے شاہکار ہوئے۔ ان کے ہتھکنڈے خالص سیکیاویلی ہتھکنڈے تھے بال برابر بھی فرق نہ ہوتا۔ چنانچہ لوٹ مار دہشت زدگی قتل و غارت معاویہ کی پرانی سیاست تھی خوش آیند وعدے کرنا دھمکیاں دینا بھی ان کی سیاست ہی کا ایک جزء تھا۔ بے گناہوں شریفوں کو قتل کرنا، جرائم پیشہ، لیٹروں، بدمعاشوں کو مقرب بارگاہ بنانا۔ ایسی پروپاگنڈا بازی جس میں آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان ثابت کیا جائے۔ بدباطن لوگوں سے سودے بازی۔ خون ریز و جفا کار انسانوں کی مدد حاصل کرنا یہ سب باتیں اُن کی سیاست ہی کے اجزا تھیں۔

معاویہ نے خود ایک دو مرتبہ نہیں بارہا اس کا اقرار کیا ہے کہ ہم نے اپنی سیاست میں انصاف برتا عدل سے کام لیا نہ اپنی زندگی میں کسی موقع پر روشن حق اور واضح عدل کی حمایت کی من جملہ ان شہادتوں کے وہ واقعہ ہے۔ جو ایک طرف ان کی سیاست پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی بتاتا ہے کہ عدل و انصاف کے متعلق اُن کا نظریہ کیا تھا۔ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ بیان کرتا ہے۔

میں اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ معاویہ کے یہاں گیا۔ میرے باپ روزانہ ان کے پاس جاتے۔ پھر آکر معاویہ کی بڑی تعریفیں کرتے۔ ایک رات جب وہ واپس آئے تو بہت مغموم تھے۔ انہوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا میں نے پوچھا آج آپ افسردہ کیوں ہیں۔ انہوں نے کہا بیٹا آج میں خبیث ترین مردم کے پاس سے آرہا ہوں۔ میں نے کہا وہ کون۔ مغیرہ نے کہا میں نے معاویہ سے تنہائی میں کہا آپ کی جو تمنائیں تھیں وہ پوری ہوئیں۔ اب اگر آپ عدل و انصاف سے کام لیتے اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے تو کیا اچھا ہوتا آپ سن رسیدہ ہی ہوچکے ہیں۔ آپ اپنے خاندانی رشتہ دار بنی ہاشم کا خیال کیجئے ان کے ساتھ صلۂ رحم سے پیش آیئے اب تو ان سے آپ کو ڈرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ معاویہ نے کہا کبھی نہیں کبھی نہیں۔ قبیلہ تیم والے (ابوبکر) خلیفہ ہوئے وہ جب مرے تو ان کا ذکر بھی مر گیا اب لوگ انہیں خالی ابوبکر کہہ کر پکارتے ہیں۔ پھر عمر خلیفہ ہوئے انہوں نے انتہائی مستعدی سے دس برس حکومت کی اُن کے مرنے کے بعد ان کا ذکر بھی مردہ ہوگیا اب لوگ انہیں عمر کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ پھر ہمارے بھائی عثمان خلیفہ ہوئے اُن کے ایسا شریف النسب کوئی نہ تھا انہوں نے عدل و انصاف سے حکومت کی مگر جب مرے تو ان کا ذکر بھی مر گیا مگر یہ بنی ہاشم والا (یعنی حضرت محمد مصطفےٰ) ان کا نام پانچ مرتبہ دن رات میں پکارا جاتا ہے اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ اب ان کے نام کے آگے کون سا عمل باقی رہ سکتا ہے سوا اس کے کہ ہم اسی کو خاک میں ملادیں (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)

معاویہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی نشوونما ہی ہوئی تھی۔ انکار انبیاء پر انہوں نے ایسے گھر میں پرورش پائی تھی۔ جس گھر والے دین و مذہب کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کو دیکھا کہ پیغمبر کے خلاف بڑے بڑے لشکر تیار کر رہا ہے۔ لشکر کا قائد و سپہ سالار بن کر پیغمبر سے لڑنے کے لئے جا رہا ہے۔ پیغمبر کے ساتھیوں کو تہ تیغ کرتا ہے اور امکانی کوشش کرتا ہے کہ خود پیغمبر ہی کا کام تمام کر دے تاکہ اس کی سرداری و ریاست باقی رہے اس کے مادی منافع کو نقصان نہ پہنچے اور اپنی قوم کا سردار بنا رہے خواہ اس کے سردار بنے رہنے اور پیغمبر کے اٹھ جانے کے سبب سارا عرب بدبختی میں مبتلا ہو جائے اکابر مسلمین ختم ہو جائیں اور عدالت اجتماعی جو پیغمبر کی رسالت کی روح تھی فنا ہو جائے۔

معاویہ ان تمام باتوں میں اپنے جد اعلیٰ اُمیہ بن عبد شمس کے وارث تھے۔

جس طرح معاویہ کی پرورش اور تربیت میں ابوسفیان کی روح پوری طرح موثر اور کارفرما رہی۔ خود غرضی، منفعت پرستی اور سیادت طلبی میں وہ ہو بہو باپ کا نمونہ ہوئے۔ اسی طرح ان کی ماں ہندہ جگر خوارہ نے بھی اپنے کانی نقوش چھوڑے ان کی فطرت و سرشت پر دونوں ہی کی گہری چھاپ تھی۔

پوری تاریخ عرب میں کوئی عورت ڈھونڈھے سے بھی ایسی نہ ملے گی جو انانیت، تندخوئی، بہیمیت اور شقاوت میں ہندہ کی مثال کہی جا سکے۔ ایسی سنگ دل تھی کہ سخت سے سخت خونخوار انسان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

غزوہ بدر میں مشرکین قریش اپنی پوری جمعیت لے کر پیغمبر سے لڑنے کے لئے آئے تھے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی بہت سے مشرکین قریش مارے گئے ہر گھر میں کہرام برپا ہو گیا پورے ایک مہینہ تک عورتیں اپنے عزیزوں پر روتی رہیں پھر وہ عورتیں ہندہ مادر معاویہ کے پاس آئیں اور کہا تمہارے بھی تو بہت سے عزیز رشتہ دار قتل ہوئے ہیں ہماری طرح تم بھی کیوں نہیں روتیں ہندہ نے کینہ و عناد اور ایسی قساوت بھرے لہجہ میں کہا جو شاید ہی کسی عورت میں دیکھی گئی ہو۔ "کیوں روؤں؟ کیا اس لئے کہ میرے رونے کی خبر محمد اور ان کے ساتھیوں کو ہو جائے وہ خوش ہوں اور انصار کی عورتیں بھی خوشی منائیں خدا کی قسم میں تو ہرگز نہ روؤں گی جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں سے انتقام نہ لے لوں۔ سر میں تیل ڈالنا مجھ پر حرام جب تک محمدؐ سے لڑائی نہ لڑی جائے" پھر وہ برابر مشرکین کو برانگیختہ کرتی رہی یہاں تک کہ احد کی مشہور جنگ پیش آئی۔ اس فقرہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندہ کی فطرت میں سرکشی و تندخوئی سنگدلی و قساوت کا کتنا حصہ تھا۔ دوسری عورتوں کی طرح رو دھو کر جی ہلکا کرنے کی وہ قائل نہ تھی۔ عورتیں فطرۃً نرم مزاج ہوتی ہیں مگر اس معاملہ میں وہ بالکل برعکس تھی معاملات و مسائل کو وہ مردوں کی آنکھ سے دیکھتی۔ اس کے عقیدہ میں سرداری و حکومت اقتدار کے لئے جنگ و جدال کرنے اپنی برتری اور فضیلت کا علم بلند کرنے کی خاطر دکھ جھیلنے کا نام تھی۔

جب مشرکین قریش تمام تیاریاں مکمل کر کے احد کی لڑائی لڑنے نکلے تو ہندہ نے بھی عورتوں کی ایک فوج تیار کی۔ اور انہیں لے کر محاذ جنگ پر پہنچی تاکہ مردوں کو پیغمبر سے جنگ پر جوش دلائے اور بہتے ہوئے خون اور مقتولین کے لاشے دیکھ کر اپنے انتقام کے جذبہ کو تسکین دے سکے۔

ایک شخص نے عورتوں کے محاذِ جنگ پر جانے کی مخالفت کی۔ ہندہ نے چیخ کر کہا ہم ضرور جائیں گے اور لڑائی کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

ہندہ اپنے ارادہ میں اٹل رہی اور عورتوں کی جمعیت لے کر مردوں کے ساتھ ساتھ وہ میدان میں پہنچی اس نے دل کی بھڑاس نکالنے اور اپنا انتقام لینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ جب لڑائی چھڑ گئی اور گھمسان کا رن پڑنے لگا تو ہندہ قریش کی عورتوں کو ساتھ لے کر دف بجاتی مشرکین کی ایک ایک صف میں جاتی اور تمام عورتیں ایک ساتھ رجز کے یہ اشعار گاتیں۔

ویھا بنی عبد الدار   ویھا حماۃ الادبار

ضربا بکل بتار

پسران عبدالدار جلدی کرو۔ تمہاری پشت پر ایسی ہستیاں (عورتیں) ہیں جن کی حفاظت تم پر لازم ہے۔ تلواروں سے کام لو۔

نیز یہ بھی رجز گاتیں۔

ان تقبلوا نعانق   ونفرش النمارق

ان تدبروا نفارق   فراق غیر وامق

اگر تم میدان جنگ کا رُخ کرو گے تو ہم تمہیں لپٹا لیں گے اور تمہارے سرہانے نرم مسند و تکئے رکھیں گے۔ اگر میدان جنگ سے پیٹھ پھراؤ گے تو ہم تم سے دور ہو جائیں گے اس لئے کہ ہم ایسی صورت میں تمہیں دوست نہیں رکھتے

ہندہ نے وحشی حبشی سے جو کہ غلام تھا بہت کچھ وعدے کئے تھے اگر وہ کچھ مسلمانوں کو قتل کر دے خصوصاً جناب حمزہ عم پیغمبر کو جن کے خلاف کینہ و عناد کی آگ ہندہ کے دل میں ہر وقت بھڑکتی رہتی تھی۔ اس جنگ میں مشرکین کا پلہ بھاری اور مسلمانوں کو شدید نقصانات اٹھانے پڑے۔ ہندہ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ فرطِ مسرت سے جیسے اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ مقتولین احد میں جناب حمزہ بھی تھے۔ ہندہ کے ترغیب دلانے پر وحشی نے آپ کو شہید کیا۔ ابوسفیان نے اُن کے مارے جانے پر چیخ کر کہا، آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے۔ اگلے سال ہم پھر لڑیں گے۔ لیکن اس کی بیوی ہندہ کو اتنی ہی کامیابی کافی نہیں معلوم ہوئی نہ اسی پر مطمئن ہوئی کہ حمزہ ایسا شیر شہید ہو چکا ہے۔ اس نے ساتھ کی قریش عورتوں کو اکٹھا کیا اور انہیں لے کر مقتولین کی لاشوں پر آئی اور اُن لاشوں کے ہاتھ پیر ناک کان کاٹ کر گلے میں ہار بنا کر پہنا اور بربریت و قساوت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ عورتیں تو عورتیں بڑے ظالم و جلاد مرد بھی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ پھر اُس نے جناب حمزہ کا شکم چاک کر کے قصائی کی طرح اُن کا جگر نکالا اور منہ میں رکھ کر چبانے لگی۔ چاہتی تھی کہ چبا کر کھا جائے مگر ممکن نہ ہوا۔ ہندہ کا یہ فعل ایسی سفاکی و درندگی کا بدترین مظاہرہ تھا کہ خود اس کے شوہر ابوسفیان نے بھی اس سے بیزاری ظاہر کی۔ اس نے کسی مسلمان سے کہا۔ "تمہارے کچھ مقتولین کا مثلہ کیا گیا خدا کی قسم نہ تو میں ایسا کئے جانے پر خوش ہوا نہ رنجیدہ ہوا نہ میں نے روکا

نہیں نے حکم دیا۔ اسی واقعہ کی بنا پر ہندہ کا لقب جگر خوارہ قرار پایا۔

فتح مکہ کے موقع پر بسبب بادل ناخواستہ ابوسفیان مسلمان ہو گیا تو اس کی بیوی ہندہ چلا چلا کر قریش والوں سے کہتی۔ "اس خبیث اور گندے انسان کو قتل کر ڈالو جس میں کوئی بھلائی نہیں تم سے بد تر کوئی حفاظتی دستہ نہیں دیکھا تم لوگوں نے کیوں نہیں جنگ کی اور اپنے شہر اور اپنی جانوں کی حفاظت کی۔"

وہ محیر العقول رحم و کرم اور عفو و درگذر جو پیغمبر نے اس کے شوہر اس کے فرزندوں اور اس کے گھر والوں کے ساتھ فرمایا اُن کا ذرہ برابر بھی ہندہ پر اثر نہ ہوا۔ اسی ابوسفیان اور اسی ہندہ کے ہاتھوں میں معاویہ کی نشوونما ہوئی مزید براں اپنی قوم بنی اُمیہ اور اپنے باپ دادا کے خصوصی صفات کے پیدائشی طور پر حامل تھے۔ جیسے جاہ و اقتدار کی محبت۔ اپنا کام نکالنے کے لئے ہر قسم کا مکر و فریب جسے آج کل کی اصطلاح میں ڈپلومیسی کا نام دیا جاتا ہے۔ رشوت ستانی، ظاہرداری ظلم و جور غرض وہ اپنے آباؤ اجداد کی مکمل تصویر تھے وہ ایسی قوم کے پروردہ تھے جس کے متعلق امیر المومنین فرماتے ہیں۔ اکلة الرشا المشترون انعادی الفاسق باموال الناس لو دلوا علی الناس لاظهروا فیهم الغضب والفجر والتسلط والجبروت الفساد فی الارض۔ رشوت کے کمانے والے۔ غدار۔ دوسروں کی کمائی سے فسق و فجور کرنے والے ایسے لوگ کہ اگر عوام الناس کے حاکم بنا دئے جائیں تو انہیں اپنے غضب کا نشانہ بنائیں۔ ان پر اپنی برتری جتائیں تسلط و تشدد کا مظاہرہ کریں اور زمین میں فساد پھیلائیں۔

جب تک حضرت عمر زندہ رہے یہ کام تو کرتے رہے اسی جاہلیت اور خاندان پرستی کے مطابق مگر چھپے چوری اور چالاکی و خوشامد کے دبیز پردوں میں۔ یہ پردہ اس وقت اٹھا اور اُن کی چالاکیاں منظر عام پر آئیں۔ جب حضرت عثمان اُن کے خاندانی رشتہ دار تخت نشین خلافت ہوئے اسی وقت سے ان کی تمام تر توجہ اس پر مرکوز رہی کہ یہ حکومت ہماری خاندانی حکومت ہو جائے جب تک ہم زندہ رہیں اقتدار کے مالک رہیں ہمارے مرنے کے بعد ہماری اولاد اس حکومت کی مالک ہو انہیں نہ خلافت کی پرواہ تھی نہ اسلام کی۔ انہوں نے مال و دولت سے اپنے خزانے بھر لئے بہت بڑا لشکر تیار کر لیا۔ بیت المال جس پر تمام مسلمانوں کا حق تھا اُسے خاص اپنی ذاتی ملکیت سمجھا عوام کی گاڑھی کمائی سے بڑے بڑے لوگوں کو رشوتیں دے کر اپنا طرفدار بنایا۔ وہ موقع کے منتظر تھے کہ جیسے ہی ہاتھ لگے اس حکومت کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے مضبوط کر لیں۔ وہ تاک میں تھے کہ ہمارے باپ ابوسفیان نے نبوت کے جو معنی سمجھتے تھے۔ یعنی سلطنت و بادشاہت، وہ سلطنت و بادشاہت اپنے خاندان کے لئے قائم کر لیں۔ ابوسفیان نے عم پیغمبر عباس سے کہا تھا۔ تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہو گئی ہے۔ اس نے نبوت کا مطلب بادشاہت سمجھا اور اس پیغمبر کے لئے جس نے بادشاہت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا بادشاہت کے علاوہ اور کوئی چیز ماننے پر تیار نہ ہوا۔ عثمان کے واقعہ قتل نے انہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔ ہم عنقریب دکھلائیں گے کہ عثمان کی ہلاکت میں خود معاویہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اسی

وقت سے مکر و فریب اور سازشی کارروائیوں میں معاویہ کی مہارت اور استادی فن ظاہر ہونے لگی اور اسی وقت سے دو متضاد فطرتوں میں جنگ و جدال کا آغاز ہوا۔ ایک طرف بلند کرداری، ثابت قدمی پاک فطرت تھی دوسری طرف ریاست طلبی انانیت فسطائیت رشوت ستانی اور تمام صفات مذمومہ تھے۔ پہلے کا مجسمہ علی ابن ابی طالب تھے اور دوسرے کا مرقع معاویہ اور ان کے عزیز و اقارب۔

علی ابن ابی طالب کا اگر یہ شعار تھا لا اداھن فی دینی ولا اعطی الدنیۃ فی امری۔ میں اپنے دین میں نہ تو دغا فریب سے کام لوں گا اور نہ ذلیل و نامناسب کوئی کام کر دوں گا۔

احبب لغیرک ما تحب لنفسک واکرہ لہ ما تکرہ لہا ولا تظلم کما لا تحب ان تظلم ولا یکونن اخوک علی الاساءۃ اقوی منک علی الاحسان۔ دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ دوسروں کے لئے بھی وہ پسند نہ کرو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے جس طرح تم اپنے اوپر ظلم کیا جانا گوارا نہیں کرتے۔ اسی طرح دوسروں پر بھی ظلم نہ کرو تمہیں اپنے بھائی کی بدسلوکی کے مقابلہ میں حسن سلوک پر زیادہ قادر ہونا چاہیے۔

تو معاویہ کا شعار یہ تھا ان للہ جنودا من العسل خدا کے لشکر شہد میں ہیں۔ ان کی مراد اس زہر آلود شہد سے تھی جس کے ذریعہ وہ اپنے دشمنوں کا کام تمام کرتے تاکہ حکومت و بادشاہی تک پہنچنے کی راہ صاف ہو جائے۔ معاویہ کے دشمن وہ تمام ستودہ صفات اور پاکیزہ فطرت انسان تھے جو اُن کی راہ میں حائل تھے۔

معاویہ نے اپنے مقصد تک پہنچنے میں جس کسی کو بھی حائل پایا جس کے متعلق انہیں ذرا بھی شبہ ہوا کہ ہمارے منصوبوں میں رکاوٹ بن سکتا ہے اس کا کام تمام کر دیا خواہ وہ شخص کتنا ہی نیک اور پارسا کیوں نہ رہا ہو بلکہ انہوں نے اپنے ان مخصوص دوستوں کو بھی معاف نہیں کیا جو ان کے دست و بازو اور ان کی حکومت کے ستون و بنیاد تھے۔ اسی شہد سے انہوں نے حسن بن علی کو شہید کیا۔ بیت المال کی دولت جسے رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف ہونا چاہیے تھا اس دولت سے انہوں نے اپنے لئے لوگوں کو خریدا اپنے دوست احباب اعوان و انصار کو بڑی بڑی رشوتیں دیں۔

جس دن وہ یزید کی بیعت پر لوگوں کو مجبور کرنے کے لئے مکہ گئے انہوں نے ایک طرف اپنے ساتھ زبردست لشکر رکھا دوسری طرف سونے چاندی کے بہت سے ڈھیر رکھے اور مکہ والوں سے کہا

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ یزید کو تمام کا خلیفہ بنا دیا جائے۔ حکام کی تقرری معزولی روپیہ پیسے کی آمدنی و خرچ سب آپ لوگوں کے ہاتھ میں رہیں گے۔"

لیکن جب لوگ یزید کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ ہوئے اور بیعت کرنے سے انکار کیا تو معاویہ نے دھمکی دیتے ہوئے کہا "میں نے نتائج سے تمہیں آگاہ کر دیا اب میں ذمہ دار نہیں میں تقریر شروع کر رہا ہوں اگر کسی نے بھی کھڑے ہو کر مجھے جھٹلانے کی کوشش کی تو ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالنے

جائے گا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے لہٰذا اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔"

انہیں بیت المال کی دولت فضول برباد کرنے پر ملامت کی جاتی وہ دولت جسے علی ابن ابی طالب صرف رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کیا کرتے تھے تو معاویہ جواب میں یہ اموی فقرہ کہتے الارض للہ وانا خلیفۃ اللہ فما اخذ من اللہ فھو لی وما ترکتہ منہ کان جائز الی۔

زمین خدا کا مال ہے اور میں خدا کا جانشین ہوں جو کچھ میں لے لوں وہ میرا ہے اور جو کچھ چھوڑ دوں اس کا لینا بھی میرے لئے جائز ہے۔

جب اُن سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ لوگوں کو عقائد و نظریات میں آزادی دی جائے تو وہ جواب دیتے "جب تک کوئی ہمارے اور ہماری حکومت کے درمیان حائل نہیں ہوتا ہمیں کسی سے کوئی مطلب نہیں۔"

استاد محمد غزالی الاسلام والاستبداد السیاسی (اسلام اور سیاسی ڈکٹیٹرشپ) میں اس قسم کے ڈکٹیٹرانہ طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"خود غرض اور خود رائے ہونا بزرگترین جرم ہے اگر کوئی شخص فرماں روائی کر کے منصب پر فائز ہو جائے تو وہ اسی وقت اس منصب کا مستحق ہے اور عوام الناس کو اسی وقت اس کی حمایت کرنی چاہیئے جب وہ شخص عوام کے مقاصد بر لائے اور ان کی خواہش کے مطابق کام کرے۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

بادشاہوں کی خود رائی اور فسطائیت خدا کو بھی ناپسند ہے پیغمبروں کو بھی اور خلائق کو بھی یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں، کہ بادشاہوں کے سوچنے کا انداز ہر زمانہ میں ایک ہی رہا۔ ان بادشاہوں کے خیرخواہ اور ہمدرد خواہ اُن کے ساتھ کتنی ہی محبت سے کام لیں وہ اپنے غرور کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

اسی میکیاولی سیاست سے کام لے کر معاویہ نے حکومت الٰہیہ اور خلافت کو بادشاہت وسلطنت میں تبدیل کر دیا اور اپنے بعد اپنی اولاد کو اس کا وارث بنا گئے

معاویہ اس بارے میں بنی اُمیہ کی خود غرضانہ فطرت کا مکمل نمونہ تھے وہ بنی امیہ جو جاہلیت میں بھی بدسرشت تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی بدسرشت رہے۔ علی ابن ابی طالب کے ابن ملجم کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرتے ہی ہر اس شخص کی ہلاکت کے سامان کرنے میں مصروف ہو گئے جو انہیں پروردگار عالمین کا خلیفہ ماننے پر تیار نہ تھا۔ انہوں نے صاف صاف یہ اعلان کر دیا تھا کہ ہم لوگوں کو اُن کے حال پر اُسی وقت چھوڑیں گے جب وہ ہمارے غلام بن جائیں۔ ان کا کہنا تھا ندع الناس مالم یحولوا بیننا وبین ملکنا۔ جب تک کوئی ہمارے اور ہماری حکومت کے درمیان حائل نہیں ہوتا ہمیں اس سے مطلب نہیں انہوں نے صاف صاف لفظوں میں لوگوں سے کہہ دیا کہ حکومت میری ہے

پھر میرے بعد بنی امیہ کی ہے۔ لوگ اسی وقت تک آزاد ہیں، جب تک وہ بنی امیہ اور ان کی سلطنت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ انہوں نے لوگوں کی محض تہمت اور شبہ کی بنا پر پکڑ دھکڑ شروع کی حالانکہ اس سے پہلے کے خلفاء کے زمانہ میں کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ انہوں نے صحابہ، تابعین اور ان تمام مومنین کو بڑی بیباکی سے قتل کرنا شروع کیا جو رائے عامہ کے ترجمان اور صحیح راستہ پر چلنے کی کوشش کرتے۔

وہ حکومت پر قدم جماتے ہی لوگوں کو ان کے مال و دولت کو اپنے نابکار لڑکے یزید کے حق میں بطور رشوت خرچ کرنے لگے۔ لوگوں سے یزید کی جبریہ بیعت لینے میں انہوں نے ہزاروں ہی وسیلے سے کام لیا۔ ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اسی واقعہ سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ یزید اور اس کے بعد کے اکثر خلفاء بنی امیہ کی حکومت کن بنیادوں پر قائم تھی۔

معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کرکے اس کے بدلے سعید بن عاص کو گورنر مقرر کرنا چاہا۔ مغیرہ کو یہ خبر مل گئی وہ معاویہ کے پاس آئے اور ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ یزید کو اپنے بعد کے لئے خلیفۃ المسلمین نامزد کر دیجئے۔ معاویہ نے اسے معزول کرنے کا ارادہ ترک کرکے کہا میں تمہیں کوفہ کی گورنری پر برقرار رکھتا ہوں۔ تم جاؤ اپنا کام سنبھالو اور جن لوگوں پر تمہیں بھروسہ ہو ان کے سامنے یہ تجویز پیش کرو۔ مغیرہ وہاں سے چل کر کوفہ آیا اور بھروسہ کے لوگوں کے سامنے یزید کی خلافت کی تجویز پیش کی۔ ان لوگوں نے وہ تجویز منظور کرلی۔ مغیرہ نے ان میں سے دس آدمی منتخب کئے۔ اور انہیں وفد کی صورت میں معاویہ کے پاس بھیجا انہیں اس کے لئے ۳۰ ہزار درہم بھی دیئے اور ان کا سرگروہ اپنے بیٹے موسیٰ کو مقرر کیا۔ یہ لوگ معاویہ کے پاس آئے یزید کی بیعت کی تجویز کی بڑی تعریف کی۔ معاویہ نے موسیٰ سے پوچھا تمہارے باپ مغیرہ نے کتنے میں ان لوگوں کا دین خریدا۔ اس نے کہا ۳۰ ہزار میں۔ معاویہ نے کہا سستا سودا رہا۔

اس واقعہ کے بعد انہوں نے اپنے تمام عاملوں کو یہ تجویز لکھ بھیجی اور انہیں تاکید کی کہ ہر شہر ہر ضلع سے میرے پاس وفد بھیجو۔ بہت سے وفود آئے۔ باہمی رائے مشورہ اور تبادلہ خیالات ہوئے۔ پھر یزید بن مقنع نے کھڑے ہو کر معاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا مومنین کے یہ امیر ہیں اور جب یہ مرجائیں تو یزید کی طرف اشارہ کرکے مومنین کے امیر یہ ہیں اور جو اس سے انکار کرے گا اس کے لئے تلوار کی طرف اشارہ کرکے یہ ہے۔ معاویہ نے کہا آؤ بیٹھو تم سید الخطباء ہو۔

اہل حجاز سے معاویہ نے یزید کی بیعت کے لئے جیسی زبردستی کی وہ انتہائی حیرت انگیز بھی اور وحشتناک بھی انہیں ہموار کرنے کے لئے معاویہ لشکر بھی لے گئے تھے اور درہم و دینار کے بہت سے ڈھیر بھی۔ مگر جب وہ لشکر سے مرعوب ہوئے اور نہ مال و دولت کے جال میں پھنسے تو معاویہ نے کہا میں اتمام حجت کرچکا اب تک یہ طریقہ رہا کہ جب میں تقریر کرتا تو تم میں سے کوئی اٹھنے والا اٹھتا اور مجمع عام میں میری تکذیب کرتا میں برداشت کرتا اور درگذر کردیتا اب میں اس وقت تقریر کرنے جارہا ہوں خدا کی قسم اگر تم میں سے کسی نے بھی میری تردید میں ایک فقرہ بھی

کہا تو قبل اس کے کہ دوسرا فقرہ اس کی زبان سے نکلے تلوار اس کے سر پر پہنچ چکی ہوگی۔ لہٰذا تم لوگ اپنی جانوں کی خیر مناؤ پھر انہوں نے اپنے پولیس افیسر کو حکم دیا کہ ان لوگوں میں سے ہر شخص کے سر پر دو شخص کھڑے کر دو جن کے ہاتھ میں تلواریں ہوں اگر ان میں سے ایک شخص بھی منہ سے بات نکالنا۔ چاہے تصدیق میں یا تردید میں اس کی گردن یہ دونوں شخص اڑا دیں۔

معاویہ اور بنی اُمیہ نے جاہلیت والی فسطائیت اور جاہ و جبروت سے پوری طرح کام لیا وہ مطلق العنان حاکم تھے سیاہ سپید کے مالک اور مسلمان ان کے زرخرید غلام جنہیں اُن کی من مانی کارروائیوں پر دم بھی مارنے کی اجازت نہ تھی انہوں نے ان لوگوں کی گردنیں تلواروں سے اڑا دیں۔ جنہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کیا بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر گودنے گدوا دیئے گئے جو غلامی کی خاص پہچان ہوا کرتی۔

معاویہ کے جانشین کج روی اور حق دشمنی میں ان سے بھی دو چار قدم آگے نکل گئے۔ بعض تو اُن میں ایسے تھے جو جرائم اور سیہ کاریوں میں ان سے کافی بڑھ گئے لیکن وہ ظاہری خوبیاں جو ان میں تھیں ان کا عشر عشیر بھی انہیں نصیب نہ ہوا۔ اسی وجہ سے عوام النّاس نے ان کے زمانہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں انہیں زبردستی مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی روزی بھی ان خلفاء اور ان کے عمال کے حوالے کر دیں اور اپنی گردنیں بھی۔ ان کے عمال اور کارندے کھلے ہوئے فاجر تھے وہ جس شہر میں بھی پہنچے یا جہاں کے بھی وہ حاکم مقرر کئے گئے وہاں کے باشندوں کو خوب اچھی طرح کچلا جی کھول کر ان پر مظالم کئے۔ عرب کے علاوہ دیگر ممالک کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہیں خوب ذلیل و خوار کیا اور انتہائی ذلیل طریقہ سے انہیں غلام بنایا ذمی کافروں کے متعلق اسلام نے حُسن سلوک کی تاکیدیں کی ہیں ان تمام تاکیدات کے برخلاف انہیں ذلّت و نکبت میں ڈالا۔ عربوں کو بھی انہوں نے نہیں بخشا۔ جس عرب نے بھی خوشی خاطر انہیں اپنا گوشت کھلانے اور اپنا خون پلانے سے انکار کیا اُسے موت کے گھاٹ اتارا۔ ایسے لوگوں کو ان پر مسلّط کیا جو ان پر نت نئے ٹیکس لگاتے لگان و خراج ناقابل برداشت حد تک معین کرتے اور پھر طرح طرح کے ظلم و تشدد کر کے شرمناک طریقوں سے انہیں مجبور و بے بس کر کے لگان وصول کرتے۔ اسی وجہ سے سعید بن عاص جب حضرت عثمان نے عراق کا حاکم مقرر کیا تھا۔ کہا کرتا تھا عراق تو قریش کا باغ ہے ہم جو چاہیں گے لے لیں گے جو چاہیں گے چھوڑ دیں گے۔ اور اسی وجہ سے عمرو عاص نے ایک کافر ذمی کے اس سوال پر کہ ہمیں کتنا جزیہ دینا ہے۔ جواب دیا تھا تم تو ہمارے لئے بمنزلہ خزانہ ہو یعنی ہمارا جتنا جی چاہے گا تم سے وصول کر لیں گے،

اموی خلفا کی ہمیشہ یہی فکر رہی کہ بیت المال کو دونوں ہاتھوں سے لوٹیں۔ اپنے حاشیہ نشینوں کی ملکیت اور دولت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کریں۔ اسلامی علاقوں میں جو عمال مقرر تھے انہیں جو کچھ مال و متاع ہاتھ لگتا لوٹ لیتے، بادشاہوں سے اپنی وفاداری کے صلہ میں جو لمبی لمبی رقمیں وصول کرتے رہتے وہ اس کے علاوہ ہوتیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک کا ایک گورنر خالد بن عبداللہ قسری تھا وہ ہر سال بیت المال سے تقریباً دس لاکھ درہم وصول کرتا اور لوگوں کے جو

مال ہڑپ کر جاتا اس کی تعداد کروڑوں تک جا پہنچتی۔

بنی اُمیہ کے ہاتھوں عدل علوی اور عدل اسلامی کے ستون منہدم ہو گئے لوگوں میں طبقاتی تفاوت پیدا ہو گیا۔ ایک طبقہ کی دولت کا ٹھکانہ نہیں رہا دوسرا طبقہ نان شبینہ کو محتاج تھا ایک طبقہ جو چاہتا کر گذرتا کوئی روک ٹوک نہ تھی دوسرا طبقہ مظلوم و بے بس تھا۔ جب کہ رعایا میں بہت سے ایسے تھے جنہیں روٹی تک نصیب نہ تھی۔ بنی اُمیہ کا ایک بادشاہ معبد گویئے کو رعایا کے مال سے بارہ ہزار دینار اٹھا کر دے دیتا ہے کیونکہ معبد کے گانے نے بادشاہ کو خوش کر دیا تھا جب کہ لوگ آزادانہ زندگی گذارنے کی تمنائیں کیا کرتے اس وقت سلیمان بن عبد الملک کی خلافت سے کچھ ہی دن پہلے غلاموں کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک سلیمان بن عبد الملک نے ستر ہزار غلام اور کنیز آزاد کئے تھے۔

بنی اُمیہ کے عہد میں خاندانی قومی قبائلی عصبیت اس حد تک بلند ہو گئی تھی جو نہ اسلام کو پسند تھی نہ پیغمبر کو نہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو قبیلۂ قیس کے شخص کو جو حقوق حاصل تھے وہ یمنی کو حاصل نہ تھے۔ عربی کو جو حاصل نہ تھے وہ عجمی کو حاصل نہ تھے۔

اسی عہد بنی اُمیہ میں ان خوش باش بے فکرے مقربان بارگاہ اور درباری لوگوں کی کثرت ہوئی جو کھاتے تو تھے مگر کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کے نام بیت المال سے بڑے بڑے یہ وظیفے مقرر تھے۔ بغیر کسی خدمت کے ان کے دامن میں غریب رعایا کی کمائی انڈیل دی جاتی تھی جیسا کہ آج بھی بہت سے عربی ممالک کی حالت ہے تاریخ تو یہاں تک بتاتی ہے کہ ولید بن عبد الملک نے تقریباً ٢٠ ہزار مسلمانوں کے نام دفتر سے خارج کرا دیئے اور انہیں جو وظیفہ بیت المال سے ملا کرتا تھا اس سے محروم کر دیا۔ اسی کے ساتھ سلاطین بنی اُمیہ کی اس عام قساوت قلبی اور بے رحمانہ طرز عمل کو بھی ملا لیجئے۔ جو وہ شہروں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اختیار کئے ہوئے تھے جیسے عبد الملک کہ اس نے الیسی مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کی کہ روح انسانی ذلیل و خوار ہو کر رہ گئی۔ اس نے بحرین کے کنوئیں اور چشمے محض اس لئے پٹوا دیئے کہ وہاں کے باشندے نادار ہو جائیں۔ ان کا کس بل جاتا رہے اور وہ حکام سے جھک کے ملنے لگیں (دیکھئے ابن ریحانی کی ملوک العرب جلد ٢ ص ٢٠٦ اور اسی کی کتاب النکبات ص ٦٢) حجاز و عراق پر اس نے اس ذلیل و حقیر سفاک و خون ریز انسان کو مسلط کر دیا۔ جسے حجاج بن یوسف کے نام سے یاد کرتی ہے۔

شاہان بنی اُمیہ کی نظروں میں رعایا کی کیا قیمت تھی وہ کس کس طرح خلافت اور عوام دونوں کی یکساں طور پر مٹی پلید کرتے تھے۔ اس کی مثال کے لئے یزید بن عبد الملک کافی ہے۔ ایک دن شراب پی کر حد سے زیادہ بدمست ہو گیا پاس ہی حبابہ اس کی چہیتی کنیز بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ یزید نے بے خود ہو کر کہا مجھے اڑنے دو۔ حبابہ نے کہا تو پھر آپ مسلمانوں کو کس پر چھوڑ جائیں گے۔ یزید نے کہا تم پر۔

ابن ریحانی بنی اُمیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

لیکن رعایا کے ساتھ عدل جو حکومت کی بنیاد ہے تو مسند نشین حکومت کے یہاں اس کا مطلب الٹا تھا اموی سلاطین کو تم جان ہی چکے ہو ان میں ناکارہ بھی تھے اوباش بھی پکے شرابی بھی اور ظالم بھی۔ (النکیات حنث)

پھر ان سلاطین بنی امیہ نے علی و اولاد علی پر سب و شتم کرنے کا جو شرمناک وطیرہ اختیار کر رکھا تھا اُسے بھولنا ہی نہیں چاہیے۔ البتہ بزرگترین اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز جن کی سیرت نے مشرق کے بادشاہوں کو بھی شرف بخشا اور خود انسان کے شرف میں بھی اضافہ کیا۔ جنہوں نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی لوگوں کو مظالم سے نجات دلائی۔ ہر حقدار کو اس کا حق دیا۔ ظالم حکام کو بدل کر عدل گستر حاکم مقرر کئے اور ان عاملوں کو سخت تاکید کی کہ رعایا کے ساتھ منصفانہ اور نرم برتاؤ کریں جنہوں نے عرب و عجم اور مسلم و غیرہ مسلم میں حقیقی مساوات رائج کی اور خلقت کی آزادی کا احترام کرتے ہوئے فتوحات کا سلسلہ روک دیئے جانے کا حکم دیا لوگوں سے ہر طرح کے ٹیکس ہٹا لئے سوا ان ٹیکسوں کے جو وہ خوشی خاطر ادا کرتے تھے۔ علی ابن ابیطالب پر سب و شتم کا جو عرصہ سے دستور چلا آ رہا تھا۔ اس دستور کو ختم کر دیا۔ معززین و اشراف سے ان کا ہتھیایا ہوا مال ضبط کر لیا اور انہیں نصیحت کی کہ محنت کر کے کھاؤ۔ یہ بزرگترین انسان خود اپنی ہی قوم یعنی بنی اُمیہ کی سازشوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ جس کی وجہ سے اُن کی حکومت زیادہ نہ رہ سکی بنی امیہ اور ان کے حوالی موالی نے سازش کر کے اُن کی جان ہی لے لی جس طرح ان سے پہلے انہیں امویوں نے معاویہ بن یزید کو موت کے گھاٹ اتارا تھا محض اس خطا پر کہ اس نے ان کے مظالم کا اظہار کیا تھا اور عوام کو لوٹنے کھسوٹنے ان کے حقوق غصب کرنے پر ناپسندیدگی ظاہر کی تھی۔ باپ دادا کو خطاکار تسلیم کیا تھا اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی تھی۔

کتنے حیرت کی بات ہے کہ آج کل کے بعض مصنفین ان جابر و سرکش بنی امیہ اور ان کے عمال و حکام کی حمایت اور ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں بڑی سرگرمی دکھلا رہے ہیں۔ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر خود ان کا اپنا دل بھی مطمئن نہ ہو گا۔ یہ صرف قدیمی بزرگوں کی حمایت اور اپنے اسلاف کی پاسداری کا جذبہ ہے جو ان مصنفین کو ایسی مہمل و مضحکہ خیز صفائی پیش کرنے کی ترغیب دلاتا ہے کیا خود بنی امیہ کے معاصرین جنہوں نے اپنی آنکھوں سے بنی امیہ کی حکومت دیکھی تھی۔ زیادہ باہر اور اپنے زمانہ کے واقعات بیان کرنے میں زیادہ سچے نہیں تھے۔ کیا ان کے بیانات سے ان مصنفین کی صفائی خاک میں نہیں مل جاتی اور بنی امیہ کی اصلی تصویر نظروں کے سامنے نہیں آ جاتی۔ یہ صفائی پیش کرنے والے حسب ذیل روایت کو پڑھ کر کیا صفائی پیش کریں گے۔

ایک دن عبیدہ بن ہلال یشکری اور ابو حرابہ تیمی میں ملاقات ہوئی۔ عبیدہ نے کہا ابو حرابہ میں کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم ٹھیک ٹھیک جواب دو گے؟

ابو حرابہ ہاں پوچھو۔

عبیدہ تم اپنے اموی خلفاء کے متعلق کیا کہتے ہو۔

ابو حرابہ وہ ناحق خون بہاتے تھے۔

عبیدہ اور مال میں ان کے تصرفات کیسے تھے۔

ابوحرابہ ناجائز طریقے سے وصول کرتے اور ناجائز موقع پر خرچ کرتے۔

عبیدہ یتیموں کے ساتھ اُن کے برتاؤ کیسے تھے۔

ابوحرابہ وہ یتیموں کا مال ہتھیا لیتے اُن کو حق سے محروم کرتے اور ان کی ماں سے منہ کالا کرتے۔

عبیدہ ابوحرابہ تمہارا ناس ہو گیا ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ اُن کی پیروی کی جائے۔

ابوحرابہ تم نے جو پوچھا اس کا ہم نے جواب دیا اب سرزنش نہ کرو۔

ابوحرابہ کے اس فقرہ "اب سرزنش نہ کرو" میں ضمنی طور پر صراحت ہے اس بات کی کہ بنی امیہ اور ان کے عمال کی حکومت میں کسی انسان کی مجال نہ تھی کہ اپنی کوئی رائے قائم کرے اور اپنی بات زبان سے نکالے۔

یہ بنی امیہ کی طرف سے دفاع اور ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے والے اہل مدینہ کے ان نظریات و خیالات کی کیا توجیہ کریں گے جن کا اظہار انہوں نے ابوحمزہ خارجی کے سامنے کیا تھا ابوحمزہ خارجی نے امویوں کو مدینہ سے نکال باہر کرنے کے بعد لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ انہیں شام کے خلفا اور اُن کے حکام کی طرف سے کیا کیا مصائب جھیلنے پڑے۔ مدینہ والوں نے کھلے لفظوں میں اقرار کیا کہ بنی امیہ لوگوں کو محض شبہ و بدگمانی کی بنا پر قتل کرتے۔ ان تمام باتوں کو حلال سمجھتے جو اسلام نے حرام کی تھیں اور عقل و ضمیر اور شرافت انسانی بھی جنہیں حرام سمجھتی ہیں۔ ابوحمزہ نے اس موقع پر جو تقریر کی تھی اس میں یہ فقرے بھی کہے تھے۔

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ خلافت الٰہیہ اور امامت مسلمین کی کیا درگت بن گئی ہے۔ یہاں تک کہ بنو مروان گیند کی طرح اس سے کھیلتے رہے۔ انہوں نے مال خدا کو بری طرح کھایا۔ دین خدا سے خوب کھیلے۔ بندگان خدا کو غلام بنایا۔ ہر بڑا اپنے چھوٹے کو ان باتوں کا وارث بناتا رہا۔ انہوں نے حکومت ہتھیائی اور خود ساختہ خداؤں کی طرح ان پر مسلط رہے۔ ان کی گرفت جابروں کی گرفت رہی وہ اپنی ہوا و ہوس کے مطابق فیصلہ کرتے غصہ میں آکر قتل کرتے۔ بدگمانی کی بنا پر گرفت کرتے۔ سفارشوں پر حدود معطل کر دیتے۔ خائنوں کو امین بناتے اور صاحبان امانت کی نافرمانی کرتے اور لگان و خراج کسی پر نہ بھی ہوتا تب بھی وصول کر لیتے۔ اور بے محل اُن کو صرف کرتے۔"

بنی اُمیّہ کی طرف سے یہ صفائی دینے والے بحتری شاعر کے اس شعر کی کیا توجیہ کریں گے جس میں اس نے بنی امیہ کے زمانہ کے لوگوں کے خیالات کی ترجمانی اور اس عہد کی تصویر کشی کی ہے

انا نکفر من امیة عصبة

طلبوا الخلافة فجرة و فسوقا

ہم بنی امیہ کے اس گروہ کو کافر قرار دیتے ہیں جنہوں نے فسق و فجور کے ذریعہ خلافت حاصل کی۔ بنی امیہ کے حالات و کیفیات ان کا ظالمانہ طرزِ حکومت اُن کے منصوبے اور ارادے جس طرح پہلے زمانہ کے لوگوں کو یقینی طور پر معلوم تھے۔ اسی طرح بعد کے آنے والوں کو بھی معلوم رہے اور جس طرح اموی حکام کے قتل و غارت فتنہ و فساد تباہ کاری اور غارتگری کے واقعات کو عربی مورخین نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح غیر ممالک کے مورخین نے۔ یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا اعتراف مصر اور دیگر ممالک کے ان مصنفین کو بھی ہے۔ جو بنی امیہ کی حمایت اور ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں سرگرمی دکھلاتے ہیں۔ خود کہتے ہیں۔

"مشرق و مغرب کے زیادہ تر مورخین بنی امیہ پر سخت و شدید حملے کرتے ہیں۔
سوا پولیوس ولہارزن کے کہ اُس کا رویہ کسی حد تک معتدل ہے"

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ واحد مستشرق پولیوس ولہارزن جو بنی امیہ کے متعلق دیگر مستشرقین کا ہمنوا نہیں۔ اُس کا رویہ بھی پوری طرح معتدل نہیں بلکہ "کسی حد تک معتدل ہے"

مصری مصنف کے اس فقرہ میں صریحی اعتراف ہے اس بات کا کہ اس واحد مستشرق کو ایسے شواہد میسر نہ ہو سکے جس کی بنا پر وہ بنی امیہ کی کھل کر پاسداری کر سکتا اور اس کا رویہ اُن کے متعلق پوری طرح معتدل ہوتا نہ کہ کسی حد تک البتہ ہم اس مصری مصنف کو ایک دوسرے مستشرق کا پتہ دیتے ہیں جس نے واقعی بنی امیہ کی پوری حمایت و پاسداری کی ہے اور وہ فرانسیسی مورخ لائنس ہے جس نے خصوصی اغراض کے تحت زورِ قلم صرف کیا ہے۔ ہم عنقریب اس مورخ کی عبارتوں پر تبصرہ کریں گے۔

ان دو کو چھوڑ کر مستشرقین کی غالب اکثریت نے امری حقیقت کی ایسی تصویر کھینچی ہے جو خسر زند ابوسفیان اور اولادِ مروان کے حامیوں کو ہرگز پسند نہ آئے گی۔ ان مستشرقین میں نمایاں شخصیت کا زانوفنا کی ہے جس کا فقرہ ہے۔

بنی امیہ کی سرشت دو چیزوں سے مرکب تھی۔ ایک مالداری کی طمع ہوسناکی کی حد تک دوسرے فتحیابی کی غبت لوٹ مار کے ارادے سے اور سرداری کی لالچ صرف لذائذ دنیوی سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے بہرحال خواہ وہ مورخین عرب ہوں یا مستشرقین ان میں سے کسی نے بھی اموی سرشت اور فطرت کی ویسی صحیح تصویر کشی نہ کی ہوگی جیسا کہ خود اموی خلیفہ ولید بن یزید نے اپنے بعض اشعار میں کی ہے۔

فدع عنك ادّكارك آل سعدى ... فنحن الاكثرون حصى و مالا
ونحن المالكون الناس قسرا ... نسومهم المذلة والنكالا
ونوردهم حياض الخسف ذلا ... وما نالوهم الا خبالا

سعدی کے گھر والوں کا تذکرہ جانے دو ہم تعداد میں بھی ان سے زیادہ ہیں اور مال و دولت میں بھی ہم زور زبردستی سے لوگوں کے مالک ہیں انہیں ہر طرح ذلیل و خوار کرتے ہیں اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہیں انہیں ذلیل و خوار کرکے تباہی و بربادی کے چشموں پر لاتے ہیں وہاں پہنچ کر انہیں ذلت و بربادی ہی نصیب ہوتی ہے۔

اگر بنی امیہ کے حمایتی اور ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے والے ان تمام باتوں کو ٹھکرا دیں گے جو مورخین نے اموی نفسیۃ اور اموی ذہنیۃ کے متعلق بیان کی ہیں ان تمام عربی و فرنگی جدید و قدیم خاص و عام کے بیانات رد کر دیں گے تو کیا وہ ولید بن یزید کے اس قول کو بھی رد کر سکتے ہیں۔؟

حسینؑ و یزید

وہ تمام حوادث و واقعات جن سے حسین گذرے شاہد ہیں کہ وہ اخلاقی حیثیت سے عرش بریں تھے اور وہ تمام حوادث و واقعات جن سے یزید گذرا وہ ثبوت ہیں کہ وہ زمین کا آخری طبقہ تھا ثبوت کے لئے واقعہ کربلا کافی ہے یہ واقعہ بولتی ہوئی زباں بھی رکھتا ہے اور اشارہ کرتا ہوا ہاتھ بھی لیکن یزید وہ انتہائی بدمست پکا شرابی تھا۔ ریشم پہنتا اور طنبورہ بجاتا تھا۔

من جملہ ان افراد کے جو ان دونوں (ہاشمی و اموی) گھرانوں کا انتہائی مکمل نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئے۔ حسینؑ ابن علی اور یزید بن معاویہ تھے، حسین علیہ السلام اپنے وقت کے مکمل ہاشم تھے اور یزید اپنے وقت کا مکمل عبد شمس مگر فرد کے خصوصی اوصاف صحیح ترجمان ہو سکتے ہیں اس ماحول کا جس میں اس فرد نے پرورش پائی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ حسین اور یزید دونوں اپنے اپنے خاندانوں کا جیتا جاگتا نمونہ بن کر مقابل ہوئے۔ حسین ہاشمی خانوادہ کے نمائندہ تھے تو یزید اموی گھرانے کا نمائندہ تھا۔ بس فرق تھا تو یہ کہ حسین ہاشمی فضائل و کمالات کا بہترین مرقع تھے۔ اور یزید بنی امیہ کی خوبیوں سے بھی عاری تھا۔

حسین فاطمہ بنت پیغمبر کے لخت جگر اور علی ابن ابی طالب کے فرزند تھے۔ ان کی پیدائش پر پیغمبر نے انہیں اپنی آغوش میں لیا اور ان کے کانوں میں اذان کہی تاکہ ان کی روح میں اپنی روح سمو دیں اور انہیں اپنے وجود اور اپنی حیات کا ایک حصہ بنالیں اور اُن کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیں کہ وہ ایک مخصوص غرض و غایت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور ان کی زندگی کے لئے متعین دستور حیات ہے۔

پیدائش کے ساتویں دن پیغمبر نے انتہائی فرحت و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا میں نے اپنے اس فرزند

کا نام حسین رکھا۔

بچہ دن بدن بڑا ہوتا گیا اس حالت سے کہ اس کے اندر نانا کی روح باپ کے دل کی دھڑکنیں اور رسالت کی گہری چھاپ تھی۔ باپ دادا اور بزرگان سلف کے کمالات وخصوصیات سب اس بچہ کی سرشت میں اکٹھا ہو گئی تھیں اور جوں جوں بچہ کی نشوونما بڑھتی جاتی یہ کمالات وخصوصیات بھی اس میں ترقی کرتے جاتے۔

اوصاف وکمالات کا باپ داداؤں سے بیٹوں پوتوں میں منتقل ہوتے رہنا فطرت کا ایسا قانون ہے جس میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔ جس طرح شکل وصورت، رنگ وروپ اور ظاہری ومادی خصوصیات باپ دادا سے بیٹوں، پوتوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں اسی طرح آباؤ اجداد کے کمالات وخصوصیات بھی۔

حسینؑ ۶ برس کی عمر تک اپنے نانا کے زیر سایہ رہے۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد صحابہ کرام حسینؑ سے محبت والفت کرکے پیغمبرؐ کی پیروی کرتے رہے۔ محبت کرنے کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ شکل وشمائل میں حسین کو عظیم ترین شباہت تھی۔ پیغمبرؐ سے جیسا کہ ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے پیغمبر خداؐ کی بھی زیارت کی اور آپ کے نواسوں کو بھی دیکھا۔

باپ دادا کے ناموں اور کارناموں کو بچہ کے نشوونما اور اس کے مستقبل کو تابناک بنانے میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ بچہ کم سنی ہی سے اپنے بزرگوں کے نام اور بزرگیوں کے تذکرے سنتا ہے اس کے ذہن ودماغ میں اُن بزرگوں کی تصویر سی کھینچ آتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ فطری طور پر اس بچہ میں بھی وہی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جو بزرگوں کے تھے۔ بچہ یوں بھی باپ دادا کے اوصاف وکمالات کا وارث ہوتا ہے۔ پھر ہر وقت کے ساتھ اور ایک مکان میں رہنے کے بھی بہت کچھ اثرات ہوتے ہیں۔

اطالوی محقق البتا گوری، نشوونما اور تربیت کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"میرے خیال میں تربیت کی مثال ایک پھل دار درخت کی ہے جو پانی کی نہروں کے پہلو میں ہو۔ اس درخت کی اصل صرف ایک چھوٹا سا تخم تھی۔ خداوند عالم نے اس تخم میں اس درخت کی صورت اس کے خواص اور پھل ودیعت کر رکھے تھے۔ جب یہ بیج بو یا گیا اور درخت لگانے والے نے اس کی مناسب طریقہ سے نگہداشت کی تو وہ تخم پودے کی شکل میں ظاہر ہوا پھر پروان چڑھا اور تناور درخت بن گیا اور اس میں پھل آنے لگے حالانکہ اصل میں وہ وہی چھوٹا سا تخم ہے۔"

"یہی کیفیت بچہ کی ہوتی ہے۔ جس میں خداوند عالم نے ایسی قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں جو دیکھ بھال اور تعلیم وتربیت سے نشوونما پاتی ہیں۔ رفتہ رفتہ کرکے اس کے اعضا مضبوط ہوتے اور اس کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک دن ان قوتوں کے مجموعہ سے ایک اکائی بن جاتا ہے۔ لہٰذا مربی پر واجب ہے کہ بچہ کی بدنی، ادبی، عقلی قوتوں کی مساعدت کرے اور اس کے پیدائشی نوبیں معاون ہو۔ صنوعی طریقے ہرگز استعمال نہ کرے۔

پھر حسینؑ نے اپنے عظیم باپ کو دیکھا۔ اُن کی پامردی وثبات قدم، اُن کا عدل وانصاف، اُن کی شفقت وعطوفت مظلوم کی نصرت، ریاری مظالم پر غیظ وغضب، دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور کمال مہربانی دیکھی۔ جنگ جمل وصفین اور نہروان میں باپ کے پہلو بہ پہلو رہ کر ان کی محیّر العقول شجاعت کے نمونے دیکھے، بھلائی کے لئے جنگ کرنے کے طریقے سیکھے اور غریب عوام کو ظلم وستم سے محفوظ رکھنے کی خاطر اپنے کو قربان کرنے کا انداز سیکھا۔

حسینؑ کی مادر گرامی انتہائی نرم دل اور حد سے زیادہ شفیق ومہربان طبیعت تھیں۔ اسی نرم دلی اور شفقت ومہربانی کی وجہ سے پدر بزرگوار کی تکلیفوں پر اُن کا دل سدا کڑھتا رہتا تھا۔ پیغمبرؐ واصحاب پیغمبرؐ کے ساتھ قریش والوں کی بدسلوکیاں اور اُن کی جان لینے کی تدبیریں ہمیشہ غمگین بنائے رہتیں۔ اُن کے حزن واندوہ اور رنج والم کی اُس دن تو انتہا نہ رہی جس دن کہ غزوہ احد پیش آیا اور قریش والوں نے بہت سے مسلمانوں کو ہلاک کیا اور اُن کے مردوں کا مُثلہ کیا۔ ان کے لئے کتنا اندوہناک وہ منظر تھا جب انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کو اپنے چچا حمزہ پر گریہ فرماتے دیکھا۔ سیّدہ مرتے دم تک اس منظر کو فراموش نہ کر سکیں۔

سیّدہ کے اسی حزن واندوہ اور گہرے رنج والم کے عالم میں حسینؑ شکم مادر میں تھے۔ پیدا ہونے پر وہ مادرِ گرامی کے یہی تاثرات اور یہی اندوہناکی و دل گرفتگی ساتھ لے کر آئے۔ اس وراثت کے آثار حسینؑ کی طفولیت میں بھی نمایاں رہے اور جوانی میں بھی وہ گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہمیشہ متفکر رہتے۔ ہنسی، دل لگی کی طرف رغبت نہ تھی بہت زیادہ حساس طبیعت تھے۔ پھر وہ ابھی سات برس کی عمر تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ہجوم کو نانا پر روتے دیکھا۔ وہ نانا جو حسینؑ کے لئے عظیم ترین محبت وشفقت کا سرچشمہ تھے۔ مسلمانوں کے گروہ ایک ایک کر کے اُن کے گھر پر آتے اس حال سے کہ آنکھوں سے آنسو جاری چہروں پہ بلا کا حزن واندوہ مسلّط اور فرط الم سے زبانیں گنگ ہوتیں۔ وہ اپنی مادرِ گرامی کے پاس سے کسی وقت ہٹتے نہیں جو کہ گھر میں ہر وقت باپ کو یاد کر کے رویا کرتیں۔ کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ ان کی مادر گرامی اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد ایک مرتبہ بھی ہنسی ہوں۔ ان کی یہی کیفیت مرتے دم تک رہی۔ یہاں تک کہ اپنے باپ سے جا ملیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ انس بن مالک فاطمہؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منّت سماجت کی کہ اپنے اُوپر رحم کیجئے اتنا حزن واندوہ اور اس قدر گریہ وزاری نہ کیجئے صبر فرمائیے۔ فاطمہ نے جواب میں صرف اتنا کہا۔

انس! پیغمبرؐ کے جسد اطہر کو آغوش لحد کے سپرد کرنا تمہارے دل کو کیسے گوارا ہوا۔

اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ انس بھی ڈاڑھیں مار کر رونے لگے اس حال سے پہلے کہ فاطمہ کے حزن واندوہ نے اُن کا دل پارہ پارہ کر دیا تھا۔

وہ اپنی چھوٹی دکھیاری بہن زینب کو بھی حزن واندوہ کے گہوارہ میں پڑا دیکھتے اُن کا دل گھٹ کر رہ جاتا اور چپ سی لگ جاتی

حسینؑ اپنی ماں اور اپنی بہن کو دیکھتے، اور عالم تصور میں حزن و اندوہ کی ان صورتوں کو دیکھتے جو اُن کے لئے اُن کی بہن کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے مقدر چھپائے تھا۔ اُن کا دل کہتا کہ ہمیں اور ہماری بہن زینب کو تھوڑے ہی دنوں میں مادر گرامی پر آنسو بہانا ہے اور اُن کے بعد والد بزرگوار پھر بھائی حسنؑ کا سوگ منانا ہے اور ہماری اولاد کو ہولناک سلسلۂ مصائب کا سامنا کرنا ہے۔

حسینؑ نے چند ہی دنوں کے بعد اپنی مادر گرامی کو ماں جائی زینبؑ سے یہ وصیتیں کرتے سنا۔

تم حسنؑ و حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا، اُن کی ہر بات کی نگہداشت کرنا اور میرے بعد اُن کے ساتھ ماں کے فرائض ادا کرنا۔

اُن کی مادر گرامی نے اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے ٹھیک ۳ مہینے بعد انتقال کیا۔ حسینؑ کھڑے ہوئے ماں سے وداع ہو رہے تھے۔ نظریں کبھی ماں جائی زینب پر پڑتیں جنہیں فرط الم سے چُپ سی لگی ہوئی تھی۔ کبھی اپنے باپ، پر کبھی بھائی پر جو سیّدہ کو وداع کرتے ہوئے خون کے آنسو رو رہے تھے۔

اسی طرح حسینؑ نے لامتناہی رنج و الم سے بھری فضا میں بچپن کی منزلیں طے کیں۔ جب سن شباب پر پہنچے تو اپنی قوم والوں کو پدر بزرگوار کے راستہ میں قدم قدم پر حائل اور برسر پیکار ہوتے ہوئے پایا۔ حضرت عائشہ اور اُن کے انصار کے طرز عمل نے اُن کے حزن و اندوہ میں اور اضافہ کر دیا۔ پھر آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ معاویہ، عمرو عاص اور اُن کے ساتھیوں کی غداریاں دیکھیں۔ ان غداریوں نے دنیا آپ کی آنکھوں میں اور تاریک کر دی اور زندگی فضول سی معلوم ہونے لگی۔ اگر کجی و بے راہ روی کو اس محیّر العقول جرأت و بے خوفی سے دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ جس جرأت و بے خوفی سے آپ کے پدر بزرگوار نے کام لے کر دور کرنے کی کوشش کی۔

اُس دن تو حزن و اندوہ اور رنج و الم کے تمام اسباب اکٹھا ہو گئے جس دن دست گنہگار و خطاکار نے تلوار کا بھرپور وار آپ کے پدر بزرگوار کی پیشانی پر لگایا جب کہ آپ مسجد میں محو عبادت تھے۔ اس ضربت کے بعد آپ دو دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے۔ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ظلم و ستم پیشہ افراد کو اپنی سلطنت و اقتدار قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔

کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کے بھائی امام حسنؑ زہر سے شہید ہوئے یہ دیکھ کر آپ کے صدمہ و ملال حیرت و دہشت کی انتہا نہ رہی کہ بنی اُمیّہ اور اُن کے حوالی موالی آپ کے بھائی کے جنازہ پر تیر بارانی کر رہے ہیں۔ آپ کے علم میں یہ بھی آیا کہ معاویہ آپ کے پدر بزرگوار اور بھائی کو منبروں پر سبّ و شتم کئے جانے کا حکم دیتے ہیں بلکہ آپ نے خود اپنے کانوں سے معاویہ کو سبّ و شتم کرتے سنا غرضکہ حزن و اندوہ صدمہ و ملال کے نئے نئے اسباب پیدا ہوتے رہے یہ وہی اسباب تھے جن کی انتہا آگے چل کر کربلا میں ہوئی جہاں دنیا کا شرمناک ترین جرم ذلیل و خوار سپاہیوں اور ان کے کمینے افسروں کے اشتراک سے عمل میں آیا جنہوں نے مٹھی بھر حسینؑ کے ساتھیوں اُن کے بچوں اور اُن کے گھر والوں پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یہ تھی حسینؑ کی نشو و نما بلحاظ میراث کے اور بلحاظ تربیت کے اور یہ تھے اسباب ان کے حزن و اندوہ کے۔ حزن و اندوہ جس کا انہیں دنیا میں آکر آنکھیں کھولتے ہی سامنا کرنا پڑا جس طرح ان کے نانا۔ اُن کی مادر گرامی اُن کے پدر بزرگوار کو جھیلنے پڑے یہ حزن و اندوہ اُن کی فطرت میں داخل ہوگیا۔ اسی حزن و اندوہ کی وجہ سے اُن کے اخلاق انتہائی نرم ہوگئے اور انہیں اسباب حزن و اندوہ نے انہیں لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونے اور ظالموں سے دشمنی رکھنے پر مائل کیا۔

میراث و تربیت کے اُصول کی بنا پر حسینؑ کہا کرتے۔

الحلم زينة والوفاء مروة والاستكبار صلف والسفة ضعف ومجالسة اهل الفسق ريبة۔

حلم زینہ ہے، وفا مردانگی ہے، کبر و غرور نادانی، کمزوری اور فاسقوں کی ہم نشینی شک و شبہ میں ڈال دینے والی ہے

لا تتناول الا ما رايت نفسك له اهلاً

وہی چیز حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے لائق اپنے کو پاؤ۔

لا ارى الحياة مع الظالمين الا برما۔

ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا عاجزی و خواری ہے۔

الصدق عز والكذب عجز۔

سچائی عزت ہے اور جھوٹ عاجزی۔

یزید کون تھا؟

یہ شخص اموی گھرانے کی تمام برائیوں کا وارث تھا۔ بنی امیہ کی جو افتاد مزاج تھی جو اُن کا عقیدہ و مسلک تھا، معاملات کو وہ جس نظر سے دیکھتے تھے۔ ٹھیک وہی افتاد مزاج وہی عقیدہ اور مسلک اور معاملات کو دیکھنے کا وہی انداز اس کا بھی تھا۔ خاندانی برائیوں کے علاوہ دوسرے بدکار و بے حیا لوگوں کی شرارت و فساد اور شیطانی حرکتیں مستزاد تھیں وہ اپنے باپ کے ان ظاہری صفات کا حامل بھی نہ ہوا جنہیں خوبیاں کہہ کر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ حقیقۃً حکومت و اقتدار کو مضبوط بنانے کے وسیلے تھے بلکہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یزید میں اپنے خاندان والوں کی تمام برائیاں تو ایک ایک کرکے اکٹھا ہوگئی تھیں مگر ان کی خوبیاں سرے سے نادار تھیں۔ بنی امیہ میں دوسرا کوئی ایسا نہیں گذرا جو یزید کی طرح کشتۂ لذائذ ہو۔ نہیں لذت کوشیوں اور رنگ رلیوں میں اُس نے اپنی جان بھی گنوائی چنانچہ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ گھوڑے پر بیٹھا بندر سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ گھوڑے سے گر پڑا اور اسی میں اس کی موت ہوئی۔ اس کے زمانہ کے لوگوں نے بڑے مختصر اور انتہائی جامع لفظوں میں اس کی تصویر کشی کی ہے۔

کان سکیرا خمیرا یلبس الحریر ویضرب بالطنابیر

وہ پکا بدمست بلا کا شرابی تھا ریشم پہنتا اور طنبورہ بجایا کرتا۔

اور جس قدر حسینؑ پیغمبرؐ کے مکارمِ اخلاق اور فضائل و کمالات کو چار چاند لگانے والے ثابت ہوئے۔ اتنا ہی یزید سفیانی رذائل اور پستیوں کو شرمناک سے شرمناک تر بنانے والا ثابت ہوا جس قدر حسینؑ میں ہمدردی و غمگساری اور دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونے کے جذبات تھے جیسا کہ عموماً پاکیزہ فطرت لوگوں کے دلوں میں ہوتے ہیں اتنی ہی یزید میں بے حیائی بے شرمی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

یزید نے اس گھر میں پرورش پائی جو اسلام کو ایک سیاسی تحریک سمجھتا تھا۔ بنی امیہؓ کے نزدیک پیغمبرؐ کی نبوت محض حکومت و اقتدار پر قابض ہونے کا ایک بہانہ تھی اور اسلام نام تھا اقتدار کے بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکل کر بنی ہاشم کے ہاتھوں میں چلے جانے کا اس کے ہم وطن اس کی نظروں میں محض سپاہ و لشکر تھے جن کا فریضہ تھا کہ وہ ہر حال میں حاکم کے وفادار رہیں اپنے ہموطنوں کے وجود کی غرض و غایت اس کے نزدیک صرف یہ تھی کہ وہ لگان و خراج ادا کرکے خزانہ کی دولت میں اضافہ کریں۔ وہ خزانہ جو صرف بادشاہ کے خرچ کے لئے ہوتا۔ جب ایسے گھر میں یزید کی نشو و نما ہوئی تو لازمی تھا کہ یزید بھی ٹھیک اسی راستہ پہ چلے جس راستہ پر اس کے باپ دادا اور خاندان والے جاہلیت اور اسلام میں چلے۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ وہ ایسے باپ کے گھر میں پلا بڑھا تھا۔ جس میں مسلمانوں کے اموال لبالب بھرے رہتے اور وہ باپ کی خواہشوں کے مطابق خرچ ہوتے جب دولت اور جہالت دونوں ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں تو ہرزہ کاری اور بیہودگی کے علاوہ اور کیا حاصل ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر جاہل سرمایہ دار کی طرح یزید بھی شراب کا رسیا، سیر و تفریح کا دلدادہ اور کتوں سے کھیلنے کا عادی تھا۔ یزید نے مسندِ حکومت پر بیٹھتے ہی اس خزانہ کو اپنی رندی ہوسناکی اور شہوت رانیوں میں لٹانا شروع کیا۔ ایک طرف وہ اپنے غلاموں کنیزوں ہم پیالہ و ہم نوالہ اور گانے بجانے والوں پر عوام کی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹاتا۔ کتوں کو جو بے شمار تعداد میں اس کے پاس تھے سونے کے کنگن اور چاندی کے زیور پہناتا اور مہنگے ریشمی کپڑوں میں ملبوس رکھتا دوسری طرف اس کے کارندے غریب و نادار رعایا کا گلا گھونٹ کر انہیں نت نئی تکلیفوں میں مبتلا کرکے اموال خراج اور ٹیکس کے روپے جمع کرتے پھرتے۔ اس کی حکومت صرف ۳ برس ۶ مہینہ رہی لیکن اس مختصر مدت میں وہ تمام رسوائیاں وہ تمام بیہودگی و شرمناکی اس نے اکٹھا کردی جو اموی سیاست کا نتیجہ تھیں۔

مذکورۂ بالا لہو و لعب اوباشی و ہوسناکی اور آبا و اجداد کی برائیوں کے ساتھ اس یزید کے مزید کارنامے یہ ہیں کہ اس نے اپنی حکومت کے پہلے سال میں حسینؑ ابن علیؑ اور ان کے اعزہ و اقربا کو قتل کیا۔ ان کے گھر والوں کو قیدی بنایا دوسرے سال میں اس نے مدینہ کو لوٹا چونکہ اس کی عزت و حرمت کی دھجیاں بکھیر دیں اور اپنے لشکروں پر حرمت کعبہ کو تین دن کے لئے مباح کردیا گیارہ ہزار آدمی قتل کئے جن میں سات سو آدمی مہاجرین و انصار اور پیغمبرِ اسلام کے صحابہ کرام تھے ہزار سے زیادہ باکرہ عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

حسینؑ کی فطرت یہ تھی کہ اپنے باپ اپنے نانا کی پیروی میں ظلم و بغاوت سے جنگ کریں ان کا مقولہ تھا لا اری الحیاۃ مع الظلمین الا برما۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا عاجزی و خواری ہے اور یزید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سفاک و خوں ریز اور ستم پیشہ افراد کو سر چڑھاتا ان کے شرمناک و ذلیل جرائم پر انہیں خود بھی بڑے بڑے انعامات دیتا اور دوسروں کو بھی ان کی عزت و توقیر کرنے کا حکم دیتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک دن یزید شراب و کباب کی محفل گرم کئے بیٹھا تھا اس کے دائیں عبید اللہ بن زیاد تھا کربلا کے المیہ کا چیف ایکٹر۔ یہ واقعہ شہادتِ حسین کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد کا ہے یزید نے شراب پلانے والے کو خطاب کر کے کہا۔

استقنی شربۃ تروی فوادی ثم صل فاسق مثلھا ابن زیاد

صاحب السرو امانۃ عندی ولتسلب مغنمی و جھادی

ایسی شراب پلا جو میرے دل کو ٹھنڈا کر دے پھر ایسی ہی شراب ابن زیاد کو پلا جو میرا راز دار و امین اور مال غنیمت حاصل کرنے اور لڑائیاں فتح کرنے کا ذریعہ ہے۔

ابن زیاد کی عزت و توقیر کرنے میں اس کی حالت کتنی ملتی جلتی ہے۔ عبدالملک بن مروان سے جس نے اپنے فرزندوں کو عظیم ترین جفاکار حجاج بن یوسف کی عزت و توقیر کرنے کی وصیت کی تھی۔

مختصر یہ کہ اگر معاویہ کے عہد میں خدائی لشکر، شہد کا تھا، زہر ملا ہوا تو یزید کے عہد میں بھی، خدائی لشکر نرا زہر ہی زہر تھا شہد کی ذرہ برابر آمیزش نہ تھی اس یزید کے عہد میں جاہلیت والی اموی عصبیت پوری طرح چمک اٹھی۔ تاریخ کا کوئی واقعہ بھی ایسے شخص کو پیش کرنے سے قاصر ہے جو یزید سے بڑھ کر ننگ انسانیت و آدمیت ہو وہ یزید جو واقعہ کربلا کا بانی مبانی تھا اسی طرح تاریخ کا کوئی واقعہ بھی حسینؑ سے بڑھ کر بلند کیریکٹر اور عظیم المثال کردار کا انسان پیش نہیں کر سکتا وہ حسینؑ جو کربلا کے روح فرسا حادثہ کے شہید تھے، یزید کے صفحات تاریک ہی تاریک ہیں اور حسینؑ کے صفحات عظمت و جلالت سے لبریز اس طرف امیہ کی سوداگری تھی، ریاست تھی، اس کے غلام تھے جلاد تھے، دوسری طرف خاندان ابو طالب کی بلند کرداری تھی۔ اُن کی دلیری و شجاعت تھی اُن کے آزاد و غیور افراد تھے اُن کے شہداء راہ حق تھے۔

منطق و استدلال کسی حقیقت کو ثابت کرنے میں اتنے کامیاب نہیں جتنا واقعات و حوادث خود کسی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ جب واقعات و حوادث میں ہر برہان قاطع اور ہر دلیل موجود ہوتی ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں کہ وہ تمام حادثات و واقعات جن سے حسینؑ گذرے شاہد ہیں کہ وہ کردار کے لحاظ سے حرش بریں تھے اور وہ تمام حوادث و واقعات جن سے یزید گذرا وہ ثبوت ہیں کہ وہ زمین کا آخری طبقہ تھا۔ اس کے ثبوت کے لئے واقعہ کربلا کافی ہے۔ یہ واقعہ۔ بولتی ہوئی زبان بھی رکھتا ہے اور اشارہ کرتا ہوا ہاتھ بھی۔

واقعہ کربلا کے المیہ سے پہلے ایک اور واقعہ بھی پیش آیا جس کا ایک کردار حسین تھے دوسرا کردار یزید تھا وہ حسین جو نیکوکاروں کے جذبہ خلوص وہمدردی کا مجسمہ تھے یعنی ظلم سے نفرت وبیزاری کا جذبہ جہاں بھی ظلم ہو اور یزید جو اوباشوں اور ہرزہ کاروں کی بیحیائی وبے شرمی کا مجسمہ تھا یہ واقعہ حسینؑ ویزید کے کردار کو نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ بنی ہاشم کے اس حلف الفضول کی یاد بھی تازہ کر دیتا ہے جو انہوں نے عرب کے چند قبائل کے ساتھ مل کر کیا تھا جس کی خاص دفعہ یہ تھی کہ مظلوم کا ساتھ دے کر اس کو اس کا حق دلوائیں گے اور صاحبان قوت وطاقت کو غریبوں پر ظلم کرنے سے باز رکھیں گے۔ یزید کے آباؤ اجداد نے اس معاہدہ کی مخالفت کی تھی اور حسینؑ کے آباؤ اجداد نے سرگرمی سے حمایت وتائید۔

بے شک، یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا ایک کردار حسینؑ اور ان کے گھرانے والے ہیں اور دوسرا کردار یزید ہے۔

یزید بن معاویہ کو عبداللہ بن سلام قریشی کی بیوی اُرینب بنت اسحاق کے حسن وجمال کی خبر ملی۔ یہ اُرینب اپنے وقت کی حسین ترین عورت تھی۔ بہت دولت مند اور زیورِ تعلیم سے آراستہ یزید اس پر نادیدہ عاشق ہو گیا جب صبر وضبط مشکل ہو گیا تو اُس نے اپنے باپ معاویہ کے چہیتے غلام رفیق سے اپنا حال بیان کیا اُس نے معاویہ کو اس عشق کی اطلاع دی اور کہا آپ کے فرزند کی طاقتِ برداشت جواب دے رہی ہے اور اس کا سینہ تنگی کرنے لگا ہے۔ معاویہ نے یزید کو بلا بھیجا اور حقیقت حال دریافت کی۔

یزید نے کہا:۔ ابا جان! آپ واقف ہیں کہ اس زمانہ میں اُرینب بنت اسحاق کے حسن وجمال کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور اُس کے ادب دانشمندی اور قابلیت کا چرچا تمام شہروں میں ہے اس کی محبت نے میرے دل پر بُری طرح سے قبضہ کر لیا ہے اور میرا خواب وخور حرام ہو رہا ہے۔

معاویہ نے کہا:۔ ذرا صبر کرو گھبراؤ نہیں کوئی نہ کوئی صورت ہو ہی جائے گی۔

یزید نے کہا:۔ اب کس بات پر آپ ہمیں تسکین دے رہے ہیں اب تو تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اُس کا نکاح بھی ہو گیا۔

معاویہ نے کہا۔ بیٹا اب تم اس بات کو چھپاؤ۔ اس راز کے فاش ہونے سے تو تمہیں کچھ نفع نہیں ہو سکتا۔ خدا اپنے امور کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر رہتا ہے اور جو بات ہو جاتی ہے اس پر کسی کا بس نہیں چلتا۔

معاویہ نے تدبیریں سوچنی شروع کر دیں کہ کس طرح یزید کی تمنا پوری کی جائے اور اُرینب یزید کے حبالۂ زوجیت میں لائی جائے اُنہوں نے اُرینب کے شوہر عبداللہ بن سلام کو جو اُن کی طرف سے عراق کا حاکم تھا خط لکھا۔

"مجھے تم سے ایک کام ہے فوراً میرے پاس آؤ۔ اس کام میں تمہارا بڑا نفع ہے دیر نہ کرنا جلد پہنچو۔"

جب عبداللہ کو معاویہ کا خط ملا تو وہ فوراً روانہ ہوا شام میں معاویہ کے پاس پہنچا۔ اس نے بہت عزت واحترام سے اُسے مہمان کیا اور بڑی آؤ بھگت کی۔ اس وقت شام میں معاویہ کے پاس ابوہریرہ اور ابو درداء صحابیان پیغمبرؐ بھی موجود تھے معاویہ نے ان دونوں سے کہا۔

میری فلاں بیٹی جوان ہوگئی ہے مجھے اس کی شادی کی فکر رہتی ہے۔ میرے خیال میں عبداللہ بن سلام اچھا آدمی ہے چاہتا ہوں کہ اسی سے شادی کردوں۔

ابوہریرہ اور ابودرداء نے کہا خداوند عالم کی نعمتوں کا لحاظ اس کی نعمتوں کا شکر اور اس کی خوشنودی کی طلبگاری آپ سے بڑھ کر کون کرسکتا ہے آپ نے جو سوچا ہے اچھا سوچا ہے۔

معاویہ نے کہا تو آپ دونوں حضرات عبداللہ بن سلام سے مل کر اس کا ذکر کریں کہ معاویہ کی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی تم سے کردے تمہاری کیا رائے ہے؟ اگرچہ میں نے اپنی بیٹی کو اختیار دے دیا ہے کہ جس سے وہ منظور کرے گی، اسی سے میں اس کی شادی کروں گا مگر مجھے اُمید ہے کہ میری بیٹی بھی عبداللہ بن سلام کو پسند کرے گی اور انکار نہیں کرے گی۔

ابوہریرہ اور ابودرداء معاویہ کا پیغام لے کر عبداللہ بن سلام کے پاس گئے ادھر معاویہ مکان میں بیٹی کے پاس پہنچے اور کہا بیٹی ایک بات کہتا ہوں سنو۔ جب ابوہریرہ اور ابودرداء تمہارے پاس آئیں اور یہ کہیں کہ معاویہ عبداللہ بن سلام سے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں تو اُن سے کہہ دینا کہ ہاں عبداللہ بن سلام آدمی تو اچھا ہے وہ برابر کا بھی ہے اور قریبی رشتہ دار بھی، مگر اُس نے اُرینب بنت اسحاق سے شادی کرلی ہے میں ڈرتی ہوں کہ اس کے رہتے ہوئے وہ مجھ سے شادی کرے تو کہیں ہر عورت کی طرح میں بھی سوت کی آگ میں جلنے نہ لگوں اور اس طرح عبداللہ بن سلام کے خلاف کوئی ایسی بات میری زبان سے نکل جائے جس پر خداوند عالم غضبناک ہو اور وہ مجھ پر عذاب کرے ہاں اگر عبداللہ بن سلام اپنی بی بی اُرینب کو طلاق دے دے تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔

ابوہریرہ اور ابودرداء نے معاویہ کا پیغام عبداللہ بن سلام سے جب کہا تو اس کی مسرتوں کا ٹھکانا نہ رہا اُس نے فوراً اس پیغام کو منظور کرکے ابوہریرہ اور ابودرداء کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ آپ جائیں اور معاویہ کو ہماری طرف سے پیام دے دیں جب وہ دونوں معاویہ کے پاس پہنچے اور عبداللہ بن سلام کی منظوری کا حال بیان کیا تو معاویہ نے کہا میں تو پہلے آپ سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے خود یہ نسبت پسند ہے مگر میں اپنی بیٹی کو اختیار دے چکا ہوں کہ جس کو وہ منظور کرے گی اسی سے اس کی شادی کروں گا اب آپ لوگ اُس کے پاس جائیں اور دریافت کریں کہ اس کو عبداللہ بن سلام سے نکاح منظور ہے۔

یہ دونوں اس کے پاس گئے اُس نے وہی جواب دیا جو معاویہ اس کے پہلے اس کو سکھا پڑھا چکے تھے اب ان دونوں صحابیوں نے بیٹی کا پیام عبداللہ بن سلام تک پہنچایا۔ عبداللہ بن سلام کو جب معلوم ہوا کہ بغیر ارینب بنت اسحاق کو طلاق دیئے دختر معاویہ سے نکاح ناممکن ہے۔ اُس نے لالچ میں پڑھ کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور ابوہریرہ اور ابودرداء سے کہا کہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اُرینب کو طلاق دے دی ہے۔ اب آپ دونوں دختر معاویہ کے پاس جائیں اور میرے نکاح کا پیغام دیں۔

ان دونوں نے آکر معاویہ کو اس کی خبر کی اُنہوں نے کہا ہا! عبداللہ نے یہ کیا کیا اس قدر جلد اپنی بیوی کو طلاق کیوں دے

دی کاش وہ کچھ صبر اور انتظار کئے ہوتا تو بغیر طلاق ہی کے میں کوئی فکر کر لیتا۔

آپ لوگ اس وقت جائیں پھر دوبارہ آکر میری بیٹی کی رضامندی معلوم کریں۔

جب ابوہریرہ اور ابودرداء پھر معاویہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا آپ لوگ جا کر اب میری بیٹی سے دریافت کریں کہ عبداللہ بن سلام سے نکاح کے بارے میں کیا کہتی ہے کیونکہ اب تو اس نے اپنی زوجہ ارینب کو طلاق بھی دے دی ہے۔

ابوہریرہ اور ابودرداء پھر دختر معاویہ کے پاس گئے اُسے بتایا کہ عبداللہ بن سلام نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے یہ بھی بیان کیا کہ عبداللہ بن سلام بہت شریف اور لائق انسان ہے۔ دختر معاویہ نے کہا بے شک عبداللہ بن سلام قریش میں بلند درجہ کا آدمی ہے۔ آپ لوگ یہ جانتے ہی ہیں کہ شادی بیاہ عمر بھر کا معاملہ ہے ہنسی کھیل نہیں کہ انسان بغیر سوچے سمجھے کر بیٹھے۔ آپ حضرات اس وقت تشریف لے جائیں میں اس امر میں اچھی طرح غور کر لوں تب جواب دوں گی۔ دونوں نے دختر معاویہ کو دعائیں دیں اور واپس جا کر اس کے جواب سے عبداللہ بن سلام کو مطلع کر دیا۔ عبداللہ بن سلام نے کہا خیر آج نہ سہی چند دن کے بعد سہی۔

شہر میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ عبداللہ بن سلام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور دختر معاویہ کو شادی کا پیغام بھیجا ہے۔ معاویہ کی چالبازی اور یزید کی بدکرداری سے چونکہ سبھی واقف تھے اس لئے لوگ عبداللہ بن سلام کو لعنت ملامت کرتے کہ اس نے بغیر بات پکی کئے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

چند دنوں کے بعد پھر عبداللہ بن سلام نے ابوہریرہ اور ابودرداء کو دختر معاویہ کے پاس بھیجا۔ ان دونوں نے آکر دختر معاویہ سے کہا تم کو جو فیصلہ کرنا ہے کر ڈالو۔

اس نے کہا:۔

مجھے امید ہے کہ خدا نے میرے حق میں اچھا ہی کیا۔ کیونکہ جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ میں نے اس معاملہ میں خوب غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ عبداللہ بن سلام اس قابل نہیں کہ اس سے میرا نباہ ہو سکے میں نے اپنے بہی خواہوں سے بھی مشورہ کیا تو کوئی رائے دیتا ہے اور کوئی منع کرتا ہے۔

جب عبداللہ کو دختر معاویہ کا یہ جواب معلوم ہوا تو یقین ہو گیا۔ میرے ساتھ فریب کیا گیا ہے۔ اس کے حزن و اندوہ کی انتہا نہ رہی۔

یہ خبر تمام پھیل گئی۔ ہر شخص کی زبان پر عبداللہ بن سلام کا قصہ تھا اور سب نے معاویہ کی انتہائی ملامت کرنا شروع کیا اسی نے عبداللہ کو فریب دے کر اس کی زوجہ کو طلاق دلوائی جس سے اس کی غرض یہ تھی کہ ارینب کو اپنے بیٹے یزید کے لئے حاصل کرے۔

اپنے بیٹے کی آرزو پوری کرنے کے لئے معاویہ کے فریب کی پہلی منزل کامیاب رہی مگر قضا و قدر نے ان کے فریب کو ناکام کردیا یہ ناکامی حسینؑ ابن علیؑ کے ہاتھوں ہوئی جو اپنے باپ کا چلن لے کر جوان ہوئے تھے، مظلوم کی نصرت جن کی عادت بن چکی تھی۔

جب ارینب کی عدت کا زمانہ گذر گیا تو معاویہ نے ابو درداء کو اُس کے پاس بھیجا کہ جاکر اس کو یزید سے نکاح کا پیغام دیں۔ ابودرداء شام سے کوفہ روانہ ہوئے جب وہاں پہنچے تو اتفاق سے وہاں حسین بن علی بھی موجود تھے۔ ابودرداء نے خیال کیا کہ جب یہاں فرزند رسول تشریف فرما ہیں تو مجھے مناسب نہیں کہ حضرت کی زیارت کرنے سے پہلے کوئی کام کروں وہ سب سے پہلے آپ کی خدمت میں آئے۔ سلام و مزاج پرسی کے بعد امام حسینؑ نے کوفہ میں آنے کا سبب دریافت کیا۔ ابودرداء نے کہا یہاں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ معاویہ نے مجھے ارینب بنت اسحاق کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ یزید سے نکاح کرے پھر اُنہوں نے اس سلسلہ میں جو واقعات ہوئے تھے وہ تفصیل سے بیان کئے۔

امام حسینؑ نے کہا۔

مجھے بھی خیال ہوا تھا کہ اب ارینب دوسرے شخص سے نکاح کرے گی اس پر میں نے چاہا کہ اس کی عدت کا زمانہ ختم ہوجائے تو میں بھی اپنی طرف سے اس کے پاس پیغام بھیجوں۔ اب آپ یہاں آگئے ہیں، بہتر ہے کہ ارینب سے میرا پیغام بھی ذکر کر دیجئے گا وہ جس کو چاہے پسند کرے اور میں بھی اس کو اسی قدر مہر دوں گا جس قدر معاویہ نے یزید کی طرف سے دینے کا وعدہ کیا ہے۔

ابودرداء نے وعدہ کیا کہ میں آپ کا پیغام بھی اُس تک پہنچادوں گا۔

ابودرداء آپ سے رخصت ہوکر اُرینب کے پاس پہنچے اور کہا۔

خاتون محترم! خداوند عالم نے تمام اُمور اپنی قدرت سے خلق کئے اور اپنی طاقت و اقتدار کے ذریعہ اُن کی تشکیل و ترتیب کی ہر بات کے لئے تقدیر ہے اور ہر تقدیر کے لئے سبب ہے خدا سے بھاگ کر کہیں جانے کی جگہ نہیں مقدرات الٰہی سے یہ بات تھی کہ عبداللہ بن سلام تمہیں طلاق دے دے۔ اس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں تمہاری خواستگاری یزید بن معاویہ نے بھی کی ہے اور حسین ابن علی نے بھی میں ان دونوں کی طرف سے تمہارے پاس نکاح کا پیغام لے کر آیا ہوں جس سے تمہیں نکاح منظور ہو قبول کرلو۔

اُرینب یہ سُن کر تھوڑی دیر خاموش رہی، پھر بولی:۔

اگر یہ دونوں پیغام آپ کے سوا کوئی اور شخص میرے پاس لاتا تو میں آپ کے پاس آدمی بھیج کر آپ کو بلاتی اور آپ کی رائے پر عمل کرتی پھر جب کہ آپ ہی پیغام لائے ہیں تو میں اس معاملہ کو آپ کے حوالے کرتی ہوں جو آپ کہیں گے وہی مجھے منظور ہے۔

ابودرداء نے کہا میرا کام تم تک پیغام پہنچا دینا تھا پسند کرنا تمہارا کام ہے۔

اُرینب نے کہا یہ آپ کیا فرماتے ہیں میں آپ کی بھتیجی ہوں میں آپ کے مشورے کے بغیر کچھ کر ہی نہیں سکتی۔

جب ابودرداء نے دیکھا کہ بغیر اپنی رائے دیئے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تو کہا:۔

فرزند رسولؐ مجھے زیادہ پیارے اور اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

ارینب نے کہا مجھے بھی دل وجان سے منظور ہے اور میں حضرتؑ ہی کو پسند کرتی ہوں۔

امام حسینؑ نے ارینب سے نکاح کر لیا اور اُسے اس کا مہر ادا کر دیا۔

جب معاویہ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو اُن کے غم وغصّہ کی انتہا نہ رہی۔ ابودرداء کو انہوں نے خوب صلواتیں سنائیں پھر خود کہا:۔

ابودرداء کا کیا قصور یہ خود میری غلطی ہے جو شخص سادہ لوح لوگوں کو ایسے مشکل کام کے لئے تجویز کرے گا وہ تو ناکام ہوگا ہی۔

عبداللہ بن سلام جب معاویہ کے بلانے پر شام جانے لگا تھا تو بہت سا مال ارینب کے حوالے کرتا گیا تھا جب معاویہ کے پاس رہ کر عبداللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور پھر دختر معاویہ نے بھی اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اور لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ معاویہ نے عبداللہ کو دھوکا دے کر اُس کی بیوی کو طلاق دلوا دی ہے تو اس بدنامی کا الزام معاویہ نے عبداللہ بن سلام پر رکھا کہ اس نے مجھے فضیحت ورسوا کیا اُس نے عبداللہ کو ملازمت سے بھی برطرف کر دیا اور جو خرچ وغیرہ دیتا تھا اس کو بھی بند کر دیا۔ عبداللہ دانے دانے کو محتاج ہو گیا اور سخت پریشانی اور فقر وفاقہ میں بسر ہونے لگی جب اُس کی مصیبت برداشت سے باہر ہوگئی تو عراق واپس آیا یہ خیال کر کے کہ میں نے جو روپے اُرینب کے پاس امانت رکھوائے تھے شاید وہ مل جائیں دل کو یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ کہیں ارینب میری بدسلوکی اور ناحق طلاق دے دینے کی وجہ سے اس امانت ہی سے انکار نہ کر دے۔ عراق آنے کے بعد اُس نے امام حسینؑ سے ملاقات کی اور عرض کیا:۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ کس طرح دھوکہ میں آکر مجھے اپنی ارینب کو طلاق دینا پڑا۔ میں نے اس کے پاس کچھ مال و متاع بطور امانت رکھوایا تھا اور شام جاتے وقت اُسے اُس کے پاس ہی چھوڑ گیا تھا۔ پھر اُس نے اُرینب کی شرافت اور وفاداری کی بہت تعریف کی اور عرض کیا آپ ارینب سے میرا ذکر کریں۔ اور فرمائیے کہ میری امانت مجھے واپس دے دے اس طرح فقر وفاقہ سے ممکن ہے میں بچ جاؤں۔

امام حسینؑ نے گھر آکر ارینب سے کہا۔ عبداللہ بن سلام آیا تھا تمہاری بڑی تعریف کی اور تمہاری ایمانداری اور دیانت وغیرہ کا بھی دیر تک ذکر کرتا رہا جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی اس نے یہ بھی کہا کہ تم سے رخصت ہوتے وقت اُس نے کچھ مال تمہارے پاس بطور امانت رکھا تھا اب مناسب ہے کہ اس کی امانت اُس کے حوالے کر دو اور اس کا مال اُسے لوٹا دو

کیونکہ میرے خیال میں اُس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے اور جس چیز کا دعویٰ کرتا ہے حق ہے

اُرینب نے کہا ہاں اُس نے سچ کہا اُس نے جاتے وقت کچھ تھیلیاں میرے پاس رکھ دی تھیں مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ ہے کیا میں اسی طرح سربمہر آپ کی خدمت میں حاضر کرتی ہوں آپ اُسے دے دیں امام حسینؑ نے یہ سن کر اُرینب کی تعریف کی اور فرمایا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اُسے یہیں بلاؤں تم اُسے اپنے ہاتھ سے اس کی امانت واپس کر دو۔

پھر آپ عبداللہ بن سلام سے ملے اور فرمایا میں نے تمہارا پیغام اُرینب تک پہنچا دیا ہے اس کو انکار نہیں اور کہتی ہے کہ ہاں تمہاری امانت اسی طرح رکھی ہے نہ مہر توڑی گئی نہ تھیلی کھولی گئی ہے بہتر ہے کہ تم اُرینب کے پاس چلو اور اپنا مال واپس لے لو۔

عبداللہ بن سلام بہت شرمندہ ہوا اور عرض کیا آپ اُس سے کہہ دیں کہ میرا مال میرے پاس بھیج دے اب مجھے اس کے پاس جانے سے شرم آتی ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا نہیں، نہیں وہ جس طرح تم نے اس کے ہاتھ میں دیا ہے اسی طرح وہ تمہارے ہی ہاتھ میں واپس کرے گی۔

اُسے ساتھ لئے ہوئے آپ دولت سرا تشریف لائے اور اُرینب سے کہا۔

یہ عبداللہ بن سلام آیا ہے اور اپنی امانت طلب کرتا ہے، جس طرح تم نے اس سے لیا اسی طرح واپس کر دو۔

اُرینب نے وہ تھیلیاں لا کر پردہ کے باہر رکھ دیں اور کہا یہ تمہاری امانت ہے۔ عبداللہ نے اُرینب کی اس دیانت پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اُس کی بڑی تعریف کی، امام حسینؑ دونوں کو چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئے۔ عبداللہ نے تھیلیوں کی مہر توڑی اور کچھ اشرفیاں اس میں سے نکال کر اُرینب کو دیں اور کہا میری طرف سے اس حقیر رقم کو قبول کرو اس پر دونوں آبدیدہ ہو گئے پھر کسی سے گریہ ضبط نہ ہوگا اور دونوں اس طرح چیخ کر رونے لگے کہ دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اور باہر تک پہنچیں جسے سن کر امام حسینؑ وہاں تشریف لائے اور بڑی شفقت و ہمدردی سے فرمایا:۔

مسلمانو! میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اُرینب کو اسی وقت طلاق دے دی۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اُرینب سے نکاح نہ تو اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر کیا تھا۔ نہ اُس کی دولت کی لالچ میں بلکہ صرف اس غرض سے کہ اُرینب اپنے شوہر پر حلال ہو جائے۔

شریعت اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی عورت کو کسی وجہ سے طلاق دے دے تو پھر وہ مرد اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا ہے۔ اُرینب کے بارے میں یہی ہوا کہ عبداللہ بن سلام نے اس کو طلاق دے دی تھی۔ اب اگر وہ چاہتا کہ پھر اس سے نکاح کرے تو نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اسلام نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے ہاں کسی اور شخص سے نکاح کر لیتی اور اُس کے ساتھ کچھ دنوں رہتی پھر یہ دوسرا شخص بھی اس کو طلاق دے دیتا تو اب وہ عبداللہ بن سلام سے دوبارہ نکاح

کر سکتی تھی۔ اسی وجہ سے امام حسینؑ نے اپنا پیام بھی ارینب کے پاس بھیجا اس خیال سے کہ اگر یزید کے پاس چلی گئی تو پھر عبداللہ سے کبھی نکاح نہیں کر سکتی لیکن اگر وہ مجھ سے نکاح پر راضی ہو جائے گی تو میں نکاح کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دوں گا اور وہ عبداللہ کے لئے دوبارہ حلال ہو جائے گی۔

اس طرح ارینب پھر عبداللہ کے حبالۂ زوجیت میں واپس آئی اور معاویہ کی تدبیر ناکام رہی

عبداللہ بن سلام نے ارینب سے نکاح کے بعد کہا۔ امامؑ نے مہر کی جو رقم تمہیں دی تھی بہتر ہے کہ حضرت کو واپس کر دو۔ اس نے وہ تمام روپے لاکر عبداللہ کے حوالے کئے کہ حضرت کو پہنچا دو۔ امام حسینؑ نے قبول نہیں فرمایا اور کہا۔

اس کار خیر کے عوض جو ثواب مجھے آخرت میں ملے گا وہ اس دنیا کی دولت سے کہیں بہتر ہے۔

علی ابن ابی طالب ہاشمی نے فرمایا۔

خدا کی قسم میں نے دوسروں کی طرح تمہاری دنیا سے خزانہ نہیں بنایا نہ مال و دولت اکٹھا کی سوا اس بوسیدہ چادر کے میں نے اپنے لئے کوئی لباس بھی نہیں رکھا۔ اگر میں چاہتا تو شہد اور گیہوں کی غذا میں بھی اپنے لئے فراہم کر سکتا تھا اور ریشمی لباس پہن سکتا تھا مگر ناممکن ہے کہ ہوا و ہوس کا مجھ پر غلبہ ہو اور حرص و طمع لذیذ غذائیں پسند کرنے پر مجھے آمادہ کریں ہو سکتا ہے کہ حجاز و یمامہ میں کوئی شخص ایسا بھی ہو جسے ایک روٹی کی بھی اُمید نہ ہو اور اپنی عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی شکم سیر نہ ہوا ہو۔ کیا میں خوب شکم سیر ہو کر خواب راحت کے مزے لوٹوں۔ درانحالیکہ میرے ارد گرد بہت سے ایسے افراد ہوں جن کی حالت بھوک سے غیر اور جن کے کلیجوں میں آگ لگی ہو کیا میں صرف نام کا امیر المومنین بننا پسند کروں اور لوگوں کے دکھ درد میں شریک نہ ہوں؟

اہواز کے ایک عامل کے نام آپ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"میں خدا کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر مجھے پتہ چل گیا کہ تم مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے ہوئے کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں ہیر پھیر کیا ہے تو یاد رکھو کہ میں ایسی مار ماروں گا جو تمہیں تہی دست، بوجھل پیٹھ والا اور بے آبرو کر کے چھوڑے گی"

لیکن معاویہ بن ابی سفیان! اُن کا مقولہ یہ تھا۔

"زمین خدا کی ہے اور میں خدا کا خلیفہ ہوں خدا کے مال سے جو لے لوں وہ میرا ہے اور جو چھوڑ دوں اُن کا لینا بھی میرے لئے جائز ہے۔

معاویہ، یزید، مروان بن حکم اور دیگر اموی سلاطین عوام کی دولت کو اپنے حوالی موالی دوست احباب پر لٹاتے تھے صرف اس لئے کہ اُن کی حکومت مضبوط ہو اُن کا اقتدار پائدار رہے وہ لوگوں کے سر کاٹتے تھے۔ ان کے پاس لشکر تھا شہد کا زہر ملا ہوا یا زہر کا بغیر شہد کے اور ہر فریق کے لئے یار و انصار تھے۔ علیؑ اور اُن کی اولاد کے بھی طرفدار و حمایتی گذرے اور معاویہ و یزید اور بنی اُمیہ کے بھی حمایتی ہوئے۔

فریقین کے یار و انصار

خدا کی قسم اگر وہ ہم سے اپنے اسلحے سے جنگ کریں اور ہمیں مدینہ تک پیچھے دھکیل لے جائیں تب بھی ہمیں یہ یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر

(عمّار یاسرؓ)

ہم آپ کے ساتھ مریں گے ۔ (انصار حسینؑ)

تم ہمیں کتنا دو گے ۔ (انصار یزید)

خاندان ابوطالبؑ کے رفقاء و انصار کا طرۂ امتیاز اور اُن کی روشن ترین خصلت جو جامع تھی ۔ تمام صفات کی وہ اُن کی بلند ہمتی تھی ۔ اُن کے نزدیک زندگی کا مقصد ہی یہ تھا کہ مظلوم کی نصرت عقائد صحیحہ کی ترویج اور راہِ حق میں جان نثار کرنے کی کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی جائے ۔ اُن کی تعداد کم تھی لیکن یہ کمی عیب نہیں کیونکہ بلند ہمّت اور شریف النفس انسان کم ہی ہوتے ہیں ۔ لیکن وہ جو گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں وہ کبھی مٹتے نہیں اور ان کی محنتوں کا نتیجہ بہت عظیم ہوتا ہے ۔ ان کی تعداد میں کمی اُن کی غرض و غایت کی عظمت و اہمیت اور مقاصد کی بلندی پر دلیل ہے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص وہ کارہائے نمایاں کر گذرتا ہے ، جسے ہزاروں آدمی بھی مل کر نہیں کر پاتے ۔ اولاد ابی طالبؑ کے اعوان و انصار ایسے ہی تعداد میں کم لیکن اپنے عقائد میں مضبوط و استوار اور اُن کی ترویج میں ثابت قدم تھے ۔

انہیں دوستانِ علی کو معاویہ مال و دولت اور جاہ و منصب کا لالچ دے کر ترغیب دلاتے کہ علی و اولادِ علی کو گالیاں دیں مگر یہ لوگ صاف انکار کر دیتے چاہے ترغیب کتنی ہی زبردست ہو اور جب ترغیب و تحریص سے کام نہ چلتا تو اس اُمید پر کہ شاید دھمکیاں زیادہ کارگر ہوں وہ ان لوگوں کو دھمکیاں دیتے کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو ہم سخت ترین عقاب میں مبتلا کریں گے مگر یہ لوگ

سخت سے سخت عذاب وعقاب کو برداشت کرنا پسند کرتے مگر علی کو بُرا کہنا اُن کی منقصت کرنا انہیں گوارا نہ ہوتا۔

معاویہ ایک مرتبہ اپنے حاشیہ نشینوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں میں احنف بن قیس بھی تھے کہ اتنے میں ایک شامی آیا اور کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگا اور تقریر کے آخر میں اُس نے علیؑ پر سب ّ و شتم کی۔ احنف نے کہا:

حضور اگر اس شخص کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء و مرسلین پر لعنت کرنے میں آپ کی خوشی ہے تو یہ شخص اُن پر بھی لعنت کرنے سے باز نہ رہے۔ خدا سے ڈریئے علیؑ کی جان چھوڑیئے وہ اپنے پروردگار سے ملاقی ہوئے۔ اپنی قبر میں تنہا ہیں بس وہ ہیں اور اُن کے اعمال۔ خدا کی قسم ان کی تلوار بڑی پاکیزہ تھی۔ ان کا لباس بہت طاہر تھا اُن کی مصیبت بہت عظیم ہے

معاویہ ۔ احنف تم نے ہماری آنکھوں میں دھول بھر دی اور جو جی میں آیا کہہ گئے خدا کی قسم تمہیں منبر پر جانا پڑے گا اور خوشی خاطر یا جبراً قہراً علی پر لعنت کرنی پڑے گی۔

احنف ۔ اگر آپ مجھے معاف کر دیجئے تو آپ ہی کے لئے بہتر ہے اور اگر مجبور کیجئے گا تو بہر حال میرے لب و زبان پر ایسے الفاظ ہرگز نہ آئیں گے۔

معاویہ ۔ چلو اٹھو منبر پر جاؤ۔

احنف ۔ میں منبر پر جا کر انصاف ہی سے کام لوں گا۔

معاویہ ۔ اگر تم نے انصاف سے کام لیا تو کیا کہو گے۔

احنف ۔ میں منبر پر جا کر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہوں گا۔

لوگو! معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں علی پر لعنت کروں بلاشبہ علیؑ؛ معاویہ نے نزاع کی اور ایک دوسرے سے لڑے۔ ان میں سے ہر شخص اس کا مدعی تھا کہ اس پر اور اس کی جماعت پر زیادتی کی گئی ہے لہذا جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا پھر میں کہوں گا۔ خداوندا ان دونوں میں سے جو بھی باغی ہو تو اس پر لعنت کر تیرے ملائکہ اور انبیاء و مرسلین لعنت کریں اور تمام خلائق لعنت کرے۔ خداوندا باغی جماعت پر لعنت کر بہت بہت لعنت لوگو! آمین کہو۔ معاویہ میں اس سے زیادہ ایک لفظ کہوں گا نہ کم چاہے اس میں میری جان چلی جائے۔

معاویہ ۔ تب میں تمہیں معاف کرتا ہوں (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۱۴۴، مستطرف جلد ۱ صفحہ ۵۴)

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ معاویہ علی سے اظہار بیزاری کرنے کے لئے آپ کے انصار پر انتہائی تشدد کرتے۔ انہیں یہ حکم سننے کی برداشت نہ ہوتی وہ معاویہ اور اُس کی اولاد کو بُرا کہنے لگتے۔ حالانکہ علی اس وقت خاک قبر میں مدفون تھے ان سے کسی نفع کی امید بھی نہ ہوتی اور معاویہ ظالم و سفاک اور مطلق العنان حاکم تھے۔

تاریخ کے صفحات پر معاویہ کی اس حرکت اور طرز عمل سے لوگوں کی انتہائی نفرت اور بیزاری کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ معاویہ نے پیغمبر کے بزرگ ترین صحابی حجر بن عدی اور اُن کے اصحاب کو بے جرم و قصور محض اس بنا پر تہ تیغ کیا کہ انہوں

نے بر سر منبر علیؑ اور علی کو گالیاں دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ہم اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کریں گے۔

علی کے پیروؤں نے مکارم اخلاق اور صفات پسندیدہ کے اس درخت کو جس کی علیؑ نے اُن کے دلوں میں تخم ریزی کی تھی بڑی سرگرمی و مستعدی اور بڑے اہتمام سے نگہداشت کی یہاں تک کہ وہ درخت اپنے شباب کو پہنچا اور بار آور ہوا اس میں مرد عورت بڑے چھوٹے سب ہی ایک جیسے تھے۔

معاویہ اپنے زمانہ حکومت میں حج کے ارادہ سے جب مکہ معظمہ آئے تو بنی کنانہ کی خاتون دارمیہ حجونیہ کے متعلق پوچھا کہ آج کل کہاں ہیں۔ یہ دارمیہ سیاہ رنگ کی لحیم شحیم خاتون تھیں۔ لوگوں نے بتایا کہ زندہ ہیں۔

معاویہ نے پیادہ بھیج کر طلب کیا جب وہ آئیں تو پوچھا:۔

معاویہ۔ اے حام کی بیٹی کیسے آنا ہوا (جناب نوح پیغمبر کے تین فرزند تھے حام، سام اور یافث دنیا انہیں تین کی نسل سے ہے سیاہ رنگ کی قومیں حام کی نسل سے ہیں معاویہ نے ان کی کالی رنگت پر طنز کرتے ہوئے انہیں دختر حام کہا)

دارمیہ۔ اگر از راہ استہزا تم مجھے حام کی بیٹی کہتے ہو تو میں حام کی نسل سے نہیں ہوں میں تو قبیلہ کنانہ کی ایک عورت ہوں

معاویہ۔ سچ کہتی ہو اچھا یہ جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔

دارمیہ۔ غیب کی باتیں تو بس اللہ ہی جانتا ہے۔

معاویہ۔ میں نے تمہیں یہ پوچھنے کے لئے بُلایا ہے کہ آخر تم علیؑ سے اتنی محبت کیوں کرتی تھیں اور مجھ سے اتنی عداوت تمہیں کیوں تھی۔

دارمیہ۔ اس سوال کے جواب سے مجھے معاف ہی کر دیجئے تو اچھا ہے۔

معاویہ۔ نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔

دارمیہ۔ اچھا جب آپ جواب پر مجبور ہی کرتے ہیں تو سنیئے میں علیؑ سے اس لئے محبت کرتی تھی کہ وہ رعیت کے ساتھ عدل و انصاف برتتے تھے اور سب کو برابر دیتے تھے اور آپ کی دشمن اس لئے تھی کہ آپ اس شخص سے بر سر پیکار تھے جو آپ سے زیادہ حکومت کا سزاوار تھا اور آپ ایسی چیز کے خواہاں تھے جس کی اہلیت آپ میں قطعاً نہ تھی۔ میں علیؑ کی اطاعت اس لئے کرتی تھی کہ پیغمبرؐ نے انہیں ہمارا حاکم و امیر مقرر کیا تھا اور علیؑ فقرا و مساکین کو دوست رکھتے۔ اہل دین کی عزت کرتے اور آپ سے دشمنی و بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ آپ مسلمانوں کا ناحق خون بہاتے فیصلوں میں ناانصافی برتتے اور اپنی خواہش نفسانی کے مطابق فیصلہ کرتے۔

معاویہ۔ اچھا تو اسی وجہ سے تمہارا پیٹ پھول گیا ہے، سینہ بڑھ گیا ہے اور سرین اتنی پر گوشت ہو گئی ہے

دارمیہ۔ خدا کی قسم یہ باتیں تو آپ کی اماں جان ہند کی بطور ضرب المثل بولی جاتی تھیں۔ میرے متعلق بالکل نہیں۔

معاویہ ۔ ٹھہرو ٹھہرو۔ ہم نے تو اچھی ہی بات کہی ہے ۔ جب عورت کا پیٹ بڑا ہوتا ہے تو بچہ مکمل ہاتھ پیروں کا پیدا ہوتا ہے جب سینہ بڑا ہوتا ہے تو بچہ کو دودھ پورا پورا پلاتی ہے اور جب سرین پرگوشت ہوتے ہیں تو اس کی نشست خوشنما معلوم ہوتی ہے ۔

معاویہ ۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی علی کی زیارت بھی کی ہے ۔

دارمیہ ۔ ہاں ہاں خدا کی قسم میں نے انہیں دیکھا ہے ۔

معاویہ ۔ انہیں کیسا دیکھا ۔

دارمیہ ۔ میں نے خدا کی قسم انہیں اس طرح دیکھا کہ حکومت نے انہیں سرگشتہ نہیں کیا جیسا کہ آپ حکومت کے نشہ میں سرگشتہ ہو رہے ہیں اور منصب خلافت نے انہیں ایسا بے خود نہیں بنا دیا تھا جیسا کہ آپ آپے سے باہر ہو رہے ہیں ۔

معاویہ ۔ تم نے ان کی گفتگو بھی کبھی سنی ؟

دارمیہ ۔ ہاں خدا کی قسم وہ اپنی باتوں سے دل کی تاریکیوں کو یوں روشن کر دیتے تھے جیسے قلعی برتن کو چمکا دیتی ہے ۔

معاویہ ۔ سچ کہتی ہو اچھا بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو ؟

دارمیہ ۔ نے اپنی حاجت بیان کی ۔

معاویہ ۔ نے پوچھا اگر میں تمہاری حاجت پوری کر دوں تو علی ہی کے آستانہ مجھے بھی مانو گی ؟

دارمیہ ۔ نے برجستہ کہا ۔ علی کی بات تمہیں کہاں نصیب ۔

معاویہ ۔ نے اُن کا کام کر دیا اور کہا خدا کی قسم اگر علی زندہ ہوتے تو کبھی تمہیں اتنا مال نہ دیتے ۔

دارمیہ ۔ سچ کہتے ہو علیؑ ہرگز نہ دیتے وہ مسلمانوں کے مال سے ایک درہم بھی کسی کو ناجائز نہیں دیتے تھے ۔

(بلاغات النساء ص۷۲ ، عقد فرید ج ا ص۲۱۶)

عدی بن حاتم ایک مرتبہ معاویہ سے اُن کے عہد حکومت میں ملنے آئے ۔ معاویہ نے از راہ شماتت پوچھا ۔

معاویہ ۔ طرفات کیا ہوئے ؟ (یعنی تمہارے لڑکے طریف ، طارف اور طرفہ کہاں گئے)

عدی بن حاتم ۔ وہ علیؑ کی نصرت و حمایت میں مقتول ہوئے ۔

معاویہ ۔ علیؑ نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا تمہارے لڑکے قتل ہو گئے اُن کے بچ رہے ۔

عدی بن حاتم ۔ میں نے کہاں انصاف کیا ۔ علی شہید ہو گئے اور میں اُن کے بعد اس دنیا میں زندہ رہ گیا ۔

اس محیر العقول جذبہ فداکاری اور محبت امیر المومنینؑ کے مظاہرہ پر معاویہ کے کلیجہ میں آگ لگ گئی ۔ دھمکی دیتے ہوئے کہا :-

" خون عثمان کا ایک قطرہ باقی رہ گیا ہے اُسے اشراف یمن میں سے کسی شریف (یعنی عدیؓ) ہی کا خون دھو سکتا ہے

عدی نے ان کی دھمکی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بے باکانہ جواب دیا۔

"خدا کی قسم ہمارے وہ دل جن سے ہم نے تمہیں دشمن رکھا اب تک ہمارے سینوں میں ہیں۔ وہ تلواریں جن کے ذریعے ہم نے تم سے جنگ کی اب تک ہمارے کاندھوں پر ہیں۔ اگر ایک انگل بھی ہماری طرف غداری کے لئے بڑھوگے تو ہم ایک بالشت تم پر چڑھ آئیں گے۔ گلا کٹ جانا اور سینہ کچل جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم علیؑ کی ذرہ برابر برائی سنیں۔ جلاد کو تلوار دے دو کہ وہ ہماری گردن کاٹ ڈالے"

معاویہ نے حسب عادت چاپلوسی کرتے ہوئے کہا:۔

"یہ حکمت کی باتیں ہیں لوگو! لکھ لو اسے (مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۰)

معاویہ ایک مرتبہ حج کے ارادہ سے نکلے جب مدینہ پہنچے تو سعد بن ابی وقاص کو بھی ساتھ حج کے لئے چلنے کی دعوت دی سعد نے دعوت منظور کر لی اور ان کے ساتھ ہو گئے اعمال حج سے فراغت کر کے یہ دونوں دار الندوہ میں پہنچے وہاں بہت دیر تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ سعد معاویہ کی دعوت قبول کر کے ان کے ساتھ حج کے لئے جو چلے آئے اس سے معاویہ کو یہ امید بندھی کہ یہ ضرور ہمارے حمایتی ہوں گے یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ ہم نے علی کے متعلق جو وطیرہ اختیار کر رکھا ہے اس کے برعکس حد تک موید ہیں حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنا شروع کیا اور خوشامدانہ سعد سے کہا آپ بھی علیؑ کو کیوں نہیں گالیاں دیتے۔ سعد بگڑ کھڑے ہوئے بولے تم نے اپنے فرش پر مجھے بٹھایا پھر تم نے علیؑ کو گالیاں دینی شروع کیں خدا کی قسم علی کو جو خصوصیات حاصل ہیں اگر ان میں سے ایک بات بھی مجھے نصیب ہوتی تو دنیا کی تمام چیزوں سے مجھے زیادہ محبوب ہوتی۔ خدا کی قسم میں جب تک زندہ رہوں گا تمہارے پاس نہ آؤں گا۔ پھر وہ غیظ و غضب کے عالم میں اٹھ کر چلے گئے (مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۱۶)

عمرو بن حمق بھی خاندان ابوطالب کے جان نثاروں میں سے تھے، انہیں زیاد بن ابیہ نے محض اس جرم میں قتل کیا کہ یہ علی ابن ابی طالب سے محبت رکھتے تھے قتل کرنے کے بعد زیاد نے ان کا سر کاٹ کر معاویہ کے پاس بھیجا۔ اسلام میں یہ پہلا سر تھا جو تحفہ میں لایا گیا۔

انہیں جاں نثاروں میں سے مرد میدان و فا میثم تمار بھی تھے۔ یہ میثم امیر المومنین علیہ السلام کے مخصوص صحابی اور آپ کی عظمت و جلالت کی معرفت رکھنے والے بزرگ تھے مدتوں آپ کی صحبت میں رہے۔ روایتیں بتاتی ہیں کہ امیر المومنین کچھ وقت ان کی دوکان پر بھی بیٹھا کرتے اور جب میثم کسی ضرورت سے دوکان چھوڑ کر جاتے تو ان کی واپسی تک ان کی کھجوریں بیچنے میں بھی آپ کو تامل نہ ہوتا۔

جب کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور امام حسین کی شہادت ہو گئی اور ظالم ابن زیاد کے لئے کوئی زمین کو کھٹکا باقی نہ رہا تو اس نے میثم کو دھمکایا کہ اگر تم علیؑ کی محبت پر اسی طرح باقی رہے اور ان کے عدل و انصاف کا چرچا کرتے رہے تو میں قتل کر ڈالوں گا۔ اس نے انہیں لالچ بھی دلائی کہ اگر تم ہمارے طرفداروں میں ہو جاؤ تو ہم بادشاہ وقت سے سفارش کر کے تمہیں

انعام واکرام سے نہال بھی کر دیں گے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ابن زیاد نے ایک مرتبہ میثم کو تقریر کرتے سنا اُن کی شیوہ بیانی بالغ نظری، اصابت رائے اور دلائل وبراہین سے بہت متاثر ہوا تھا۔ عمرو بن حریث دربار کے خوشامدی نے ابن زیاد سے کہا حضور آپ جانتے بھی ہیں کہ یہ کون ہیں۔ عبیداللہ نے پوچھا کون ہیں عمرو نے کہا یہ کذاب علی ابن ابی طالبؑ کے فدائی میثم کذاب ہیں، ابن زیاد سنبھل بیٹھا اور میثم سے پوچھا یہ عمرو کیا کہہ رہا ہے۔ میثم نے کہا جھوٹ کہتا ہے میں بھی سچا ہوں اور میرے آقا علی ابن ابی طالب بھی سچے اور خلیفہ برحق تھے۔ ابن زیاد کو غصہ آگیا اُس نے کہا علی ابن ابی طالب سے اظہار بیزاری اور اُن کی منقصت، عثمان سے اظہارِ مودت اور اُن کے محاسن بیان کرو۔ ورنہ میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ کر سولی دلوا دوں گا۔ میثم نے اس کا جواب یہ دیا کہ ببانگ دہل علیؑ ابن طالب کے فضائل بیان کرنا شروع کئے، اُن کے عدل وانصاف عفو ودرگذر لوگوں کے ساتھ شفقت ومحبت یاد کر کے رونے لگے پھر ابن زیاد اور بنی امیہ کو اُن کے ظلم وجور سرکشی اور بغاوت پر بہت بُرا بھلا کہا۔

ابن زیاد غصہ سے دیوانہ ہو گیا اُس نے کہا خدا کی قسم میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ ڈالوں گا مگر زبان چھوڑ دوں گا تاکہ تمہیں بھی جھوٹا ثابت کرسکوں اور تمہارے آقا علی ابن ابی طالب کو بھی۔

فوراً ہی میثم کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے گئے اور اس کے بعد انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ میثم نے اسی طرح سولی پر چڑھتے ہوئے باآواز بلند کہنا شروع کیا۔ لوگو جس کو علیؑ کے متعلق پیغمبرؐ کی حدیث سننی ہو میرے پاس آجائے۔

ان کے پاس مجمع اکٹھا ہو گیا اور وہ علیؑ کے فضائل بیان کرنے لگے اتنے میں عمرو بن حریث کا ادھر سے گذر ہوا جو اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا اس نے لوگوں سے پوچھا یہ بھیڑ کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ میثم علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں وہ اُلٹے پیروں ابن زیاد کے پاس واپس پہنچا اور کہا حضور جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجئے ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دیں گے اور لوگ بغاوت کر بیٹھیں گے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک سپاہی سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ وہ فوراً اُن کے پاس پہنچا اور کہا میثمؒ اُنہوں نے پوچھا کیا کہتا ہے کہا اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ میثم نے کہا گیا بدکار عورت کا فرزند یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹا کر دے گا اور میرے آقا ومولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا لے اب میری زبان خوشی سے کاٹ ڈال جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے خون بہا کہ انتقال کر گئے۔ ابن زیاد نے آپ کے جسد بے جان کو سولی پر چڑھوا دیا۔

من جملہ انہیں شہیدان راہ حق اور جاں نثاران علی ابن ابی طالب کے رشید ہجری بھی ہیں جو امیر المومنینؑ کے ایک مخصوص صحابی تھے۔ ان کی سرگذشت بھی میثم کی سرگذشت سے ملتی جلتی ہے۔ عبیداللہ بن زیاد نے انہیں اتنی رعایت دی کہ اگر علیؑ سے اظہار بیزاری کرو تو تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی۔ رشید نے سختی سے انکار کیا ابن زیاد نے کہا کس طرح مرنا تمہیں زیادہ پسند ہے پھر ابن زیاد نے آپ کے ہاتھ پیر کٹوا دئے۔

دوستداران علیؑ کی عظمت و جلالت اور اُن کی حمایت و طرفداری کا اندازہ بس اسی سے ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے خوشی خاطر بغیر کسی دباؤ کسی مجبوری کے جی جان سے علیؑ کو دوست رکھا۔ انہیں نہ صلہ کی تمنا تھی نہ ستائش کی پروا۔ بس صرف یہ خواہش تھی کہ ہم حق کے ساتھ رہیں اور حق ہی پہ مریں۔ علیؑ کے ساتھ اُن کی عقیدت و والہانہ محبت بالکل ویسی ہی تھی جیسی مہاجرین اولین اور انصار کی پیغمبر خدا محمد مصطفےٰؐ سے تھی۔ علیؑ کے ایک بڑے پرجوش حمایتی یعنی عمار یاسر نے کیا اچھی ترجمانی کی ہے شیعیان علیؑ کی صفین کی لڑائی میں انہوں نے معاویہ کی فوجوں کی بھاری تعداد کو دیکھ کر کہا تھا:۔

واللہ لو قاتلونا بسلاحھم و اوصلونا الی سعفات ھجر لعلمنا اننا علی حق و انھم علی باطل۔

خدا کی قسم یہ لوگ اپنے اسلحوں سے ہم سے لڑیں اور ہمیں دور تک دھکیل لے جائیں تب بھی ہمیں یہ یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر۔

حسینؑ کے انصار بھی ان کے پدر بزرگوار علی ابن ابی طالبؑ کے انصار ہی جیسے تھے جو کیفیت علیؑ کے انصار کی حمایت و نصرت کی تھی۔ جس بلند مقصد سے اُنہوں نے علیؑ کی نصرت کی وہی کیفیت اور وہی بلند و بالا مقصد انصارِ حسینؑ کے بھی پیشِ نظر تھا۔

شبِ عاشور جب کہ حسینؑ کی تمام راہ چارہ و تدبیر بند ہو گئی اور سوا شہادت کے جس کا چند ہی گھنٹوں کے بعد انہیں سامنا کرنا تھا اُنہیں کسی بات کا انتظار نہ تھا۔ اُنہوں نے اپنے گنتی کے رفقاء کو خطاب کر کے کہا کہ یہ لوگ محض میرے سر کے طلبگار ہیں تم ناحق اپنی جانیں کیوں گنواؤ۔ پردۂ شب حائل ہے کوئی دیکھنے والا نہیں تم یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ ممکن ہے کہ ایسا کہنے کی وجہ یہ رہی ہو کہ شاید دن کی روشنی میں ہمارا ساتھ چھوڑتے ان لوگوں کو شرمندگی محسوس ہو یا دیکھ لئے اور گرفتار کر لئے جانے کا خطرہ ہو۔ یہ حسینؑ کے نفس کی ایک ایسی بلندی اور اُن کا محیر العقول طرز عمل ہے جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہ ملے گی مگر انصار حسینؑ نے ایک دل ایک زبان سے عرض کیا "ہم آپ کے قدموں ہی میں اپنی جان دیں گے۔"

مسلم ابن عوسجہ اسدی نے کہا انحن نتخلی عنك ولم نعذر الی اللہ فی اداحقك۔ کیا ہم آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں کل ہم آپ کا حق ادا کر کے خدا کے نزدیک اپنا عذر واضح نہ کر دیں خدا کی قسم میں آپ کا ساتھ اُس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک ان دشمنوں کے سینوں میں اپنا نیزہ نہ توڑ لوں اور جب تک بازوؤں میں سکت اور ہاتھوں میں قبضہ شمشیر رہے گا انہیں مارتا ہی رہوں گا اگر میرے پاس اسلحے نہ بھی رہیں گے تو میں پتھروں سے انہیں ماروں گا یہاں تک کہ آپ کے سامنے اپنی جان دے دوں۔

مسلم نے جو کہا تھا اُسے پورا کر دیا اور حسینؑ ہی کے سامنے انہوں نے ہنسی ہنسی جام شہادت نوش کیا۔

جب مسلم ابن عوسجہ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے گرے اور دم توڑنے لگے حبیب ابن مظاہر اُن کے سرہانے آئے اور کہا اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تمہارے بعد جلد ہی میں بھی تم سے ملحق ہونے والا ہوں تو تم سے کہتا مجھ سے وصیت کر و

مسلم نے یہ فقرے کہے جو اُن کی آخری لفظیں تھیں اوصیك بهذا رحمك الله ۔ میں اس امام (حسینؑ) کے متعلق تم سے وصیت کرتا ہوں اُن پر اپنی جان نثار کر دینا۔

حُر ابن یزید ریاحی نے جب یزید اور اس کے مددگاروں کی بداعمالی اور سیہ کاریاں دیکھیں اور اس کے مقابلہ میں حسینؑ کی پاکیزہ خصلتیں اصحابِ حسینؑ کا ایمان اور ان کا جذبۂ فداکاری اور ایثار مشاہدہ کیا تو دفعتہً ان کا ضمیر بیدار ہو گیا اور انہوں نے دنیا کی عزّت و بزرگی اور جاہ و منصب کو ٹھوکر مار دی۔

یہ حُر بنی اُمیّہ کے ان بڑے فوجی افسروں میں سے تھے جن سے مال و متاع اور جاہ و منصب کے بڑے بڑے وعدے کئے گئے تھے۔ شرط محض یہ تھی کہ وہ حسینؑ سے لڑیں اور انہیں اور اُن کے رفقا و انصار کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ والی کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے خصوصیت کے ساتھ حر کو حکم دیا تھا کہ یہ کارِ اہم تم ہی اپنے ہاتھوں سے بجا لاؤ۔ مگر جیسے ہی وہ لشکر حسینؑ کے قریب پہنچے ایسی کش مکش اور وحشت ظاہر کی کہ ان کے ساتھی شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے۔ حُر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُسے دوڑاتے ہوئے امام کی خدمت میں آئے اور عرض کی:۔

آقا مجھ سے جو خطا ہوئی اس پر بے حد نادم اور خدا سے توبہ کرتا ہوں میں آپ کی نصرت کروں گا یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر اپنی جان نچھاور کر دوں گا۔

وہ حسینؑ کے سامنے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حسینؑ کے تمام یار و انصار ایسے ہی تھے ان کی تعداد چند دہائیوں سے زیادہ نہ تھی وہ ہزاروں ہزار دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے اُن پر تشنگی کا غلبہ تھا جان حلق میں تھی انہیں بس موت کا اشتیاق تھا ان بہادروں نے یکے بعد دیگرے حسینؑ کے قدموں پر اپنی جان نثار کی۔ ہر دل میں شہید ہونے کی سعادت کی امنگ تھی وہ موت کو اپنے لئے کمالِ عزّ و شرف سمجھتے تھے۔

حسینؑ بن علیؑ شہید ہو گئے اور حکومت یزید اور انصار یزید کے لئے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ خاندان ابوطالب کی خلافت کی کوئی امید باقی نہ رہی اُن کے حمایتیوں کو یقین ہو گیا کہ زمین کی نعمتیں اب ان کے ہاتھوں لوگوں میں تقسیم نہ ہوں گی لیکن خاندان ابوطالب کے اعوان و انصار خاموش نہ بیٹھے ان کی بیدار روح پہلے سے زیادہ بیدار ہو گئی وہ پہلے سے زیادہ حمایت پر کمر بستہ اور سرگرم ہو گئے۔ اس کا ایک معمولی ثبوت یہ ہے کہ جب شہادتِ حسینؑ کی خبر کوفہ پہنچی اور عبیداللہ بن زیاد نے نماز جماعت میں سب کو اکٹھا کیا اور بعد نماز تقریر کرتے ہوئے کہا۔

اس خدا کا شکر جس نے حق کو ظاہر اور صاحبان حق کو مظفر و منصور کیا امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت کی مدد کی اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب حسین ابن علی اور ان کے شیعوں کو قتل کیا۔

تو اس کا فقرہ ابھی پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مسجد کے ایک گوشہ سے ایک مرد ضعیف و کہن سال یعنی عبداللہ بن عفیف ازدی جو

علی کے صحابی اور جنگ جمل و صفین میں اُن کے ساتھ داد شجاعت دے ہوئے تھے کھڑے ہو گئے اور چیخ کر کہا:۔

مرجانہ کے بیٹے! تم اولاد انبیاء کو قتل کرتے ہو پھر منبر پر صدیقین کی جگہ کھڑے ہونے کی جرأت کرتے ہو۔ تم جھوٹے تمہارا باپ جھوٹا اور وہ جھوٹا جس نے تمہیں اور تمہارے باپ کو حاکم بنایا۔

ہر چند اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح ہوتے ہی اس مردِ کہن سال کو کوفہ کے میدان میں پھانسی ہو گئی لیکن اس واقعہ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ظلم و ستم اور قتل و غارت نے علی کے انصار کی روح کو کچلا نہیں بلکہ وہ پہلے سے زیادہ بیدار اور جاندار تھی۔

مشہور شاعر فرزدق نے بنی اُمیہ کے منہ پر بانگ دہل اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا تھا جو انہوں نے امام زین العابدین بن حسین بن علیؑ کی مدح میں کہا تھا۔ بنی امیہؓ کی حکومت کا اس وقت شباب تھا کس کی مجال تھی جو اُن کے خلاف ایک لفظ زبان سے نکالنے کی ہمت کرتا مگر فرزدق کو موت کی قطعی پرواہ نہ ہوئی۔ انہوں نے امام زین العابدینؑ کی مدح کسی صلہ و ستائش کی تمنا میں نہیں کی تھی یہ صرف والہانہ محبت اور پسندیدگی کا جذبہ اور اُن کی اطاعت و پیروی کی امنگ تھی جس نے انہیں ایسا قصیدہ کہنے پر مجبور کیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ خاندان بنی امیہ کا خلیفہ ہشام ابن عبدالملک اپنی شہزادگی کے زمانہ میں حج کرنے گیا اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے چاہا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دے مگر اس تک پہنچ نہیں سکا ایک تو وجہ یہ تھی کہ بنی اُمیہ سے عام نفرت و بیزاری لوگوں کو تھی کسی نے اُس کو حجرِ اسود تک پہنچنے کا راستہ ہی نہ دیا دوسری وجہ یہ تھی کہ بھیڑ بھی بہت تھی مجبوراً ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا اس اثنا میں امام زین العابدین تشریف لائے اور جب حجرِ اسود کی طرف جانا چاہا تو سب لوگوں نے ہٹ کر آپ کے لئے راستہ چھوڑ دیا اور حضرت نے اطمینان سے اس کو بوسہ دیا۔ ہشام کے ساتھ شام کے جو لوگ تھے یہ حال دیکھ کر ہشام سے انہوں نے پوچھا یہ باعظمت شخص کون ہے جس کی ہیبت و جلال سے سب حاجی ہٹ گئے۔ ہشام تو واقف تھا مگر اس خوف سے کہ حضرت کا اثر شامی لوگوں پر نہ ہو جائے کہا میں اس شخص کو نہیں پہچانتا۔ فرزدق اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا میں انہیں جانتا ہوں پھر وہ بلند جگہ پر کھڑے ہوئے شجاعت و دلیری ان سے پھوٹی پڑتی تھی۔ انہوں نے برجستہ پورا قصیدہ پڑھ سنایا جو عرب کی ادبی تاریخ میں قیامت تک باقی رہے گا اس کا مطلع یہ تھا۔

هذا الذی تعرف البطحآ ء وطأته والبیت یعرفه والحل والحرم

یہ وہ بزرگ ہستی ہے جس کے نقش قدم کو مکہ بھی پہچانتا ہے، خانۂ خدا بھی اور حل و حرم بھی،

اس قصیدہ کو ہشام سن کر غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگا اور اس نے فرزدق کو قید کر دیا۔ قید میں فرزدق نے ہشام اور بنو امیہ کی زبردست ہجو کہی۔ بغیر اس کی پرواہ کئے کہ بنی امیہ ہمارے اوپر کیسے کیسے مظالم ڈھائیں گے۔ ہشام کے متعلق اس نے کہا تھا۔

بقلب سالم لیکن راس سید　　　وعین له حولاء بادٍ عیوبها

وہ ایسا سر پھراتا ہے جو سردار کا سر نہیں اس کی آنکھ ٹیڑھی ہے جس کے عیوب واضح ہیں

یہ چند نمونے جو ہم نے خاندان ابی طالبؑ کے انصار و اعوان کے پیش کئے بہت کم ہیں لیکن انہیں چند مثالوں سے ان لوگوں کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے اور یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کیسا ہمہ گیر اُن کا جذبۂ فداکاری تھا اور کس طرح وہ علیؑ پر جان دے دینے کے لئے تیار رہتے اور صفات و فضائل انسانی میں کتنی بلند منزل پر فائز تھے۔

لیکن بنی اُمیّہ کے اعوان و انصار تو وہ دو قسم کے تھے۔ ایک گروہ تو وہ تھا جسے رشوت دے کر بنی امیہ نے اپنی طرف کھینچا تھا رشوت چاہے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو وہ دین و وجدان بیچنے والے کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو اپنی فطری خباثت اور پیدائشی بدطینی کی بنا پر بنی اُمیّہ کا طرفدار تھا۔ ذلیل و خوار پست فطرت والے شریفوں کو خواہ مخواہ دشمن رکھتے ہیں چونکہ وہ صفات پسندیدہ سے خالی ہوتے ہیں۔ اس لئے طبعی طور پر مجبور ہوتے ہیں کہ شریفوں کو دشمن رکھیں۔ اور مجرم و سیہ کار انسانوں کی طرفداری کریں۔

وہ گروہ جسے رشوت نے بنی اُمیّہ کا طرفدار بنایا تھا وہ ابو سفیان کے اعوان و انصار تھے ہر شخص کے لحاظ سے رشوت کا مفہوم جداگانہ ہوتا ہے جو جس معیار اور درجہ کا ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے اس کو رشوت دی جاتی ہے۔ ابو سفیان نے بعضوں کو تو مال و دولت رشوت میں دی۔ بعضوں کو آزادی کی رشوت دی جیسے حبشی قاتل جناب حمزہ کو ابو سفیان نے رشوت دی تھی کہ تم محمدؐ، علی اور حمزہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو قتل کر دو گے تو تمہیں آزاد کر دوں گا۔

بعضوں کو عہدے اور منصب کی رشوت دی گئی۔ بہتوں نے بنی اُمیّہ کی طرفداری میں پیغمبر خدا اور ان کے اصحاب سے محض اس طمع میں جنگ کی کہ زمانۂ جاہلیت میں ہمیں جو نفوذ و اقتدار اور بلند مناصب حاصل تھے وہ ہمارے ہاتھ میں باقی رہیں گے۔

بنی اُمیّہ کے اعوان و انصار سے ایک عمرو عاص بھی تھے جو علیؑ سے جنگ کرنے میں معاویہ کے دست راست تھے عنقریب ہم اُن کا تفصیل سے ذکر کریں گے۔

اسی جماعت سے شام لشکری بھی تھے۔ جنہیں معاویہ نے صفین میں علی سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ ان شامی سپاہیوں کا مقصد محض یہ تھا کہ جو ہمیں تنخواہ دیتا ہے اور کامیابی کی صورت میں طرح طرح کے وعدے کرتا ہے اس کی مدد کریں۔

اسی گروہ سے یزید کا لشکر بھی تھا جسے یزید اور اس کے زیر اثر روساء نے رشوتیں دی تھیں کسی کو مال و دولت دی تھی۔ کسی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو تمہاری جان محفوظ رہے گی کیونکہ بہت سے لوگ اولاد ابی طالب سے لڑنے کے لئے محض اس ڈر سے گئے تھے کہ اگر ہم نہیں جاتے ہیں تو ہمیں سخت و شدید اذیتیں پہنچائی جائیں گی۔ ہر شخص میں

فداکاری اور جاں نثاری کا جذبہ نہیں ہوتا۔

تاریخ کے صفحات پر اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں کہ مکہ سے کوفہ جاتے وقت جب حسینؑ کی ملاقات فرزدق شاعر سے ہوئی اور آپ نے کوفہ والوں کی کیفیت دریافت کی تو فرزدق نے جواب دیا تھا۔

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر کل انہیں کی تلواریں آپ پر کھنچی ہوں گی۔

ایسا ہی سوال آپ نے مجمع بن عبید عامری سے بھی کیا تھا انہوں نے جواب دیا۔

معززین و اشراف کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں۔ اُن کا گھر بھر دیا گیا ہے وہ سب آپ کی جان کے دشمن ہیں، باقی لوگ دل سے آپ کے طرفدار ہیں لیکن کل انہیں کی تلواریں آپ کے خلاف کھنچی ہوں گی۔"

رہ گیا بنی اُمیّہ کے اعوان و انصار کا دوسرا گروہ یعنی وہ لوگ جو اپنی فطری کمینگی اور پیدائشی خباثت و دنائت کی سبب پر بنی اُمیّہ کے طرفدار تھے تو ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ سیہ کار و خطاکار لوگ اگر محض اپنے سرداروں کی خوشنودی و رضامندی کے لئے اولادِ ابی طالبؑ کے دشمن ہوتے تو کسی حد تک یہ معذور سمجھے جا سکتے تھے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا کہ یہ دنیا کے بندے تھے اور دنیا حاصل کرنے کے لئے منصب و اقتدار کی خاطر انہوں نے اولادِ ابی طالبؑ سے جنگ کی۔ لیکن اُن کی عداوت نہ تو مال و دولت کی خاطر تھی نہ جاہ و منصب کے لئے بلکہ اُن کی عداوت بنیادی عداوت اور فطری مغائرت تھی جیسے تاریکی کی عداوت روشنی سے گمراہی کی عداوت ہدایت سے باطل کی حق سے جور و ظلم کی عدل و انصاف سے یہ ایسے شقی القلب اور قصائی تھے کہ اُن کی جیسی درندگی و قساوت جنگلی درندوں میں بھی دیکھی نہ گئی یہ اپنی فطری خباثت کے سبب ہر شریف آدمی کے دشمن اور اس کے خون کے پیاسے تھے، مُثلہ کرنا چھوٹے چھوٹے بچوں کو حلال کرنا بے والی و وارث عورتوں کی ایذا رسانی کے مرتکب کمینے ہی لوگ ہو سکتے ہیں۔

انہیں جلّادوں میں سے ایک شخص بُسر بن ارطاۃ تھا جس کا نام ہی مورخین نے جلّاد رکھ دیا ہے۔ اس کی سیرت کا جائزہ لینے پر بنی اُمیّہ کے دوسری قسم کے اعوان و انصار کی نفسیات آسانی سے سمجھ میں آجائیں گی۔ یہ بُسر بن ارطاۃ ظلم و جور جفاکاری و دہشت انگیزی میں معاویہ کا دستِ راست تھا اس جلّاد نے ایسے ایسے ہولناک حرکات کئے ہیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس نے ایسے بڈھوں کو قتل کیا جن کی کمریں جھک گئی تھیں، چھوٹے چھوٹے کمسن بچّوں کو ان کی ماؤں کی آغوش میں ذبح کر دیا، معاویہ کی حکومت مضبوط کرنے اور اُن کا اقتدار قائم کرنے کے لئے۔ چنانچہ جب معاویہ نے لشکر کے ساتھ اُسے یمن میں لوٹ مار کرنے کے لئے بھیجا تو اس نے ایسی سفاکی و جلّادی کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی روانگی سے پہلے معاویہ نے اُسے بلا کر تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"حجاز کا راستہ اختیار کرنا مکہ و مدینہ سے ہوتے ہوئے یمن تک جا پہنچو اور جو بھی آبادی تمہیں ایسی ملے جہاں کے

لوگ علی کے اطاعت گزار ہوں انہیں خوب ڈراؤ دھمکاؤ یہاں تک کہ انہیں یقین ہو جائے کہ اب جان بچنے والی نہیں اور تم انہیں پوری طرح نرغہ میں لے چکے ہو پھر تم رک جاؤ اور انہیں بیعت پر آمادہ کرو جو شخص انکار کرے اسے قتل کر ڈالو اور جہاں بھی شیعیان علیؑ ملیں تہ تیغ کر دو۔

یہ ہدایات لے کر بُسر روانہ ہوا مدینہ پہنچا وہاں کے عامل ابوایوب انصاری تھے۔ پیغمبرؐ خدا کے سب سے پہلے میزبان مدینہ آنے پر پیغمبر انہیں کے یہاں مقیم ہوئے تھے۔ ابوایوب تاب مقاومت نہ پاکر مدینہ سے رخصت ہو گئے۔ بُسر مدینہ میں داخل ہوا لوگوں کے مجمع میں تقریر کی۔ انہیں خوب گالیاں دیں اور کہا تمہارے منہ کالے ہوں پھر انصار کو گالیاں دیں اور کہا۔ اے گروہ یہود اور غلاموں کی اولاد خدا کی قسم میں تمہیں اتنی دردناک اذیتیں پہنچاؤں گا کہ مومنین کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں اس کے بعد اُس نے بہت سے مکانات میں آگ لگوا دی۔ پھر وہاں سے مکہ پہنچا وہاں کے عامل قثم بن عباس تھے وہ بھی وہاں سے نکل بھاگے۔ بُسر نے مکہ میں داخل ہو کر مکہ والوں کو خوب گالیاں دیں اور زجر و توبیخ کی۔

کلبی سے روایت ہے کہ بُسر جب مدینہ سے مکہ کی طرف گیا تو اُس نے راستہ میں بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کیا بہت سے مال و اسباب لوٹے مکہ والوں کو جب خبر معلوم ہوئی تو وہ ڈر کر شہر چھوڑ بھاگے۔ عبیداللہ بن عباس کے دو لڑکے بھی مارے ڈر کے نکلے بُسر نے پکڑ کر انہیں ذبح کر دیا۔ بنی کنانہ کی کچھ عورتیں نکل پڑیں ان میں سے ایک عورت نے کہا مردوں کا قتل کرنا تو میری سمجھ میں آتا ہے مگر بچوں نے کیا قصور کیا ہے بچوں کو نہ تو جاہلیت میں قتل کیا جاتا تھا نہ اسلام میں۔ طائف سے چل کر بسر نجران پہنچا وہاں اُس نے عبداللہ بن عبدالمدان اور ان کے لڑکے مالک کو قتل کیا یہ عبداللہ عبیداللہ بن عباس کے سسرالی رشتہ دار تھے پھر اُس نے نجران والوں کو جمع کر کے کہا اے نصاریٰ کے گروہ اور بندروں کے بھائی اگر مجھے تمہارے متعلق کوئی بات بھی ایسی معلوم ہوئی جسے میں پسند نہیں کرتا تو میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کروں گا جس سے نسل برباد کھیتی تباہ اور گھر ویران ہو جائیں گے۔ پھر وہ صنعا آیا اور شہر میں داخل ہو کر بے شمار لوگوں کو قتل کیا مارب کا وفد اس سے ملنے آیا تو اُس نے وفد کے سارے آدمیوں کو مروا ڈالا پھر صنعا سے چلتے وقت اُس نے اور تباہی مچائی۔ ہزاروں افراد کو تہ تیغ کیا پھر وہ دوبارہ پلٹ کر صنعا آیا۔ اور معمرؔ انسانوں کو جو فارس کے رہنے والے تھے قتل کیا (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۱۲۷)

مورخین لکھتے ہیں کہ بسر نے تقریباً ۳۰ ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ تعداد ان لوگوں کے علاوہ ہے۔ جنہیں اس نے جلا کر پھونک ڈالا۔ (ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۱۳)

اس سفاک و خطا کار کے جرائم کے متعلق شعراء نے بہت سے شعر کہے یزید بن مفرغ اُس کے قتل و غارت و آتش زنی وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

الی حیث سار المرء بسر بجیشہ — فقتل بئس ما استطاع و حرقا

بسر اپنا لشکر لے کر جدھر جاتا ہے تو امکان بھر قتل و غارت کرتا ہے اور آگ لگاتا ہے

شہر کی پوری تاریخ اسی قسم کے افعال سے بھری ہے۔
انہیں مجرموں میں سے زیاد بن ابیہ بھی تھا جس نے عراق میں انتہائی ہولناک طریقہ پر قتل و غارت کا بازار گرم کیا معاویہ نے پہلے اُسے اپنا بھائی بنایا اور اُس کو اپنا طرفدار اور حمایتی بنانے کے لئے زیاد بن ابی سفیان نام رکھا پھر اُسے بصرہ کا گورنر مقرر کیا اُس نے بصرہ آکر اپنی وہ مشہور تقریر کی جو خطبہ بتراء کے نام سے مشہور ہے پھر بنی امیہؒ کے اقتدار کو مضبوط کرنے میں پوری سرگرمی و مستعدی سے مصروف ہوگیا۔ اُس نے محض بدگمانی پر لوگوں کو قتل کیا اور صرف شبہ پر لوگوں کو سزائیں دیں۔
بنی اُمیّہ کے اعوان و انصار اور اُن کے کارپردازوں کے لئے اپنے مخالفین کے ہاتھ پیر کاٹنے انہیں سولیاں دینے قید کر دینے اُن کا مال لوٹ لینے ان کا گھر گرا دینے انہیں جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی ذلیل و خوار کرنے سے آسان تر کوئی بات نہ تھی اس کے دورِ حکومت میں تمام لوگ انتہائی مصائب و آلام میں گرفتار رہے۔ اُس نے اپنے علاقوں میں قیامت مچا رکھی تھی وہاں کے باشندوں کو کسی قسم کی آزادی نصیب نہ تھی۔ ہر شخص اس کے قہر و غضب سے تھرتھراتا رہتا تھا اس نے لوگوں کے ہاتھ پیر کاٹے آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ ہزاروں شرفا اور ذی وجاہت افراد کو قتل کر ڈالا اور ایسے مظالم ڈھائے۔ جن کی منظر کشی ناممکن ہے ظلم و جور درندگی و سفاکی میں بنی اُمیّہ کے ولاۃ و عمال میں زیاد بن ابیہ پر کوئی سبقت نہ لے جاسکا سوا حجاج بن یوسف کے کہ اس کا نمبر زیاد سے بھی بڑھا ہوا تھا۔
خود زیاد نے اپنے طریقہ کار اور سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خطبہ بتراء میں کہا تھا:۔
میں خدا کی قسم . . . کھا کر کہتا ہوں کہ آقا کو اُس کے غلام کے بدلے میں گرفتار کروں گا بھاگ جانے والے کے بدلے رہ جانے والے کو چلے جانے والے کے بدلے آنے والے کو نافرمان کے بدلے فرمانبردار کو۔ بیمار کے بدلے تندرست کو پکڑوں گا یہاں تک کہ ایک دوسرے سے کہے گا سعد بھاگ جاؤ کہ سعید مارا گیا۔ ورنہ تمہاری کجی سیدھی ہو جائے۔ مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک میں بصرہ کو تباہ و برباد نہ کروں اُس کے مکانات کو آگ لگا کر منہدم نہ کردوں خبردار کوئی رات کو گھر سے نہ نکلے جو بھی رات میں گھر سے نکلا میں اس کی گردن اڑا دوں گا خدا کی قسم تم میں سے بہت سے لوگ میرے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ ہر شخص اس بات سے ڈرے کہ کہیں میرے ہاتھوں اس کا خون نہ بہے۔
بصرہ کے بعد جب یہ زیاد کوفہ کا گورنر رہا تو پہلے ہی دن اُس نے مسجد کوفہ کے دروازہ پر بیٹھ کر اسی آدمیوں کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ معاویہ اور اُن کے گروہ کی خوشنودی و تقرب کے لئے اسی ظلم و تشدد اور دہشت انگیزی کی پالیسی پر کاربند رہا علیؑ کے جتنے ہمدرد و حمایتی اُسے کوفہ میں ملے انہیں قتل کیا ہاتھ پیر کاٹے انہیں دہشت زدہ کیا۔ مدائنی لکھتے ہیں۔
"زیاد بن سمیہ نے کوفہ کے شیعیان علیؑ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے برآمد کیا کیونکہ علیؑ کے زمانہ میں وہ خود بھی علیؑ ہی کے آدمیوں سے تھا جس کی وجہ سے اُسے تمام شیعیان علیؑ کا پتہ تھا اس نے ہر کنکر پتھر کے نیچے سے شیعوں کو ڈھونڈھ

نکالا انہیں سراسیمہ و خوف زدہ کیا ان کے ہاتھ پیر کٹوائے آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ خرما کے درختوں پر سولیاں دلوائیں انہیں عراق سے نکال باہر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی جانا پہچانا شیعہ وہاں باقی نہ رہا"

زیاد اور حجر ابن عدی کی سرگذشت ہم عنقریب اس فصل کے آخر میں بیان کریں گے۔

اُنہیں سگانِ دنیا اور سیہ کاروں میں سے عبیداللہ بن زیاد بھی تھا واقعۂ کربلا کا بانی۔ عمرو بن حمق خزاعی۔ میثم تمّار اور مرد کہن سال انہیں عبداللہ بن عفیف ازدی اور ہزاروں ہزار بے گناہوں کا قاتل اس شخص کے لئے ہاتھ پیر کاٹنے، سولی دینے، قتل کرنے مثلہ کرنے سے آسان کوئی بات نہ تھی خواہ ان باتوں کا کوئی سبب ہو یا نہ ہو۔ جناب مسلم ابن عقیل اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

"وہ ایسے نفوس کو قتل کرتا ہے جن کا قتل خدا نے حرام قرار دیا ہے محض غیظ و غضب دشمنی اور بدگمانی کی بنا پر اور اس کے لہو و لعب اور تفریح و دل بستگی میں کوئی فرق نہیں آتا سمجھتا ہے جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہیں"

اس جلّاد کی شقاوت اور قساوت قلبی کا بدترین نظاہرہ اُس دن ہوا جس دن اُس نے حسینؑ کو شہید کیا اور آپ کی شہادت کے بعد تو اس کی بے شرمی و بے حیائی خباثت و دنائت کا ٹھکانا ہی نہیں رہا۔

شمر بن ذی الجوشن بھی کمینگی خباثت و دنائت میں اپنے آقا عبیداللہ بن زیاد سے کم نہ تھا یہ شخص تمام شریف اور پاکیزہ طبیعت انسانوں سے کینہ و عداوت رکھنے میں امتیازی درجہ رکھتا تھا اس نے اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالی اور کینہ و عناد کا ایسا مظاہرہ کیا کہ سوا کمینہ اور خبیث انسان کے اور تو کسی سے بھی ممکن نہیں اس نے حسینؑ کے کئی کئی خورد سال بچّوں کو پیاسا رکھ کر مار ڈالا حالانکہ دریا سامنے بہہ رہا تھا اُس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ حسینؑ کے جسد اطہر پر گھوڑے دوڑا دیں۔ سپاہیوں نے اس طرح گھوڑے دوڑائے کہ آپ کی پشت مبارک اور سینہ کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں جسم اطہر کا لباس جو نیزوں سے چھلنی اور تلواروں نیزوں کے وار سے پارہ پارہ تھا پہلے ہی لوٹ لیا گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے حسینؑ کے اگر خیموں سے نکل پڑتے تو شام کے سپاہی انہیں نیزہ و شمشیر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

حصین ابن نمیر کے متعلق کیا کہا جائے۔ حسینؑ پر ہفتم عاشورہ سے پانی بند کیا جا چکا تھا عاشورہ کے دن حسینؑ لڑتے بھڑتے جب فرات تک جا پہنچے اور آپ نے چلّو میں پانی لے کر اپنی تشنگی بجھانی چاہی اس ملعون نے دفعتہً ایک تیر چلا کر مارا جو حضرت کے دہان مبارک پہ لگا۔ دہان مبارک اور دونوں ہتھیلیاں خون سے بھر گئیں اور یہ ملعون انتہائی بے شرمی سے قہقہے لگاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

انہیں سیہ کاروں میں عمر ابن سعد بھی تھا جس نے اپنے کمینے اور خبیث آقا عبیداللہ بن زیاد کی اطاعت کی اور اس کے احکام کی بجا آوری میں جی جان سے کوششیں کیں حالانکہ اُسے اختیار تھا کہ چاہتا تو اس کے احکام کی تعمیل کرنا چاہتا تو نہ کرتا کیونکہ عبیداللہ بن زیاد نے اسے کربلا جانے پر مجبور کیا تھا ابن زیاد نے اس سے کہا تھا کہ اگر چاہو تو ہم تمہاری جگہ دوسرے کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کرکے بھیج دیں)

شہادت حسینؑ کے بعد اہل بیتؑ کی خواتین کو قیدی بنا کر اس طرف سے لے گیا جدھر حسینؑ اور اُن کے اعزہ کے لاشہائے بے سر پڑے ہوئے تھے۔ لڑائی شروع ہونے کے قبل اسی عمر سعد نے سب سے پہلے لشکر حسینی کی طرف تیر چلایا تھا اور لشکریوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ گواہ رہنا سب سے پہلا تیر چلانے والا میں ہوں۔

انہیں جفاکاروں میں سے وہ شامی بھی تھا جس نے فاطمہؑ بنت الحسین کی طرف اشارہ کر کے کہا حضور یہ کنیز مجھے عنایت کر دی جائے۔

انہیں اعوان و انصار بنی اُمیّہ سے مسلم بن عقبہ بھی تھا جس نے ایسے ایسے ہولناک اور انسانیت سوز حرکات کیں جن سے بڑھ کر شرمناک افعال نہیں ہو سکتے۔ یزید نے ایک لشکر کا سردار بنا کر اسے حجاز کی طرف روانہ کیا تھا اُس نے جی کھول کر درندگی و بربریت کا مظاہرہ کیا اور مدینہ والوں کو اتنی بے دردی اور کثرت سے تہ تیغ کیا جیسے وہ آدمی نہ ہوں بھیڑ بکری ہوں یہاں تک کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں خون کی ندی بہنے لگی لشکر والوں کے لئے تین دن تک مدینہ مباح کر دیا عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ مردوں کو قتل عورتوں کو تہ تیغ کیا گیا ماؤں کے سامنے بچوں کو دیواروں پر پھینک مارا گیا جس سے اُن کی ہڈیاں سرمہ ہو گئیں۔ مولی گاجر کی طرح لوگوں کے سر کاٹے گئے سب کے گھروں کے مال و اسباب لوٹ لئے گئے۔ مکانات منہدم کر دئے گئے پیغمبر کے مہاجرین و انصار کی اولادوں میں سے کسی پر رحم نہیں کھایا۔ ان تین دنوں میں صرف ۷۰۰ مہاجرین و انصار تہ تیغ کئے گئے اور دس ہزار دوسرے لوگ ہزاروں عورتیں اور بچے جو مارے گئے ان کی تعداد الگ ہے۔

مسلم ابن عقبہ نے اس واقعہ کے بعد جو خط یزید کو لکھا تھا اُس کے چند فقرے یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اس خط میں مسلم نے اپنے کارناموں پر فخر کیا ہے اور غضب یہ کہ اُس نے ان تمام حرکتوں کو خدا کی مشیئت و ارادہ سے منسوب کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

"۔۔۔۔۔۔ میں امیرالمومنین کو مطلع کرتا ہوں خدا حضور کو زندہ و سلامت رکھے۔ میں دمشق سے نکلا۔ ہم جن تیاریوں کے ساتھ نکلے تھے آپ نے بھی ملاحظہ فرمایا تھا۔ ہمارے ساتھ مروان بن حکم بھی دمشق سے واپس ہوا۔ یہ ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمارا بڑا مددگار رہا۔ امیرالمومنینؑ کو خدا عزت بخشے مروان کا ایسا عمدہ طرز عمل رہا اور دشمنوں کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کہ میرا خیال ہے امام المسلمین خلیفہ رب العالمین کے نزدیک انشاء اللہ ضائع و برباد نہ جائے گا۔ خداوند عالم امیرالمومنین کے آدمیوں کو تندرست و سلامت رکھے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی نہ دن کے وقت ان کا دشمن اُن کے سامنے آیا میں نے ظہر کی نماز اُس وقت تک مدینہ کی مسجد میں نہ پڑھی جب تک ہزاروں ہزار آدمی کو تہ تیغ نہ کر لیا بڑی طرح لوٹ مار نہ مچا دی۔ سب کو تلواروں پر دھر لیا جو بھی سامنے آیا اسے تہ تیغ کیا جس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی اس کا پیچھا کیا جو زخموں میں جاں طلب تھا اس کا کام تمام کیا مدینہ کو تین دن تک لوٹتے رہے جیسا کہ امیرالمومنین نے حکم دے رکھا تھا۔ اس خدا کا شکر جس نے

پرانے مخالفین اور قدیمی منافقین کو قتل کر کے میرے سینہ کو شفا بخشی۔ اُن کی سرکشی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ اور یہ بہت پرانے باغی تھے۔“

بنی اُمیّہ کے ان سیہ کار اعوان و انصار کا راس و رئیس حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج، عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لئے حجاز روانہ ہوا اُس نے جاتے ہی مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ جہاں عبداللہ بن زبیر پناہ گزین تھے اُس نے منجنیق نصب کرا کر مکہ پر سنگ باری کرائی۔ آگ پھینکوائی یہاں تک کہ خانہ کعبہ کا ایک حصّہ جل گیا اور جب اُسے فتح یابی نصیب ہوئی اُس نے بنی اُمیّہ کے بڑے بڑے مخالفین کے سر کاٹ کر دمشق بھیجے۔ عبداللہ بن زبیر کا سر کاٹ کر انہیں سولی پر چڑھا دیا اتنے ہی پہ اکتفا نہ کی بلکہ ان کی میّت کو کافی عرصہ تک سولی پر اسی طرح لٹکا چھوڑ دیا اسماء بنت ابی بکر جو بہت بوڑھی اور ضعیف ہو چکی تھیں بیٹے کی موت نے انہیں اور ادھ موا کر دیا آنکھوں سے ٹھیک طرح سوجھائی بھی نہیں دیتا تھا وہ اس جگہ آئیں جہاں ابن زبیر کی لاش لٹکی ہوئی تھی اور کہا:۔

”کیا ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ یہ سوار اپنی سواری سے اُترے“

حجاج کو سخت ناگواری ہوئی اس نے اس غریب عورت کو بڑی بے شرمی اور درشتی کے ساتھ جھڑک دیا اور زجر و توبیخ میں بہت سے نازیبا کلمات کہے۔

عبدالملک نے اس کارنامہ کے صلہ میں حجاج کو حجاز کا گورنر مقرر کر دیا اُس نے جی کھول کر وہاں کے لوگوں کو قتل کیا سخت سے سخت سزائیں دیں انہیں ذلیل و خوار کیا۔ خود حجاج نے اپنی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا:۔

”میں اول نمبر کا جھگڑالو انتہائی کینہ پرور اور پکا حاسد ہوں“

اس شخص کو نوعِ بشر سے کتنی نفرت تھی اس کی تشریح کرنے سے عقل انسانی عاجز ہے۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبدالملک نے اُسے عراق کا حاکم مقرر کیا اور وہاں کی شورش ختم کرنے اور امن قائم کرنے کے لئے لوگوں پر اس کو مسلط کیا۔ حجاج صرف بارہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر کوفہ پہنچا۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے اُس نے ایک آدمی بھیج دیا تاکہ اس کی آمد سے لوگ آگاہ ہو جائیں ہر شخص مسجد میں آ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ رمضان المبارک کے دن تھے لوگ اس ظالم و جفا کار کے آنے پر اپنی ناگواری اور ناپسندیدگی کا آپس میں ذکر ہی کر رہے تھے کہ یہ آ پہنچا سر پر سُرخ رنگ کا ریشمی عمامہ تھا جس سے چہرے کا زیادہ حصّہ ڈھکا ہوا تھا ہاتھ میں تلوار اور کمان بھی وہ خاموش دھیرے دھیرے بڑھتا رہا مجمع بھی خاموش تھا یہاں تک کہ وہ منبر پر جا پہنچا اور عرشہ پر جا چڑھا پھر اُس نے کہا لوگوں کو بلاؤ کوفہ والے مسجد میں اکٹھا ہو گئے۔ سارا مجمع انتہائی خاموشی کے ساتھ ہمہ تن اُس کی طرف متوجہ تھا حجاج بہت دیر تک چپکا بیٹھا رہا لوگ بہت دیر تک انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ تھک کر آہستہ آہستہ اُسے بُرا بھلا کہنے لگے بعض لوگوں نے اُسے مارنے کے لئے کنکریاں بھی اٹھا لیں۔ دفعتہً حجاج نے تقریر شروع کی خوف و دہشت کے مارے لوگوں کے ہاتھوں سے کنکریاں گر

پڑیں۔ حجاج نے چہرے سے عمامہ سرکاتے ہوئے کہا۔

انا ابن جلا و طلاع الثنایا متی اضع العمامة تعرفونی

میں بڑے بہادر اور رعب و دبدبہ والے انسان اور آنکھ بند کر کے مہلکوں میں ٹوٹ پڑنے والے کا فرزند ہوں میرے عمامہ ہٹانے پر تمہیں پتہ چل جائے گا میں کون ہوں۔

خدا کی قسم میں اُٹھی ہوئی نگاہیں کھچی ہوئی گردنیں اور اُن سروں کو دیکھ رہا ہوں جن کے کٹنے کا وقت قریب آگیا ہے اور میں ہی ان کا کاٹنے والا ہوں۔ میں سر اور ڈاڑھی کے درمیان خون ہی خون دیکھ رہا ہوں۔

دیکھو امیر المومنین (عبد الملک بن مروان) نے اپنے ترکش کو پھیلایا۔ اُس کی لکڑی کو آزما کر دیکھا۔ مجھے سب سے زیادہ ٹھوس اور مضبوط لکڑی پایا اُس نے مجھے تمہاری طرف روانہ کیا۔

خدا کی قسم اے عراق والو! بغاوت و نفاق کے معدن، بدترین اخلاق والے میں تمہیں اس طرح چھیل کر رکھ دوں گا جس طرح لکڑی چھیل کر رکھ دی جاتی ہے اور اس طرح ماروں گا جس طرح اجنبی اونٹ مارے جاتے ہیں۔ تم لوگ اس گاؤں والوں کی طرح ہو جس کے باشندے بے خوف و مطمئن زندگی گزار رہے تھے ہر جانب سے ان کے کھانے پینے کا سامان وافر حاصل ہوتا تھا ان باشندوں نے خدا کی نعمتوں کا انکار کیا خدا نے بھی انہیں خوف و ہراس اور بھوک کا ذائقہ چکھایا، اُن کے اعمال کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔

اے عراق والو! ڈنڈوں کے غلام کنیزوں کی اولاد! میں حجاج بن یوسف ہوں۔ خدا کی قسم میں جو بھی قسم کھاتا ہوں پورا کر کے رہتا ہوں۔ اب میں ہوں اور یہ جماعتیں ہیں اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ہی کے راستہ پر استوار ہو جاؤ ورنہ میں ہر ایک کو ایسا بنا چھوڑوں گا کہ وہ اپنے جسم ہی میں مصروف رہے گا (یعنی اتنی مار ماروں گا کہ تندرست ہونے میں عرصہ لگ جائے گا) لہٰذا تم لوگ انصاف قبول کرو ظلم و زیادتی ترک کرو قبل اس کے کہ میں تمہارے ساتھ وہ ہولناک برتاؤ کروں جو عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا دے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تین دن کے اندر اندر اگر تم لوگ مہلب کے لشکر میں جا کر شامل نہ ہو گئے اور میں نے کسی کو یہاں پا لیا تو اس کا خون بہادوں گا مال و متاع لوٹ لوں گا اور اس کا گھر گرا دوں گا۔

حجاج نے جتنی دھمکیاں کوفہ والوں کو دی تھیں سبھی عمل میں لایا بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی سخت و شدید برتاؤ کئے۔

یہ حجاج بنی اُمیّہ کے ان تمام گناہان کبیرہ میں برابر کا شریک ہے جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ اُس نے بے شمار خون ناحق کئے خود اپنے متعلق کہا کرتا کہ میری سب سے بڑی لذت خون ریزی ہے اور ایسے کاموں کا ارتکاب جن کے کرنے کی کسی دوسرے کو ہمت نہ ہو نہ جن کو پہلے کسی نے کیا ہو۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۳ ص۱۲۵)

اس کا نام سنتے ہی جبر و قہر ظلم و ستم کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے گویا حجاج اور ظلم و جبر لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کا ذکر ہو تو دوسرا لامحالہ یاد آجائے۔

مورخین لکھتے ہیں۔

عبیداللہ بن زیاد قاتل حسینؑ کے بعد حجاج آیا اُس نے علیؑ کے اعوان و انصار کو چن چن کر قتل کیا۔ معمولی معمولی بدگمانی پر یا تہمت پر انہیں گرفتار کیا۔ یہاں تک کہ حجاج کے سامنے اگر کسی شخص کو کافر و زندیق کہا جاتا تو وہ حجاج کو زیادہ پسند ہوتا بہ نسبت اس کے کہ اُسے علیؑ کا حمایتی اور طرفدار کہا جاتا۔ کافر و زندیق اس کے نزدیک لائق درگذر بلکہ قابلِ بخشش و انعام تھے۔ اور علیؑ کے حمایتی واجب القتل۔

اسی جبر و تشدد و قہر و غضب سے حجاج نے حکومت شروع کی لوگوں کو سخت سے سخت اذیتیں پہنچا کر ان کا خون بہا کر ان کی عزتیں خاک میں ملا کر بھی اس سفاک انسان کی پیاس بجھتی نہ تھی۔

تین دن تک کوفہ میں رہ کر اُس نے جبری فوجی بھرتی کی ایک ایک شخص کو اُس نے میدان جنگ کی طرف روانہ کیا۔ کوئی متنفس ایسا باقی نہ رہا جسے محاذ پر جانا نہ پڑا ہو یہاں تک کہ کم سن بچے بھی جو ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے وہ بھی روانہ کئے گئے اسی اثنا میں عمیر بن ضابی خنظلی اس کے پاس آیا اور کہا خدا امیر کا بھلا کرے میں بہت بوڑھا سن رسیدہ انسان ہوں میرا لڑکا جوان ہے بازوؤں میں اُس کے کس بل بھی ہے۔ حجاج نے کہا یہ لڑکا اپنے باپ سے زیادہ بہتر ہو گا پھر پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں عمیر بن ضابی خنظلی ہوں۔ حجاج نے کہا کیا تم ہی وہ نہیں ہو جس نے عثمان بن عفان سے جنگ کی تھی۔ عمیر نے کہا جی ہاں میں ہی وہ ہوں حجاج نے کہا دشمن خدا کیوں تم نے ایسا کیا۔ عمیر نے کہا اس لئے کہ عثمان نے میرے باپ کو قید کر دیا تھا اور میرا باپ بہت بوڑھا اور کمزور و ناتوان تھا۔ عثمان نے میرے باپ کو مرتے دم تک قید سے رہا نہ کیا وہ قید خانہ ہی میں مر گئے۔

حجاج نے کہا کیا تم ہی نے یہ شعر نہیں کہا۔

همت ولم افعل وكدت وليتنى ترکت علی عثمان تبکی حلائله

میں نے چاہا کہ انہیں مار ڈالوں مگر میں نے ایسا نہیں کیا کاش میں ایسا کئے ہوتا کہ عثمان پر اُن کی بیویاں روتیں

حجاج نے کہا میرا خیال ہے کہ تمہارے قتل میں دونوں شہروں کوفہ و بصرہ کی بھلائی ہے۔ عذر تمہارا واضح ہے۔ تمہاری ضعیفی و کہن سالی ظاہر ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے کہیں دوسرے بھی میرے حکم سے سرتابی کی جرأت نہ کریں۔ پھر حجاج کے حکم سے اُس کی گردن اُڑا دی گئی۔ اُس کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور اس کا مکان ڈھا دیا گیا۔

اس قہر و غضب ظلم و ستم کی خبریں سب نے سنیں۔ ہر ایک کے حواس جاتے رہے۔ غول کے غول لوگوں کے محاذ جنگ پر جانے لگے۔

اتنا ہجوم و اژدحام تھا کہ فرات کا پل جس سے لوگ گذر کے جا رہے تھے اس ہجوم کا بوجھ سنبھال نہ سکا وہ ٹوٹ گیا

اور بہت سے لوگ دریا میں گر پڑے

حجاج نے کوفہ پر انتہائی بدخلق ترش مزاج شخص کو جس کا نام عبدالرحمان بن عبید تمیمی تھا اپنا قائم مقام کیا اور جب کوفہ کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو بصرہ پہنچا۔ وہاں اموی حکومت کے خلاف زیادہ شورش اور مخالفت تھی وہاں پہنچ کر اس نے تقریر کی، اور بصرہ والوں کو خوب برا بھلا کہا اور کوفہ والوں کی طرح دھمکی دی کہ اگر تین دن کے اندر اندر تم لوگ مہلب کے لشکر میں جا کر نہ شامل ہو گئے تو سخت سزا دوں گا۔ منبر سے اترنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بہت بوڑھا شخص شریک بن عمرو یشکری جو ایک آنکھ سے کانا بھی تھا اور آنتیں اترنے کا مریض بھی آیا اور عرض کیا کہ خدا امیر کا بھلا کرے میں آنتیں اترنے کا مریض ہوں مجھے خلیفہ وقت کے بھائی بشر بن مروان سابق گورنر بصرہ نے بھی معذور قرار دیا تھا۔ حجاج نے کہا میرے خیال میں تم سچے ہو۔ لیکن فوراً ہی اس نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ میں کوئی چھوٹا بڑا باقی نہ بچا جو مہلب کے لشکر میں پہنچ نہ گیا ہو۔

ایک دن یہی حجاج دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اس کے کچھ مصاحبین بھی شریک طعام تھے اتنے میں پولیس والے ایک شخص کو پکڑ لائے اور کہا حضور یہ شخص نافرمان ہے وہ شخص خوف و بدحواسی کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا اس نے حجاج سے کہا خدا کا واسطہ میری جان نہ لیجئے گا خدا کی قسم میں نے کبھی کسی سے قرضہ نہیں لیا کبھی کسی لشکر میں شریک نہیں ہوا۔ میں جلاہا ہوں مجھے کرگھے کے نیچے سے پکڑ کر لایا گیا ہے۔ حجاج نے فوراً حکم دیا کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ وہ غریب تلوار دیکھتے ہی سجدہ میں گر پڑا وہ سجدے ہی میں تھا کہ تلوار نے اس کا سر جدا کر دیا۔ حجاج کے نزدیک جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی وہ اسی طرح کھانے میں مشغول رہا البتہ اس کے ساتھیوں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا انہیں دہشت بھی تھی اور اس سفاکی پر رنج و تاسف بھی چہرے کے رنگ متغیر ہو گئے۔ نگاہیں اٹھی کی اٹھی رہ گئیں۔ حجاج نے بگڑ کر کہا یہ کیا ہوا تم لوگوں کو؟ ایک آدمی کے قتل پر تم لوگوں کی یہ کیفیت کہ ہاتھوں کے لقمے گر پڑے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ نافرمان شخص دوسروں کو بھی جرأت دلاتا ہے حاکم کو اس کے متعلق اختیار ہے چاہے قتل کرے چاہے معاف کرے۔

اسی جور و تشدد اور قتل و ہلاکت کے ذریعے حجاج کے نزدیک کوفہ و بصرہ کی درستی ممکن تھی۔ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے صرف ایک ہلکا سا خاکہ ہے اس کے مظالم کا ورنہ اس نے جتنی تعداد میں لوگوں کو قتل کیا جن جن طریقوں سے قتل کیا عذاب و عقاب کے جیسے جیسے طریقے اختیار کئے ان کے تذکرے کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی کافی نہ ہوگی۔

جب ابن جارود نے حجاج کے مظالم سے تنگ آ کر بغاوت کی اور بغاوت ناکام رہی۔ حجاج فتح یاب ہوا تو اس نے باغیوں کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر کے سب کے سر کاٹ کر مہلب کے پاس بھیج دیے تاکہ ان سروں کی خوب نمائش کی جائے تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں نافرمانی و بغاوت کے جذبات پرورش پا رہے ہوں وہ اچھی طرح دیکھ لیں پھر اس نے بنی امیہ کے مخالفین کی سرکوبی کے لئے بصرہ و کوفہ کے باشندوں سے لاکھوں آدمی فوج میں بھرتی

کئے وہ ایک ہی وقت میں شیعیان علیؑ سے انتقام بھی لیتا تھا اور اپنے اغراض کے ماتحت اُن سے کام بھی لیتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ و بصرہ دونوں شہروں میں کوئی نوخیز جوان بھی ایسا نہ بچا جو لقمۂ اجل بننے کے لئے مجبور نہ ہو یا تو وہ حجاج کی تلوار سے موت کے گھاٹ سے اُترا یا حجاج کے دشمنوں کی تلوار سے۔

عراق والے حجاج کے خلاف مسلسل علم بغاوت بلند کرتے رہے لیکن یہ بغاوتیں بہت کمزور ہوتیں۔ باغی جلد ہی حجاج کے قابو میں آجاتے اور اس کے غیظ و غضب کا نشانہ بنتے۔ حجاج انہیں سخت سے سخت سزائیں دیتا اور چن چن کر تمام باغی قتل کر دیئے جاتے اُن کے گھر نذر آتش اور مال و اسباب لوٹ لئے جاتے۔ حجاج کی تلوار دراز سے دراز تر ہوتی جاتی ہزاروں ہزار آدمی آئے دن موت کے گھاٹ اُترتے رہتے عراق کے قیدخانے مردوں اور عورتوں سے چھلکنے لگے۔ قیدخانوں میں انہیں نت نئے عذاب و عتاب کا سامنا کرنا پڑتا اور یہ انتظار رہتا کہ کب باری آتی ہے اور حجاج کی تلوار کام تمام کرتی ہے۔ اگر حجاج یا اُس کے سپاہیوں کو اُن کا قصہ پاک کرنے کی فرصت نہ ملتی تو بھوک پیاس انہیں تڑپا تڑپا کر مار ڈالتی غرض وہ نہایت ذلت و اہانت، حزن و اندوہ اور ناامیدی کی فضا تھی جس میں عراق والے زندگی کے دن بسر کر رہے تھے یہ فضا اس وقت اور سخت و شدید ہو گئی جب حجاج کو معرکہ زاویہ اور معرکہ دیر جماجم میں کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ معرکہ زاویہ جس میں محمد بن اشعث کو شکست اور حجاج کو فتح ہوئی تھی۔ حجاج نے گیارہ ہزار عراقیوں کو قیدی بنایا پہلے تو انہیں امان دی جان بخشی کا وعدہ کیا جب انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو قید کر کے فوراً ہی سب کی گردنیں اڑا دیں۔ معرکہ دیر جماجم میں تو عراق والوں کی کمر ٹوٹ گئی اُن کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ بھوک نے اُن کی جان پر بنا دی۔ طاعون الگ پھوٹ پڑتا۔ باغی سب حجاج کے ہاتھ پڑے اور اُس نے ایک شخص پر بھی رحم نہیں کھایا۔ اُس بے پناہ قتل و غارت، ہمہ گیر تباہی و بربادی کے باوجود کوفہ و بصرہ کو امن و چین نصیب نہ ہوا جو بچے کھچے افراد رہ گئے تھے حجاج نت نئے طریقوں سے ان پر مشق ستم کرتا رہتا۔ ہر دن اور ہر لمحہ اس کے مقتولین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا۔ عراق والوں کو قتل کرنے سے پہلے انہیں ذلیل و خوار کرنے اُن کے عقائد و نظریات اور اخلاق و کردار کو کچلنے کا اس حجاج کو بڑا وحشیانہ شغف تھا۔ اس نے خوں ریزی، قتل و غارت میں جتنا مبالغہ سے کام لیا۔ اتنا ہی ذلت و اہانت تحقیر و توہین میں بھی یہ نوبت آگئی تھی کہ جب لوگ آپس میں ملتے مسجدوں میں، جلسوں میں، بازاروں میں تو ان کے درمیان اس کے سوا اور کوئی بات ہی نہ ہوتی کہ کل کون قتل ہوا۔ آج کس شخص کو پھانسی دی جائے گی۔ فلاں شخص کیونکر ذبح کیا گیا اور فلاں کی اس کی ہلاکت سے پہلے کیا درگت کی گئی۔ حجاج کا ایک فقرہ ہر دن اور ہر ساعت اس کی زبان پر جاری رہتا اُس وقت عراق کے ہر شہر میں زبان زدِ خلائق تھا۔ **یاحرسی اضرب عنقہ** ۔ سپاہی! اس کی گردن مار دے۔

شیعیانِ علیؑ سے اس کی عداوت، کینہ و عناد اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ جس کا نام بھی علیؑ یا حسنؑ یا حسینؑ یا خاندانِ ابوطالبؑ کے کسی فرد کے نام پر ہوتا تو اُسے قتل کرا دیتا۔ بہت سے دنیا کے بندے آکر اپنے نام کے متعلق اُس سے عذر و معذرت کرتے

چنانچہ ایک شخص نے حجاج سے کہا حضور میرے گھر والوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے انہوں نے میرا نام علی رکھا حالانکہ میں مرد فقیر و نادار ہوں اور حضور کے الطاف و عنایات کا بہت ہی محتاج۔

غرضیکہ حجاج کا ظلم و جور ضرب المثل بن چکا تھا۔ شیعیان علیؑ اس کے ظلم و جبر کا خصوصی نشانہ تھے۔ اس نے اپنی حکومت کے زمانہ میں جتنے لوگوں کو قتل کیا اُن کی تعداد شمار کی گئی تو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمیوں کو اس نے تہ تیغ کیا اور اس کے مرنے کے وقت اُس کے قید خانوں میں ۵۰ ہزار مرد اور ۳۰ ہزار عورتیں تھیں۔

لیکن اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے مرتے وقت اپنے لڑکوں کو وصیت کی کہ :۔

"حجاج کی عزت کرنا اُسی نے منبروں کو تمہارے لئے روندا شہروں کا قلع قمع کیا اور دشمنوں کو زیر کیا۔

اس وصیت کی پوری پوری پابندی کی گئی ولید بن عبدالملک نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اُسے کوفہ و بصرہ اور مشرقی ممالک کی گورنری پر باقی رکھا۔

اس فصل کو ختم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ایک انتہائی ہولناک واقعہ بھی ذکر کر دیں یہ واقعہ بیک وقت بنی امیہ اولاد ابی طالب اور دونوں کے اعوان و انصار کی خصوصیات و کیفیات کا حامل ہے ایک طرف اگر شیعیان علیؑ کی عظمت و جلالت کا آئینہ اور تاریخ کا زرّیں ورق ہے تو دوسری طرف بنی امیہ کی ذلت و پستی خباثت و دنائت کا سیاہ ترین ورق۔

مختصر روئداد اس واقعہ کی یہ ہے کہ حجر بن عدی کندی سرمست ولائے علی ابن ابی طالب تھے صلح امام حسنؑ کے بعد جس طرح سب ہی نے چار و ناچار معاویہ کی بیعت کر لی تھی انہوں نے بھی کر لی تھی لیکن یہ بیعت انہیں اس پر مجبور نہ کر سکی کہ وہ علیؑ کی محبت سے دست کش ہو جائیں اور اُن سے اظہار بیزاری کرنے لگیں بلکہ اُن کی توجی جان سے کوشش تھی کہ ہمارا جو قدم اُٹھے وہ علی ابن ابی طالب کے نقش قدم پر اٹھے اور ہماری سیرت نمونہ ہو علیؑ ابن ابی طالبؑ کی سیرت کا وہ بہت ہی کھرے اور صداقت شعار تھے صلح و سلامتی کو پسند کرتے جنگ سے بیزار رہتے عدالت اجتماعیہ پر جان دیتے تھے پھر یہ کہ حاکم کی حیثیت ان کی نظر میں اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ وسیلہ و ذریعہ ہے عوام کی خدمت کا جیسا کہ اُن کے عظیم ترین استاد علی ابن ابی طالب کا نظریہ تھا اگر حاکم عوام کا خادم اور اُن کے دکھ درد کا شریک ہے تو وہ اس کے حمایتی اور اس کا ساتھ دینے پر تیار ہیں اور اگر حاکم ایسا نہیں وہ فساد کی طرف مائل اور ناجائز و ناپسندیدہ حرکات کا مرتکب ہے تو یہ اُس سے ناراض اور اُس کے سخت ترین دشمن ہیں۔ لہذا ایسے آدمی کے لئے جیسے کہ حجر تھے فطری بات تھی کہ بنی امیہ کی اس حرکت کو کہ وہ منبروں پر حضرت علیؑ کو گالیاں دیں ہرگز برداشت نہ کریں اور علی الاعلان اپنی ناراضی و برہمی ظاہر کریں چاہے ایسا کرنے میں انہیں حاکم کے قہر و عتاب کا نشانہ ہی کیوں نہ بننا پڑے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک مرتبہ گورنر کوفہ مغیرہ بن شعبہ نے منبر پر حضرت علیؑ پر سب و شتم کیا۔ حجر بن عدی اُٹھ کھڑے

ہوئے اور زور سے چیخے کہ یہ کیا فضول بکواس ہے تم ہماری تنخواہیں اور عطایا دلواؤ جسے تم نے ناحق روک رکھا ہے وہ تمہارے لئے نہیں ہے نہ تم سے پہلے کے گورنروں نے اس میں کوئی لالچ کی تم امیرالمومنین کی مذمت کرتے ہو۔ اور مجرموں کی مدح و ستائش بہت سے لوگوں نے حجر کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغیرہ کو اپنی بات کو ناتمام چھوڑ کر منبر سے اُتر آنا پڑا۔ حجر برابر اموی حکومت پر معترض رہے۔ جب بھی شریعت کی مخالفت انہوں نے ہوتے دیکھی نظر انداز کرنا اُن سے ممکن نہ ہوا۔ یہاں تک کہ مغیرہ نے یہ دنیا خالی کی اور اس کی جگہ زیاد بن سمیہ گورنر ہو کر کوفہ آیا۔ حجر اور زیاد پہلے ایک دوسرے کے دوست تھے مگر ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے یہ دوستی ختم کر دی۔ ہوا یہ تھا کہ ایک عربی مسلمان نے ایک ذمی کافر کو قتل کر دیا۔ جب مقدمہ زیاد کے پاس پیش ہوا تو اُس نے مسلمان سے کافر ذمی کا قصاص لینے سے انکار کر دیا اور فیصلہ یہ کیا کہ مسلمان، مقتول کا خون بہا ادا کرے۔ مقتول کے ورثا نے خون بہا لینے سے انکار کیا اُن کا کہنا تھا کہ اسلام میں تمام مخلوقات خدا کے عیال ہیں۔

الانسان اخوالانسان احب او اکرہ۔ — ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے۔ چاہے اُسے پسند ہو یا ناپسند۔

لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقوی۔ — کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں وہ تقویٰ و پرہیزگاری ہی ہے جو اسے برتری دے سکتی ہے۔

نیز وہ اُس عدالت کو بھی ضروری سمجھتے تھے جسے علیؓ نے اپنی زندگی کا دستور بنایا تھا اور جس کی راہ میں انہوں نے اپنی جان بھی دی۔ ان سب باتوں کی بنا پر حجر نے زیاد کے فیصلہ کو سخت ناپسند کیا وہ اتنے برہم ہوئے کہ اُن سے خاموش بیٹھا نہ گیا وہ پیچھے پڑ گئے کہ قصاص کے معاملہ میں مسلم و غیر مسلم دونوں برابر ہیں اُن میں کوئی فرق جائز نہیں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے ہمنوائی کی وہ شورش و ہنگامہ برپا کرنے پر تل گئے۔ زیاد اور اس کے ساتھی ڈرے کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ اُس نے بادل ناخواستہ حکم دے دیا کہ قاتل سے قصاص لیا جائے پھر اُس نے معاویہ کو خط لکھ کر حجر اور اُن کے حامیوں کی شکایت کی۔ معاویہ نے زیاد کو لکھا کہ اس تاک میں رہو کہ حجر اور اُن کے ساتھیوں سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اُن کے خلاف حجت بن سکے۔

اس کے بعد زیاد اور حجر و اصحاب حجر میں جو جو واقعات پیش آئے زیاد نے جس جس طرح حجر کو ڈرایا، دھمکیاں دیں، حجر و اصحاب حجر نے زیاد کی من مانی حرکتوں پر جو اعتراضات کئے اور اُس کی ہر تقریر میں مداخلت کی، اُس کے ذکر میں طول ہو گا غرض ان دونوں جماعتوں میں اختلافات بڑھتے گئے۔ زیاد نے کوفہ کے کچھ لوگوں کو بلا کر کہا کہ حجر کے پاس جاؤ اور انہیں سمجھاؤ کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز رہیں ان لوگوں نے واپس آکر زیاد کو بتایا کہ حجر اپنے عقائد و نظریات میں اتنے سخت ہیں کہ ہم لوگ انہیں باز رکھنے میں قطعی ناکام رہے اُس وقت زیاد نے خود کسی کو بھیج کر حجر کو بلا بھیجا۔ حجر نے آنے سے انکار کر دیا۔ آخر میں زیاد نے پولیس افسر کو مامور کیا کہ جا کر حجر کو پکڑ لاؤ۔ پولیس اور حجر کے ساتھیوں میں جھڑپ ہو گئی اور پولیس حجر کو گرفتار کرنے سے

قاصر رہی، حجر روپوش ہو گئے۔ زیاد بہت دل تنگ ہوا۔ اُس نے محمدؐ بن اشعث بن قیس کو بُلا بھیجا جو حجر کا بہت بڑا حمایتی اور قبیلہ کندہ کا معزز آدمی تھا۔ زیاد نے اُسے دھمکی دی کہ ہم تمہیں قید میں ڈال دیں گے۔ ہاتھ پیر کاٹ کر قتل کر دیں گے اگر تم حجر کو گرفتار کر کے ہمارے پاس نہ لائے۔ حجر سے یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کی وجہ سے کسی کی جان جائے وہ زیاد کے سامنے آ گئے۔ لیکن آنے سے پہلے یہ اقرار لے لیا کہ زیاد اُن سے کوئی تعرض نہ کرے گا بلکہ اُنہیں معاویہ کے پاس بھیج دے گا وہ دونوں آپس میں نپٹ لیں مگر حجر کے سامنے آتے ہی زیاد نے پکڑ کر انہیں قید خانہ میں ڈال دیا اُس کے بعد اُن کے اصحاب کی گرفتاری کا حکم دیا۔ بہت کچھ کشت و خون ہونے کے بعد کچھ لوگ گرفتار ہوئے۔ اُنہیں بھی قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ زیاد نے کوفہ والوں کو بلا کر کہا تم لوگ حجر اور اُن کے ساتھیوں کے خلاف گواہی دو۔ اس سلسلہ میں اُس نے لوگوں کو دھمکیاں بھی دیں اور ترغیب و تحریص بھی۔ کچھ لوگوں نے گواہی دی کہ حجر اور اُن کے ساتھی علیؑ کو دوست رکھتے ہیں اُن کے سوا کسی کو دوست نہیں رکھتے۔ عثمان کو عیب لگاتے ہیں۔ معاویہ کو جو برا کہتے ہیں۔ زیاد اس گواہی سے مطمئن نہ ہوا۔ وہ تو کوئی فیصلہ کن گواہی چاہتا تھا۔ اس موقع پر ابوموسیٰ اشعری کے فرزند ابوبردہ نے محضر شہادت حجر کے خلاف تیار کی:۔

”یہ وہ گواہی ہے جو ابوبردہ ابن ابی اشعری نے پروردگار عالم کے لیئے دی وہ گواہی دیتا ہے کہ حجر اور اُن کے اصحاب نے قلادہ طاعت نکال پھینکا۔ جماعت سے الگ ہو گئے۔ معاویہ کی خلافت سے قطع تعلق کر لیا اور لڑائی دوبارہ چھیڑنے کا ارادہ کیا۔“

جب ابوبردہ یہ تحریر لکھ چکے تو زیاد نے کوفہ والوں سے کہا تم سب بھی اس پر اپنی دستخط کر دو۔ تقریباً ستر آدمیوں نے اس پر دستخط کی۔ زیاد نے اس سلسلہ میں کذب و فریب سے بھی کام لینے میں تامل نہ کیا۔ گواہوں میں ایسے لوگوں کے نام بھی بڑھا دیئے جنہوں نے نہ گواہی دی تھی نہ اس موقع پر موجود تھے منجملہ ان کے شریح قاضی تھے۔ شریح نے فوراً ہی معاویہ کے پاس آدمی بھیج کر اس جعلی محضر شہادت سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا بلکہ انہوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ ہماری گواہی دیتا ہوں کہ حجر مرد صالح اور منتخب روزگار افراد میں سے ہیں۔

حجر اور اُن کے رفقا گرفتار کر کے معاویہ کے پاس لے جائے گئے زیادہ کا خط اور وہ محضر شہادت بھی پہنچا جس میں حجر کے خلاف ستر گواہوں کی گواہیاں ثبت تھیں۔ زیاد کا خط اور محضر شہادت مجمع میں پڑھ کر سنایا گیا۔ بعض لوگوں نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ صرف ان لوگوں کو قید کر دینے پر اکتفا کیجئے۔ بعض لوگوں نے کہا ان لوگوں کو شام کے مختلف شہروں میں رکھ دیا جائے یہ عراق واپس جانے نہ پائیں۔ معاویہ نے ان لوگوں کے متعلق زیاد سے خط و کتابت کی۔ زیاد نے لکھا کہ اگر آپ عراق کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں یہاں واپس نہ آنے دیجئے۔

تھوڑے دنوں بعد معاویہ نے حجر اور ان کے رفقا کے پاس آدمی بھیجا اور یہ پیش کش کی کہ وہ علی ابن ابی طالبؑ سے اپنی بے تعلقی ظاہر کریں اور اُن پر سب و شتم کریں اور عثمان سے اظہار محبت کریں جو شخص ایسا کرے گا اس کی جان بخشی کی جائے

گی جانثار کرے گا قتل کر دیا جائے گا۔

حجر اور اصحاب حجر نے انتہائی سختی سے یہ پیش کش ٹھکرا دی جس کے نتیجہ میں وہ ایک ایک کر کے قتل کر ڈالے گئے۔ جس کی ایک طویل اور اندوہناک داستان ہے جو تاریخ کی سبھی کتابوں میں موجود ہے۔ اس داستان کو پڑھنے کے بعد انسان کے نفس کی انتہائی بلندی اور عالی ہمتی معلوم ہوتی ہے کہ باوجودیکہ سامنے قبر کھدی ہوئی تھی تلوار سر پر معلق تھی مگر اُس کا ضمیر ایک لمحہ کے لئے بھی اظہار بیزاری کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

معاویہ کے نوکروں نے یہ کہا تھا کہ حجر اور اُن کے ساتھیوں کی آنکھوں کے سامنے ہر ایک کے قدو قامت کے لحاظ سے قبریں پہلے سے کھود لی تھیں کہ اگر وہ علی سے اظہار بیزاری نہ کریں تو قتل ہوتے جائیں اور ان گڈھوں میں پھینکے جاتے رہیں۔

ان لوگوں کے واقعہ شہادت کے سلسلہ میں ایک روایت مورخین نے یہ بھی لکھی ہے کہ حجر کے دو ساتھی کھچی ہوئی تلواریں کھدی ہوئی قبریں اور پھیلے ہوئے کفن دیکھ کر ڈر گئے۔ ان دونوں آدمیوں نے معاویہ کے نوکروں سے کہا ہمیں معاویہ کے پاس لے چلو۔ ان لوگوں نے ظاہر یہ کیا کہ علی و عثمان کے متعلق ہمارے خیالات اور معاویہ کے خیالات میں کوئی فرق نہیں نوکروں نے بات مان لی اور انہیں لے کر معاویہ کے پاس پہنچے۔ اُن میں سے ایک شخص نے تو جان بچانے کے لئے زبانی طور پر اظہار بیزاری کر ڈالا۔ مگر دوسرا شخص جب معاویہ کے سامنے ہوا۔ اُس نے جی کھول کر علیؑ اور ان کے اصحاب کی مدح و ثنا کی اور معاویہ اور اُن کے اصحاب کو برا بھلا اور عثمان کے متعلق ایسی سخت باتیں سنائیں جو معاویہ کے برداشت سے باہر تھیں معاویہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو زیاد کے پاس لے جایا جائے اور زیاد کو لکھا کہ اس کو اس طریقہ سے قتل کرو کہ آج تک اسلام میں کوئی شخص اس طرح قتل نہ ہوا ہو۔ زیاد نے اُس شخص کو زندہ گڑوا دیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب حجر قتل کئے جانے لگے تو ان کی زبان سے صرف یہ فقرہ نکلا ہمارے اور ان مسلمانوں کے درمیان خدا ہے، ہمارے خلاف عراق والوں نے گواہی دی اور شام والوں نے ہمیں قتل کر ڈالا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی اُمیہ نے مطلق العنان شہنشاہیت اور ڈکٹیٹرانہ حکومت کی جیسی مثال پیش کی ہے جیسے جیسے ظلم و استبداد انہوں نے کئے اور جس جس طرح عوام کی دولت لوٹی کھسوٹی۔ ملک کی دولت سے اپنے اور اپنے خویش و اقارب کے گھر بھرے زمین کو اپنی خاص ملک قرار دیا اور رعایا کو اپنا زر خرید غلام سمجھا شاید ہی کسی نے ایسا کیا ہو۔ اور علی ابن ابی طالب اور ان کی اولاد بہترین انسانی فکر اور پاکیزگیٔ عمل اور ڈیموکریسی کے نمایاں مرقع ہیں۔ وہ مال و دولت زمین کی پیداوار کو عوام کا حق قرار دیتے تھے نہ کہ صرف ذی وجاہت اور صاحبان عزّ اقتدار کی خاص ملکیت۔

دونوں فریق یعنی بنی اُمیہ اور علی و اولاد علی کی جیسی فطرت و طبیعت تھی وہی فطرت و طبیعت ان کے اعوان و انصار اور دوست داروں نے پائی۔ وہی وجاہت اور منفعت پرست افراد مادی مال و اسباب اور سیم و زر کی طمع میں بنی اُمیہ کی طرف جھک پڑے اور ان کے ساتھ بے شمار عوام الناس بھی اُن کے طرفدار ہو گئے کیونکہ اس زمانہ میں اخلاقی قدروں کو سمجھنے والے

سمجھے ہی نہیں نہ اس وقت کے لوگوں کو یہ اندازہ تھا کہ آگے چل کر کیا چیز ہمارے لئے مفید ہوگی اور کیا چیز ہمارے لئے مضر وہ تو نقد پر جان دیتے تھے چاہے وہ نقد تھوڑے سے ہی دنوں کے لئے نفع بخش کیوں نہ ہو۔ انہیں شروع میں اس کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ ہم جن لوگوں کی نصرت وحمایت کر رہے ہیں وہ کس قماش کے ہیں اور جب اندازہ ہوا تو وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور پچھتانا بے کار تھا۔

علیؑ اور اولاد علیؑ کی طرف وہ اعوان وانصار اور اُن پر جان چھڑکنے والے مائل ہوئے جن کی فطرت وطینت، علیؑ اور اولاد علیؑ کی فطرت وطینت جن کے اخلاق وعادات علیؑ اور اولاد علیؑ کے اخلاق وعادات جیسے تھے وہ حق پر ثابت قدم رہے۔ اُن پر سخت سے سخت مظالم ہوئے۔ انہیں حکام وعمال اور بنی اُمیّہ کے اعوان وانصار کی طرف سے ہر قسم کے مصائب وشدائد کا سامنا ہوا۔ اُن کی زندگی تلخ سے تلخ تر بنادی گئی مگر اُن کے قدموں میں ذرہ برابر لغزش پیدا نہ ہوئی انہوں نے اپنے بزرگ ترین اُستاد علیؑ ابن ابی طالبؑ کی پیروی کرتے ہوئے جان دے دی۔ تباہی وبربادی گوارا کی مگر انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ عدالت اجتماعیہ فنا ہونے پائے۔

تو جس طرح علی ابن ابی طالبؑ اور ان کی اولاد کی نصرت ویاوری نے اُن کے دوستداروں کے نفوس کو سربلندی عطا کی۔ دنیا سے بے نیازی، سیر چشمی، رحم دلی، خدا پرستی اُن کا طرۂ امتیاز ہوا۔ اسی طرح بنی اُمیّہ کی نصرت وحمایت نے طرفداران بنی اُمیّہ کو انانیت وخود سری ظلم وجبر اور لوٹ کھسوٹ کی پستیوں میں غرق کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض عرب مصنفین کے نظریات وآرا کی طرف ہم پھر اشارہ کر دیں بغیر اُن پر کسی قسم کا تبصرہ کئے ہوئے اس لئے کہ ہم نے اس فصل میں جو کچھ لکھا ہے اسی سے ان ہرزہ سرائیوں کی پوری پوری تردید ہو جاتی ہے۔ ہم ان عرب مصنفین میں سے نمونہ کے طور پر **محمد کرد علی** کو پیش کرتے ہیں۔ اُنہوں نے بنی اُمیّہ اور ان کے اعوان وانصار کی عظمت واہمیت میں جو باتیں بیان کی ہیں انہیں باتوں کو باقی عرب مصنفین کی مدح سرائیوں کا نمونہ سمجھنا چاہیے۔

محمد کرد علی معاویہ اور اُن کے سفاک وخون آشام افسرانِ فوج جنہیں معاویہ نے مسلمانوں کے قتل وغارت اُن کے مال ومتاع کو لوٹنے اُن کے گھروں کو منہدم کرنے اُن کے بچوں کو ذبح اور اُن کی عورتوں کو جلا کر پھونک دینے کے لئے بھیجا تھا تاکہ شام کے خزانہ میں اضافہ ہو اور یہ خزانہ معاویہ اور اُن کے انصار کے کام آئے پھر اُن کے فوجیوں کے کام آئے اور وہ فوجی ان کی اور ان کے فرزند یزید اور اُن کے قریبی عزیز مروان اور ان کے اعوان وانصار کی حفاظت کریں اور علی ابن ابی طالب حسین ابن علیؑ، عمار بن یاسر، حجر بن عدی اور دیگر اشراف کے قتل میں اُن کی مدد ونصرت کریں۔ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سب سے اہم کام جو معاویہ نے کیا وہ یہ کہ اُنہوں نے لشکر کی تنظیم کی فوجوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا اور اپنے

نصیبہ کی یاوری کی بدولت انہیں بڑے بڑے مدبرین کی تائید و امداد بھی حاصل ہوگئی - زیاد بن ابیہ مغیرہ بن شعبہ ضحاک بن قیس، مسلم بن عقبہ، بسر بن ارطاۃ وغیرہ؟

محمد کرد علی اپنی اس کتاب میں جس کا نام انہوں نے الاسلام والحضارۃ العربیہ رکھا ہے ان سفاک وخون ریز انسانوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ افراد بڑے مدبر اور ملک کی عظیم شخصیتیں تھیں حالانکہ اُن پر لازم یہ تھا کہ وہ یہ دکھاتے کہ نہ صرف اسلام ایسے سفاک وخون ریز انسانوں سے کوئی واسطہ رکھتا بلکہ ہر تمدن خواہ وہ عربی تمدن ہو یا غیر عربی بھی ایسے سفاکوں سے بے تعلق و بیزار ہیں۔

محمد کرد علی ایسی حیرت انگیز بات قلم سے لکھ جاتے ہیں اور ذرا بھی اپنے نفس سے محاسبہ نہیں کرتے اور نہ تاریخی حقائق کو مسخ کر کے بیسویں صدی کے لوگوں سے انصاف کرتے ہیں انہیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ خود اپنی اسی کتاب کے گذشتہ صفحات میں وہ یہ لکھ چکے ہیں ۔

"معاویہ کے زمانہ کے کسی مرد صالح سے پوچھا گیا آپ نے لوگوں کو کس حال میں چھوڑا - انہوں نے جواب دیا میں نے وہ حال میں چھوڑا - ایک مظلوم جس کی داد رسی نہیں ہوتی دوسرا ظالم جو ظلم کرتے نہیں تھکتا۔"

قاتلین عثمان

ہم نے بنی اُمیہ اور اولاد ابی طالب کی حقیقت و ماہیت نیز ان دونوں کے اعوان و انصار کے طبائع و سرشت کا جو سرسری تذکرہ کیا اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ریاست و سلطنت کی محبت، خود پرستی و منفعت کی مضبوط جڑیں بنی امیہ کے دلوں میں قائم ہو چکی تھیں اور اُن کی شاخیں اُن کے اعوان و انصار نیز ان تمام لوگوں کے دلوں میں پھوٹ نکلی تھیں جو بنی امیہ ہی جیسی طینت اور انہیں جیسے عقائد و نظریات کے حامل تھے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنی اُمیہ اور اُن کے اعوان و انصار، پیغمبر اسلام اور آپ کے اسلام سے جو برسرپیکار ہوئے تو اُن معززین و اکابر قریش کی ذہنیت و دماغ کے ساتھ جنہیں کسی طرح یہ گوارا نہ تھا کہ یہ دنیا دین ہمیں ہماری عادتوں سے روکے اور ہمارے سماجی قوانین کو درہم و برہم کرے۔ وہ قوانین جو تاجروں اور دولت مندوں کے لئے تو مفید تھے لیکن غریبوں اور ناداروں کا گلا گھونٹنے کا ذریعہ تھے۔

پیغمبر اسلام کے اعلان رسالت اور اسلام کے فروغ سے لے کر مکہ فتح ہونے تک معززین و اکابر قریش دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اگرچہ ہر ایک کی تمنائیں جداگانہ تھیں اور مقاصد مختلف، ہمارا اندازہ ہے اور جیسا کہ واقعات بھی شاہد ہیں کہ یہ لوگ اپنے اسلام میں تین طرح کے تھے۔

کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے اسلام کو حق سمجھا اُسے عدل و مساوات کا پیامبر جانا اور خوشی خاطر اسلام لائے۔ ان لوگوں کی تعداد معززین قریش میں کم سے کم تھی انہیں لوگوں میں سے طلحہ و زبیر تھے، عثمان بن عفان تھے جن کا مسلمان ہونا معززین قریش کے لئے عموماً اور بنی اُمیہ کے لئے خصوصاً کاری زخم تھا۔

کچھ لوگ تو وہ تھے جو بہت گہری نظر سے حالات کا جائزہ لے رہے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ کامیابی کسے ہوتی ہے۔ اگر قریش کامیاب ہوتے ہیں تو ہم اُن کے ساتھ ہیں اور اگر مسلمانوں کی جیت ہوتی ہے تو ہم مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور اُن کے ہمنوا بن جاتے ہیں گویا وہ جاہلیت کی طرح اسلام کو بھی منفعت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ انہیں لوگوں میں سے عمرو عاص تھے جن کے اسلام لانے کے واقعہ کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو بادلِ ناخواستہ مسلمان ہوئے ان کی وجاہت و عزت خاک میں مل چکی تھی۔ یہ لوگ اس

قصد و ارادہ سے مسلمان ہوئے کہ جیسے ہی موقع ملے گا ہم پھر اس اسلام کو جاہلیت کی طرف پلٹاتے جائیں گے۔ اس تیسری قسم کے معززین و اکابر قریش اسے ابوسفیان بن حرب معاویہ کا باپ اور وہ سرداران قبائل تھے جو پیغمبر خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی مرتد ہو گئے اور حضرت ابوبکر نے اُن سے لڑ بھڑ کر کامیابی حاصل کی۔

ان معززین و اکابر قریش کی پہلی قسم کے لوگ اپنے اسلام اور اس عہد و پیمان پر ثابت و استوار رہے جو انہوں نے اسلام لاتے وقت کیا تھا لیکن ان لوگوں کا اسلام ان کی خاندانی وجاہت و شرف کے جذبات سے کچھ اس طرح لاشعوری طور پر گڈمڈ تھا جس کا نہ تو انہیں احساس ہی تھا اور نہ شعور و ادراک یہی ایک اشتباہی کیفیت تھی اس وجہ سے اُن کی زیادہ ملامت نہیں کی جا سکتی۔

رہ گئے باقی دو قسم کے لوگ ان دونوں کی سیاست کا محور محض اقتصادی پہلو اور اس اقتصادی پہلو کی سماجی درازدستیاں تھیں۔ ان دونوں قسم کے معززین قریش کا ایکا محض اپنے مصالح کی بنا پر تھا اگر ان کے مصالح ایک ہوتے تو یہ ایک دوسرے کے مددگار ہوتے اور مل کر قدم اُٹھاتے اور اگر مصالح مختلف ہوتے تو دونوں الگ الگ اپنا کام کرتے۔

تو فتنہ و فساد اور اس کے اسباب کی ذمہ داری ان تینوں قسم کے معززین پر یکساں عائد ہوتی ہے اگرچہ دوسری اور تیسری قسم کے معززین کا ہاتھ فتنہ و فساد میں زیادہ ہوتا۔ ان تینوں قسم کے معززین قریش کی طبیعت میں یہ بات داخل تھی کہ مال و دولت اور منفعت کے کسی موقع سے چوکیں نہیں جب بھی کوئی موقع نظر آئے اس سے ضرور فائدہ اٹھایا جائے انہیں اس کی پروا نہ تھی ... کہ اس وقت مسلمانوں کے کاندھوں پر کار رسالت کی کتنی ذمہ داریاں عائد تھیں۔ مال دولت اور منفعت کی طرف مائل ہونے کے آثار ابوبکر کی خلافت ہی کے زمانہ سے ظاہر ہونے لگے۔ اس کا ثبوت خالد بن ولید کا واقعہ اور وہ تیز و تند گفتگو ہے جو حضرت ابوبکر و عمر کے درمیان ہوئی مختصر قصہ یہ ہے کہ خالد بن ولید نے محض از راہ ظلم، جور اور محض ناجائز اور غیر شریفانہ طور پر مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے مالک بن نویرہ کو قتل کر ڈالا یہ خبر سن کر ابوبکر بہت دہشت زدہ ہوئے انہیں رنج بھی کافی پہنچا اس وقت انہوں نے یہ فقرہ کہا جو کافی مشہور ہے۔

لقد فتنت الغنائم العرب وترك خالد ما امرته

مال غنیمت نے عرب والوں کو سرگشتہ کر دیا ہے اور خالد نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔

جب خالد حضرت ابوبکر کے پاس آئے تو اُن کے عمامہ میں تین تیر تھے۔ حضرت عمر نے انہیں دیکھ کر کہا۔

ا مرئیاء یا عدو الله اما والله ان امکننی الله منك لارجمنك

دشمنِ خدا یہ ساری حرکتیں تمہاری ریاکارانہ ہیں خدا کی قسم اگر اس نے مجھے تم پر قابو دیا میں تمہیں سنگسار کر کے رہوں گا۔

حضرت عمر نے خالد کے عمامہ سے تینوں تیر کھینچ لئے اور خالد کی آنکھوں کے سامنے توڑ ڈالے خالد اس ڈر سے کچھ بولنے کی ہمت نہ کر سکے کہ شاید عمر کا یہ سلوک حضرت ابوبکر کے حکم اور ارادے سے ہے۔

خالد ابوبکر کے پاس گئے اُن سے اپنے عذرات بیان کئے ابوبکر نے ان کی باتوں کو سچ سمجھا اور اُن کے عذرات قبول

کرلئے۔ حضرت عمر کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انہوں نے ابوبکر کو خالد کے خلاف بہت برانگیختہ کیا اور مشورہ دیا کہ آپ خالد سے ضرور مالک کے خون کا قصاص لیجئے۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔

"عمر خاموش بھی رہو خالد پہلے وہ شخص نہیں جس نے تاویل میں خطا کی ہو"

حضرت عمر کے زمانہ میں بھی ان معززین قریش نے جو سیم وزر کے شیدائی تھے یہ چاہا کہ تمام مال وغنیمت صرف ہم ہی لوگوں میں منحصر ہو کر رہے اس کے ثبوت وشواہد ایک نہیں بے شمار ہیں اس کے ثبوت کے لئے وہی اشعار کافی ہیں جو کسی شاعر نے حضرت عمر کو لکھ کر بھیجے اور ان اشعار میں ذکر کیا تھا کہ معززین واکابر بعض شہروں اور صوبوں میں ہر قسم کا مال غنیمت اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ آپ کو اس کی خبر نہ ہونے پائے عوام الناس اس لوٹ کھسوٹ سے بے حد پریشان ہیں۔ فتوحات کے زمانہ میں ان معززین واکابرین کی کیا حالت تھی اور عوام الناس کو ان کی طرف سے کتنا غم وغصہ تھا شاعر نے اپنے اشعار میں اس کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے اور دکھلایا ہے کہ عوام کو یقین ہے کہ ظالم اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے لوگوں سے بازپرس کرنا بہت ضروری ہے وہ شاعر کہتا ہے۔

نحج اذا حجوا ونغزوا اذا غزوا — فانی لھم وفر ولسنا بذی وفر

اذا التاجر الھندی جاء بفارۃ — من المسک راحت فی مفارقھم تجری

فدونک مال اللہ حیث وجدتہ — سیرضون ان شاطرتھم منک بالشطر

جب وہ قصد کرتے ہیں تو ہم بھی قصد کرتے ہیں جب وہ جہاد کرتے ہیں تو ہم بھی جہاد کرتے ہیں پھر ان کے پاس دولت کی بہتات کہاں سے آئی جب کہ ہم خالی ہاتھ ہیں۔

جب کوئی ہندی تاجر مشک لے کر آتا ہے تو وہ مشک ان معززین کے سروں میں بہتا ہے۔

آپ خدا کے مال کو حاصل کیجئے جس کے پاس سے بھی آپ نکال سکیں اور اگر آپ ان لوگوں کی دولت کو آدھا آدھ بانٹ لیجئے اس پر بھی یہ لوگ راضی رہیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ معززین عرب جو مال غنیمت کے سرگشتہ تھے حضرت عمر کے عہد میں لوٹ کھسوٹ اور جور وظلم کرنے کے ارادہ سے باز نہ رہے، یہ دوسری بات ہے کہ حضرت عمر اس کے روادار نہ ہوتے آپ نے بعض معززین پر پابندیاں لگادیں کہ وہ اپنے شہروں سے باہر نہ جائیں کسی کو معزول کر دیا کسی سے سختی سے حساب فہمی کی اور اس کی دولت چھین لی الغرض ان پر ہر ممکن تشدد برتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں لوٹ کھسوٹ ظلم وجور یا کسی ناز یبا حرکت کی ہمت نہ ہوئی۔

حضرت عثمان کی خلافت نے معززین واکابرین کو کھلی ہوئی چھوٹ دے دی ان کی وہ حرص وہوس حضرت عمر نے جس کی روک تھام کر رکھی تھی وہ روک تھام سے آزاد ہوگئی۔ یہ معززین واکابرین بنی امیہ کی قیادت میں فتح یاب ہوئے وہ قیادت جو کبھی روپوش ہو جاتی تھی اور کبھی منظر عام پر آجاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے بلائیں ٹوٹ پڑیں۔ عوام الناس نے اس

وقت کے معززین واکابر سے ایسی ایسی حرکتیں سرزد ہوتے دیکھیں جن کا پیغمبر خدا اور ابو بکر و عمر کے زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں حضرت عمر کا وہ فقرہ دہرا دیں جو آپ نے حضرت عثمان کے متعلق کہا تھا۔ اس فقرہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دُوراندیش و دُوربین حضرات کو بنی امیہ اور اُن کے انصار کے ہاتھوں کیسے کیسے فتنہ و فساد کے ظہور پذیر ہونے کا دھڑکا لگا ہوا تھا اور کتنا اندازہ تھا انہیں کہ اگر کہیں زمام حکومت بنی اُمیہ کے ہاتھوں میں آگئی تو کیسی کیسی تباہی مچائیں گے
ایک مرتبہ حضرت عمر نے عثمان سے فرمایا:۔

هيها اليك - كانى بك قد قلدتك قريش هذا الامر فحملت بنى اميه وبنى ابى معيط على رقاب الناس واثرتهم بالفئ فسارت اليك عصابة من ذئبان العرب نذبحوك على فراشك ذبحا والله لئن فعلوا لتفعلن ولئن فعلت ليفعلن۔

میں اپنی آنکھوں سے وہ دن دیکھ رہا ہوں کہ قریش والوں نے تمہیں حاکم بنا لیا اور تم نے بنی امیہ اور بنی ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیا اور مال غنیمت انہیں بنی امیہ و بنی ابی معیط سے مخصوص کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں عرب کے بھیڑیوں کی ایک جماعت تم پر چڑھ دوڑی اور تمہیں تمہارے ہی بستر پر بری طرح ذبح کر ڈالا۔ خدا کی قسم اگر لوگوں نے تمہیں حاکم بنایا تو تم ضرور بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دوگے اور اگر ایسا کر دگے تو عرب والے ذبح بھی کر کے رہیں گے۔
پھر انہوں نے حضرت عثمان کی پیشانی پکڑ کر کہا۔

واذا كان فاذكروا قولى فانه كائن۔

جب ایسی بات ظہور میں آئے تو تم لوگ میری بات یاد کر لینا کیونکہ بہر حال ایسا ہی ہو کر رہے گا۔
اسی سلسلہ میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا وہ فقرہ بھی ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا جو آپ نے عثمان اور بنی امیہ کے متعلق فرمایا تھا۔ عثمان کے خلیفہ ہونے کے پہلے ۔ اس فقرہ میں اُسی حقیقت کا اظہار ہے ۔ جسے حضرت عمر بھی بیان کر چکے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علی نے اپنے چچا عباس سے کہا:۔

اما انى اعلم انهم سيولون عثمان وليحدثن البدع والاحداث ولئن بقى لاذكرنك وان قتل او مات ليتداولها بنو اميه بينهم۔

مجھے یقین ہے کہ قریش والے عثمان کو ضرور مسند حکومت پر بٹھا کر رہیں گے اور عثمان نت نئی بدعتیں اور حرکتیں کریں گے اگر عثمان زندہ رہے تو میں آپ کو یاد دلاؤں گا اگر قتل ہو گئے یا مر گئے تو اس حکومت کو بنی امیہ آپس ہی میں ہیر پھیر کرتے رہیں گے۔
ابن خطاب اور فرزند ابو طالب کی بات عثمان کے بارے میں کتنی صحیح نکلی۔

حضرت عثمان کو تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جو انتہائی پیچیدہ تھے۔ بنی امیہ بجائے اس کے کہ ان پیچیدگیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں حضرت عثمان کی مدد کرتے انہوں نے اور زیادہ گتھیاں ڈال دیں مزید آں یہ کہ اپنے رشتہ دار خلیفہ حضرت عثمان کی نرمی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا انہوں نے خاندانی عصبیت، شخصی اثر و اقتدار، مصالح عامہ سے لاپرواہی پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی۔ حکومت کے تمام وسائل سے کام لے کر دولت اور مناصب اپنے لوگوں کے لئے مخصوص کر لئے اور اسلامی نظامِ حکومت کو خالص سرمایہ دارانہ نظام بنا دیا۔ خلافت کو بادشاہت سے بدل دیا اور اس بادشاہت کے تمام امکانات و وسائل ان کے دوستوں اور ان کے غلاموں کی مٹھی میں مقید ہو کر رہ گئے۔

من جملہ اور واقعات کے ہم یہاں ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے پتہ چل سکتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں بنی امیہ کی لوگوں میں کیا پوزیشن تھی اور حکومت اُن کے لئے کیسا کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔

حضرت عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی بنی اُمیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرنا شروع کیا انہیں ہر اسلامی شہر و صوبہ کا حاکم بنایا بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ پھر ان بنی اُمیہ اور اُن کے اعوان و انصار کے سود و بہبود اور مصالح و منافع کی کھل کر حمایت کی مال سلطنت کو مالداروں کا کھلونا بنا دیا۔ ایسے اسلوب سے جس میں صرف سرمایہ دار طبقہ کی بھلائی تھی رجسے اسلام نے اپنے زمانہ میں کچل کر رکھ دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبان نفوذ و اقتدار اور معززین و اکابر کی دولت و ثروت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور عوام الناس ان کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے۔

افریقا فتح ہونے پر جتنا مال غنیمت ہاتھ لگا حضرت عثمان نے اس کا پانچواں حصہ اپنے رشتہ دار مروان بن حکم کو عنایت کر دیا یہ بدعت عوام الناس کو بہت شاق گذری عبدالرحمان بن حنبل رائے عامہ کی ترجمانی کرتا ہوا اس واقعہ کے متعلق کہتا ہے۔

ماحلف بالله جهد اليمـ	بن ماترك الله امراسدى
ولكن خلقت لنا فتـنـة	لكے نبتلى لك او تبتلى
فان الامينين قد بينا	منار الطريق عليه الهدى
فمااخذا درهما غيلة	وماجعلا درهما فى الهوى

میں خدا کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خداوند عالم نے کسی چیز کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا۔ لیکن آپ نے اے عثمان ہمارے لئے ایک فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اپنے لئے آزمائش یا ہمارے لئے آزمائش ابوبکر و عمر نے ہدایت کے راستے واضح کر دئے تھے انہوں نے ایک درہم بھی ہتھیایا نہیں نہ ایک درہم اپنی خواہش کے مطابق خرچ کیا۔

پھر حضرت عثمان نے فدک کو جو حضرت فاطمہ کی میراث تھی۔ مروان کو جاگیر میں دے دیا اتنے ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ مسلمانوں کے بیت المال سے ایک لاکھ درہم بھی دے ئے۔ عبداللہ بن خالد بن اسد اموی نے سوال کیا تو اسے ۴ لاکھ درہم بیت المال سے دلوا دئے۔ حالانکہ ایسی دہشت انگیز فضول خرچی کے لئے کوئی وجہ جواز نہ تھی۔ حکم بن عاص پر خاص طور پر نوازشیں کیں۔ حالانکہ یہ شخص دشمنانِ

اسلام سے تھا اور پیغمبر اسلام نے اسے مدینہ سے نکال باہر کیا تھا۔ حضرت عثمان نے اسے ایک لاکھ درہم دیئے مدینہ میں ایک بازار تھا جس کا نام نہروز تھا پیغمبرؐ نے اسے نادار مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا حضرت عثمان نے اسے حرث بن حکم کو بطور جاگیر مرحمت فرما دیا۔

مدینہ کے ارد گرد سرسبز چراگاہیں تھیں جسے پیغمبر خدا اور حضرت ابوبکر و عمر نے تمام مسلمانوں کے مویشیوں کے لئے مباح کر رکھا تھا۔ حضرت عثمان نے اس چراگاہ کو مسلمانوں کے ہاتھ اور اُن کے مویشیوں کے منہ سے چھین کر بنی اُمیہ کے لئے مخصوص کر دیا اس چراگاہ میں صرف بنی اُمیہ کے اونٹ چرتے تھے کسی دوسرے کے اونٹوں کو اجازت نہ تھی۔ افریقیہ سے جتنا مال خراج وصول ہوا۔ مصر سے لے کر طنجہ تک وہ سب کا سب اٹھا کر عبداللہ بن ابی سرح ایک اکیلے شخص کو دے دیا۔ جس دن مروان بن حکم کو ایک لاکھ درہم دیئے تھے۔ اُسی دن ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم بیت المال سے دلوائے جس پر زید بن ارقم بیت المال کے خزانچی کنجیاں لئے ہوئے حضرت عثمان کے پاس آئے اور روتے ہوئے انہوں نے کنجیاں حضرت عثمان کے پاس ڈال دیں حضرت عثمان نے کہا کیا تم اس پر روتے ہو کہ میں نے اپنے قرابتداروں کے ساتھ قرابت داری کا پاس و لحاظ کیا۔ زید بن ارقم نے کہا اگر آپ مروان کو سو درہم دیئے ہوتے تب بھی بہت تھا چہ جائیکہ ایک لاکھ درہم۔ حضرت عثمان نے کہا کنجیاں رکھ دو وہ تمہارے علاوہ ہمیں بہت سے خزانچی مل جائیں گے۔ عراق سے حضرت عثمان کے پاس بہت سا مال آیا۔ آپ نے سب کا سب بنی اُمیہ پر تقسیم کر دیا۔ جب اپنی دختر عائشہ کی شادی حرث بن حکم سے کی تو پہلے جتنا دے چکے تھے اس کے علاوہ مزید ایک لاکھ درہم اُسے عنایت کئے بعض اسلامی ملکوں سے زکوٰۃ کے اونٹ آئے وہ سب کے سب اپنے نئے داماد حرث بن حکم کو اٹھا کر دے دیئے پھر اُسے بنی قضاعہ سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا۔ ۳ لاکھ درہم وصول ہوئے وہ سب کا سب اُسے بخش دیا۔

(شرح نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۹۵)

ایک مرتبہ کبار صحابہ نے جن کے سرگروہ علی ابن ابی طالب تھے۔ حضرت عثمان سے حرث کے متعلق بات کی۔ حضرت عثمان نے کہا وہ ہمارا قریبی رشتہ دار ہے۔ صحابہ نے کہا کیا ابوبکر و عمر کے رشتہ دار نہ تھے؟ ان دونوں نے کیوں نہیں اپنے عزیزوں کے ساتھ یہ داد و دہش کی؟ عثمان نے کہا ابوبکر و عمر اپنے رشتہ داروں کو محروم کر کے خدا سے اجر کے امیدوار ہوتے اور میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ داد و دہش کر کے اجر کا امیدوار ہوتا ہوں۔ صحابہ نے کہا ان دونوں کا طرز عمل ہمیں آپ کے طرز عمل سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

اس قسم کے بہت سے کام حضرت عثمان سے ظہور میں آئے۔ جن کی وجہ سے صاحبان اثر و اقتدار کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے ناجائز ذریعوں سے دولت اکٹھا کرنی شروع کر دی۔ حضرت عثمان نے ان ذی وجاہت لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا بلکہ اُن کے لئے مزید آسانیاں پیدا کر دیں تاکہ وہ بھی جی کھول کر جرم میں بنی اُمیہ کے شریک ہو جائیں اور اعتراض کرنے کا انہیں موقع باقی نہ رہے۔

طلحہ بن عبیداللہ نے کوفہ میں ایک بہت بلند و بالا اور مستحکم قصر بنوایا جو تین صدی بعد عربوں دار الطلحتین

کے نام سے مشہور ہوا۔ جیسا کہ مسعودی نے مروج الذہب میں بیان کیا ہے۔ صرف عراق سے اُن کا غلہ روزانہ ہزار اشرفیوں کا آتا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اتنا ہی کناس سے بھی آتا۔ سراۃ کے اطراف سے تو اور بھی زیادہ روزانہ کی آمدنی تھی۔ مدینہ میں انہوں نے ایک بہت شاندار محل بنوایا تھا۔ حضرت عثمان کے محل سے ملتا جلتا۔

عبدالرحمان بن عوف نے بہت سے وسیع و کشادہ محلات و مکانات بنائے اُن کے بہت سے اصطبل تھے۔ ہر اصطبل میں سو گھوڑے بندھے رہا کرتے۔ ایک ہزار اُونٹ اور دس ہزار بکریاں اُن کی ملکیت تھیں۔ نقد دولت ۳۰ لاکھ اشرفیاں تھیں۔

زید بن ثابت نے اپنے بعد اتنا سونا چھوڑا جو کلہاڑیوں سے کاٹ کر ورثہ میں تقسیم کیا گیا۔ سونے کے علاوہ بے تحاشا اموال و جائدادیں چھوڑیں۔

یعلیٰ بن اُمیہ نے مرتے وقت ۵ لاکھ اشرفیاں چھوڑی تھیں۔

زبیر بن العوام کے متعلق مسعودی لکھتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان کے زمانہ میں ایک ہزار غلام ایک ہزار کنیزوں کے مالک تھے۔ بصرہ و کوفہ و مصر و اسکندریہ اور جہاں جہاں اُن سے ہو سکا اونچے اونچے شاندار محلات بنوائے۔ ۵۰ ہزار نقد اشرفیاں اور ہزار گھوڑے رکھتے تھے۔

مسعودی یہ سب کچھ لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت عثمان کے زمانہ میں دولت مندوں کی دولت کی جو بہتات ہوئی اس کے بیان کے لئے دفتر چاہیے حضرت عمر کا زمانہ ایسا نہ تھا۔"

عثمان اور بنی اُمیہ جس کسی سے بھی راضی ہوئے۔ اس کی دولت و ثروت کا ٹھکانا نہیں رہا۔ عوام الناس فقر و فاقہ میں مبتلا تھے۔ اور عثمان کے رشتہ دار اور پسندیدہ افراد سیم و زر میں تلتے تھے ان لوگوں نے اتنی دولت اکٹھا کی۔ اتنی جائدادیں حاصل کیں۔ جو لوگوں نے کبھی دیکھی نہ سنی خود حضرت عثمان کے مال و متاع کا پوچھنا ہی کیا ان کے قتل ہونے پر ان کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار اشرفیاں اور ہزار درہم تھے وادی قری اور حنین وغیرہ میں تقریباً ایک لاکھ درہم کی جائداد تھی۔ بے شمار اونٹ اور گھوڑے تھے۔ (دیکھئے کتاب عثمان مصنفہ صادق عرجون مطبوعہ مصر)

جواہر اور شاہان کسریٰ کے زیورات جو حضرت عمر کے عہد میں مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگے تھے۔ اور بیت المال میں رکھے ہوئے تھے لوگوں نے ان جواہرات اور زیورات کو دن کی روشنی میں شل انگاروں کے دہکتے دیکھا لیکن کہاں دیکھا ؟ عثمان کی بیٹیوں کے جسموں پر عوام الناس نے اپنی آنکھوں سے اپنے حقوق کو لٹتے دیکھا جو چیزیں ان کا حق تھیں وہ ارباب حکومت کے قبضہ میں تھیں وہ ان غریبوں کا مذاق اڑاتے اور غریب بے چارے دم مارنے کی ہمت نہ کر سکتے۔

مسعودی مروج الذہب میں حضرت عثمان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"حضرت عثمان بڑے بڑے دل فیاض اور جود و سخا والے تھے ان کے عمال اور بہت سے لوگ اس زمانہ کے

انہیں کے راستہ پر چلے۔ حضرت عثمان نے ایک گھر مدینہ میں بنوایا جس کے دروازے ساگوان (ایک قیمتی لکڑی) کے تھے۔ بہت سی جائدادیں باغات اور چشمے مدینہ میں اپنے لئے فراہم کئے۔

عثمان نے بنی امیہ کو کھلی چھوٹ دے دی وہ جس کو چاہتے حاکم مقرر کرتے جس کو چاہتے حکومت سے معزول کرتے جو چاہتے حکم چلاتے جی کھول کر دولت اکٹھا کرتے طویل و عریض اسلامی حکومت کے حصوں میں اپنے اثر و اقتدار کا میدان بناتے اور اپنی حکومت کی بنیاد رکھنے کے لئے جگہیں تیار کرتے۔ ان تمام خرابیوں کی جڑ مروان بن حکم تھا جس کو عثمان نے اپنا وزیر بنایا اور ہر معاملہ میں جس کے اشارے پر چلے۔

اس طرح عثمان کی مالی سیاست نے لوگوں کو دو طبقوں میں بانٹ دیا ایک طبقہ حکام اور قرابت داران عثمان کا تھا جن کا حصہ ملک کی تمام دولت تھی اور سرکشی ظلم و جور۔

دوسرا طبقہ عوام الناس کا تھا جن کے نصیب میں محرومی ہی محرومی اور ہر قسم کا ظلم و زیادتی برداشت کرنا تھا۔

پہلے دستور یہ تھا کہ جس شہر یا جس صوبہ سے جو مال خراج وغیرہ حاصل ہوتا پہلے وہاں کے مستحقین اور نادار مسلمان پر تقسیم کیا جاتا اور ان سے جو فاضل بچتا وہ دارالسلطنت کو روانہ کیا جاتا تاکہ حاکم وقت اپنے پاس کے مستحقین میں تقسیم کریں۔ حضرت عثمان نے یہ قاعدہ بنایا کہ ہر شہر کے حاکم جو کچھ بھی مال خراج وغیرہ وصول کریں وہ سب کا سب مال ہمارے پاس (یعنی دارالسلطنت کو) روانہ کر دیں۔

سرمایہ داروں نے حضرت عثمان کے اس قاعدے سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں۔

پہلی خرابی تو یہ ہوئی کہ اس قاعدہ کی وجہ سے عراق اور دیگر صوبوں میں بڑی بڑی دولتمندی اور سرمایہ داری ظہور میں آئی۔ اسی قاعدہ سے انہیں لوگوں کو فائدہ پہنچا جو موٹے موٹے سرمایہ دار اور اونچی پتی تھے جو اپنے سرمایہ کی بدولت کم حیثیت لوگوں کی جائدادیں خرید سکتے تھے۔ چنانچہ طلحہ نے بھی بہت سی جائدادیں خریدیں۔ مروان بن حکم نے بھی۔ اس سال جائدادوں کی خرید فروخت ادل بدل ادھار پٹہ اور ہر قسم کے مالی لین دین کا رواج ہوا نہ صرف حجاز و عراق میں بلکہ دیگر عربی شہروں اور مفتوحہ ممالک میں بھی بڑی بڑی جاگیریں اور جائدادیں وجود میں آئیں ہر قسم کے لوگ ان مذکورہ بالا صورتوں سے روپے کمانے میں مصروف ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں ایک نیا طبقہ وجود میں آیا یعنی حکومت کرنے والا مالداروں کا طبقہ جو خاندانی جاگیرداروں کے طبقہ سے بھی ممیز و ممتاز تھا۔

دوسری خرابی یہ ہوئی کہ جن لوگوں نے عربی شہروں میں عموماً اور حجاز میں خصوصیت کے ساتھ زمینیں خریدی تھیں انہوں نے اپنی زمینوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی وہ بے شمار غلام خرید کر لاتے۔ زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ وہی حجاز بہشت بن گیا۔ انتہائی سرسبز و شاداب اور زمین کی تمام بہشتوں سے حسین و جمیل ہر طرف سبزہ کی بہار اور پھل دار درختوں کی بہتات تھی۔ ان زمینوں نے اپنے مالکوں کو مالا مال کر دیا کونسا سامان معیشت تھا

جو ان لوگوں کے پاس موجود نہ ہو خوش حالی و فارغ البالی کا دور دورہ تھا جو دن گذرتا امن وچین اور راحت و آرام سے گذرتا یہ خوش حالی و فارغ البالی صرف حجاز ہی تک محدود نہ رہی بلکہ مدینہ طائف ہر جگہ جاگیرداروں کا ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو خود کوئی کام نہیں کرتا تھا بلکہ کام کرنے کے لئے ان کے پاس غلاموں کی فوج رہتی تھی ان کا زیادہ تر وقت تفریح و دل بستگی لہو ولعب ہنسی مذاق میں گذرتا تھا وہ مشاغل جو دولت مندی اور بیکاری کے سبب رواج پاتے ہیں ان کی کثرت ہوگئی۔ رباب و طنبورے گانے بجانے، رقص و سرود بیہودہ اشعار کا جو بیکاری لذت کوشی اور عیش پسندی کے ترجمان ہوتے ہیں، عام دستور ہو گیا۔ کبھی کبھی ایسے اشعار بھی گائے جاتے جو حزن و اندوہ کے ترجمان ہوئے۔ ان سرمایہ داروں کے نوکر چاکر کام کرتے اور مالکوں کے تمام امور کا بندوبست ان کے ہاتھوں میں ہوتا درحقیقت یہی نوکر چاکر اپنے آقاؤں کے مالک و مختار ہوتے۔ اس جھوٹے عیش و نشاط سے اُن کی زندگی میں کوئی بھلائی نہ تھی نہ ان کے کوئی مقاصد تھے نہ کوئی تمنائیں۔ یہ مالک درحقیقت غلام تھے۔ اور اُن کے غلام ان کے مالک تھے۔ دوسری طرف صحرا نشین عربوں کا ایک ایسا طبقہ تھا جو ہر نعمت سے محروم تھے ان کے پاس حجاز میں کوئی زمین ہی نہ تھی جس کو بیچ کر عراق میں کوئی زمین خریدتے اور نہ عراق میں کوئی زمین تھی جس کے بدلے میں حجاز میں کوئی زمین خریدتے۔

ان تمام اعمال و افعال خواہ وہ عثمان کی رائے سے عمل میں آئے ہوں یا ان کے مشیروں کے مشورہ سے بدترین نتائج رونما ہوئے۔ سیاسی نتائج بھی اور سماجی و معاشرتی نتائج بھی۔ سیاسی نتائج تو یہ ظہور میں آئے کہ گنتی کے چند آدمی بے تحاشہ دولت کے مالک بن بیٹھے۔ ہر سرمایہ دار نے دولت کے بل پر لوگوں کو اپنی طرف کھینچا اور اپنے طرفداروں کی ایک جماعت تیار کر لی اور اس کے دماغ میں سلطنت کا سودا سما گیا اس نے لوگوں کی باہمی پھوٹ سے اپنا کام نکالنے کی کوشش کی۔

معاشرتی اور سماجی نتائج یہ رونما ہوئے کہ عوام الناس مختلف طبقات میں بٹ گئے ایک طبقہ وہ تھا جو دولت اور بے پناہ اثر و اقتدار کا مالک تھا۔ دوسرا طبقہ ان ناداروں کا تھا جو پہلے طبقے کے نوکر چاکر تھے ان جاگیرداروں اور زمینوں کو آباد کرتے اور اُن کی خدمت بجا لاتے اور ان دونوں متضاد متغائر طبقوں کے درمیان ایک متوسط طبقہ تھا عوام عرب کا جو دور دراز شہروں میں قیام کرتے۔ دشمن پر حملہ اور سرحدوں کی نگرانی کرتے۔ خلائق کی جان و مال کی حفاظت اسی متوسط طبقہ کی بدولت تھی۔

دولت مند اور سرمایہ دار افراد نے ہی متوسط طبقہ کو آلہ کار بنایا اُنہوں نے اس طبقہ میں پھوٹ ڈال کر ان کو مختلف جماعتوں میں بانٹ دیا۔ مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے پر یہ حقیقت بالکل واضح نظر آئے گی کہ نزاع و اختلاف سب سے پہلے دولتمندوں کے درمیان ظہور پذیر ہوئے پہلے سرمایہ دار آپس میں ٹکرائے پھر یہ نزاع متوسط طبقہ اور مالداروں کے درمیان جا پہنچی۔ درمیانی طبقہ اور پہلے طبقہ کے افراد ایک دوسرے کے خلاف صف بستہ ہو گئے۔ رہ گیا تیسرا

طبقہ یعنی وہ لوگ جو پہلے طبقہ کے نوکر چاکر تھے ان کی زمینوں پر کام کرتے اور اُن کی خدمتیں بجالائے تھے۔ معاشرہ میں ان کا کوئی ظاہری اثر نہ تھا اور نہ دوسرے لوگوں کے جھگڑوں میں یہ لوگ دخل دیتے تھے ان لوگوں کا جھگڑا بعد میں کھڑا ہوا۔" الفتنہ الکبریٰ جلد اول عثمان صد ۱۰۵ تا صد ۱۰۹

اس وقت تک عرب والے طبقاتی تفاوت کے عادی نہ تھے نہ کسی کو بے سبب امتیازی درجہ یا خصوصی انعام و اکرام پاتے دیکھا تھا بلکہ اُن کے زمانہ میں ایسا بھی نہ ہوا تھا کہ عوام کی فلاح و بہبود پر مخصوصین کی فلاح و بہبود کو مقدم سمجھا گیا ہو۔ اُن کے دلوں پر پیغمبرؐ کی سیرت آپ کے عدل و انصاف اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کے گہرے نقوش تھے وہ اس حکومت کی تعظیم کے عادی تھے جو عوام کی حکومت تھی نہ کہ گنتی کے چند مخصوصین کی عدل و انصاف کی حکومت تھی نہ کہ ظلم و جور کی وہ حکومت جو کہ عوام الناس کے دکھ درد کی شریک تھی نہ کہ افتراق و انتشار پھیلانے کی ذمہ دار۔

ایسی حکومت کی انہیں ابوبکر و عمر اور اُن کے زبردست مددگار علی ابن ابی طالب کی بدولت عادت پڑ چکی تھی یہ عثمان کی بدنصیبی تھی کہ وہ حضرت عمر کے فوراً بعد خلیفہ مقرر ہو گئے جب کہ لوگوں کو حضرت عمر کی من جملہ اور باتوں کے یہ بات بھی یاد تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے حج کیا۔ آنے جانے میں ۱۶ اشرفیاں خرچ ہوئیں۔ انہوں نے اپنے لڑکے عبداللہ بن عمر سے کہا ہم نے اس سفر میں کافی فضول خرچی کی۔

عمر کے بعد جب عثمان خلیفہ ہوئے اور انہوں نے مذکورہ بالا سیاست اختیار کی تو لوگوں کو بڑی دہشت ہوئی انہوں نے عثمان سے بار بار اس کی شکایت کی اور اُن کے والیوں اور اموی حکام نیز ہر اس شخص سے جو اُن کی روش پر چلا اپنی ناگواری کا اظہار کیا۔ اور علانیہ کہہ دیا کہ ہم نہ تو اُن والیوں کے مظالم کی برداشت کی طاقت رکھتے ہیں نہ اس ظالمانہ سیاست کی جسے آپ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت عثمان اپنے بعض عاملوں کے کرتوت پر نادم ہوتے۔ فریادیوں کی شکایتیں توجہ سے سنتے اور اُن سے وعدہ کرتے کہ ہم اپنے عاملوں کو برطرف کر دیں گے لیکن زیادہ مدت نہیں گذرنے پاتی کہ اموی حکام اور اُن کے اعوان و انصار حضرت عثمان کے منشاء و خواہش پر غالب آجاتے۔ اور اپنی جگہ پر اُسی طرح ڈٹے رہتے اور پہلے سے بھی زیادہ لوٹ کھسوٹ اور ظلم و جور کا بازار گرم کر دیتے اور اپنے مخالفین سے جی کھول کر انتقام لیتے۔

اکثر ایسا ہوتا کہ عرب والے عثمان کے پاس اموی حکام کی شکایت لے کر وفد کی صورت میں حاضر ہوتے۔ حضرت عثمان اُن سے وعدہ کرتے کہ تم پر جتنی زیادتیاں ہوئیں۔ سب کی تلافی کی جائے گی۔ مگر جیسے ہی وہ وفد اپنے شہر واپس آتا اموی حاکم وفد کے سرکردہ افراد کو قتل کر دیتے جو بچ رہتے وہ پھر دوڑے ہوئے مدینہ آتے۔ اکابر صحابہ سے فریاد کرتے۔ صحابہ حضرت عثمان کے پاس جا کر ان فریادیوں کی حمایت کرتے۔ حضرت عثمان حکم دیتے کہ اس ظالم و جفاکار حاکم کو بدل کر ہم دوسرا حاکم مقرر کئے دیتے ہیں۔ جب نیا حاکم اپنا عہدہ سنبھالنے روانہ ہوتا تو اس کی روانگی سے پہلے ہی ایک قاصد خط لئے ہوئے اس معزول شدہ حاکم کے پاس روانہ ہو جاتا اور اس خط میں تاکید ہوتی کہ جیسے ہی نیا حاکم پہنچے اسے قتل کر ڈالو۔ نیز یہ بھی حکم ہوتا کہ جو لوگ بصورت وفد آئے

تھے انہیں بھی قتل کر ڈالتا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہی پرانا حاکم اپنی جگہ برقرار رہتا اور جس جس کے قتل کا حکم اس خط میں ہوتا انہیں تہ تیغ کر دیتا اور پہلے سے زیادہ ظلم ڈھانے لگتا۔

یہ رنگ تھا حضرت عثمان کی سیاست کا ان ذی وجاہت اور بااثر افراد کے اشارے سے اور اُن کی بھلائی کے لئے عوام الناس خوب خوب کچلے گئے کبھی تو وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتے اور کبھی علانیہ مخالفت اور اعتراض کر بیٹھتے۔ شعراء نے اس وقت کے سرمایہ داروں کی اچھی اچھی تصویریں کھینچی ہیں۔

لوگوں میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جو پاک وصاف وجدان روشن دل اور زبان گویا کے مالک تھے۔ مسلمانوں کے دل میں بہت عزت و توقیر بھی ان کی تھی یہ حضرات بھی اسی طرح ہراساں و دہشت زدہ ہوئے جس طرح عام لوگ دہشت زدہ تھے۔ انہوں نے اس پلوٹو کریسی (دولت مندوں کی حکومت) کی کھل کر مخالفت کی جسے حضرت عثمان اور بنی امیہ نے اختیار کر رکھا تھا ان کی مخالفت بالکل نیک نیتی پر مبنی اور اعتراضات انتہائی شریفانہ تھے ہر قسم کے حرص و ہوس سے پاک!

لیکن ان دولت مندوں کی حکومت میں ان مجسمہ صدق وصفا اور پرخلوص انسانوں کی کیا درگت ہوئی؟؟

اعتراضات کی بوچھاڑ

"جب لوگوں میں اختلاف واقع ہو تو عمار حق کے ساتھ ہوں گے۔"

پیغمبرؐ خدا

"اے امیر المومنین (عثمان) اس غلام (عمار) نے لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا اگر آپ نے ان کو قتل کر دیا تو دوسروں کو عبرت ہوگی۔"

مروان

"ابوذر سے زیادہ راست گفتار اور سچے کسی انسان کا نہ زمین نے بوجھ اُٹھایا نہ آسمان سایہ فگن ہوا۔"

پیغمبرؐ خدا

"مجھے اس کذاب (ابوذر) کے متعلق مشورہ دو کہ میں اسے مار ڈالوں، اسے زدوکوب کروں، قید میں ڈال دوں یا قتل کر ڈالوں۔"

(عثمان بن عفان)

ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان کی حکومت، طرزِ حکمرانی اور مالی سیاست میں جتنی خرابیاں رونما ہوئیں جتنے فتنہ و فساد پیدا ہوئے ان سب خرابیوں کے ذمّہ دار بنی امیہ اُن کے اعوان و انصار اور تمام صاحبان اثر اور ذی وجاہت افراد تھے۔ جن کا سرغنہ مروان بن حکم تھا خود عثمان بھی ان خرابیوں کے کم ذمّہ دار نہ تھے اس لئے کہ انہیں نے بنی امیہ کا سہارا ڈھونڈھا۔ ان کو پسندیدہ سمجھا اور جس بات کی انہوں نے خواہش کی اس کا حکم دیا اور جس چیز سے انہوں نے روکا اس کی ممانعت کی وہ ان کی ہر بات کے نگران تھے اور عثمان ان کے اطاعت گذار حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے حقیقت کی ایسی تصویر کشی کی ہے جس سے بہتر تصویر کشی

ناممکن ہے آپ نے خلیفہ کو اس شخص جیسا قرار دیا ہے جسے کھانے اور پانی پینے میں اچھو ہو جائے جس شخص کو پانی پینے میں اچھو ہو جائے اُس کا اچھو کیونکر دُور ہو سکتا ہے جب کہ اچھو کا آخری علاج پانی ہی ہے یعنی اگر کسی اور سبب سے انسان کو اچھو ہو جاتا ہے تو پانی پینے سے وہ اچھو دور ہو جاتا ہے اور یہی آخری علاج ہے لیکن اگر کسی شخص کو پانی ہی سے اچھو ہو جائے تو اس کا علاج کس چیز سے ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ان من نسدت بطانته كان كمن يغص بالماء فانه لوغص لغيره لاساغ الماء غصته۔

جس کے رازدار اور مقربین فاسد ہوں اُس کی مثال اس شخص جیسی ہے جسے پانی سے اچھو ہو جائے۔

جس طرح عثمان نے بنی امیہ کو اثر و اقتدار پیدا کرنے میں کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ ذی وجاہت افراد کو عوام کے حقوق غصب کرنے ذخیرہ اندوزی اور مال جمع کرنے کی اجازت دے دی تھی اسی طرح آپ نے اپنے مشیروں کو اس کی بھی آزادی دے رکھی تھی کہ اکابر صحابہ میں سے جو بھی معترض ہو لوگوں میں عدل و انصاف کرنے کی دعوت دے اُن کی آزادی سلب کر لیں نہ جانے کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ حق گو اور انصاف کے حامی مومنین کی روک تھام ہی کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ عثمان نے مروان کے مشورہ سے یا خود اپنی رائے سے ان مومنین کو سخت سزائیں دیں۔ انہیں اپنا دشمن سمجھا جیسے وہ مومنین مروان اور اس کے بھائی حرث کی نیکی اور بھلائی سے عثمان کو محروم کرنا چاہتے ہوں۔ عثمان نے ہر چھوٹی بڑی بات میں بنی امیہ کے مشوروں پر عمل کیا جو ان کے خاص مشیر تھے اور آخر کار ان کی قربانی بھی بن گئے انہیں بنی اُمیہ نے عثمان کو بے دست و پا بنایا۔ ان کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے خواہ ان کی رضامندی سے یا بغیر رضامندی کے۔ ان کی ہلاکت کے متمنی ہوئے۔ پوشیدہ طور پر اُن کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا اس اُمید میں کہ خلافت کسی اور اموی کے ہاتھ لگ جائے اس معاملہ میں بنی امیہ کے سبھی اعوان و انصار نے ان کی مدد کی اور جب عثمان دشمنوں کے نرغہ میں گھر گئے تو بنی اُمیہ انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جس طرح ان کے اعوان و انصار بھاگ نکلے تھے۔

حضرت عثمان نے ہر اُس شخص کو اپنے سے دُور رکھنے کی کوشش کی جو اُن کا خیر خواہ تھا اور جس کے مشورے سے بگڑے ہوئے حالات سنبھل سکتے تھے اور خلافت کا معاملہ ٹھیک ٹھاک ہو سکتا تھا انہوں نے بنی امیہ کو اپنا رازدار اور مقرب بارگاہ بنایا اور ان لوگوں نے ان تمام نیکو کاروں کو دور رکھنے کا مشورہ دیا جنہیں یہ لوگ عثمان کا دشمن بتاتے تھے۔ حالانکہ یہ لوگ واقعاً عثمان کے دشمن نہ تھے۔

مروان ایسے بدکردار و بدنہاد شخص کو تو عثمان کے یہاں تقرب حاصل تھا مگر علی ابن ابی طالب ان کے نزدیک قابلِ اعتنا نہ تھے حالانکہ اگر اس وقت انتظام خلافت میں علی ابن ابی طالب کی رائے کو کوئی وزن دیا جاتا تو وہ اس بات پر پوری طرح قادر تھے کہ اپنی دور اندیشی اور معاملات سے نپٹنے کی بہترین صلاحیت کے سبب عثمان کو اقربا نوازی اور احباب پرستی سے

روک دیں اور سلطنت کو ایسے راستہ پر لگادیں جو مضبوط اور نفع بخش تھا۔ اس راستہ پر چل کر عوام الناس کی فلاح وبہبود کو ترجیح دی جاتی اور لوگوں کو ظلم وستم سے محفوظ رکھا جاتا۔

مروان کو حضرت عثمان کے یہاں اتنا تقرب حاصل تھا اور آپ اس سے اتنا زبردست حسن ظن رکھتے تھے کہ کسی طرح بھی اس کی رائے مشورہ کی مخالفت نہ کرتے تھے۔ مروان نت نئی سازشیں کرتا بڑے سے بڑے جرم کا مرتکب ہوتا پھر جاکر عثمان کو یقین دلادیتا کہ علی ابن ابی طالبؑ اور دیگر کبار صحابہ آپ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اور لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کر رہے ہیں۔ امن وامان باقی رکھنے اور خلافت محفوظ رکھنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ آپ علی اور ان تمام کبار صحابہ کو قتل کرڈالیں تاکہ حکومت کے تمام کام بنی امیہ کے مشورے سے انجام پائیں بنی امیہ ہی آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور انہیں جتنی آپ کی حکومت عزیز ہوگی دوسرے کو عزیز نہ ہوگی۔

جب حضرت عثمان کے خلاف شورش عام ہوگئی ہر شہر میں فتنہ وفساد پھوٹ پڑا تو عثمان نے اس غرض سے کہ فتنہ و فساد کیونکر رفع ہو بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کیسے کی جائے ایک کانفرنس منعقد کی اور اس کانفرنس میں صرف بنی امیہ اور ان کے اعوان وانصار کو بلایا کسی اور کو نہیں صحابہ کرام اور عوام الناس کو حضرت عثمان سے جو کچھ بھی شکایت تھی انہیں بنی امیہ کی تھی تو بجائے اس کے کہ صحابہ کرام کو بلاکر رائے مشورے کرتے انہیں تو بلایا نہیں بلکہ بلایا اُن لوگوں کو جو اصل بانی تھے فتنہ وفساد کے اور جن کی وجہ سے عوام النّاس عاجز آکر خود عثمان کے دشمن ہو رہے تھے۔

کانفرنس میں شرکت کرنے والوں میں سے ہر شخص نے اپنی اپنی رائے دی اور حالات سدھارنے کی تدبیر بتائی۔ ان راویوں سے اندازہ ہوا کہ کچھ لوگ تو یہ چاہتے تھے کہ فتنہ وفساد دُور نہ ہو بلکہ باقی رہے کیونکہ ان کا کام اسی صورت میں نکل سکتا تھا کچھ لوگ چاہتے تھے کہ فتنہ وفساد کی آگ اور بھڑکے تاکہ اپنا کام نکالنے میں آسانی ہو کچھ لوگ حالات سدھارنے کے خواہاں تھے مگر اس طرح کہ اُن کے اثر واقتدار میں فرق نہ آئے اور یہ جتنے ممبران تھے کانفرنس کے سبھی علی کے دشمن تھے اور ہر ایک کو علیؑ کی طرف سے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اُن کا عدل وانصاف ان کے ظلم وستم کی بنیادیں متزلزل کردے گا اور ان کی صداقت شعاری اور راست گوئی ان لوگوں کے مکر وفریب اور چالاکیوں کا پردہ چاک کردیگی ان کا زہد وورع ان کی عیاشیوں اور جی کھول کر داد عیش دینے میں مزاحم ہوگا اور ان کی جمہوریت پسندی ان لوگوں کے جاگیردارانہ نظام حکومت کو خاک میں ملادیگی مخملہ ارکان کانفرنس کے ایک معاویہ تھے دوسرا مروان بن حکم تیسرا عمرو عاص ان لوگوں کی کانفرنس میں شریک اور رائے مشورہ دینے میں پیش پیش رہنے سے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اس کانفرنس اور بزم مشورت کا نتیجہ کیا ہوا ہوگا۔

علی کو اس کی پرواہ نہ تھی کہ ان مشکلات میں عثمان مجھ سے مشورہ لیتے ہیں یا نہیں۔ انہیں تو سب سے بڑی فکر اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کی حالت درست اور عدل وانصاف قائم ہو۔ خواہ حضرت عثمان اور ان کے اعوان وانصار اس سلسلہ میں ہمارے دشمن ہی کیوں نہ ہوجائیں۔ علی بن ابی طالبؑ آخر تک عثمان کو سمجھاتے رہے کہ لوگوں کی دادخواہی کیجئے اُن پر جو مظالم ہوئے ہیں ان کی تلافی کی صورت نکالئے تاکہ آپ کی حکومت خطرہ سے دوچار نہ ہو۔ ایک مرتبہ جب کہ عوام الناس غصہ سے بے قابو ہوکر

حضرت عثمان پر چڑھ دوڑے تھے۔ علیؑ نے اس کے علاوہ کوئی راہ مناسب نہ سمجھی کہ آپ ان دونوں طرف کے لوگوں سے نرمی و مہربانی سے پیش آئیں۔ آپے سے باہر بلوائیوں کو بھی نرمی سے سمجھانے کی کوشش کریں اور اب تک عثمان اور بنی امیہ کی طرف سے خود ان پر جو زیادتیاں ہوئی ہیں انہیں درگذر کرتے ہوئے عثمان کو بھی نرم لب و لہجہ میں نصیحت کریں۔ آپ عثمان کے پاس آئے اور فرمایا۔

لے لوگ میرے پیچھے (منتظر) ہیں اور مجھے اس مقصد سے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں تمہارے اور ان کے قضیوں کو نپٹاؤں خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم سے کیا کہوں جب کہ میں (اس سلسلہ میں) ایسی کوئی بات نہیں جانتا کہ جس سے تم بے خبر ہو اور نہ کوئی ایسی خبر بتانے والا ہوں جس کا تمہیں علم نہ ہو جو تم جانتے ہو وہ ہم جانتے ہیں نہ تم سے پہلے ہمیں کسی چیز کی خبر تھی کہ تمہیں بتائیں اور نہ علیحدگی میں سنا ہے کہ تم تک پہنچائیں جیسے ہم نے دیکھا اسی طرح تم نے بھی دیکھا جس طرح ہم نے بھی سنا تم نے بھی سنا جس طرح ہم رسول اللہ کی صحبت میں رہے تم بھی رہے اور حق پر عمل پیرا ہونے کی ذمہ داری ابن قحافہ اور ابن خطاب پر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی کہ تم پر ہونا چاہیے اور تم تو رسول سے خاندانی قرابت کی بنا پر ان دونوں سے قریب تر بھی ہو اور ان کی ایک طرح کی دامادی بھی تمہیں حاصل ہے کہ جو انہیں حاصل نہ تھی۔ کچھ اپنے دل میں اللہ کا بھی خوف کرو۔ خدا کی قسم اس لئے تمہیں سمجھایا نہیں جا رہا۔ ہے کہ تمہیں کچھ نظر نہ آسکتا ہو اور نہ اس لئے یہ چیزیں تمہیں بتائی جا رہی ہیں کہ تمہیں علم نہ ہو اور (لاعلمی کے کیا معنی) جب کہ شریعت کی راہیں واضح اور دین کے نشانات قائم ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک سب بندوں سے بہتر وہ انصاف پرور حاکم ہے جو خود بھی ہدایت پائے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرے اور جانی پہچانی ہوئی سنت کو مستحکم کرے اور انجانی بدعتوں کو فنا کرے۔ اور اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بدتر وہ ظالم حکمران ہے جو گمراہی میں پڑا رہے اور دوسرے بھی اس کی وجہ سے گمراہی میں پڑیں رہیں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن ظالم کو اس طرح لایا جائے گا کہ نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی عذر خواہ اور اسے سیدھا جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

(ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مطبوعہ لاہور)

لے امیرالمومنینؑ نے موعظت کی تلخیوں کو خوش گوار بنانے کے لئے تمہید میں وہ لب و لہجہ اختیار کیا ہے جو اشتعال دلانے کے بجائے ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرے اور فرائض کی جانب متوجہ کرے۔ چنانچہ ان کی صحابیت شخصی اہمیت اور شیخین کے مقابلہ میں پیغمبرؐ سے ان کی خاندانی قرابت کو ظاہر کرنے سے اسی فرض شناسی کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ موقع ان کی مدح سرائی کا نہ تھا کہ آخر کلام سے آنکھیں بند کر کے اسے قصیدۂ شرف سمجھ لیا جائے جب کہ اس تمہید سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتے تھے جان بوجھ کر کرتے تھے ایسا نہ تھا کہ انہیں علم و اطلاع نہ ہو (باقی ۳۲۹ صفحہ پر)

عثمان سے علی کی معقول باتوں کا کوئی جواب بن نہ پڑا انہوں نے صرف اتنا کہا کہ ہم نے کوئی برا کام نہیں کیا ہے۔ اپنے عزیزوں کے ساتھ صلہ رحم کیا ہے قرابت داروں کے ساتھ رعایت برتی ہے اور عزیزوں کے ساتھ فیاضی سے داد و دہش کی ہے۔"

بقیہ صفحہ ۳۲۸

اور لاعلمی کی بنا پر لغزشوں کو قابلِ مواخذہ نہ سمجھا جائے بلکہ اگر رسول اللہ کی صحبت میں رہتے ان کی تعلیمات کو سنتے اُن کے طرز عمل کو دیکھتے اور اسلامی احکام پر مطلع ہونے کے بعد ایسا طور طریقہ اختیار کرنا کہ جس سے دنیائے اسلام چیخ اُٹھے کوئی فضیلت ہے تو پھر اس تعریف کو بھی مدح سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر وہ فضیلت نہیں ہے تو پھر اسے بھی مدح نہیں کہا جا سکتا۔ حالانکہ جن لفظوں کو مدح سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے وہ اُن کے جرم کی سنگینی ثابت کرنے کے لئے ہیں کیونکہ بے خبری اور لاعلمی میں جرم اتنا سنگین نہیں ہوتا جتنا جانتے بوجھتے ہوئے جرم کا ارتکاب اُس کے وزن کو بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ اگر راستے کے نشیب و فراز سے ناواقف شخص گھپ اندھیرے میں ٹھوکر کھائے تو اسے معذور سمجھ لیا جاتا ہے اور اگر راستے کے گڑھوں سے واقف دن کے اُجالے میں ٹھوکر کھائے تو اسے سرزنش کے قابل سمجھا جاتا ہے تو اگر اس موقع پر اس سے یہ کہا جائے کہ تم آنکھیں بھی رکھتے ہو راستے کی اونچ نیچ سے بھی واقف ہو تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس کی وسعت علمی اور روشنی چشم کو سراہا جا رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے آنکھوں کے ہوتے ہوئے پھر راستے کے گڑھوں کو نہ دیکھا اور جانتے بوجھتے کے باوجود پھر سنبھل کر نہ چلا لہٰذا آنکھوں کا ہونا نہ ہونا برابر اور جاننا نہ جاننا یکساں ہے۔

اسی سلسلہ میں عثمان کی دامادی پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنی دو صاحبزادیوں رقیہ و ام کلثوم کا عقد یکے بعد دیگرے اُن سے کیا۔ اس کو وجہ شرف ماننے سے قبل یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ دامادی عثمان کی نوعیت کیا ہے۔ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ اس میں اولیت کا شرف عثمان کو حاصل نہ تھا بلکہ اُن سے قبل رقیہ و ام کلثوم ابولہب کے بیٹوں عتبہ و عتیبہ سے منسوب تھیں، مگر اُن کو باوجود پہلا داماد ہونے کے قبل از بعثت کے صاحبانِ شرف میں بھی اب تک شمار نہیں کیا گیا تو یہاں کسی جوہر ذاتی کے بغیر اس نسبت کو کس بنا پر سرمایۂ افتخار سمجھا جا سکتا ہے جب کہ اس رشتہ کی اہمیت کے متعلق نہ کوئی سند ہے اور نہ اس ماحول میں اس طرف کوئی توجہ پائی جاتی تھی کہ یہ کہا جائے کہ کسی اہم ترین عظمت کے مالک شخصیت اور ان میں معاملہ دائر تھا پھر یہ منتخب ہو کر یہ شرف پا گئے یا یہ کہ ان دونوں بیٹیوں کو تاریخ و حدیث و سیر میں کسی کرداری شخصیت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہو جس کی وجہ سے اس رشتہ کو خاص اہمیت دے کر ان کے لئے طرۂ امتیاز قرار دیا جائے اگر قبل بعثت عتبہ و عتیبہ سے اُن کا بیاہا جانا اس بنا پر صحیح سمجھا جاتا ہے کہ اس وقت مشرکین کے ساتھ عقد کی حرمت کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا تو یہاں بھی صحت عقد کے لئے صرف ظاہری اسلام کی شرط تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے زبان سے اقرار شہادتین بھی کیا اور بظاہر ایمان بھی لائے لہٰذا اس عقد کو صرف ظاہر اسلام کی دلیل تو قرار دیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ اور کسی امتیاز کو اس کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا پھر یہی کہاں مسلم ہے کہ وہ رسول اللہ کی صلبی بیٹیاں تھیں جب کہ ایک طبقہ ان کے صلب رسولؐ ہونے سے انکار کرتا ہے اور وہ انہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن ہالہ کی اولاد یا اُن کے پہلے شوہر کی اولاد قرار دیتا ہے۔ چنانچہ الکوفی متوفی ۳۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

فلما تزوج رسول اللہؐ بخدیجہ ماتت   جب رسولؐ نے حضرت خدیجہ سے عقد کیا تو اس کے

حق باطل کے ساتھ اور خیر شر کے ساتھ خلط ملط ہو کر رہ گئے۔ بنی امیہ کی بدکاریاں بڑھتی گئیں۔ حضرت عثمان نے انہیں پوری طرح ڈھیل دے دی اور خود اُن کے سامنے بے دست و پا ہو گئے۔ امیر المومنینؑ نے اُن کی خلافت اور حکومت کی مختصر لفظوں میں کتنی مکمل تصویر کشی کی ہے کہ:۔

استاثر فاساء الاثرہ۔

انہوں نے انتہائی بدترین صورت سے آپنے عزیزوں کی طرف داری کی۔

اور اُن کے اموی رشتہ داروں کے متعلق فرمایا۔

وقام معہ بنو امیۃ یخضمون

ان کے ساتھ ان کے باپ کی اولاد بنی امیہ کھڑے ہو

هالہ بعد ذلك بمدة یسیرة وخلفت الطفلتین زینب و رقیه فی حجر رسول الله وحجر خدیجه فربیاهما وكان من سنة العرب فی الجاهلیة من یربی یتیمًا ینسب ذالك الیتیم الیه

(کتاب الاستغاثہ ص۶۹)

تھوڑے عرصہ کے بعد ہالہ کا انتقال ہو گیا اور اُس نے دو لڑکیاں چھوڑیں۔ ایک کا نام زینب تھا اور ایک کا نام رقیہ اور ان دونوں نے پیغمبرؐ اور خدیجہ کی گود میں پرورش پائی اور انہی نے اُن کی تربیت کی اور اسلام سے قبل یہ دستور تھا کہ اگر کوئی یتیم بچہ کسی کی گود میں پرورش پاتا تھا تو اُسے اسی شخص کی طرف منسوب کر دیا جاتا تھا۔

علامہ ابن ہشام نے حضرت خدیجہؑ کی اولاد کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

وكانت قبله عند ابی هاله ابن مالك فولدت له هند ابن ابی هاله و زینب بنت ابی هاله وكانت قبل ابی هاله عند عتیق ابن عائذ بن عبد الله ابن عمرو ابن مخزوم فولدت له عبد الله وجاریة۔

(سیرت ابن ہشام جلد ص۱۹۳)

حضرت خدیجہ رسول اللہ کے حبالہ عقد میں آنے سے پہلے ابی ہالہ بن مالک کی زوجیت میں تھیں جس سے ایک لڑکا ہند اور ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی اور ابی ہالہ سے قبل عتیق بن عائذ کے عقد میں تھیں جس سے ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خدیجہ کی دو لڑکیاں عقدِ رسول میں آنے سے پہلے موجود تھیں جو بظاہر رسول اللہ ہی کی بیٹیاں کہلائیں گی اور وہ جن سے بھی بیاہی جائیں گی وہ پیغمبرؐ کے داماد ہی کہلائیں گے۔ لیکن دامادی کی حیثیت وہی ہوگی جو اُن لڑکیوں کے بیٹی ہونے کی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اُسے محلِ افتخار میں پیش کرنے سے پہلے ان بیٹیوں کی حیثیت کو دیکھ لینا چاہیے۔

(ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین صاحب مطبوعہ لاہور)

مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع۔ گئے اور وہ خدا کا مال چبا چبا کر کھانے لگے جس طرح اونٹ فصل ربیع کی گھاس کھاتا ہے۔

اس طرح بنی امیۃ اور ان کے اعوان و انصار نے حضرت عثمان کو ایسی راہ پر لا کھڑا کیا جو تباہی و بربادی کی راہ تھی اور حضرت عثمان اقربا نوازی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے۔ بنی امیہ عثمان کو کس راہ پر لئے جا رہے ہیں۔ یہ بات عثمان کی بیوی نائلہ پر بھی مخفی نہ تھی۔ نیز انہیں اس بات کا بھی پورا اندازہ تھا کہ علیؑ سے بڑھ کر نہ تو کوئی پاک نیت ہے نہ اُن سے بڑھ کر سچا مخلص نہ اُن سے زیادہ کوئی عثمان کی خیر خواہی کرنے والا ہے۔ وہ ہر وقت عثمان پر زور دیتی رہتیں کہ علیؑ سے مشورہ کیجئے اور عثمان کے بدباطن مشیر اور مقرب بھی بارگاہ جو ہر وقت اُن کے ارد گرد رہتے عثمان کو اُلٹی پلٹی سمجھا دیتے اور نائلہ جو مشورہ دیتیں اس میں ہزاروں کیڑے نکال ڈالتے اور کہتے کہ نائلہ عورت ذات ناقص العقل ہیں اُن کی باتوں پر آپ دھیان بھی نہ دیجئے گا۔

ایک مرتبہ مروان نے آپ سے کہا:۔

"خدا کی قسم اپنے گناہ پر ڈرتے رہنا اور خدا سے استغفار کر لینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آپ ڈر کر توبہ کر لیں۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود مروان کو اس بات کا اعتراف و اقرار تھا کہ حضرت عثمان کی سیاست غلط اور ان کا طرز عمل خطاکارانہ طرز عمل ہے۔ مگر اس کے نزدیک غلطی اور خطاکاری پر ڈرتے رہنا ندامت اور توبہ سے بہتر تھا۔

کوئی نصیحت کی بات حضرت عثمان کے کانوں تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی جب تک کہ وہ بات مروان کی زبان سے نہ نکلے۔ مروان کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو عثمان فوراً قبول کر لیتے تھے لیکن دوسروں کی بات پر دھیان تک نہ دیتے۔

مروان لوگوں سے جو بات کرتا خلیفہ کے نام پر کرتا اور خلیفہ کے نام پر سو ڈانٹ ڈپٹ زجر و توبیخ اور ناپسندیدہ حرکات پر ضد اور ہٹ دھرمی کی باتوں کے کچھ کہنا ہی نہیں اور باتیں بھی ایسی کہ ایک ایک بات عثمان کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دینے کے لئے کافی تھی۔ ایک مرتبہ مروان نے بلوائیوں سے جو حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہا:۔

"تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کس لئے تم لوگوں نے بھیڑ لگا رکھی ہے کیا تم ہماری حکومت ہم سے چھیننا چاہتے ہو؟"

مروان کا یہ فقرہ اس کے اور تمام بنی اُمیّہ کے سوچنے سمجھنے کا اندازہ بتانے کے لئے کافی ہے۔ بنی اُمیّہ کے خیال میں وہ تمام مظلومین جو فریادی بن کر آئے تھے وہ صرف لوٹ مار کے ارادے سے آئے تھے۔

غصب شدہ حقوق کا مطالبہ، عدل گستر حکومت کی درخواست، ظلم و ستم کی روک تھام اور جن لوگوں نے مظالم ڈھائے تھے اور لوگوں کے حقوق غصب کئے تھے اُن سے مواخذہ نیز ایسی ہی دوسری باتیں جن کے لئے مختلف شہروں سے فریادی اکٹھا ہوئے تھے مروان کے نزدیک بالکل ناقابلِ اعتنا تھیں۔ ان کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اس کے نزدیک خلافت، حکمرانی بادشاہت اختیار و اقتدار کے مظاہرہ کے لئے تھی اُسے نہ تو رعیّت کے حقوق کی حفاظت ہی سے کوئی سروکار تھا نہ دین و شریعت کی نگرانی و نگہبانی ہی سے کوئی غرض۔ یہ بنی اُمیّہ کی بادشاہت تھی جس کے لئے وہ مدتوں سے موقع کے منتظر تھے اور فکر میں تھے کہ کب موقع ہاتھ لگے اور یہ حکومت

ہم لوگ ہتھیا لیں اور اپنی قدیمی ریاست و سرداری کو جسے اسلام نے نیست و نابود کر دیا تھا پھر سے زندہ کر لیں۔ لہٰذا جب یہ خلافت بنی امیہ کی خاندانی حکومت تھی تو عوام الناس کیوں درپے تھے کہ یہ حکومت مروان کے خاندان سے چھن جائے۔

وہ تمام لوگ جو بنی امیہ کے طرز حکومت اُن کی مالی سیاست کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور از راہ خلوص و ایمانداری اُن کے طرز حکومت پر اعتراض کرتے تھے وہ سب کے سب مروان اور دیگر حاشیہ نشینوں کے اشارہ پر حضرت عثمان کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے۔

من جملہ اُن کے ایک عبداللہ بن مسعود بھی ہیں جو پیغمبر کے اکابر اصحاب سے تھے۔ ابن مسعود پر بنی امیہ کے ظلم و ستم سے مسلمان کتنا رنجیدہ ہوئے ان کے ساتھ کی گئی بدسلوکیاں کا عوام الناس پر کتنا گہرا اثر ہوا۔ اس کی وضاحت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس جلیل القدر صحابی کا مختصر تعارف بھی کرا دیں۔

عبداللہ بن مسعود سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں روایت بتاتی ہے کہ چھٹا نمبر تھا انہیں دوہری ہجرت کا شرف حاصل تھا۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف۔ ہر وقت پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے یہ من جملہ ان لوگوں کے تھے جنہیں پیغمبر خدا چاہتے تھے اور ان کی سچائی دیانت داری نیکی و پاکیزہ کرداری کے سبب انتہائی عزت و احترام کرتے۔ صدر اول کے مسلمانوں نے انہیں بزرگ ترین علماء میں شمار کیا ان کی اسی جلالت علمی نے حضرت عمر کو مجبور کیا کہ اپنی خلافت کے زمانہ میں انہیں رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ کے لئے کوفہ روانہ کریں حالانکہ حضرت عمر کو مدینہ میں خود ابن مسعود کی بہت زیادہ احتیاج رہا کرتی حضرت عمر نے انہیں کوفہ بھیجتے وقت کوفہ والوں کو خط لکھا تھا

انی بعثت الیکم عبد اللہ بن مسعود معلما و وزیرا و اثرتکم بہ علیٰ نفسی۔

میں عبداللہ بن مسعود کو تعلیم دینے کے لئے تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں، میں نے ابن مسعود کو کوفہ بھیج کر تم لوگوں کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے تم لوگ ان سے علم حاصل کرنا۔

چنانچہ بہت سے کوفہ والوں نے آپ سے تحصیل علم کی بہت سے تلامذہ ہر وقت آپ کے پاس حاضر رہتے۔ تحصیل علم کرتے اور اسلامی تعلیمات کا استفادہ کرتے ان تلامذہ کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی اور وہ عظمت و جلالت کے مالک بھی ہوئے عبداللہ بن مسعود کے متعلق سعید بن جبیر مشہور تابعی کہا کرتے۔

کان اصحاب عبد اللہ بن مسعود سرج ھذہ القریۃ۔

عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ اس شہر (یعنی کوفہ) کے چراغ تھے۔

تمام مسلمانوں کو ابن مسعود کی عظمت علمی کا اقرار تھا یہاں تک کہ حضرت عمر کے زمانہ میں کوفہ والوں کے یہی مرجع تقلید تھے فتویٰ و اجتہاد انہیں کا کام تھا کوفہ والے ان کے ماسوا کسی دوسرے کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح ابن مسعود تفسیر میں بھی مرجعیت کے حامل تھے اور ان کا پلہ عبداللہ ابن عباس کے لگ بھگ تھا۔ تفسیر میں ابن مسعود

کے کئی نامور شاگرد گذرے ہیں جیسے قتادہ اور مسروق ابن اجدع وغیرہ

غرضکہ ابن مسعود اپنے زمانہ میں بزرگ ترین شخصیت تھے تمام اسلامی شہروں میں انہیں عزت و توقیر اور قبولِ عام حاصل تھا اور مسلمانوں کے دلوں میں اُن کی عظمت و جلالت دوسرے تمام صحابہ سے زیادہ تھی۔

اس جلیل المرتبت صحابی کے ساتھ حضرت عثمان نے کیا سلوک کیا؟

وہ اکابر صحابہ جنہوں نے عثمان کے عہد خلافت میں بنی امیہ کی سیاست اور طرزِ عمل پر ناگواری ظاہر کی اور بغیر کسی ہچکچاہٹ یا خوف و ہراس کے علانیہ برہم ہوئے، انہیں میں سے ایک عبداللہ ابن مسعود بھی تھے یہ کوفہ میں ہر جمعہ کے دن کہا کرتے۔

"سب سے زیادہ صحیح قول کتاب الٰہی ہے اور سب سے عمدہ ہدایت محمد مصطفےٰ کی ہدایت ہے اور بدترین امور نت نئی باتیں ہیں اور ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے"

اُن کے اس جملہ میں کھلی ہوئی تعریض ہوتی۔ حضرت عثمان پر اور آپ کے ان افعال پر جو آپ صرف بنی اُمیہ اور صاحبان اقتدار اور سرمایہ داروں کی بھلائی کے لئے کرتے تھے اور مسلمانوں کی بہبودی سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔

من جملہ دیگر فقرات کے جو ابن مسعود نے عثمان کے متعلق کہے ایک فقرہ یہ بھی تھا۔

ما یزن عثمان عند اللہ جناح ذباب۔ مکھی کے پَر کے برابر بھی عثمان کی خدا کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔

اسی طرح کے اور بہت سے ارشادات ہیں ابن مسعود کے عثمان کے متعلق جن کے ذکر میں طول ہوگا۔ ولید بن عقبہ، حاکم کوفہ ابن مسعود کی ان باتوں پر جو وہ عثمان کے متعلق اکثر کہا کرتے بہت غضبناک ہوتا۔ یہ ولید بن عقبہ، عثمان کا مادری بھائی تھا اوّل نمبر شرابی اور بدکار عثمان نے تمام باشندگان کوفہ کی ناراضگی مول لے کر اُس کو کوفہ کا حاکم بنا دیا تھا۔

ولید بن عقبہ نے ان باتوں کی شکایت عثمان کو لکھ بھیجی اور لکھا کہ ابن مسعود آپ کو عیب لگاتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں۔ عثمان نے ولید کو لکھا کہ تم ابن مسعود کو میرے پاس روانہ کر دو۔ روایتیں بتاتی ہیں کہ جب وہ کوفہ سے مدینہ جانے لگے تو بہت سے لوگ انہیں رخصت کرنے کے لئے چلے ہر ایک کی زبان پر یہ درخواست تھی کہ آپ واپس چلئے۔ یہیں قیام کیجئے ہم آپ کو کوئی گزند پہنچنے نہ دیں گے۔ مسعود جواب دیتے کہ ایک بات عنقریب ہو کر رہے گی۔

عبداللہ بن مسعود شب جمعہ میں مدینہ پہنچے جب عثمان کو اُن کے آنے کی خبر ملی تو لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کیا اور کہا:۔

انہ قد طرقکم اللیلۃ دویبۃ سوء من یمشی علی طعامہ یقئ و یسلح

دیکھو ذلیل جانور تمہاری طرف آرہا ہے جو اپنے کھانے پر چلتا ہے قے کرتا ہے اور لید کرتا ہے۔

ابن مسعود نے کہا میں ایسا نہیں۔ البتہ میں پیغمبر خدا کا صحابی ہوں میں جنگِ بدر میں بھی پیغمبرؐ کے ہمرکاب تھا اور بیعت الرضوان میں بھی شریک تھا۔

حضرت عائشہ نے اپنے حجرہ سے پکار کر کہا :

"عثمان تم صحابی پیغمبر کے لئے ایسی بات کہہ رہے ہو"

دوسرے لوگوں کو بھی ناگواری محسوس ہوئی اور انہوں نے جواب دئے۔ پھر حضرت عثمان نے اپنے پولیس والوں اور غلاموں کو حکم دیا۔ ان سبھوں نے مل کر ابن مسعود کو بہت نازیبا طریقہ سے مسجد سے نکال دیا۔ پولیس اور عثمان کے نوکر چاکر انہیں اٹھا کر مسجد کے دروازے تک لے گئے اور وہاں لے جا کر زور سے زمین پر پٹک دیا اور بری طرح زدوکوب کیا اُن کی ہڈی پسلی چور ہوگئی اور مردہ جیسی حالت میں وہ گھر لے جائے گئے۔

حضرت عثمان نے اس جلیل القدر صحابی کی اتنی زدوکوب اور اہانت و تحقیر پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان کی زندگی کے تمام وسائل مسدود کروئے گئے بیت المال سے جو وظیفہ ملتا تھا وہ بھی بند کر دیا۔ جی کی بھڑاس پھر بھی نہیں نکلی تو لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی ابن مسعود کے گھر اُن کی عیادت کو نہ جائے۔ یہاں تک کہ ابن مسعود کا انتقال ہو گیا اور عمار بن یاسر نے اُن کی نماز جنازہ پڑھی اور پوشیدہ طریقے پر انہیں دفن کر دیا حضرت عثمان کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو بحد غضبناک ہوئے۔

دوسرے بزرگ جو حضرت عثمان کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے۔ جناب عمار یاسر ہیں، عمار بن یاسر من جملہ ان معزز و محترم بزرگان اسلام کے تھے جو فضائل و مکارم اخلاق اور صفات پسندیدہ میں دنیائے عرب میں محتاج تعارف نہیں۔ عمار کی قدر و قیمت سے تو پیغمبر خدا ہی واقف تھے اور آپ ہی کو یہ علم تھا کہ کن عظیم صفات کے حامل یہ بزرگ ہیں اسی لئے آں حضرتؐ نے ان کی مدح و ثنا میں وہ گرانقدر لفظیں ارشاد فرمائی ہیں جن کے واقعاً جناب عمار مستحق تھے من جملہ آپ کے ارشادات کے، یہ حدیث بھی ہے۔

اذا اختلف الناس کان ابن سمیۃ مع الحق۔ — جب لوگوں میں اختلاف واقع ہو تو ابن سمیہ یعنی عمار حق کے ساتھ ہوں گے۔

شروع زمانۂ اسلام میں لوگوں میں بے شمار اختلافات واقع ہوئے، عمار ہر موقع پر علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ رہے۔ انہیں کمالات و فضائل کی بنا پر مسلمان عمار سے دلی محبت رکھتے تھے اور بنی اُمیہ اور اُن کے حوالی موالی عمار کے دشمن تھے۔

عمار کو سب سے پہلی بات جو عثمان کی ناپسندیدہ و ناگوار ہوئی وہ یہ کہ عثمان نے مال و دولت مالداروں کے ہاتھ کھلونا بنا دیا تھا جیسا کہ خود عمار نے اس کی صراحت کی ہے وہ برابر عثمان کے پاس آتے جاتے اور انہیں نصیحت کرتے کہ آپ عوام الناس کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کیجئے خاندان پرستی اقربا نوازی اور بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرنے سے پرہیز کیجئے۔ عثمان اُن سے اسی طرح ناراض ہوئے۔ جس طرح دیگر نیکوکاروں سے ناراض ہوئے تھے۔ روایتیں بتاتی ہیں کہ مدینہ کے بیت المال میں ایک ڈبہ تھا جس میں زیور اور جواہرات تھے۔ عثمان نے یہ چیزیں بیت المال سے نکال کر اپنی کسی بیوی کو پہننے کے لئے دے دیں۔ اس پر لوگوں نے سخت اعتراضات کئے اور جتنی سخت سخت باتیں کہی جا سکتی تھیں کہیں جس کی وجہ سے عثمان غصہ سے بے قابو ہو گئے انہوں نے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہم مال غنیمت سے جتنا جی چاہے گا لے کر رہیں گے چاہے لوگوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گذرے۔ اس پر حضرت علی ابن ابی طالبؑ

نے کہا اگر آپ ایسا کیجئے گا تو آپ کو روک دیا جائے گا اور آپ کے اور بیت المال کے درمیان دیوار قائم کر دی جائے گی۔ عمار بن یاسر نے کہا میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس کو بیت المال میں یہ تصرف ناگوار گذرا ہے عثمان نے عمار سے کہا عمار! تمہاری یہ مجال کہ تم میرے خلاف جرأت کرو۔ پکڑو انہیں۔

دفعتہً مروان بن حکم بیچ میں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور عثمان سے خطاب کر کے کہا۔

"امیر المومنین اس غلام (عمار یاسر) نے لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا ہے اگر آپ انہیں قتل کر دیں تو دوسروں کے لئے عبرت کا باعث ہوگا"

عثمان مروان کے مشورہ پر فوراً عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے اُنہوں نے عصا ہاتھ میں لے کر بڑی بے رحمی سے عمار کو مارا حضرت عثمان کے غلاموں اور بنی اُمیّہ نے بھی ان کی مدد کی اُنہیں زمین پر پٹک کر بُری طرح زدوکوب کیا رہی سہی کسر پوری کرنے اور ذلت و اہانت کی حد تک پہنچانے کے لئے حضرت عثمان نے ٹھوکریں لگائیں اتنے ہی پر اکتفا نہ کی گئی اُن کے پہلو شکستہ کر دیئے گئے پیڑو پر اتنی لاتیں ماری گئیں کہ فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ پھر اُنہیں بارش اور بجلی کی گرج اور چمک میں سڑک پر ڈال دیا گیا۔ عمار قریب مرنے کے ہو گئے۔

تیسرے بزرگ اور عظیم المرتبت صحابی جنہیں حضرت عثمان اور بنی اُمیّہ نے سخت و ہولناک اذیتیں پہنچائیں مصلح اعظم ابوذر غفاری تھے۔ وہ ابوذر جو عوام الناس کی خیر خواہی، عدل و انصاف اور خلق خدا کی بھلائی میں تاریخ عرب میں مشہور ہیں۔ آپ علی ابن ابی طالبؑ کے یار و ناصر اور آپ کے پیروؤں کے سرگروہ تھے۔

ہم یہاں انتہائی اختصار سے اس بزرگ انسان کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہیں جو روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں سب سے بڑھ کر عظیم المرتبت تھے تاکہ عثمانی سیاست کے مخالفین کی حقیقت واضح ہو سکے، دوسرے اس لئے کہ اس زمانہ میں بنی امیّہ کا جو حال تھا منظر عام پر آسکے۔

جناب ابوذر زمانۂ جاہلیت میں فقیر و نادار انسان لیکن اپنی قوم کے سردار تھے۔ جب پیغمبر اسلام کی خبریں ان کانوں میں پہنچیں تو وہ مکّہ آئے اس عالم میں کہ اُن کے جسم پر کہنہ و بوسیدہ عبا تھی وہ مکہ آنے کے بعد گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے لگے یہاں تک کہ تھک گئے۔ اُنہوں نے خانہ کعبہ کے قریب عمامہ اتار کر سر تلے رکھا اور زمین پر لیٹ رہے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا اُن کے پاس سے گذر ہوا۔ آپ کو اُن کی حالت دیکھ کر بہت ترس آیا۔ اُن کی ظاہری حالت بتا رہی تھی کہ مرد مفلس و قلاش ہیں مکّہ کے کسی آدمی سے اُن سے شناسائی نہیں، نہ وہ کسی کو جانتے ہیں نہ انہیں کوئی پہچانتا ہے۔ علی و ابوذر میں باہمی تعارف ہوا۔ علی انہیں اپنے گھر میں لے گئے پھر پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ ابوذر خدمت پیغمبرؐ میں پہنچتے ہی مشرف باسلام ہوئے اور آپ کا پانچواں نمبر تھا اسلام لانے والوں میں۔

ابوذر دین میں ایسے مخلص اور جری تھے کہ قریش کے بھرے مجمع میں خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے پیغمبرؐ کے دشمنوں کا ہجوم تھا مگر آپ اُن سے ذرہ برابر ہراساں نہ ہوئے۔ آپ نے اُن کے بتوں کا مذاق اڑایا اور دین اسلام کی طرف انہیں دعوت

دی۔ قریش کے خلاف ایسی جرأت ۔ کے مظاہرہ کی کسی مسلمان کو ہمت نہ ہو سکی تھی۔ سارا مجمع ان پر ٹوٹ پڑا۔ انہیں پکڑ کر خوب زدو کوب کیا زمین پر گرا دیا اور اتنا مارا کہ وہ جاں بلب ہو گئے۔

یہ اپنی دور اندیشی، اصابت رائے، علم و عقل، اصلاح پسندی، فقیروں و ناداروں کی محبت اور ان کی حمایت کے سبب پیغمبر کے بہت چہیتے اور مقرب بارگاہ صحابی تھے۔

جتنا پیغمبر خدا کے نزدیک یہ قابل اعتماد اور بھروسہ کے لائق تھے اتنا ہی عوام الناس کے نزدیک بھی، تمام صحابہ ان کی عزت و توقیر اور بے حد احترام کرتے تھے حضرت علیؑ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔

انه رجل وعی علما عجز عنه الناس — ابوذر ایسے علوم کے حامل ہیں جن کے حصول سے تمام لوگ عاجز رہے

جب شدہ شدہ خلافت عثمان کے ہاتھوں میں آئی تو ابوذر کی وحشت کا ٹھکانا نہیں رہا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت علیؑ جیسے عالم و عادل و زاہد کے رہتے ہوئے عثمان کیسے خلیفہ بنا دیئے گئے لیکن ابوذر نے مخالفت میں لب نہیں کھولے کیونکہ حضرت علیؑ کو ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ میری خاطر کوئی ہنگامہ کھڑا ہو۔ چند ہی دن گذرے تھے کہ ابوذر نے دیکھا کہ عوام الناس ناداری و مفلسی کا شکار ہیں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور دولت مند بنی اُمیہ عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں اُنہیں احساس ہوا کہ عثمان عوام الناس کو ان کے حقوق سے محروم کر کے اپنے عزیزوں کے گھر بھر رہے ہیں۔ ابوذر نے بنی امیہ کے دولت ذخیرہ کرنے طرح طرح سے نفع کمانے اور جی کھول کر داد عیش و عشرت دینے پر جب کہ عوام بھوک سے مر رہے تھے ناگواری ظاہر کی پھر وہ اس ناپسندیدہ سیاست پر علانیہ برہمی ظاہر کرنے لگے جسے بنی امیہ اختیار کئے ہوئے تھے ایسی سیاست جس کی وجہ سے دولت مندوں کی دولت اور بڑھتی جاتی اور ناداروں کی محتاجی ترقی کرتی تھی اور عرب کے باشندے دو متفاوت و متضاد طبقوں میں بٹ کر رہ گئے تھے ایک دولتمندوں کا طبقہ دوسرے ناداروں کا طبقہ ابوذر لوگوں کے سامنے اکثر تقریر کرتے ہوئے کہتے۔

لقد حدثت اعمال ما اعرفها والله ما هی فی کتاب الله ولا سنة نبیه والله انی لاری حقا یطفأ و باطلا یحیا و صادقا مکذبا واثرة بغیر تقی یا معشر الاغنیاء واسوا الفقراء وبشر الذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله "بمکاو من نار تکوی بها جباههم وجنوبهم وظهورهم"۔

اتخذتم ستور الحریر ونضائد الدیباج والمقانع والاضطجاع علی الصوف

ایسے ایسے کام ہو رہے ہیں جو ہم نے دیکھے نہ سنے خدا کی قسم یہ اعمال و افعال نہ تو خدا کی کتاب میں درج ہیں نہ سنت پیغمبر سے ان کا جواز ثابت ہے خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ حق کچلا جا رہا ہے باطل زندہ کیا جا رہا ہے صدق و راستی کی تکذیب ہو رہی ہے اور بغیر تقوی و پرہیزگاری کے لوگوں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ سونے چاندی کو خزانوں میں جمع کر کے رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں یہ بشارت دے دو کہ آگ سے ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور پشتوں کو داغا جائے گا۔

اتخذتم ستور الحرير ونضائد الديباج والفتم والاضطجاع على الصوف الاذربى فكان رسول الله ينام على الحصير واختلف عليكم بالوان الطعام وكان رسول الله لايشبع من خبز الشعير۔

تم نے ریشمی پردے اور دیباج کے مسند اختیار کر رکھے ہیں اور اذربی ریشم میں لپٹنے کے عادی ہو گئے ہو۔ حالانکہ رسالتمآبؐ چٹائی پر سوتے تھے۔ تمہارے یہاں طرح طرح کے کھانے تیار ہوتے ہیں جب کہ رسول اللہ پیٹ بھر کر جَو کی روٹی بھی نہیں کھاتے تھے۔

ابوذر برسر اقتدار جماعت سے غریب عوام کے ساتھ عدل و انصاف برتنے کا مطالبہ کرنے لگے جنہیں ان کے حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا وہ ناداروں کو ترغیب دلاتے کہ طاقت کے ذریعہ اپنا حق وصول کرو لوگوں کو ابھارتے کہ عوام سے احتیاج کی وبا دور کرو اور ناداری کا خاتمہ کر ڈالو جو ذلّت کی بنیاد اور فضیلت کی دشمن ہے وہ یہ فقرے برابر کہا کرتے۔

عجبت لمن لا يجد القوت فى بيته كيف لا يخرج على النّاس شاهرا سيفه۔

مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جس کے گھر میں پیٹ کی آگ بجھانے کو کچھ نہ ہو وہ کیونکر تلوار بے نیام کرکے لوگوں پر ٹوٹ نہیں پڑتا۔

اذا ذهب الفقر الى بلد قال له الكفر خذ فى معك۔

جب فقر و احتیاج کسی شہر کا رُخ کرتا ہے تو کفر اس سے کہتا ہے مجھے بھی ساتھ لے لو۔

وہ بنی اُمیّہ کی خود رائی اور منفعت پرستی سے اتنا بیزار ہوئے کہ حجاز کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر شام چلے گئے تاکہ مروان اور عثمان کی فضول خرچی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں (ہم حضرت امیر المومنین حصّہ ثانیہ میں حضرت ابوذر کا بہت تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ابوذر خود شام نہیں گئے تھے بلکہ حضرت عثمان نے انہیں مدینہ سے نکال باہر کرکے شام بھیجدیا تھا) مگر وہاں پہنچ کر انہوں نے معاویہ کے ایسے ایسے حرکات دیکھے کہ اس کے مقابلہ میں عثمان اور مروان کی فضول خرچی گرد معلوم ہونے لگی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ معاویہ مسلمانوں کے بیت المال، عوام کی کمائی اور لوگوں کی جانوں کے خود مختار بنے ہوئے ہیں جس طرح سے چاہتے ہیں بیت المال کو لٹاتے ہیں مسلمانوں کی کمائی لوٹتے کھسوٹتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں قتل کرڈالتے ہیں۔ ابوذر کی برہمی اور ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ جب معاویہ نے قصر خضرا تعمیر کرایا۔ ابوذر نے کہلا بھیجا اگر تم نے یہ قصر خدا کے مال سے بنایا ہے تو حد سے زیادہ فضول خرچی اور اسراف کیا ہے۔

ایسے آزاد منش اور حریّت کے دلدادہ انسان کو بنی اُمیّہ نہ پسند ہی کر سکتے تھے نہ عوام کے درمیان ان کا رہنا ہی ان کو گوارہ ہو سکتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مروان ہر لمحہ عثمان کو ابوذر کے خلاف بھڑکاتا اور زور دیتا کہ ابوذر سے گلو خلاصی ضروری ہے عثمان نے ابوذر کی تادیب و تنبیہ معاویہ کے ذمہ کر دی معاویہ نے یہ کیا کہ ابوذر کو اپنے دربار سے نکلوا دیا اور لوگوں کو عام ممانعت کر دی کہ خبردار کوئی ابوذر کے پاس آئے جائے نہیں۔ عثمان کے شہ دینے پر معاویہ کو یہ ہمّت ہو گئی کہ ابوذر ایسے جلیل القدر صحابی

سے کہے۔

یاعدو الله تولب الناس علینا وتصنع ما تصنع فلو کنت قاتلا رجلاً من اصحاب محمد من غیر اذن امیرالمومنین لقتلتك۔

اے دشمن خدا تم لوگوں کو میرے خلاف بھڑکاتے ہو اور جو جی چاہتا ہے کرتے رہتے ہو۔ اگر خلیفۂ وقت کی اجازت کے بغیر میں پیغمبرؐ خدا کے کسی صحابی کو قتل کرتا تو سب سے پہلے تم ہی کو قتل کرتا۔

ابوذر نے جواب دیا۔

میں نہ خدا کا دشمن نہ اس کے رسول کا، بلکہ تم اور تمہارا باپ خدا و رسول کا دشمن تھا تم دونوں نے صرف زبان سے اسلام ظاہر کیا دل میں کفر چھپائے رہے۔

ابوذر معاویہ کی دھمکیوں کو ذرہ برابر خاطر میں نہ لائے بلکہ ایسی مستعدی و سرگرمی سے شام میں معاشرہ کی اصلاحی کوششیں انجام دیتے رہے جس نے معاویہ کا خواب و خور حرام کر دیا شام کے دولت مند اور ذی وجاہت افراد بھی ابوذر کی تحریکات اور اصلاحی کوششوں سے اسی طرح گھبرائے جس طرح مدینہ کے دولت مند اور ذی وجاہت افراد گھبرائے سبھوں کو خوف لاحق ہوا کہ ہماری لوٹ کھسوٹ دونوں ہاتھ سے دولت سمیٹنے اور گھر بھرنے کا سلسلہ باقی رہنا ناممکن ہے انہیں سخت خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں نادار اور مظلوم عوام ہم پر ٹوٹ نہ پڑیں ان کے نزدیک نجات کی واحد صورت یہی تھی کہ ابوذر کو جلد سے جلد شام سے نکال باہر کیا جائے اور ان کی زبان بند کر دی جائے تاکہ وہ ہماری برائیاں بیان کرنے سے باز رہیں۔ ایک شخص جندب ابن فہری معاویہ کے پاس آیا ناصح مشفق کی زبان اور غلامانہ ذہنیت سے کہنے لگا۔

"ابوذر شام کو تم لوگوں کے لئے خراب و فاسد کر کے رہیں گے اگر تم کو شام کی حاجت ہو تو جلدی خبر لو۔"

معاویہ کے دل میں خیال آیا کہ ابوذر کو قتل کر ڈالیں لیکن ڈرے کہ اگر قتل کرتا ہوں تو عوام بغاوت کر بیٹھیں گے تو ابوذر کے فرزند جن کی تلوار نیام میں نہ گئی تھی اور دل اسی طرح کینہ سے بھرا ہوا تھا۔ جیسا کہ حسن بصری کہا کرتے ابوذر ایسے جلیل القدر صحابی کے قتل سے اس لئے باز نہ رہے کہ انہیں حضرت عثمان کی ناراضی کا خوف تھا بلکہ وہ عوام کی ناراضی سے ڈر کر اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ انہوں نے حضرت عثمان کو ابوذر کی شکایت لکھ بھیجی اور مشورہ چاہا کہ ابوذر کے بارے میں کیا کریں عثمان نے لکھ بھیجا۔

احمل اباذر علی اغلظ مرکب و اوعرہ ثم ابعث بہ مع من ینخش بہ عنشا عنیفا حتی یقدم بہ علیّ۔

ابوذر کو سخت دشوار سواری پر سوار کر کے میرے پاس بھیجو ایسے شخص کے ساتھ جو ان پر انتہائی تشدد کرتا ہوا میرے پاس لائے۔

معاویہ نے عثمان کا حکم پا کر ایسا ہی کیا ایسے پالان میں بٹھایا جس پر بیٹھنے کے لئے کوئی فرش بھی نہ تھا مدینہ پہنچتے پہنچتے ابوذر

کی یہ کیفیت ہوگئی کہ رانوں کا گوشت کٹ کٹ کر جدا ہو چکا تھا اور اذیت ناک لمبے سفر سے ان کی پیٹھ شکستہ ہوگئی تھی۔ دمشق سے لے کر مدینہ تک ایسے قصائی اور جلاد سپاہی ساتھ ساتھ رہے جو نہ ان کی تھکن کی پروا کرتے نہ گرمی کی شدت کا۔ ابوذر انتہائی ضعیف ولاغر اور خستہ حال ہو کر عثمان کے پاس پہنچے عثمان نے انہیں دیکھتے ہی کہا:۔

تم نے ایسا ایسا کیا؟ ابوذر نے جواب دیا میں نے تو آپ کی خیر خواہی کی۔ آپ نے مجھے دھوکا دینا چاہا۔ اسی طرح میں نے آپ کے صاحب (یعنی معاویہ) کی خیر خواہی کی مگر اس نے بھی میرے ساتھ فریب کیا۔

عثمان نے کہا تم جھوٹے ہو۔ تم صرف فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتے ہو۔ پورے ملک شام کو تم نے ہم سے برگشتہ کردیا۔

ابوذر نے انتہائی سکون و وقار اور خود اعتمادی سے کہا۔ آپ ابوبکر و عمر کے نقش قدم پر چلئے آپ کو کوئی کچھ نہ کہے گا۔

عثمان نے کہا تم کو اس سے کیا مطلب تمہاری ماں مرجائے۔

ابوذر نے کہا میرے لئے تو سوا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

پھر ابوذر عثمان میں بہت بات بڑھی۔ ابوذر کا کہنا تھا کہ عثمان اپنی ہوا و ہوس کے تابع اپنے پروردگار کے نافرمان بندگان خدا کے ساتھ نامہربان ہیں۔

عثمان غصہ سے بیتاب ہوگئے حاضرین مجلس سے چیخ کر کہا۔

"تم لوگ اس کذاب بڑھے کے متعلق مجھے مشورہ دو۔ میں زدوکوب کروں۔ قتل کر ڈالوں یا مملکت اسلامیہ کے حدود سے نکال باہر کروں۔ اسی نے مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ ڈال دی ہے۔

حضرت علیؑ بھی اس وقت وہاں تشریف فرما تھے آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ ایسے سن رسیدہ مصلح عظیم اور جلیل الشان صحابی کے ساتھ عثمان کے اس برتاؤ پر آپ تھرا اٹھے۔ آپ نے عثمان کی طرف نظر کی اور فرمایا میں نے رسول خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لهجة اصدق من ابی ذر۔

زمین و آسمان کے درمیان ابوذر سے زیادہ صادق اور راست باز کوئی انسان نہیں۔

عثمان ہر وقت ابوذر کے در پے ایذا رہنے لگے انہوں نے لوگوں کو عام ممانعت کردی کہ نہ ابوذر کے پاس بیٹھیں نہ ان سے بات چیت کریں پھر ان کے دل میں خیال آیا کہ ابوذر کو راضی کرنا چاہیے انہوں نے ابوذر کے پاس دو سو اشرفیاں بھیجیں کہ اس سے اپنے فقر و فاقہ کو دور کریں۔ ابوذر نے لانے والے سے پوچھا کیا عثمان نے دوسرے مسلمانوں کو بھی اتنا ہی دیا ہے جتنا مجھے بھیجا ہے قاصد نے کہا نہیں ابوذر نے کہا میں مسلمانوں کی ایک فرد ہوں جتنا انہیں ملنا چاہیے اتنا ہی مجھے بھی یہ کہہ کر انہوں نے وہ اشرفیاں عثمان کے پاس واپس بھیجدیں۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ ابوذر کے گھر میں کئی دن کی باسی جو کی روٹی تھی۔ عثمان نے ابوذر کو جلاوطن

کے حوالہ کیا پھر اُن کے جی میں آیا کہ انہیں ربذہ جلاوطن کر دیں۔ ربذہ ایک بے آب وگیاہ زمین تھی جہاں نہ انسان زندہ رہ سکتا تھا۔ نہ حیوان نہ کوئی سبزہ۔

جب اُن کی روانگی کا وقت قریب آیا تو عثمان نے ابوذر کی اہانت و تحقیر اور قلبی اذیت پہنچانے کے خیال سے منادی کرادی کہ کوئی شخص ابوذر کو رخصت کرنے نہ جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی میں ہمت نہ پڑی کہ ابوذر کو رخصت کرنے کے لئے باہر نکلے صرف پانچ شخصوں نے ہمت کی۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ، اُن کے بھائی عقیل، حسنؑ و حسینؑ اور عمار بن یاسر۔ مروان بن حکم جو تمام برائیوں کی جڑ اور ہر خرابی کی بنیاد تھا، ابوذر کے ربذہ جلاوطن ہو کر جانے کی دیکھ بھال اُسی کے ذمہ تھی اور اُسی نے عثمان کا یہ فرمان نافذ کیا تھا کہ کوئی شخص اُن سے اُن کی زوجہ سے اور اُن کی اولاد سے کلام کرے نہ رخصت کرے۔ مروان کی ہمت اتنی بڑھی کہ اُس نے حضرت علیؑ اور آپ کے ہمراہیوں کو بھی ابوذر کو رخصت کرنے سے روکنا چاہا۔ آپ نے اُسے جھڑک کر بھگا دیا کوڑا مار بیٹھے اور چیخ کر کہا۔ دُور ہو خدا تجھے جہنم میں لے جائے پھر آپ نے ابوذر کو رخصت کرتے ہوئے کہا:۔

اے ابوذر تم ان لوگوں سے خدا کے لئے ناراض ہوئے تھے بس اُسی سے معارضہ کی اُمّید رکھو۔ یہ لوگ تم سے ڈرتے تھے کہ کہیں تمہاری باتوں کی وجہ سے دُنیا اُن کی ہاتھ سے نہ نکل جائے اور تم اپنا دین بچانے کی خاطر اُن سے خائف تھے پس اس چیز کو جس کی وجہ سے یہ تم سے خائف تھے (یعنی دنیا) انہیں کے ہاتھوں میں چھوڑ دو اور اُس چیز کو لے کر بھاگ جاؤ جس چیز کے متعلق تم ان لوگوں سے خائف تھے۔ یعنی تم اپنے دین کو لے کر ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ تم نے اپنے جس دین پر ان لوگوں کو قابو نہ پانے دیا اس دین کے یہ کتنے محتاج ہیں اور تم کو ان لوگوں نے جس دنیا سے محروم کر دیا اُس سے تم کتنے بے نیاز ہو۔ عنقریب کل کے دن تم کو معلوم ہو جائے گا کہ فائدہ میں کون رہا۔ اور حسد کا مظاہرہ کس طرف سے زیادہ ہوا۔ اگر آسمان و زمین دونوں کسی بندے کے لئے مسدود ہوں اور بندہ خدا سے ڈرنے والا ہو تو خداوند عالم کوئی نہ کوئی راستہ اس کے لئے ضرور پیدا کر دے گا تم ہمیشہ حق سے مانوس اور باطل سے سراسیمہ رہو گے اگر تم بھی ان لوگوں کی دنیا کو قبول کر لیتے تو یہ لوگ تمہیں بھی محبوب رکھتے اور اگر تم اس دنیا سے قرض لیتے تو یہ لوگ تمہیں امان دیتے۔

(نہج البلاغہ جلد ا ص۲۴۷)

پھر آپ نے جناب عقیل و عمّار سے کہا آپ دونوں اپنے بھائی کو رخصت کریں اور اپنے بیٹوں حسن و حسین سے فرمایا۔ اپنے چچا کو تم رخصت کرو۔

اس واقعہ کی اطلاع حضرت عثمان کو ہوئی تو وہ حضرت علیؑ پر بیحد غضبناک ہوئے۔

یہاں انسان اپنے آپ سے پوچھتا ہے اور اُس سے پوچھنا بھی چاہیئے کہ علی ابن ابی طالب کیسے ابوذر پر یہ مظالم ہوتے دیکھتے رہے اور آپ نے اُن کو خلیفہ وقت کے ظلم و ستم سے بچانے کی کیوں نہیں کوشش کی۔ ابوذر بزرگ ترین اصحاب پیغمبرؐ اور اکابر

شیعیان علیؑ سے تھے وہ اپنے لئے نہیں بلکہ عوام کی فلاح وبہبود کے لئے خلیفۂ وقت کی مخالفت کر رہے تھے۔ علیؑ خاموش کیوں بیٹھے رہے وہ چاہتے تو ابوذر کو جلا وطن کرنے سے عثمان کو روک دیتے اور تمام وسائل کو کام میں لاکر عوام کو بنی اُمیہ کے خلاف صف بستہ کر دیتے اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ مسلمان یقیناً خوشی خاطر علیؑ کا ساتھ دیتے اور بے چون وچرا اُن کی باتوں کو قبول کرتے۔ علیؑ کی اس خاموشی کی کیا وجہ تھی ؟ ۔

جیسا کہ یہ سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے خود میرے دل میں بھی پیدا ہوا۔ میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ علیؑ کے سکوت وخاموشی کا سبب ایک جہت سے تو بہت واضح وروشن ہے اور ایک جہت سے بہت مشکل وپیچیدہ۔ ہر شخص کی سمجھ میں آنے والا نہیں۔

مشکل وپیچیدہ اس حیثیت سے ہے کہ علیؑ کا زمانہ آج کل کا زمانہ نہیں آج سے تیرہ سو برس پہلے کا زمانہ تھا ایسے حالات و اسباب وعلل اس زمانہ میں موجود تھے کہ ہم بیسویں صدی میں ان تمام علل واسباب کا پتہ نہیں چلا سکتے اور نہ ٹھیک ٹھیک ان اسباب و علل کے تمام پہلوؤں کو سمجھ سکتے ہیں اس زمانہ کے حالات وکیفیات ایسے تھے کہ جب تک کوئی شخص تہ تک نہ پہنچے ممکن ہی نہیں کہ ٹھیک سے سمجھ سکے اور ہر سبب ونتیجہ کو عمدگی سے سوچ سکے۔ بڑے بڑے محققین اور نکتہ رس دماغ اس زمانہ سے لے کر آج تک لاکھ سر مارا کئے بے انتہا انہوں نے تحقیق وجستجو کی مگر اس زمانہ کے حالات وکیفیات کا پتہ نہ چلا سکے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ اپنے زمانہ کی بہت سی ایسی باریکیوں کو سمجھتے تھے جو دوسرے نہیں سمجھتے تھے اور بہت سے مطالب اُن پر واضح وروشن تھے جن تک دوسروں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکیں ان کا طرز عمل اپنے زمانہ کے تقاضوں کی بنا پر ایسا تھا کہ بس علیؑ ہی اپنے طرز عمل کے مصالح واسباب اور نتائج کو جانتے تھے۔

لیکن اُن کے سکوت وخاموشی کا وہ پہلو جو واضح وروشن ہے وہ یہ ہے کہ علیؑ کی فطرت وسرشت میں قربانی وفداکاری داخل تھی عوام کی فلاح وبہبود کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں بھی انہیں تامل نہ تھا۔ ہم جتنا اُن کی سیرت کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی زندگی کو ہر پہلو سے جانچتے ہیں یہ حقیقت ہم پر زیادہ سے زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے۔

علیؑ کو دین اسلام کی حفاظت کی ایسی فکر اور اس کی بقا سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ اُس کے مقابلہ میں وہ بڑی سے بڑی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ شریعت کی حفاظت کے مقابلہ میں انہیں کسی چیز کی پروا نہ تھی انہیں ہرگز یہ منظور نہ تھا کہ اسلام کی ترقی واشاعت اور اس کی بقا میں ذرا بھی سستی واقع ہو زمانۂ جاہلیت میں بنی امیہ کی کیا سیرت رہی اور اسلام میں کیا رہی وہ اچھی طرح سمجھتے تھے انہوں نے دیکھا کہ اگر ہم مسلمانوں کو بنی امیہ کے خلاف صف بستہ کرتے ہیں تو مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے گی اور دین اسلام میں بہت بڑا خلل پیدا ہو جائے گا۔

علیؑ جانتے تھے کہ بنی اُمیہ ان تمام مسلمانوں کو جو سچے دل سے اسلام لاتے ہیں اور جن کی ذات سے اسلام وابستہ ہے قتل کر دینے کے درپے ہیں تاکہ قیود شریعت سے انہیں پوری طرح آزادی مل جائے جو چاہیں کریں کوئی شخص ان پر اعتراض کرنے والا نہ ہو

کیا مروان بن حکم نے عثمان کو بار بار اکسایا نہیں کہ علی اور دیگر جلیل القدر صحابہ جیسے ابوذر و عمار وغیرہ کو قتل کر ڈالیں۔ اس اکسانے کی وجہ یہی تھی کہ ان لوگوں کے رہتے ہوئے مروان اور اس کے حوالی موالی من مانی کارروائیاں کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنے دلی منشاء کے مطابق تباہی و فساد کر سکتے تھے۔

اگر مروان کی تمنا پوری ہو جاتی اور سچے مسلمان شہید ہو جاتے تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت عرب میں فتنہ و فساد اور ظلم و جور کس حد تک جا پہنچتے۔ کیا یہ علیؑ کی انتہائی دوراندیشی نہ تھی کہ وہ ابوذر کے معاملہ میں اسی حد تک ناگواری ظاہر کرنے پر اکتفا کریں جس حد تک انہوں نے ان مظالم و زیادتیوں پر ناگواری ظاہر کرنے پر قناعت کی جو خود اُن کی ذات پر ہوتے تھے تاکہ مسلمانوں کا شیرازہ پراگندہ نہ ہو۔ اور وہ ایک دوسرے کے دشمن نہ ہو جائیں۔

اس سے پہلے سقیفہ کے موقع پر بھی تو ایسا ہی ہو چکا تھا عمر ابن خطاب علیؑ کے اس گھر پر جو لوگوں کی اُمیدوں کا کعبہ تھا اپنے ساتھیوں کو لے کر آتے ہیں۔ انہیں تلوار کے زور پر کشاں کشاں ابوبکر کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ وہ ابوبکر کی بیعت کریں۔ مسلمان علیؑ کے اردگرد موجود تھے۔ بعض حیرت و تعجب میں غرق، بعض غصے میں آپے سے باہر اور سب کے سب منتظر تھے کہ علی بس صرف اشارہ کر دیں۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ علی اس کا موقع ہی نہیں آنے دیتے کہ نوبت اس حد تک آ پہنچے وہ لوگوں کو برانگیختہ کر کے ایک ہنگامہ عظیم کھڑا نہیں کر سکتے تھے جب کہ علیؑ دین اسلام کا ستون، عدل کا قلعہ اور قبلۂ خاص و عام تھے لیکن علیؑ نے اپنے لئے کیا کیا؟۔

لوگوں نے جب دیکھا کہ عمر تلوار کے زور پر علیؑ کو گرفتار کئے دار الخلافت کی طرف لئے جا رہے ہیں تو سخت متعجب ہوئے لیکن جب اُنہوں نے علیؑ کے چہرے پر نظر کی تو انہوں نے اُن کے چہرے پر ذرہ برابر برہمی کے آثار نہیں پائے۔ علیؑ نے نہ آواز بلند کی نہ لوگوں کو برانگیختہ کیا نہ کسی کو تلوار اُٹھانے کی اجازت دی۔ یہ دیکھ کر لوگوں کی حیرت اور زیادہ بڑھی پھر اس وقت تو لوگوں کے تعجب کا ٹھکانا نہ رہا جب اُنہوں نے دیکھا کہ علیؑ ان لوگوں کے مقابل کھڑے انتہائی سکون و اطمینان سے اُنہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ ان کی معقول باتوں کے مقابلہ میں لب کھولے اور اُن کی مدلل باتوں کا جواب دے علیؑ اپنے حق کا اظہار کر رہے تھے دلیل و برہان سے اپنے حق کو ثابت کر رہے تھے۔ لیکن عامۃ الناس کی بھلائی کی خاطر اپنے حق کے چھننے پر صبر و سکوت سے کام لے رہے تھے۔ علیؑ اپنی باتوں میں احتجاج و استدلال اور اپنا حق ثابت کرنے میں بھی حق پر تھے اور صبر و سکوت اور تحمل و درگذر سے کام لینے میں بھی حق پر تھے وہ اپنے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ علی کے اصحاب کو بڑی حیرت تھی کہ علی اس حال اور اس نوبت پر کیسے راضی رہے لیکن ایک بات ایسی تھی جسے وہ لوگ نہ سمجھ سکے تھے اور علی اُسے اچھی طرح جانتے تھے۔

وہی بات ایسی تھی جس پر علی کی ساری فکر و توجہ مرکوز رہی اور وہی بات اُن کے اطمینان قلب اور خندہ جبینی کا باعث تھی وہ بات یہ تھی کہ علیؑ اسلام کی بنیاد رکھنے میں پیغمبرؐ کے شریک رہ چکے تھے۔ تبلیغ و اشاعت اسلام میں اُن کا برابر کا حصہ تھا وہ اس چمن کی تاراجی کیونکر گوارا کر سکتے تھے جسے انہوں نے پیغمبرؐ کے دوش بدوش ریاضت کر کے پروان چڑھایا تھا علیؑ نے اس روز جو سکوت کیا وہ محض اسی لئے تاکہ دین اسلام پر آنچ نہ آئے انہوں نے اپنے حقوق کی قربانی گوارا کی مگر اسلام کو ایک ہولناک خطرے سے

نجات دے دی وہ سمجھتے تھے کہ اگر میں مخالفت کرتا ہوں تو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔اور لوگ ایک دوسرے سے اُلجھ پڑیں گے۔علیؑ نے ابوذر کے بارے میں بھی وہی کیا جو خود اپنے بارے میں کیا۔

جلاوطنی کے بعد ابوذر پر کیا گذری؟

وہ کبیر السن جلیل القدر صحابی بھوکوں مر گئے خود بھی اور اُن کے اہل و عیال بھی ایسی جانگداز و روح فرسا صورت سے جس پر جمادات بھی گریہ کریں اور پتھر کا بھی دل پانی پانی ہو جائے۔

روایتیں بتاتی ہیں کہ جناب ابوذر اور اُن کی رفیقہ حیات بچوں کے مرنے کے بعد کئی روز تک شدت گرسنگی سے جاں بلب رہے۔پھر ابوذر نے اپنی بیوی سے کہا اُٹھو ذرا اس ٹیلہ تک چلیں شاید کچھ جنگلی پھل مل جائیں یہ دونوں ٹیلہ کی طرف روانہ ہوئے، تیز و تند ہوائیں چل رہی تھیں دونوں کو کچھ نہ ملا۔ابوذر پر بے ہوشی سی طاری ہونے لگی باوجودیکہ سخت ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔مگر اُن کے ماتھے پر پسینہ آگیا جسے وہ بار بار پونچھتے تھے بیوی نے اُن کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ اُن کی آنکھیں اُلٹ چکی ہیں وہ رونے لگیں، ابوذر نے پُوچھا کیوں رو رہی ہو؟ بیوی نے کہا کیوں نہ روؤں تم بے آب و گیاہ زمین پر دم توڑ رہے ہو میرے پاس کوئی ایسا کپڑا بھی نہیں جو میرے یا تمہارے کفن کا کام دے سکے۔جناب ابوذر بیوی کی حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا راستہ پر جا کر کھڑی ہو جاؤ شاید مومنین میں سے کوئی ادھر سے گذرتا ہوا مل جائے۔بیوی نے کہا یہاں کون اب نظر آئے گا۔حاجیوں کا قافلہ گذر چکا اب راستہ ویران ہے۔ابوذر کو پیغمبرؐ کا ارشاد یاد آگیا جو آپ نے ابوذر سے فرمایا تھا۔آپ نے بیوی سے کہا نہیں تم جاؤ اور راستہ پر اچھی طرح نظر کرو۔اگر کوئی تمہیں دکھلائی دے گا تو تمہیں فکر و تردد سے نجات مل جائے گی اور اگر کوئی نظر نہ آئے تو میرا چہرہ چادر سے ڈھک دینا اور میری میّت لے جا کر راستہ پر رکھ دینا اور جو سوار بھی تمہاری طرف سے پہلے گذرے اس سے کہنا! یہ ابوذر صحابی رسولؐ ہیں اُن کا انتقال ہو چکا یہ اپنے پروردگار سے جا ملے اُن کے غسل و کفن میں میری مدد کرو۔

جناب ابی ذر کی بیوی بار بار ٹیلہ پر دوڑ کر جاتیں پھر واپس آکر ابوذر کی تیمارداری میں مشغول ہو جاتیں۔اسی طرح وہ ایک مرتبہ افق پر نظریں جمائے تھیں کہ دفعتہً کچھ لوگ اُونٹوں پر سوار آتے نظر پڑے۔ابوذر کی بیوی نے کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔وہ سوار اُن کی طرف مڑے قریب آکر پوچھا کنیز خدا کیا بات ہے۔ابوذر کی بیوی نے کہا ایک مسلمان کی میت ہے۔اس کی تکفین و تدفین کرو۔خدا تمہیں اس کا اجر دے گا ان لوگوں نے پوچھا وہ مرنے والا کون ہے اُنہوں نے کہا ابوذر غفاری ان لوگوں کو یقین نہ آیا کہ پیغمبرؐ کا ایسا جلیل القدر صحابی اس صحرا میں کیسے مر سکتا ہے۔ان لوگوں نے پوچھا کون ابوذر رسول اللہؐ کے صحابی تو نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ان لوگوں نے کہا ہمارے ماں باپ اُن پر قربان خداوند عالم نے ہمیں خصوصی عزت بخشی ہے انہوں نے اپنی سواریاں دوڑائیں اور جلد جلد ابوذر کے پاس جا پہنچے ابوذر جن کے احتضار کی گھڑیاں تھیں دیر تک ان لوگوں کے چہروں کو پہچاننے کی کوشش کرتے رہے پھر کہا:۔

خدا کی قسم میں نے جھوٹ نہیں کہا۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس اتنا کپڑا ہوتا جو میرے اور میری زوجہ کے کفن کے لئے کافی ہوتا تو یقیناً میں اُسی کپڑے میں کفن دیا جاتا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص کبھی کسی وقت حاکم رہ چکا ہو یا کارندہ رہا ہو یا قاعدہ یا سردار وہ مجھے کفن نہ دے۔

لوگ حیران و پریشان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کیونکہ اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو کسی نہ کسی وقت ان عہدوں میں سے کسی عہدہ پر سرفراز نہ رہا ہو مگر قبیلہ انصار کا ایک جوان اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

اے چچا میں آپ کو اپنی اس چادر کا کفن دوں گا جسے میں نے محنت مزدوری کرکے خریدا تھا اور اس کپڑے کا کفن دوں گا جس کا سوت میری ماں نے کات کر میرے احرام باندھنے کے لئے بنایا تھا۔

ابوذر نے کہا تم ہی مجھے کفن دینا کہ تمہارے کپڑے حلال و پاک ہیں۔

ابوذر اس بات سے خوش ہو گئے اُن کا دل مطمئن ہو گیا انہوں نے لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی اور بڑے سکون و اطمینان سے آخری سانسیں لیں اور اپنی جان جہاں آفریں کو سپرد کردی۔

اُس وقت کالی گھنگھور گھٹاؤں نے آسمان کو ڈھک لیا تیز و تند ہوائیں چلنے لگیں اور ریگ بیابان نے اُڑ کر فضا کو تیرہ و تاریک بنا دیا یوں سمجھئے کہ ربذہ کا ریگزار ایک متلاطم دریا سے بدل گیا۔

اس جوان انصاری نے ابوذر کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ دعائیہ کلمات کہے (مورخین نے ان کلمات کی نسبت مالک اشتر کی طرف دی ہے)

خداوندا! یہ ابوذر تیرے رسول کے اصحاب میں سے ہیں۔ عابدوں کے درمیان انہوں نے تیری عبادت کی۔ بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا۔ کسی سنت میں تبدیلی نہ کی کسی حکم میں اُلٹ پھیر کے مرتکب نہ ہوئے۔ انہوں نے برے افعال اور ناپسندیدہ اعمال ہوتے دیکھے اور دل و زبان سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ جس کے نتیجہ میں لوگوں نے ان پر مظالم کئے ان کی ذلت و اہانت کی۔ انہیں ان کے گھر سے نکال باہر کیا۔ ان کے حقوق سے محروم کیا۔ انہیں ذلیل و خوار کیا پھر وہ عالم غربت و بیچارگی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ خدا اس کو غارت کرے جس نے انہیں محروم اور حرم رسول سے جلاوطن کیا جو اُن کا دارالہجرت تھا۔

تمام مجمع نے ہاتھ اٹھا کر انتہائی خضوع و خشوع سے آمین کہی۔

سلام ہو ابوذر پر جو حق کے لئے اُٹھے حق کے لئے کوشش کی یہاں تک کہ انہوں نے دنیا سے راہِ آخرت اختیار کی وہ انسان کی عظمت اور اس کے حقوق کی بڑائی پر ایمان رکھتے تھے وہ مرد بزرگ و کریم تھے جو موت سے کبھی نہ گھبرائے نہ زندگانی پر فریفتہ ہوئے

ابوذر ان کی زوجہ اور ان کے بچوں کے دردناک واقعات نے لوگوں کے دلوں کو دہلا دیا سب کی ہمدردیاں اس مظلوم ستم رسیدہ گھرانے کی طرف ہو گئیں جہاں اور بہت سی باتوں نے لوگوں کے دلوں میں عثمان کے خلاف آگ لگائی یہ واقعہ بھی آگ لگانے کا باعث

ہوا۔حضرت عثمان اور بنی امیہ پر لوگ پہلے سے زیادہ غضبناک رہنے لگے۔اسی کے ساتھ اس کو بھی ملا لیجئے کہ عوام الناس کو یہ بات انتہائی بدحواس کرنے والی تھی کہ خاندان پرستی اور اقربانوازی کی سیاست پر جو بھی اعتراض کرے اس کے ساتھ ایسا بہیمانہ اور درندوں جیسا سلوک کیا جائے جیسا کہ ابوذر، عبداللہ بن مسعود اور عمار یاسر کے ساتھ کیا گیا۔ انہیں زدوکوب کیا گیا ان کی انتہائی ذلت واہانت کی گئی اُن کو ان کے وظائف وحقوق سے محروم قرار دیا گیا اور اس کے برعکس بنی امیہ کو آسمان کے نیچے کی تمام دولت ومنفعت تمام عہدہ ومناسب پر مسلط کر دیا گیا عثمان نے ان کی انتہائی عزت وتوقیر کی انعام واکرام سے نوازا۔حالانکہ عثمان کے لئے لازم یہ تھا کہ بنی امیہ کو اپنے پاس سے نکال باہر کرتے۔

دوسرا ناپسندیدہ عمل عثمان کا جو عوام الناس کے صدمہ وملال اور غم وغصہ کا باعث ہوا وہ یہ تھا کہ اُنہوں نے ان لوگوں پر عتاب وعقاب کیا جو ولید بن عقبہ کی شکایت لے کر ان کے پاس آئے تھے۔اس کا واقعہ یہ ہے کہ عثمان نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ان کے بدلہ ولید کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا جو عثمان کا مادری بھائی تھا لوگوں کو یہ حرکت انتہائی شاق گذری۔روایتیں یہاں تک بتاتی ہیں کہ ولید جب کوفہ آیا اور عمر بن زرارہ نخعی کی نشستگاہ کی طرف سے گذرا تو عمر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا" اے گروہ بنی اسد، عثمان نے ہمارے ساتھ انتہائی نامناسب برتاؤ کیا ہے کیا ان کا انصاف یہی ہے کہ وہ سعد بن ابی وقاص کو ہمارے پاس سے ہٹالیں جو نرم مزاج اور نرم دل آسان طبیعت ہیں اور اُن کے بدلے اپنے بھائی ولید کو حاکم مقرر کرکے بھیجیں جو احمق، دیوانہ اور پُرانا بدکار ہے۔ولید کے گورنر بنائے جانے کے بعد کوفہ والوں کا عام مقولہ تھا۔

اہاد عثمان کرامۃ اخیہ بھوان امۃ محمد عثمان نے امت محمد مصطفےٰ کو ذلیل کرکے اپنے بھائی کو عزت دینا چاہا ہے۔

حضرت عثمان سے بارہا ولید کی شکایت کی گئی مگر انہوں نے نہ اسے معزول کیا نہ فریادیوں کی فریاد پر توجہ کی حالانکہ ان فریادیوں میں زیادہ تر نیکوکار صحابہ تھے۔اُن کا طرز عمل ولید کے بارے میں بھی ویسا ہی تھا جیسا اپنے دوسرے اعزہ اور رشتہ داروں کے بارے میں تھا جس طرح دوسرے رشتہ داروں کے متعلق نہ کسی کی شکایت سنتے نہ کسی کی رائے قبول کرتے اُسی طرح ولید کے متعلق بھی اُنہوں نے فریادیوں کی کسی بات پر دھیان نہ دیا۔

علامہ ابن عبد ربہ عقد فرید میں سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان جب خلیفہ ہوئے تو اُن کے خلیفہ ہونے کو پیغمبر خدا کے اصحاب نے بہت ناگوار جانا اس لئے کہ عثمان زیادہ تر حاکم بنی اُمیہ سے مقرر کرتے اور اُن کے وہ مقرر کردہ حکام زیادہ تر ایسی حرکتوں کے مرتکب ہوئے جو اصحاب رسول کو ناگوار گذرتیں اس معاملہ میں حضرت عثمان سے شکایت کی جاتی مگر وہ ان حکام کو معزول نہیں کرتے۔ ولید کے متعلق حطیئہ شاعر کہتا ہے۔

شھد الحطیئۃ یوم یلقی ربہ ان الولید احق بالعذر

بروز قیامت حطیئہ گواہی دے گا کہ ولید بے چارے کا کوئی قصور نہیں۔

نادی وقد نفدت صلا ۃ الازیدکم ثملا ، ولا یدری

نماز ختم ہونے پر اس غریب نے پکار کر پوچھا تھا کہ کہو تو اور زیادہ کر دوں۔

لیزیدھم خیرا ولو قبلوا　　منہ لزادھم علی عشر

اس نے تو اور خیر کی زیادتی کرنی چاہی تھی اگر لوگ اس کی بات مان لئے ہوتے یہ صبح کی نماز دس رکعت سے زیادہ پڑھا دئے ہوتا۔

فابوا ابا وھب ولو فعلوا　　لقرنت بین الشفع والوتر

لیکن اے ابو وہب لوگوں نے انکار کیا اگر وہ تری بات مانے ہوتے تو تو شفع وہ تر کو ملا دیتا

حبسوا عنانک اذ جریت ولو　　خلوا عنانک لم تزل تجری

تم چلے مگر لوگوں نے تمہاری لگام پکڑ لی اگر تمہاری لگام چھوڑ دے ہوتے تو تم چلے ہی جاتے۔

کوفہ کے بہت سے لوگ حضرت عثمان کے پاس آئے اور ولید کے شرمناک افعال کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے بجائے اس کے کہ ان لوگوں کی شکایتوں پر توجہ کرتے انہیں ڈرایا دھمکایا اور جن لوگوں نے ولید کی بدکاریوں کی گواہی دی تھی انہیں کوڑے سے مارا حالانکہ ان لوگوں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے یہ مقدمہ حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا اور ولید کی ناپسندیدہ حرکات کی شکایت کی تھی۔

بنی امیہ کا سب سے زیادہ سخت و شدید سلوک و برتاؤ جو انہوں نے اپنے مخالفین کے ساتھ کیا یا اُن لوگوں کے ساتھ جنہیں وہ اپنے مخالفین ہی کے درجہ میں رکھتے (کیونکہ ان لوگوں کی خواہش محض یہ تھی کہ خلافت میں تمام عوام کا حق ہو نہ کہ یہ خاص بنی امیہؓ کی ملک بن کر رہ جائے) وہ سلوک و برتاؤ وہ ہے جو انہوں نے محمد بن ابی بکر اور مصریوں کے ساتھ کیا جو مصر جا رہے تھے۔ ہم آئندہ فصل میں اس واقعہ پر تفصیلی بحث کریں گے۔ کیونکہ حضرت عثمان کے واقعہ قتل سے اس کا گہرا تعلق ہے پھر یہ کہ بعض مولفین و مصنفین اس معاملہ میں اپنی ذاتی رائے پیش کرتے ہیں ہم عنقریب پورے واقعہ کو ذکر کر کے اپنی رائے پیش کریں گے۔

قتل عثمان کی حقیقت

تمام ممالک میں آپ کے خلاف ہیجان برپا ہو چکا ہے۔

(علی ابن ابی طالب)

خدا کی قسم میں یہ زنجیر آپ کی گردن میں ڈال دوں گا۔ ورنہ آپ ان خبیث حوالی موالی کو اپنے سے دور کیجئے۔ مروان عبداللہ بن عامر اور ابن ابی سرح کو

(جبلہ بن عمرو)

اگر تم لوگ جہاد کے خواہش مند ہو تو ہمارے یہاں آؤ۔ کیونکہ دین محمد کو تمہارے خلیفہ نے فاسد کر دیا ہے آکر انہیں خلافت سے معزول کرو۔

(باشندگان مدینہ)

گیارہ برس اور کئی مہینے گذر گئے، عثمان کی سیاست اور طرز عمل پر لوگوں کی برہمی و ناراضی روز بروز بڑھتی گئی۔ تمام اسلامی شہروں کے باشندے عثمان سے برگشتہ ہو گئے یہاں تک کہ اُن کے خلاف ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں کو اس بات نے انتہائی خوف زدہ کیا کہ پیغمبر خدا اور ابوبکر کے زمانہ کے سارے طور و طریق جو لوگوں کو دل و جان سے عزیز تھے سب اُلٹ پلٹ کر رکھ دیئے گئے پہلے جیسی کوئی بات باقی نہیں رکھی گئی اُن کی آنکھیں تو یہ دیکھنے کی عادی تھیں کہ خلیفہ ان کے حقوق کے محافظ و حمایتی ہوا کرتے جب عمال و حکام ظلم و زیادتی کرتے یا بدسلوکی سے پیش آتے تو خلیفہ عمال و حکام کو معزول کر کے اُن کی دادرسی کرتے مگر عثمان کے خلیفہ ہوتے ہی اُن کو یہ دیکھنا پڑا کہ انہوں نے اس عادلانہ طرز عمل کو بالائے طاق رکھ دیا اس سیاست پر پردے ڈال دیئے اور خاندان پرستی اور اقربا نوازی کی سیاست کی ایسی بنیادیں قائم کیں جو انہوں نے پہلے نہ کبھی دیکھیں نہ سنیں اور نہ بعد ہی میں انہیں یہ سیاست گوارا ہو سکی۔

انہیں اس بات نے بھی انتہائی دہشت زدہ اور ہراساں کیا کہ عثمان کے عزیز رشتہ دار ہمارے تمام حقوق غصب کئے لیتے ہیں۔ ہر قسم کے منافع مالداروں کی جیب میں جاتے ہیں۔ ہماری ضروریات کی تمام چیزیں ان کی مٹھی میں بند ہیں۔

انہیں اس بات پر بھی بڑی دہشت و سراسیمگی تھی کہ عوام الناس کے حقوق برباد کئے جا رہے ہیں وہ وفود جو ان کے پاس عمال و

وحکام کے مظالم کی شکایت لے کر آتے ہیں اُن کی انتہائی تذلیل وتحقیر کی جاتی ہے۔

انہیں یہ بات بھی انتہائی ناگوار گذری کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو انتہائی ذلیل وخوار کیا گیا جیسے ابوذر، عمار اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ۔ انہیں یہ بھی شاق گذرا کہ وہ محبوب و ہر دلعزیز حکام جن پر انہیں وثوق واعتماد تھا جن کی محبت ان کے دلوں میں متمکن تھی زبردستی برطرف کردئے جاتے ہیں اور ایسے حکام کو قبول کرنے پر ہیں مجبور کیا جاتا ہے جو ظالم وجفاکار ہیں۔

نیکوکار مسلمان اس بات پر راضی نہ تھے کہ ذمی کفار عثمان کے حاکموں کے ہاتھوں ستائے جائیں آخر وہ بھی انسان ہی ہیں۔ انہیں یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ ترجیح وبرتری اور انانیۃ کا زہر معاشرہ میں پھیلے اور جو کم درجہ کے افراد ہیں انہیں بلند درجہ کے لوگوں پر فضیلت و فوقیت حاصل ہو جائے۔

حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دنوں میں عوام الناس عثمان کے خلاف اتنی جرأت کرنے لگے جو اُن کے خلاف بغاوت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ بغاوت کے تمام اسباب اُن کی سیاست میں موجود تھے، اس سیاست کی وجہ سے اُن کی پہلی سبکی اور کمزوری جو ظاہر ہوئی وہ یہ کہ عثمان ایک شخص جبلہ بن عمرو ساعدی کی طرف سے گذرے جبلہ کے ہاتھوں میں زنجیر تھی اور وہ اپنے قبیلہ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے عثمان نے سلام کیا لوگوں نے جواب دیا جبلہ نے کہا تم لوگ کیوں ایسے شخص کے سلام کا جواب دیتے ہو جس نے ایسا اور ایسا کیا پھر اُنہوں نے عثمان کو مخاطب کر کے کہا:۔

"خدا کی قسم میں یہ زنجیر تمہاری گردن میں ڈال دوں گا ورنہ تم ان خبیث اپنے حوالی موالی کو دور کرو۔ مروان، ابن عامر اور ابن ابی سرح کو۔"

اتنی جرأتیں لوگوں کی اُن کے خلاف بڑھ گئیں کہ علامہ ابن ابی الحدید بیان کرتے ہیں کہ عثمان ایک دن تقریر کر رہے تھے اُن کے ہاتھوں میں وہ عصا تھا جس پر سہارا کر کے پیغمبر خدا اور ابو بکر و عمر خطبہ دیا کرتے تھے۔ ایک شخص جہجاہ غفاری نے وہ عصا چھین کر اپنے گھٹنہ پر رکھ کر توڑ ڈالا۔

شروع شروع عوام الناس کو عثمان کے خلاف گستاخی کی اتنی ہمت نہ ہوئی لیکن مروان وغیرہ کی بداعمالیاں جب حد سے زیادہ بڑھ گئیں اور عثمان بجائے اُن پر سختی کرنے کے روز بروز انہیں زیادہ سے زیادہ ڈھیل دیتے گئے تو بغاوت اور شورش بھی یوماً فیوماً ترقی کرتی گئی۔ اب تک کیفیت یہ تھی کہ مخالفت اور جرأت انفرادی طور پر ظہور میں آتی تھی۔ ایک ایک دو دو شخص حضرت عثمان سے گستاخانہ برتاؤ کرتے اب یہ عالم ہو گیا کہ پوری ملت اسلامیہ اور جمہور مسلمین اُن کے دشمن بن گئے۔ اہل مدینہ نے دیگر شہر کے مسلمانوں کو خطوط لکھے کہ:۔

ان کنتم تریدون الجهاد فهلموا الینا فان دین محمد قد افسده خلیفتكم فاخلعوه۔

اگر تم لوگ جہاد کے خواہش مند ہو تو ہمارے یہاں آؤ کیونکہ دین محمدؐ کو تمہارے خلیفہ نے فاسد کر دیا ہے۔ اگر انہیں

خلافت سے معزول کرو۔

ہر شہر کے باشندوں کے دل عثمان سے برگشتہ ہو گئے۔ ۳۵ھ آتے آتے یہ نوبت پہنچ گئی کہ ایک شہر کے باشندے دوسرے شہر کے باشندوں کو خط لکھتے ہر ایک دوسرے کو ترغیب دلاتا کہ جس طرح بھی بن پڑے۔ بنی امیہ سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہیے عثمان کو معزول اور ان کے تمام ولاۃ وعمال کو برطرف کر دینا چاہیے۔ یہ خبریں عثمان کو بھی ملیں انہوں نے اسلامی شہروں کے باشندوں کو خطوط بھیجے اور انہیں راضی کرنے کی کوشش کی پھر انہوں نے اپنے عمال کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو انہیں اکٹھا کر کے رائے مشورہ کیا۔ بعضوں نے رائے دی کہ آپ عدل وانصاف سے کام لیجئے اور ابوبکر وعمر کی جو روش تھی وہی روش آپ بھی اختیار کیجئے کچھ نے زبانی جمع خرچ کیا گول مول باتیں کیں اور عثمانؓ کو کوئی واضح مشورہ نہ دیا جیسے معاویہ بن ابی سفیان بعض ایسے بھی تھے جو کسی رائے دینے کے سزاوار ہی نہ تھے۔ کیونکہ ان کی کوئی رائے بھی ہوا وہوس سے خالی نہ تھی۔ جیسے سعید بن عاص اس نے کہا یہ سب مصنوعی باتیں ہیں ان لوگوں کا علاج سوا تلوار کے اور کوئی چیز نہیں۔

یہ کانفرنس بغیر کوئی بات طے ہوئے ختم ہو گئی۔ حالات کیسے سدھارے جائیں کون سا طریقہ کار اختیار کیا جائے۔ اس کا کوئی متفقہ فیصلہ ہوا ہی نہیں۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ حضرت عثمان کے سارے عمال ان کی اسی سیاست کو دل وجان سے پسند کرتے جس میں انہیں لوٹنے کھسوٹنے اپنا گھر بھرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل رہا تھا اس لئے کسی نے بھی ان کو مخلصانہ مشورہ نہیں دیا۔ مزید برآں یہ بھی بحقیقت واقعہ ہے کہ ان عمال میں کچھ ایسے بھی تھے جو مخفی طور پر عثمان سے گلو خلاصی کے خواہاں تھے یا ظاہری طور پہ کوشش کر رہے تھے کہ کہیں جلد ان کا قصہ پاک ہو جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کی وضاحت کریں گے اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالیں گے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ کانفرنس میں جتنے لوگ شریک ہوتے تھے۔ مروان کی ان سب پر کڑی نظر تھی وہ انتہائی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ کون کیسا مشورہ دے رہا ہے لہذا اگر مشورہ دینے والے خیر خواہانہ مشورہ دیتے بھی تو کوئی فائدہ نہ ہوتا اصل کرتا دھرتا تو مروان تھا اور حضرت عثمان اسی کے اشاروں پر چلتے۔

آخر بغاوت پھوٹ کر رہی۔

ہر ملک اور ہر صوبہ کے مسلمان عثمان کے انتظام وسیاست وخلافت سے شدید ناراض ہی تھے جس کی باگ ڈور مروان اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اتنے میں مصر کے لوگ اپنے حاکم ابن ابی سرح کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس مدینہ آئے۔ عثمان نے ان لوگوں کی شکایتیں توجہ سے سنیں۔ ابن ابی سرح کی ملامت کی اور ان لوگوں سے وعدہ کیا کہ ابن ابی سرح نے تم لوگوں پر جو زیادتیاں کی ہیں ان کی تلافی کی جائے گی پھر انہوں نے ابن ابی سرح کو فرمان لکھا کہ اب تک بصرہ والوں سے جو تم برتاؤ کرتے رہے پھر البیانہ کو نا اور اسے دھمکی دی کہ اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو میرے عتاب کا نشانہ بنو گے مروان کو یہ بات بہت ناگوار گذر رہی تھی اس نے باہر نکل کر شکایت لے کر آنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا۔ پھر حضرت عثمان کے پاس آ کر ان کے پیچھے پڑ گیا کہ آپ نے ان لوگوں سے جو وعدے کئے ہیں ان کو نظر انداز کر دیجئے ان لوگوں

کی کسی بات پر توجہ نہ کیجئے۔

مصر والے جب عثمان کا خط لے کر مصر پہنچے اور ابن ابی سرح نے وہ خط پڑھا تو بے حد غضبناک ہوا اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عثمان نے جو احکامات دیئے تھے اُن کی بجاآوری سے صاف انکار کر دیا۔

غیظ و غضب اتنا بڑھا کہ جو لوگ بصورت وفد شکایت لے کر عثمان کے پاس گئے ان میں سے ایک شخص کو قتل بھی کر ڈالا عبداللہ ابن ابی سرح کو حضرت عثمان سے رشتہ ہی ایسا تھا کہ جس کی بنا پر اُسے ایسے تمرد، سرکشی اور من مانی حرکت کرنے کی ہمت ہوئی وہ عثمان کا دودھ بھائی تھا، اور اسی دودھ بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان نے اُس کو مصر کا حاکم بنایا تھا۔

ابن ابی سرح کی اس حرکت پر مصر والے اور برہم ہوئے انہوں نے پھر ایک وفد ہزار آدمیوں کا دوبارہ مدینہ جانے کے لئے مرتب کیا۔ یہ لوگ مدینہ پہنچے اور مسجد میں اُترے اور اُن کے منادی نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اُس کی جان محفوظ ہے جو ہمارے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھائے گا۔ اس سے بھی ہمیں کوئی تعرض نہیں پھر اُن ہزار آدمیوں کے بزرگ و معزز افراد اصحاب کے پاس پہنچے اور ابن ابی سرح کے ان مظالم کی تفصیل بیان کی جو اُس نے مصریوں پر ڈھائے تھے اُس کی درندگی و بہیمیت اور قساوت قلبی کا رونا رویا اور ایک بے قصور انسان کو قتل کر دینے کی تفصیل بیان کی جس کی خطا محض یہ تھی کہ وہ اُس وفد میں شریک تھا جو حضرت عثمان کے پاس ابن ابی سرح کے مظالم کی فریاد کرنے کے لئے آیا تھا۔ بعض صحابہ حضرت عثمان کے پاس آئے اور مصر والوں کے متعلق اُن سے گفتگو کی پھر اور بہت سے لوگ آئے جس کے سرگردہ علی ابن ابی طالب تھے اُنہوں نے عثمان سے انتہائی معقول اور حکمت و انصاف سے بھری ہوئی بات کہی

یہ لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ابن ابی سرح کو ہٹا کر کسی دوسرے کو حاکم مقرر کر دیجئے پہلے انہوں نے ایک آدمی کے بے گناہ قتل کئے جانے کی فریاد کی تھی آپ ابن ابی سرح کو معزول کر دیجئے اور ان کے مقدمہ کا فیصلہ کیجئے اگر ابن ابی سرح کی زیادتی ثابت ہو تو اس سے قصاص لے کر ان لوگوں کے ساتھ انصاف کیجئے؟

حضرت عثمان نے لوگوں کے سامنے قسمیں کھائیں اور اطمینان دلایا کہ میں عوام کی خوشنودی کی۔ ہر ممکن کوشش کروں گا اور اُن لوگوں سے کہا تم جسے کہو میں اُسے ابن ابی سرح کے بدلے تمہارا حاکم مقرر کر دوں گا۔ مصر والوں نے آپس میں رائے مشورہ کر کے محمد بن ابی بکر کو حاکم بنانے کی درخواست کی۔ حضرت عثمان نے اُنہیں مصر کا حاکم مقرر کر دیا اور اُن کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کر دی کہ مصر کی زیادتیوں کی تحقیقات کریں۔

محمد بن ابی بکر اور اُن کے ساتھ کے مہاجرین و انصار ابھی راستہ ہی میں تھے اور اُنہیں مدینہ چھوڑے ۳ دن ہوئے تھے کہ ان لوگوں کو ایک حبشی غلام ملا جو اونٹ پر بیٹھا ہوا تیزی سے اُسے بھگاتا ہوا لے جا رہا تھا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کسی کا پیچھا کر رہا ہے یا بھاگ کر جا رہا ہے اُس کی یہ کیفیت اُن لوگوں کو حیرت انگیز معلوم ہوئی اس کو روک کر ان لوگوں نے پوچھا واقعہ کیا ہے ؟ کیوں اتنی تیزی اور بدحواسی سے بھاگے جا رہے ہو ؟ غلام اسی طرح اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا اُسے بھگاتا رہا نہ کوئی بات سنی نہ منہ سے

کچھ بولا۔ محمد ابن ابی بکر کے سارے ساتھیوں نے پھر پوچھا تو اُس نے کہا میں امیر المومنین عثمان کا غلام ہوں انہوں نے حاکم مصر کے پاس مجھے بھیجا ہے۔ محمد کے ساتھیوں نے کہا مصر کے حاکم تو یہ ہمارے ساتھ ہیں۔ غلام نے کہا میری مراد اُن سے نہیں محمد ابن ابی بکر کو جب اس غلام اور اپنے ساتھیوں کی مڈبھیڑ اور گفتگو کی خبر ملی تو انہوں نے غلام کو بلایا اور پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے کہا میں امیر المؤمنین کا غلام ہوں پھر اپنی بات رد کرتے ہوئے کہا نہیں میں مروان کا غلام ہوں۔ وہ دیر تک اسی طرح کی متضاد باتیں کرتا رہا ایک بات کہتا پھر اس سے انکار کر جاتا کبھی کہتا کہ میں عثمان کا غلام ہوں پھر انکار کر کے کہتا کہ نہیں میں مروان کا غلام ہوں محمد نے پوچھا کس کے پاس جا رہے ہو۔ اُس نے کہا حاکم مصر کے پاس، محمد نے پوچھا حاکم مصر کے پاس کیا لے کر جا رہے ہو۔ اُس نے کہا ایک پیغام لے کر جا رہا ہوں محمد نے پوچھا کیا کوئی خط بھی تمہارے ساتھ ہے اُس نے کہا نہیں۔

محمد نے ساتھیوں سے کہا اس کی تلاشی لو۔ بڑی چھان بین کے بعد ایک خط ملا جو حضرت عثمان کی طرف سے عبد اللہ بن سرح عامل مصر کے نام تھا۔ محمد نے اپنے ساتھ کے مہاجرین و انصار اور مصر والوں کو جمع کر کے لفافہ چاک کیا اور پڑھا تو اس میں یہ مضمون تھا

"جب محمد ابن ابی بکر اور فلاں فلاں تمہارے پاس پہنچیں تو کسی بہانے سے اُنہیں قتل کر ڈالو محمد جو خط لے کر جا رہے ہیں اُسے منسوخ سمجھو اپنی حکومت پر جمے رہو جب تک کہ میرا دوسرا خط نہ پہنچے اور جو شخص تمہارے پاس فریاد لے کر پہنچے اُسے جیل میں بند کر دو اور میرے حکم کا انتظار کرو۔"

جب یہ خط پڑھا گیا تو سناٹا چھا گیا ہر ایک کے منہ پر چپ سی لگ گئی کہا خلیفۂ وقت اپنی رعایا اپنے عمّال انصار و مہاجرین اور اپنے انصار کی جان لینے کے لئے ایسی سازش اور رکیک حرکت بھی کر سکتے ہیں؟ ایسے لوگوں کے قتل کرنے کا حکم دے سکتے ہیں جو کسی بھی خطا کے مرتکب نہیں ہوئے۔

محمد ابن ابی بکر نے اُس خط کو بند کر کے مہاجرین و انصار کی مہریں لگوائیں پھر اُنہیں مناسب معلوم ہوا کہ یہ سب لوگ مدینہ پلٹ آئیں اور تمام اصحاب پیغمبرؐ کے سامنے اس خط کو پیش کر کے صورتِ حال سے آگاہ کریں، جب یہ خط مدینہ میں صحابہ کرام کے سامنے پڑھا گیا جن میں علی ابن طالبؑ بھی موجود تھے تو تمام صحابہ کو انتہائی صدمہ ہوا۔ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اس مکر و فریب نے سب کے دلوں میں آگ سی لگا دی کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو عثمان اور مروان پر غضبناک ہو کیونکہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں اس قسم کی سازش کا انہیں کبھی سامنا نہ ہوا تھا وہ تو ایسی باتوں کو دیکھتے اور سنتے آ رہے تھے جس کی حقیقی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ ابھی رسول اللہ کو انتقال کئے بھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے اسی وجہ سے صحابہ کرام بھی بے حد غضبناک ہوئے اور عوام الناس بھی مدینہ کا کوئی باشندہ ایسا نہ تھا جو عثمان کے خلاف غم و غصہ سے بھر گیا ہو جو لوگ ابوذر و عمار کی وجہ سے پہلے ہی سے برہم تھے ان کے غیظ و غضب کی تو انتہا نہ رہی۔ اصحاب پیغمبرؐ نے اسی وقت ایک وفد مرتب کیا جس میں عمّار یاسر تھے، سعد بن ابی وقاص تھے اور ان کے سرگروہ علیؑ ابن ابی طالب تھے یہ لوگ حضرت عثمان کے پاس پہنچے۔ اُن کے ساتھ عثمان کا وہ خط اُن کا وہ غلام اور اونٹ بھی تھا جس پر وہ غلام سوا

رہا تھا۔

حضرت علیؑ نے عثمان سے کہا یہ آپ کا غلام ہے ؟

حضرت عثمان ۔ ہاں ۔

حضرت علیؑ ۔ یہ اُونٹ بھی آپ ہی کا ہے ؟

حضرت عثمان ۔ ہاں ۔

حضرت علیؑ ۔ یہ مہر بھی آپ ہی کی ہے ؟

حضرت عثمان ۔ ہاں ۔

حضرت علیؑ ۔ تو آپ ہی نے یہ خط بھی لکھا ہے ۔

حضرت عثمان ۔ نہیں ۔ پھر انہوں مزید قسم کھاتے ہوئے کہا خدا کی قسم میں نے یہ خط نہیں لکھا ہے نہ لکھنے کا حکم دیا ۔ نہ اس غلام کو مصر کی طرف بھیجا ۔

صحابہ کو اندازہ یہ ہوا کہ عثمان غلط نہیں کہتے انھوں نے خط کو پھر غور سے دیکھا معلوم ہوا کہ یہ مروان کی تحریر ہے ۔ انہوں نے عثمان سے درخواست کی کہ مروان کو ہمارے سامنے بلائیے تاکہ ہم اس سے واقعہ کی تحقیقات کریں اور یہ پوچھیں کہ یہ خط کیوں لکھا حضرت عثمان نے مروان کو سامنے بلانے سے انکار کیا ۔ مروان اس وقت انہیں کے پاس دارالخلافہ میں موجود تھا ۔ مروان کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ لوگوں کے سامنے آئے اور اپنے قصور کا اعتراف کرے اور حضرت عثمان کی بے گناہی ثابت کرے ۔ اس پر اصحاب پیغمبرؐ غیظ وغضب کے عالم میں گھروں کو واپس گئے انہیں یہ یقین تھا کہ عثمان جھوٹی قسم نہیں کھاتے مگر بعض کہتے تھے کہ عثمان کو جبھی بے قصور سمجھیں گے جب وہ مروان کو ہمارے حوالہ کردیں تاکہ ہم اس سے بازپرس کرکے اس خط کی حقیقت معلوم کرسکیں اگر حضرت عثمان نے یہ خط لکھا ہے تو ہم انہیں معزول کردیں گے اور اگر مضمون عثمان کا ہے اور قلم مروان کا تو پھر ہم سوچیں گے کہ مروان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے مگر عثمان مروان کو حوالہ کرنے پر تیار نہ ہوئے ۔ بلوائیوں نے اب زیادہ اصرار کے ساتھ عثمان سے مطالبہ کرنا شروع کیا کہ مروان کو ہمارے حوالے کردیجئے تاکہ ہم اس سے بازپرس اور اس کی مجرمانہ حرکتوں کی تحقیقات کریں مگر حضرت عثمان نے مروان کو پیش کرنے سے صاف انکار کردیا اس کے بعد بہت سے واقعات تابڑتوڑ پیش آتے گئے جیسا کہ تاریخ کی سبھی کتابوں میں وہ واقعات تفصیل سے موجود ہیں ۔ علی نے بہت کوششیں کیں کہ بلوائیوں اور عثمان کے درمیان صلح مصالحت کرادیں تاکہ خون ریزی کی نوبت نہ آئے وہ پھر دوبارہ عثمان کے پاس آئے اور انہیں مشورہ دیا کہ آپ مجمع کے سامنے آیئے اور اُن کے سامنے تقریر کیجئے جسے سب سُن لیں اور اُن سے جو وعدے اصلاح کے گئے ہیں اُن کی طرف سے اُنہیں تسلی ہوجائے آپ نے یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم تمام اسلامی ممالک آپ سے برگشتہ ہوچکے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں پھر کوفہ یا بصرہ سے دوسرے قافلے نہ آجائیں آپ پھر کہیں کہ علیؑ ان لوگوں کو سمجھاؤ ۔

عثمان باہر نکلے اور مجمع کے سامنے ایک تقریر کی اپنی ندامت و شرمندگی کا اظہار کیا خطاؤں پر توبہ کی اور وعدہ کیا کہ تم لوگوں کے جتنے مطالب ہیں سب پورے کئے جائیں گے مروان اور اس کے ساتھیوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیا جائے گا۔

عثمان کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا وہ خود بھی روئے اور انہیں روتا دیکھ کر دوسرے بھی رونے لگے یہاں تک کہ لوگوں کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ جب وہ مسجد کے منبر سے نیچے اترے اور گھر میں آئے تو دیکھا کہ مروان۔ سعید بن عاص اور بنی امیہ کے کچھ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ عثمان کی تقریر میں شریک نہ تھے لیکن اس تقریر کی ان کو اطلاعیں مل چکی تھیں۔ جب عثمان بیٹھ گئے تو مروان نے پوچھا حضور میں کچھ کہوں یا خاموش رہوں۔ عثمان نے کہا کہو کیا کہتے ہو؟ مروان نے گویا عثمان کو سرزنش کرتے ہوئے کہا آپ نے تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا کہ لوگوں کی جرأتیں اور بڑھا دیں۔ عثمان نے گویا پچھتائے ہوئے کہا اب تو جو کچھ کہنا تھا میں کہہ چکا۔ کہی ہوئی بات واپس لینا میرے بس میں نہیں۔ مروان نے کہا لوگ آپ کے دروازے پر مثل پہاڑ کے ٹھٹ لگائے ہیں۔ آپ ہی نے انہیں ایسا کرنے کی ہمت دلائی ہے کوئی کسی ظلم و زیادتی کی فریاد کرتا ہے دوسرا کسی عامل کے معزول کرنے کا تقاضہ کرتا ہے۔ آپ نے اپنی خلافت پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر آپ صبر و سکوت سے کام لیتے تو آپ کے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔

عثمان نے کہا تو جاؤ تم ہی ان لوگوں سے گفتگو کرو مجھے تو اب ان سے گفتگو کرتے اور واپس لوٹاتے شرم آرہی ہے یہ اجازت پاکر مروان دروازہ پر آیا، مروان نے کہا۔

"یہ کیسی بھیڑ تم لوگوں نے لگا رکھی ہے جیسے تم لوگ گھر لوٹنے کے لئے آئے ہو۔ تمہارا منہ کالا ہو تم یہ ارادہ کرکے آئے ہو کہ ہماری حکومت ہم سے چھین لو، خدا کی قسم اگر تم نے ہمارے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تو ہم بھی وہ سلوک کریں گے کہ یاد رکھو گے جاؤ اپنے گھروں کو جاؤ ہم اپنے اختیارات پر کسی غلبہ کو ہرگز برداشت نہ کریں گے"

یہ سن کر لوگ ناکام و نامراد برا بھلا کہتے اور دھمکیاں دیتے واپس آئے۔ بعض لوگوں نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا سنایا۔ حضرت علیؑ کے لئے ممکن تھا کہ وہ پھر عثمان کے پاس نہ جاتے نہ انہیں کوئی رائے مشورہ دیتے کیونکہ عثمان نے علیؑ کی بات رد کرکے مروان کی باتوں پر توجہ دی تھی لیکن بوڑھے خلیفہ کے حال پر ان کا ترس لوگوں کے درمیان صلح و مصالحت کی دلی خواہش اور ہلکی سی امید کہ شاید عثمان راہ راست کی طرف پلٹ آئیں ان باتوں نے علیؑ کو مجبور کیا کہ وہ پھر سے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں جب رات ہوئی اور عثمان اپنی بیوی نائلہ کے مشورہ سے حضرت علیؑ کے پاس عذر و معذرت کے لئے آئے تو حضرت علیؑ نے کہا۔

"منبر رسولؐ پر تقریر کرنے اور ہر قسم کے وعدے کرنے کے بعد آپ گھر میں چلے گئے اور مروان نے باہر نکل کر لوگوں کو گالیاں دیں۔ اب اس کے بعد باقی ہی کیا رہ جاتا ہے اور میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ عثمان نے اپنے کو بہت برا بھلا کہا۔

حضرت علیؑ نے پھر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:-

"خدا کی قسم میں نے سب سے زیادہ لوگوں کو آپ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جب بھی میں آپ کے سامنے کوئی ایسی بات پیش کرتا ہوں جس کے متعلق مجھے امید ہوتی ہے کہ آپ اس پر راضی و خوش ہوں گے۔ مروان آ کر میری ساری کوششوں کو غارت کر کے رکھ دیتا ہے۔ آپ اس کی باتیں مان لیتے ہیں اور میری باتیں پس پشت ڈال دیتے ہیں۔"
علیؑ نے سچ ہی کہا تھا اس مرتبہ پھر مروان نے عثمان کے خلاف سارا معاملہ بگاڑ کے رکھ دیا۔

بلوائیوں نے پھر اپنے مطالبہ پر زور دینا شروع کیا کہ ہم سے جتنے وعدے کئے گئے تھے وہ وعدے پورے کئے جائیں بلوائیوں نے زور دیا کہ مروان کو جس نے سارے وعدے اور قول و قرار غلط کرائے ہمارے حوالے کیا جائے تاکہ ہم اس سے بدلہ لیں۔ عثمان مروان کے بارے میں پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے اور انہوں نے حوالے کرنے سے قطعی انکار کر دیا ادھر بلوائی بھی اپنی بات پر اڑ گئے کہ مروان سے بہرحال ہم اپنا معاملہ چکا کر رہیں گے۔ جب بلوائیوں کی بغاوت و شورش حد سے زیادہ بڑھ گئی اور عثمان نے بھی ضد پکڑ لی کہ چاہے کچھ ہو جائے ہم مروان کو کسی صورت تم لوگوں کے حوالے نہ کریں گے تو اب بپھرے ہوئے مجمع نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ بلوائیوں نے عثمان کے گھر تک پانی جانے پر بھی بندش کر دی، حضرت عثمان نے بالاخانہ سے جھانک کر مجمع پر نظر کی اور پوچھا کیا تم میں علی بھی ہیں لوگوں نے کہا نہیں، پوچھا سعد ہیں؟ کہا نہیں! کہا کیا کوئی شخص علی تک میرا یہ پیغام پہنچا دے گا کہ وہ ہمیں پانی پلانے کی کوشش کریں۔ جب حضرت علیؑ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ اپنی مشہور و معروف جرأت و بے خوفی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے آپ نے پانی سے تین بھرے ہوئے مشکیزے اپنے اعوان و انصار اور اپنے بھائیوں کے ہمراہ عثمان کے پاس بھیجے اور اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ جس طرح ہو یہ پانی عثمان تک پہنچاؤ چاہے پہنچانے میں تمہیں اپنی جان کی قیمت تک کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ پانی لے جانے والوں اور بلوائیوں میں جھڑپ بھی ہو گئی دونوں طرف کے لوگ زخمی ہوئے مگر علی کے آدمیوں نے عثمان تک پانی پہنچا ہی دیا۔

اس طرح علی ابن ابی طالب نے اپنی کتاب زندگی میں غیر معمولی علوی شجاعت و دلیری کی نئی فصل کا اضافہ کیا۔ یہ وہی بہادری و دلیری تھی جس کی وجہ سے ایک طرف تو آپ ظلم و جور لوٹ کھسوٹ ذخیرہ اندوزی اور منافع پرستی پر برہمی و غضبناکی میں سب سے زیادہ تھے دوسری طرف بنی آدم کی محبت و شفقت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے انہیں آدمیوں میں سے عثمان بھی تھے جنہیں بنی اُمیہ نے اپنے پھندوں میں پھانس لیا تھا اور لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کے راستہ سے بھٹکا دیا تھا اور انصاف کا راستہ اختیار کرنے میں صد ہا رکاوٹیں کھڑی کر دی تھیں۔ اب عثمان اپنے گھر میں محصور تھے۔ بلوائی ان کے قتل پر کمر بستہ تھے اور انہوں نے پانی تک ان پر بند کر دیا تھا۔

یہ بلوائی اب عثمان کے خون کے پیاسے تھے۔ جیسے ہی حضرت علیؑ کو یہ خبر ملی وہ بعجلت تمام گھر سے نکلے اپنے ساتھ ساتھ اپنے فرزند حسنؑ و حسینؑ اور عبداللہ بن عمر اور چند مہاجرین و انصار اور اُن کی اولاد کو لئے ہوئے۔

یہاں تک کہ جب آپ بلوائیوں کے مقابل پہنچے تو آپ نے اُن کے سامنے تقریر کی اُن سے وعدے کئے تمہارے ساتھ جو

زیادتیاں ہوئی ہیں اُن کی تلافی کی جائے گی اور آپ نے بلوائیوں کو وہاں سے ہٹا دیا پھر اپنے ساتھیوں کو لیئے ہوئے عثمان کے پاس آئے اس اُمید میں کہ سب مل کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوئی راہ نکالیں لیکن لوگوں میں اتفاق نہ ہو سکا۔ آپ عثمان کے پاس سے نکل کر مسجد جامع میں نماز کے قصد سے پہنچے لوگوں نے فرمائش کی کہ ابوالحسن آپ نماز پڑھایئے آپ نے انکار کیا کہ نہیں میں تنہا نماز پڑھوں گا پھر مسجد سے رخصت ہو کر دولت سرا کو تشریف لے گئے اور حسنؑ و حسینؑ کو صحابہ کے فرزندوں کے ساتھ جن کی لوگوں کے دلوں میں عزت و توقیر تھی روانہ کیا اور تاکید کی دارالخلافہ کی نگرانی کرتے رہیں، حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا اپنی تلواریں لے کر عثمان کے دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو اس کا موقع نہ دو کہ عثمان کو کوئی ضرر پہنچا سکے۔

بلوائیوں کی نیت بھی نہ تھی کہ وہ عثمان کو ضرر پہنچائیں وہ تو اُس وقت صرف یہ چاہتے تھے کہ عثمان اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور خلافت سے دست بکش ہو جائیں۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ایک شخص جس کا نام نیار بن عیاض تھا اور وہ صحابہ میں سے تھا بلوائیوں کی اگلی صف میں کھڑا ہوا اور اُس نے حضرت عثمان کو باآواز بلند قسمیں دے کر کہا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جایئے آپ کا بال بیکا نہ ہو گا وہ خلافت سے دستبرداری کی ترغیب ہی دلا رہا تھا کہ کثیر بن صلت کندی نے جو حضرت عثمان کے ہمراہیوں میں سے اُن کے گھر میں تھا ایک تیر مار کر نیار بن عیاض کو مار ڈالا۔ مصر والوں اور دیگر بلوائیوں نے چلا کر ابن عیاض کے قاتل کو ہمارے حوالے کیجئے، عثمان نے کہا میں ایسے شخص کو جو میری مدد کر رہا ہے تمہارے حوالے کیسے کر سکتا ہوں۔

بلوائیوں نے دروازے پر یلغار کی جو فوراً ہی بند کر دیا گیا۔ بلوائی آگ لگانے پر تیار ہو گئے اور انہوں نے دروازہ میں آگ لگا دی اور اس کے چھت کو جلا ڈالا پھر ہر طرف سے بلوائیوں نے دارالخلافہ پر تیروں کی بارش شروع کر دی یہاں تک کہ امام حسنؑ زخموں سے لہولہان ہو گئے بجواپنے پدر بزرگوار کے حکم کی بنا پر عثمان کے دروازہ پر کھڑا پہرا دیتے رہتے تھے اور کسی کو اندر جانے نہیں دیتے تھے۔ حضرت علیؑ کے دوسرے ساتھیوں کے سر بھی زخمی ہو گئے بلوائی ڈرے کہ کہیں حسنؑ اور اُن کے ہمراہیوں کو زخمی دیکھ کر بنی ہاشم اور ان کے بعد قریش والے خلاف نہ ہو جائیں ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ کچھ بلوائیوں نے کہا اگر بنی ہاشم آ گئے اور انہوں نے حسنؑ و حسینؑ کے چہرے پرخون دیکھ لیا تو وہ لوگوں کو مار بھگائیں گے اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عثمان کی جان بچ جائے گی اور ہم جو چاہتے ہیں وہ پورا نہ ہو گا ایسا کریں کہ دیوار پھاند کر ہم لوگ گھر میں گھس جائیں اور عثمان کو مار ڈالیں کسی کو خبر بھی نہ ہو گی۔ بلوائیوں نے جو رائے قائم کی تھی اس کو عمل میں لانے پر فوراً تیار ہو گئے۔ محمد بن ابی بکر اور اُن کے دو ساتھی محمد بن ابی خرم انصاری کے گھر کے ذریعہ حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہوئے جب اُن کے پاس پہنچے تو اُن کے پاس اُن کی بیوی نائلہ کو پایا۔ محمد بن ابی بکر کے دونوں ساتھیوں نے تیز حربے سے ان کو کاری زخم لگا کر قتل کر دیا اور جس راستے سے یہ تینوں آئے تھے اُسی راستہ سے واپس چلے گئے۔ نائلہ نے چیخ کر کہا۔ امیر المومنین کو لوگوں نے قتل کر ڈالا۔ یہ چیخ حسنؑ و حسینؑ اور اُن کے ساتھ جو صحابہ کے فرزند تھے اُن کے کانوں میں پہنچی یہ لوگ گھر میں داخل ہوئے دیکھا تو خلیفہ قتل ہو چکے تھے یہ لوگ اُن پر جھک کر رونے لگے۔

لیکن علیؑ جو عثمان سے بڑھ کر عثمان کے دشمنوں کو اُن سے رفع پر قادر تھے بشرطیکہ وہ علیؑ کی باتوں پر کان دھرتے انہیں جیسے

ہی خبر ملی دوڑے ہوئے عثمان کے گھر پہنچے انتہائی غضبناک و برہم وہاں جیسے ہی حسنؑ و حسینؑ پر نظر پڑی اُن سے کہا تم دروازے پر جب موجود تھے تو کیسے امیرالمومنین قتل ہو گئے؟ پھر آپ نے ان دونوں فرزندوں کو طمانچے لگائے محمد بن طلحہ و عبداللہ ابن زبیر اور دیگر

ا۔ حضرت عثمان کے قتل و ہلاکت کے کیا اسباب ہوئے، کن لوگوں نے ان کے قتل کے اسباب فراہم کئے ہم تفصیل سے حضرت امیرالمومنینؑ حصہ ثانیہ میں ص؟ سے ص؟ تک بحث کر چکے ہیں اس لئے یہاں جارج جرداق کی عبارتوں پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تبصرہ کرنے کے لئے صفحات بھی کافی درکار ہوں گے۔ عیسائی مصنف نے واقعہ قتل عثمان کے سلسلہ میں جتنی باتیں لکھی ہیں ان میں بہت کچھ علماء اہل سنت کی من گھڑت روایات سے متاثر ہو کر لکھی ہیں بغیر اس کی تحقیق کئے کہ یہ باتیں صحیح بھی ہیں یا نہیں۔ حدیثیں گھڑنے والوں نے دنیا کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہا ہے کہ اکابر صحابہ حضرت عثمان کے بڑے مددگار و جاں نثار تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے جگر کے ٹکڑوں تک کو نثار کر دیا، اپنے فرزندوں کو عثمان کی نصرت کے لئے بھیجا حالانکہ تاریخ پکار پکار کر کہتی ہے کہ وہ سخت ترین دشمن تھے۔ عثمان کے قتل ہونے ہی تک نہیں بلکہ قتل ہونے کے بعد بھی اُن کی عداوت کا وہی حال رہا۔

حضرت علیؑ کے متعلق یہ امر ثابت مسلم ہے کہ آپ قتل کے موقع پر مدینہ میں موجود ہی نہ تھے چہ جائیکہ آپ ان کے قتل ہونے پر گریہ و بکا کرتے کسی کو زدوکوب کرتے کسی کو بُرا بھلا کہتے کسی پر لعنت کرتے۔

علامہ ہیثمی اسی قسم کی ایک موضوع حدیث کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الظاهران هذا ضعيف لان عليّاً لم يكن بالمدينة حين حصر عثمان ولا شهد قتله۔

ظاہر و واضح امر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جب عثمان محصور ہوئے تو آپ مدینہ میں تھے ہی نہیں نہ قتل کے موقع پر موجود تھے (مجمع الزوائد جلد ؟، ص؟)

حضرت عثمان نے امیرالمومنین سے فرمائش کی تھی کہ آپ اپنی جائداد ینبع چلے جائیے تاکہ خلافت کے لئے آپ کا نام لوگ نہ لیں یہ فرمائش کوئی ایک مرتبہ نہیں کی گئی بلکہ کئی مرتبہ جیسا کہ خود امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد نہج البلاغہ میں موجود ہے کہ:۔

"عثمان نے مجھے آب کشی والا اونٹ بنا لیا ہے۔ ایک مرتبہ کہتے ہیں کہ آپ یہاں سے ینبع چلے جائیے جب میں ینبع چلا جاتا ہوں تو کہلا بھیجتے ہیں کہ جلد آ کر خبر لیجئے جب آ کر اُن کی مصیبت دفع کر دیتا ہوں تو پھر حکم دیتے ہیں کہ ینبع چلے جائیے"

پھر امیرالمومنینؑ جن کی ذات عدل و انصاف کا سرچشمہ تھی کیسے ممکن تھا کہ حسنؑ و حسینؑ کو معاذاللہ زدوکوب کرتے اور دیگر فرزندان صحابہ کو بُرا بھلا کہتے آخر ان لوگوں کا قصور کیا تھا۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ لوگ حفاظت پر متعین کئے گئے تھے تو دروازہ پر متعین ہوئے تھے کسی کو عثمان کے گھر میں جانے نہ دیں قتل کرنے والے دروازے سے گئے ہی نہیں وہ دوسرے مکان سے ہو کر عثمان کے گھر میں داخل ہوئے اور قتل کر کے اسی راستہ سے واپس چلے گئے اس میں حسنؑ و حسینؑ یا کسی اور کی کیا خطا تھی۔ دروازے سے اگر کسی کو آنے دیتے تو الزام بھی دیا جا سکتا تھا کہ انہوں نے کوتاہی کی روکا نہیں۔

فرزندان مہاجرین و انصار کو برا بھلا کہا۔ طلحہ جلدی سے آگے بڑھے اور کہا یہ آپ کو کیا ہوگیا کہ آپ حسنؑ و حسینؑ کو مار بیٹھے۔ آپ نہ کسی کو مارتے نہ برا بھلا کہتے اگر وہ مروان کو حوالے کر دیئے ہوتے تو کبھی قتل نہ کئے جاتے۔

اس طرح عثمان قتل ہوئے جن لوگوں نے عثمان کو قتل کیا وہ دو قسم کے لوگ تھے ایک تو وہ تھے جو حق کے لئے غضبناک ہوئے حضرت عثمان سے توبہ کے طالب ہوئے انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کیا ان لوگوں نے ان کا گھر گھیر لیا اور ان کا کام تمام کر دیا ان لوگوں میں حجاز مصر و عراق اور تمام اسلامی شہروں کے مسلمان شامل تھے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جنہیں مال غنیمت نے دیوانہ و سرگشتہ کر دیا تھا اس قسم کے لوگوں کے ساتھ ایک قائد تھا جس کی اطاعت کی جاتی تھی اور اس قسم کے لوگوں نے انہیں محاصرہ میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ پہلی قسم کے لوگوں کا ہم تذکرہ کر چکے دوسری قسم کے لوگوں کے متعلق ہم آگے چل کر بیان کریں گے "زبردست سازش" کی فصل میں کیونکہ حضرت علیؑ کے ساتھ جو سلوک اور مکر و فریب کیا گیا اس کا ان لوگوں سے گہرا تعلق ہے۔

اس موقع پر ہم ذرا ٹھہر کر بعض ہم عصر مولفین سے دو دو باتیں کرنا چاہتے ہیں ان امور و واقعات کے متعلق جن کا قتل عثمان سے گہرا تعلق ہے۔

بعض معاصرین کی غلط بیانیاں

اور

اُن پر تبصرہ

"دنیا میں ایسے بھی مصنفین ہیں کہ انہیں نہ تو تاریخی حقائق کی پرواہ ہے اور نہ زندگی کے حالات اور ماحول کی فکر حضرت عثمان کے خلاف مظلومین نے جو انقلابی کوششیں کیں اس کے عجیب وغریب اسباب بیان کرتے ہیں اور اس زمانہ کے حادثوں کو ایک خاص شخص کی مرضی و ارادہ پر موقوف کرتے ہیں جس نے اطراف واکناف مملکت کا دورہ کیا اور لوگوں کو حضرت عثمان اور اُن کی حکومت کے خلاف برانگیختہ کیا"

ان انشاپردازوں کی توجیہات کوئی شک نہیں کہ آپ کو ہنسنے پر مجبور کردیں گے، کیوں کہ ان کی تحریروں کی غرض وغایت فقط یہ ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کے واقعی ذمہ دار جو افراد تھے اُن سے بازپرس نہ ہو ورنہ پھر لوگ ان مصنفین کے ایمان ہی پر گرفت کرنے لگیں گے یہ مصنفین بالکل ان لوگوں جیسے ہیں جو پانی کی دھار کو نیچے سے اوپر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اپنے پڑھنے والوں کو بالکل غافل اور سادہ لوح سمجھتے ہیں۔ انہیں لوگوں میں کتاب عائشہ والسیاست کے مولف سعید الافغانی بھی ہیں ان بزرگ نے اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کو یہ یقین دلانے کی پوری کوشش کی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں مملکت اسلامیہ کے جو انقلابات رونما ہوئے، حضرت عثمان کا قتل اور ان کے قتل کے بعد جو اہم واقعات ہوئے وہ سب صرف ایک شخص عبداللہ بن سبا کے وجود اور اس کی حرکتوں کے سبب اس قسم کے دعوے اور افترا و بہتان کا صریحی مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرت عثمان اور اُن کے وزیر مروان کے زمانہ کی حکومت آئیڈیل

اور مثالی حکومت تھی اور بنی امیہ اور اُن کے عمال و جاگیر دار سرزمین عرب میں انسانی بھائی چارہ اور عدالت اجتماعی کے پیامبر تھے مگر کیا کیا جائے کہ ایک اکیلے شخص عبداللہ بن سبا نے بنی امیہ کے عمال اور جاگیرداروں کی تمام صلاحیتیں اور نیکیاں برباد کر دیں کیونکہ اس نے ہر ہر صوبہ و ضلع کا دورہ کرنا شروع کیا اور اس دورہ میں حضرت عثمان کے خلاف اُن کے امراء اور عمال کے خلاف جو صالحین بھی تھے اور مطیعین بھی لوگوں کو برگشتہ کرنا شروع کیا اگر یہ ایک اکیلا شخص نہ ہوتا تو لوگ مروان کی نعمتوں، ولید کے انصاف اور معاویہ کے حکم میں امن و چین اور خوش حالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے۔ اس قسم کا دعویٰ حقائق پر بہتان، خلائق پر ظلم اور بعض نظریات کی بہت رکیک حمایت ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان بنیادی حقائق سے جن پر تاریخ کی بنا ہے لوگوں کو گمراہ بنانا ہے کیونکہ اس قسم کی ناکام کوشش کرنے والے کا مقصد محض یہ ہے کہ ایک زمانہ بلکہ بہت سے زمانوں کے تمام واقعات کی ذمہ داری ایک شخص کے سر ڈال دی جائے جس نے شہر شہر گھوم پھر کر لوگوں کو حکومت کے خلاف برانگیختہ کیا اور تمام رعایا حکومت کے خلاف صف بستہ ہو گئی کسی اور وجہ سے نہیں صرف اس وجہ سے کہ ایک اکیلا شخص ان کے ممالک میں گھومتا پھرتا تھا۔ رہ گئی حکومت کی کیفیت، حاکم کی سیاست، اقتصادی و معاشرتی نظام کی ابتری، مقربین حکومت کی سرکشی، خزانے میں والیوں کی من مانی کارروائیاں، بنی امیہ کا لوگوں کی گردنوں پر تسلط ڈپلومیسی چھوڑ اور ستاکریسی پالیسی اختیار کرنا، عوام جن ہستیوں کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے ہوں جیسے ابوذر، عمار یاسر وغیرہ اُن کی ذلت و توہین ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ یہ امور مؤلف کی نظر میں انقلابی تحریک اور اموی حکومت سے خلاف لوگوں کی بغاوت کا باعث ہوئے بلکہ حضرت عثمان کے خلاف جو کچھ بھی شور و غوغا ہوا وہ سب عبداللہ بن سبا کی وجہ سے ہوا جس نے لوگوں کو آئمہ کی اطاعت سے روکا اور ان کے درمیان شر و فساد کا باعث ہوا۔

کتنی خطرناک ہے یہ ذہنیت کہ ایسے اہم واقعات جو مسلسل اور ایک دوسرے سے مربوط تھے اور جن کا اُس وقت کی سوسائٹی سے گہرا تعلق تھا اور اقتصادی و معاشرتی نظام سے پوری وابستگی تھی کی توجیہ و تعلیل یہ کی جائے کہ ان سارے واقعات کا اصلی سبب ایک اکیلے شخص کی سازشی کارروائیاں تھیں جس نے شہر شہر گھوم پھر کر پاکیزہ معاشرہ میں فتنہ و فساد کی تخم ریزی کی جیسا کہ سعید افغانی کہتے ہیں اور پاکیزہ معاشرہ سے ان کی مراد مروان بن حکم کا معاشرہ ہے۔

دیکھیے یہ سعید افغانی مؤلف کتاب عائشہ والسیاسۃ عبداللہ ابن سبا یا ابن السوداء کو کتنی اہمیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور لاشعوری طور پر کتنا معاویہ کو آسمان پر چڑھاتے اور ابوذر غفاری ایسی جلیل القدر شخصیت کو ہیچ و پوچ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ معاویہ، معاویہ تھے اور ابوذر، ابوذر۔ لکھتے ہیں: عبداللہ بن سبا نے اسلامی ممالک کا دورہ کیا ایک ایک گوشہ میں گھوما پھرا اس نے اپنی گمراہیوں کی اشاعت کی ابتداء سرزمین حجاز سے کی پھر شام کی طرف گیا شام اُس وقت ایک تجربہ کار اور دور اندیش آدمی کے ہاتھ میں تھا یعنی معاویہ ابن ابی سفیان جنہوں نے اس کی خطرناکی کو فوراً ہی سمجھ لیا اور اسے نکال باہر کیا لیکن باوجود اُن کی انتہائی احتیاط کے اس کی مفسدہ پردازی کی کچھ چھینٹیں ان پر پڑ ہی گئیں ابن سبا نے

اندازہ کیا اور تخم ریزی کی اور معاویہ کے خلاف ایک بزرگ صحابی کو برانگیختہ کردیا ایسا بزرگ صحابی جس کے منہ سے نکلی ہوئی بات پر شام والے یقین رکھتے تھے معاویہ جو بردبار بھی تھے اور ڈپلومیٹ بھی وہ بہت عاجز ہوگئے اور خلیفۂ وقت عثمان سے درخواست کی کہ انہیں شام سے نکال لیں۔ یہ بزرگ ابوذر صحابی ہیں اور ان کا واقعہ مشہور ہے۔" (عائشہ والسیاستہ)

اس جملہ کا خلاصہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانۂ حکومت میں اسلامی سلطنت کے صوبے بڑی خوشحالی و فارغ البالی کے عالم میں تھے خصوصاً شام کا صوبہ اُس وقت ایک دور اندیش اور تجربہ کار یعنی معاویہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور جناب ابوذر جو بزرگترین مصلح تھے وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھے اگر یہ ابن سبا ان کے پاس نہ آتا اور انہیں بیدار نہ کرتا پھر اس عبداللہ بن سبا نے ابوذر کو بیدار بھی کیا تو فتنہ و فساد پھیلانے گمراہ کرنے اور خرابیاں پیدا کرنے کے لئے، کیونکہ عبداللہ بن سبا اس مؤلف کے خیال میں تمام فتنہ و فساد کی جڑ تھا اور اسلامی ممالک کے دورہ سے اس کا مطلب ہی یہ تھا کہ فتنہ و فساد برپا کرے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ابوذر نے وہی کیا جو عبداللہ ابن سبا چاہتا تھا یعنی گمراہیوں کی اشاعت مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد اور انہیں ائمہ کی اطاعت سے منحرف کیا۔

ابوذر کے اقدامات (مؤلف مذکور کے خیال میں) اہلِ عرب اہلِ اسلام اور تاریخ کے لئے خطرہ تھے کیونکہ انہوں نے فقراء کو اغنیاء کے خلاف برانگیختہ کیا، اسی وجہ سے معاویہ بھی اُن سے تنگ ہوئے اور انہوں نے ابوذر کو شام سے نکال کر کے عربی مسلمانوں اور تاریخ پر رحم کیا۔

غور کیجئے کیا اس مؤلف سعید افغانی کی منطق، ان حاکموں کی منطق یاد نہیں دلاتی جو ہر حق کے طلبگار کو باغی، مفسد اور فتنہ انگیز قرار دیتے ہیں۔

کیا یہ بات آپ کو دہشت میں نہیں ڈالتی کہ قدیمی مؤرخین کو فتنہ کے اسباب معلوم ہو جائیں لیکن آج کل کے مؤرخین کو معلوم نہ ہوں حالانکہ آج کل کے مؤرخین کے ذرائع معلومات کے، عائشۃ والسیاستہ کے مؤلف حضرت عثمان کے خلاف انقلابی تحریک کی نسبت عبداللہ بن سبا کی سرگرمیوں کی طرف دیتے ہیں اور طبری اور اُن کے پہلے اور بعد کے مؤرخین اس کی صحیح توجیہ کرتے ہیں اور ایسے اسباب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو واقعی سمجھ میں آنے والے ہیں۔

علامہ طبری نے جہاں اور بہت سے اسباب لکھے ہیں یہ بھی لکھا ہے۔ "وہ لوگ جنہیں نہ تو اسلام میں سابقیت حاصل تھی نہ اسلام میں اُن کا کوئی درجہ تھا اُن لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے جو سابقین اسلام تھے۔ اور جنہیں بڑی اہمیت و وجاہت حاصل تھی پھر یہی سابقین اسلام جو سواد اعظم تھے داد و دہش کی منفعت کرتے اور اُس کو زیادتی قرار دیتے کیونکہ خود ان کا حصہ بہت کم ہوتا کہ تازہ اسلام لانے والے یا بدو عرب یا آزاد شدہ غلام جب اُن سے ملتے تو ان کی باتیں اُن کے دل پر اثر انداز ہوتیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت عثمان کے مخالفین کی تعداد بڑھتی جاتی یعنی وہ لوگ جو حضرت عثمان کے مخالف تھے وہ زیادہ تھے اور جو لوگ حضرت عثمان سے راضی تھے وہ کم تھے یہاں تک کہ فتنہ و فساد غالب آگیا۔

یقیناً یہ بات حیرت انگیز ہے کہ سوچنے سمجھنے میں اسی قسم کی غلطی دوسرے معاصرین سے بھی ہوئی ہے جیسے احمد امین مصنف فجر الاسلام وغیرہ، اُن کا خیال ہے کہ ابوذر غفاری سیدھے سادھے آدمی تھے انہیں عبداللہ بن سبا نے اپنی طرف کھینچا اور مزدکی خیالات پر اُنہیں فریفتہ کیا تاکہ شہروں کی فضا خراب کرنے میں اس کے مددگار ہوں۔

اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مزدکی خیالات پر ابوذر کی فریفتگی کے ثبوت میں اُنہوں نے ابوذر کا یہ قول پیش کیا ہے جسے طبری نے نقل کیا ہے کہ ابوذر شام میں کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "اے دولت مندو! فقراء کے ساتھ ہمدردی کرو جو لوگ سونا چاندی خزانہ میں جمع کرتے ہیں۔ اُنہیں جہنم کی بشارت ہے" (فجر الاسلام ص۱۱)

کون پوچھے احمد امین سے کہ دولت مندوں سے یہ مطالبہ کرو وہ فقیروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں کیا صرف مزدکی نظریہ ہے؟ اور خالص اسلامی نظریہ نہیں؟ اور کیا ابوذر کے اس قول میں کہ "اے دولت مندو فقیروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ" اور بشّر الّذین اٰمنو یکنزون الذھب والفضّۃ میں جو قرآن کی آیت ہے گہری وابستگی نہیں؟ کیا ابوبکر و عمر بھی وہی نہیں کرتے تھے جو ابوذر کہتے تھے، یہ دونوں فقیروں کے ساتھ ہمدردی کرتے اور مالداروں سے سختی سے احتساب کرتے، ابوبکر و عمر کے لئے بھی احمد امین کیوں نہیں ابن سبا کے علاوہ کوئی دوسرا مزدکی ایجاد کر لیا کہ وہ کہہ سکتے کہ ابوبکر و عمر نے فلاں مزدکی کی شاگردی اختیار کی اور اسی سے مزدکی خیالات و نظریات حاصل کئے۔

دوسری جگہ احمد امین فجر الاسلام میں عبداللہ بن سبا کو بانی مبانی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"اسی شخص نے ابوذر غفاری کو اشتراکیت کی تبلیغ پر آمادہ کیا اور یہی سرغنہ ہے ان بلوائیوں کا جو دیار و امصار سے حضرت عثمان پر یورش کرکے آئے، اسی ابن سبا نے چاہا کہ مسلمانوں کے دین کو فاسد کردے، اس نے شہروں میں بہت سے معتقدات کی اشاعت کی، یہ ابن سبا بہت سے شہروں میں گھوما پھرا تھا حجاز میں بصرہ میں کوفہ میں، شام اور مصر میں، لہٰذا قوی امکان ہے کہ اس نے عراق یا یمن کے مزدکیوں سے مزدکی نظریات و افکار حاصل کئے ہوں اور ابوذر نے بھی ان نظریات و افکار کو اچھا سمجھ کر اپنا لیا ہو۔"

کتنے غضب کی بات ہے کہ مؤلف فجر الاسلام خود اپنے دل سے یہ سوال نہیں کرتے کہ ابوذر کے اسلامی نظریات میں نئی کون سی بات مدعا ہوئی؟ کیا خود اسلام کی تعلیمات سے یہ بات نہیں کہ اغنیاء پر فقراء کے حقوق ہیں اور تمام مسلمان برابر ہیں اور سونا چاندی جمع کرنے والوں کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ جہنم میں اسی سونے چاندی سے داغے جائیں گے جیسا کہ قرآن کی آیت کہتی ہے تو ان نظریات و خیالات میں جن کے ابوذر حامل تھے اور جن کی تبلیغ کرتے تھے آخر وہ کونسے نئے مزدکی خیالات ہیں؟ ابوذر کا ٹکراؤ تو محض اُن لوگوں سے تھا جن سے خود اسلام نے جنگ کی اور جنہیں نارِ جہنم کی دھمکی دی تھی۔

پھر ابوذر ایسے بزرگ انسان جو پانچویں مسلمان تھے۔ پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابی، ابوبکر و عمر کے رفیق، شیعیانِ علی

کے سرگروہ کیا خود نہیں سمجھ سکتے تھے کہ مال تمام مسلمانوں کا حق ہے ۔ ہر ایک کو اس سے جینا ہے ، ایک دو شخص کا حق نہیں کہ وہ اُسے خزانوں میں جمع کر کے رکھیں ، پھر کیا ابوذر ایسے آدمی یہ سمجھتے نہ تھے کہ وہ مال جو تمام مسلمانوں کا مال ہے حضرت عثمان کے عہد میں اسے گنتی کے چند آدمیوں نے اپنا خاص حق بنا لیا ہے ، ظلم وجور کی حکمرانی ہے ۔ اسلام کی تعلیمات اس کے خلاف ہے ۔ لہٰذا مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس کے خلاف قدم اٹھائیں ۔

سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا ابوذر اس کے محتاج تھے کہ عبداللہ بن سبا ان کو بتائے کہ عثمان اپنے اعزا اور انصار کو حکومت میں عہدہ ومناصب میں ، مال و دولت میں ترجیح دے کر قیصر و کسریٰ کے راستہ پر چلنے لگے ہیں اور اس کے بتانے سے اُن کی سمجھ میں آیا کہ حکام گمراہ ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کو پتہ چلا کہ ہم محروم رہے گھاٹے میں رہے جس کے نتیجہ میں ابوذر غفاری بھی برہم ہوئے اور اُن کے ساتھ دوسرے لوگ بھی برہم ہوئے ۔

ان مولفین نے عبداللہ بن سبا اور مزدکیہ کو سمجھ لیا لیکن ابوذر اور اسلام کو سمجھ نہیں پائے ، انہیں ابن سبا کی باغیانہ تحریک اور خلیفہ کے خلاف لوگوں کو اُبھارنا تو ہولناک معلوم ہوا لیکن حضرت عثمان کے وہ افعال و حرکات ہولناک معلوم نہ ہوسکے جن پر مسلمان اُن سے ناراض ہوئے ، جن حرکات پر ہر زمانہ میں ہر حاکم پر ہر قوم ناراض ہوتی ہے ، یعنی گنتی کے لوگوں کو اکثریت پر ترجیح دینا اور ان گنتی کے لوگوں کا حاکم کی مدد اور رائے سے ہر چیز پر مسلط ہو جانا ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ دور دراز کے خشک چشموں سے پانی کا سوال کرتے ہیں اور قریب کے سمندر سے سوال نہیں کرتے ۔"

وہ واقعات جو حضرت عثمان کی ہلاکت کا باعث ہوئے ان میں بہت سے واقعات کے بارے میں محققین کے درمیان اختلاف ہے سب سے بڑا اور نمایاں واقعہ جس میں مؤرخین نے اختلاف کیا ہے ۔ محمد بن ابی بکر اور اس خط کا واقعہ ہے جو مدینہ سے بھیجا گیا تھا اور جس میں حضرت عثمان نے پُرانے حاکم ابن ابی سرح کو حکم دیا تھا کہ نئے حاکم محمد بن ابی بکر کو پہنچتے ہی قتل کر دینا اس واقعہ کو ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں ۔

اس موقع پر ذرا ٹھہر کر اس قصہ سے بحث کرنا چاہیئے جسے بعض لوگوں نے صحیح تسلیم کیا ہے بعض نے انکار کیا ہے بعض محققین نے اس کے صحیح ہونے پر اطمینان ظاہر کیا ہے اور بعض لوگوں نے اس کی صحت کو بعید از عقل قرار دیا ہے ۔ جو لوگ محمد بن ابی بکر اور خط والے قصہ کے منکر ہیں اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ان میں ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں ۔ کیونکہ تاریخ اسلام اور تاریخ عرب میں ان کی رایوں کو بہت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی مشہور کتاب الفتنة الكبرىٰ کی پہلی جلد "عثمان" میں رقمطراز ہیں ۔

" اس موقع پر اس خط کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جس کے متعلق راویان حدیث کہتے ہیں کہ مصر والے جب حضرت عثمان کے وعدوں سے مطمئن ہو کر اپنے وطن واپس جا رہے تھے تو راستہ میں انہوں نے ایک غلام کو پکڑا جو ابن ابی سرح کے نام خط لئے جا رہا تھا ۔ خط پا کر مصر والے پلٹ پڑے ۔ یہ قصہ میرے خیال میں بالکل بے بنیاد اور سراسر من گھڑت ہے ۔ اسے من گھڑت ہونے کا

سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ صحابہ پیغمبرؐ اس خط کے متعلق مصر والوں سے قریب قریب الجھ پڑے اور ان سے پوچھا کہ جب تم علیحدہ علیحدہ راستوں پر جا رہے تھے کوفہ والوں نے کوفہ کا راستہ اختیار کیا۔ بصرہ والوں نے بصرہ کا اور تم لوگوں نے مصر کا تو کوفہ و بصرہ والوں کو کیسے معلوم ہوا کہ ایسا ایسا خط تم لوگوں کے ہاتھ لگا ہے۔ اس سوال کا مصر والوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور ان لوگوں نے کہا آپ لوگ جو بھی سمجھتے ہوں ہم کو اس شخص عثمان کی کوئی حاجت نہیں، ہم نہیں چاہتے کہ عثمان خلیفہ رہیں ہم تو اُن کو معزول کر کے اور اُن کی جگہ دوسرا خلیفہ بنا کر رہیں گے۔

اور یہ بات کسی عقل میں آنے والی نہیں اور نہ کوئی شخص اسے قبول ہی کرے گا کہ حضرت عثمان مسلمانوں کے ساتھ ایسا مکر و فریب کریں اُن کی ایک جماعت سے وعدے کر لیں کہ ہم تمہاری مرضی کے مطابق مصر کے حاکم کو معزول کر کے نیا حاکم مقرر کیے دیتے ہیں پھر وہ اس عامل کے پاس پوشیدہ طریقہ پر خط بھیجیں کہ جیسے ہی یہ لوگ تمہارے پاس تمہاری معزولی اور نئے حاکم کے تقرر کا پروانہ لے کر پہنچیں تم انہیں قتل کر ڈالنا۔

یہ بات بھی عقل میں آنے والی نہیں اور نہ کوئی شخص اس کو قبول کرے گا کہ مروان ایسی جرأت و جسارت کرے کہ وہ عثمان کی طرف سے خط لکھے اس خط پر اُن کی مہر لگائے اور اُس خط کو انہیں کے غلام کے ہاتھ انہیں کے اونٹ پر بٹھا کر روانہ کرے۔

بات بالکل معمولی ہے کوفہ و بصرہ اور مصر اور دیگر اطراف کے بلوائیوں سے حضرت عثمان نے وعدہ کیا ہو کہ تمہارے مطالبے منظور ہیں اس وعدے پر انہیں اطمینان ہو گیا پھر انہیں پتہ چلا کہ خلیفہ نے اپنے وعدے پورے نہیں کیے تو وہ سب غیظ و غضب میں بھرے پلٹ پڑے کہ قصہ ختم ہی کر ڈالنا چاہیے اور اُس وقت تک اپنے گھروں کو واپس نہ جانا چاہیے جب تک عثمان کو معزول کر کے یا قتل کر کے خلافت کا معقول بند و بست نہ کر لیا جائے جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو دیکھا کہ اصحاب پیغمبرؐ اُن سے جدال و قتال پر کمربستہ ہیں اُنہیں صحابہ پیغمبرؐ سے لڑنا منظور نہ ہوا یہ لوگ از راہ مکر و فریب مدینہ سے واپس ہو گئے جب اطمینان ہو گیا کہ اکابر صحابہ نے کمریں کھول ڈالیں اپنے اسلحے رکھ کر گھروں میں اطمینان سے بیٹھ رہے تو یہ سب بلوائی پلٹ پڑے اور بغیر کشت و خون اور لڑے بھڑے مدینہ پر چھا گئے۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد اول عثمان)

تاریخ کا ہر وہ واقعہ جسے کچھ لوگوں نے صحیح ثابت کرنے پر اور کچھ لوگوں نے اُس کو غلط ثابت کرنے پر زور دیا ہو بے شک اس قابل ہے کہ اس کے متعلق شک و شبہ کیا جائے خصوصیت کے ساتھ وہ واقعات جن سے فرقہ وارانہ اغراض پورے ہوتے ہوں یا اور کسی مذہب کی تائید و توثیق ہوتی ہو اور یہ شک و شبہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک خود تاریخ سے اس کا ایسا ثبوت نہ پیش کر دیا جائے جس سے انکار ناممکن ہو یا اس کی ایسی تحلیل و توجیہ نہ کی جائے جو بجائے خود شاہد و ثبوت کا کام دے۔ اس خط والا واقعہ یقیناً اس لائق ہے کہ استاد جلیل طٰہٰ حسین کو شک و شبہ میں مبتلا کرے اور جن وجوہ سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو اس واقعہ میں شکوک و شبہات لاحق ہوتے ہیں وہ وجوہ بھی قابل تسلیم تھے بشرطیکہ کچھ ایسی باتیں موجود نہ ہوتیں جو ان وجوہ کو تسلیم کرنے میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔

لیکن یہ بات جو ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے کہی ہے کہ جب صحابہ کرام نے کوفہ و بصرہ والوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کی راہیں تو جداگانہ تھیں تم لوگ اپنے اپنے شہروں کی طرف جا رہے تھے تو کیسے معلوم ہو گیا کہ مصر والوں کو ایسا ایسا خط ہاتھ لگا ہے اور اس سوال کا جواب کوفہ و بصرہ والوں سے کچھ دیتے بن نہ پڑا۔ تو یہ بات ایسی نہیں کہ جس کی وجہ سے خط والے قصّہ کا سرے سے انکار ہی کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ بات قطعی و یقینی ہے روایات کی بنا پر بھی اور واقعات کے تسلسل کے لحاظ سے بھی کہ حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ انہیں مصر کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو جو عہد نامہ لکھ دیا تھا اس پر محمد کو بھی پورا بھروسہ تھا اور ان کے ساتھیوں کو بھی یہ لوگ بھروسہ کر کے مدینہ سے روانہ بھی ہو گئے لیکن ابھی یہ لوگ مصر تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ اُلٹے پیروں مدینہ واپس پلٹ پڑے تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر یہ لوگ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے واپس کیوں ہوئے؟ موقع کی تاک میں کیوں رہے کہ بغیر لڑے بھڑے مدینہ میں داخل ہو جائیں نہ تو تاریخ بتاتی ہے اور نہ خط والے قصّہ کے منکرین بتاتے ہیں کہ آخر الٹے پیروں واپس پلٹ پڑنے کی وجہ کیا تھی۔ لے دیکھئے یہی ایک خط کا قصّہ ہے جو محمد اور اُن کے ساتھیوں کی واپسی کے سبب میں بیان کیا جاتا ہے

پھر وہ مہاجرین و انصار جنہیں حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ وہ جا کر باشندگان مصر اور ابن ابی سرح کے حالات کی جانچ پڑتال کریں اور محمد بن ابی بکر کی حکومت کے لئے فضا ساز گار بنائیں یہ سب کے سب حضرت عثمان کے مطیع و فرمانبردار تھے اور اگر سب نہیں تو کچھ لوگ ان صحابہ میں ضرور ایسے تھے جنہیں حضرت عثمان کے اعوان و انصار کا درجہ حاصل تھا تو جب محمد کے ساتھ کے مہاجرین و انصار حضرت عثمان کے مطیع۔ بلکہ ان کے اعوان و انصار میں سے تھے تو کس کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہ لوگ اپنے جی سے ایک جعلی خط حضرت عثمان کی طرف سے بنا لیں اور اگر یہ کہا جائے کہ مہاجرین و انصار نے نہیں بنایا کسی اور نے بنایا تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان لوگوں نے اس کے صحیح ہونے اور حضرت عثمان ہی کا نوشتہ ہونے کا اقرار کیسے کر لیا۔ اور اگر خط کا قصّہ سرے سے من گھڑت ہی مان لیا جائے کہ کوئی خط پکڑا ہی نہیں گیا تو پھر اسے بھی مان لیجئے کہ محمد بن ابی بکر اور اُن کے ساتھی اس خط کی وجہ سے مدینہ پلٹے نہیں بلکہ اس خط کا قصّہ حضرت عثمان کے دشمنوں نے اُن کی ہلاکت کے بعد گڑھ ڈالا تو پھر اس موقع پر سوال ہوتا ہے کہ مورخین و رواۃ جن میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین بھی شامل ہیں اس خط کا اقرار کر کے یہ کیوں کہتے ہیں کہ صحابہ پیغمبر نے بلوائیوں سے اس خط کے متعلق بحث و تکرار کی اور اعتراض کیا کہ کوفہ و بصرہ والوں کو کیسے اس خط کا پتہ چلا حالانکہ سب اپنی اپنی راہ لگ چکے تھے۔ مصر والے مصر کی طرف بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

لہٰذا خط کے متعلق تو انکار کیا ہی نہیں جا سکتا خود ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو اقرار ہے کہ اصحاب پیغمبر نے بلوائیوں سے خط کے بارے میں بحث کی اور بہت تکرار ہوئی اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یہ خط لکھا تو کس نے لکھا اور کس نے محمد بن ابی بکر اور اُن کے ساتھ کے مہاجرین و انصار اور ابن ابی سرح کے مخالفین کی ہلاکت کی سازش کی؟

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو یقین نہیں آتا کہ ایسی حرکت حضرت عثمان سے سرزد ہوئی وہ لکھتے ہیں:۔

"نہ یہ بات عقل میں آنے والی ہے نہ قبول ہی کئے جانے کے لائق کہ حضرت عثمان مسلمانوں کے ساتھ ایسا مکر و فریب کریں کہ مصر والوں سے تو ابن ابی سرح کو معزول اور محمد ابن ابی بکر کو حاکم مقرر کرنے کا وعدہ کر لیں پھر خفیہ طور سے ابن ابی سرح کو لکھ بھیجیں کہ ان کو پہنچتے ہی مار ڈالے۔"

ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا حق ہے۔ واقعتاً یہ بات نہ عقل میں آنے والی ہے نہ قبول کئے جانے کے لائق کہ حضرت عثمان مسلمانوں کے ساتھ ایسا مکر و فریب کریں لیکن اصل بات یہ ہے کہ حضرت عثمان مزاج کے بہت نرم تھے اور یہی مزاج کی نرمی اکثر اوقات انہیں بنی اُمیّہ کی خواہش و ارادہ کے مطابق کام کرنے پر مجبور کر دیتی تھی اور بنی امیہ مکر و فریب افترا و بہتان، جرأت و جسارت میں جیسی مہارت رکھتے تھے وہ دنیا جانتی ہے۔ حضرت عثمان کے سوانح حیات ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ کسی کام کا حکم دیتے پھر وہ حکم واپس لے لیتے اس پر شرمندگی و ندامت کا اظہار کرتے یہاں تک کہ رونے لگتے۔ اس کا ثبوت کہ بنی اُمیّہ حضرت عثمان کے پیچھے پڑ کر ان کو سلامت روی اور اخلاق پسندیدہ کے خلاف ایسا کام کرنے پر مجبور کر دیتے تھے جس پر انہیں فوراً ہی شرمندہ و نادم ہونا پڑتا وہ انتہائی بدسلوکی ہے جو انہوں نے ابوذر کے ساتھ کی۔ حضرت عثمان نے ابوذر کو انتہائی ذلیل و خوار کیا مارا پیٹا پھر انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح ابوذر راضی ہو جائیں۔ اس کے بعد زیادہ دن نہ گذرنے پائے تھے کہ پھر ابوذر پر انتہائی غضبناک ہوئے اور انہیں ربذہ جلاوطن کر کے اُن کو ان کے اہل و عیال کو بھوکا مار ڈالا۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بزرگترین صحابی پیغمبرؐ عبداللہ بن مسعود کی انتہائی تذلیل و تحقیر کی اُن کے حکم سے ایک شخص نے اٹھا کر انہیں زمین پر پٹک دیا جس سے اُن کی ہڈی پسلی چور ہو گئی ان کا مشاہرہ بند کیا پھر فوراً ہی اُن سے معذرت کے خواہاں ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ اُن کے حالات زندگی میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت علیؑ کو حکم دیتے کہ آپ مدینہ سے باہر چلے جائیے پھر آدمی دوڑاتے جلد واپس آیئے اور میرے پاس ہی رہئیے۔ ایسا انہوں نے کئی مرتبہ کیا یہاں تک کہ حضرت علیؑ کو کہنا پڑا کہ عثمان مجھے آب کشی والا اونٹ بنا دینا چاہتے ہیں کہ میں آتا جاتا رہوں۔ ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ جلد آیئے۔ پھر کہا کہ یہاں سے چلے جایئے پھر کہلا بھیجا کہ جلد آیئے پھر اس وقت انہوں نے آدمی بھیجا ہے کہ آپ مدینہ چھوڑ دیجیے۔

حضرت عثمان عبداللہ ابن ابی سرح کو کھلی چھوٹ دیتے ہیں کہ مصر کے باشندوں کے ساتھ جیسا برتاؤ چاہو کرو اور ابن ابی سرح مصر والوں پر انتہائی مظالم ڈھاتا ہے۔ مصر والے اس کی شکایت لے کر مدینہ آتے ہیں حضرت عثمان تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں جس میں مصر والوں کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔ توبہ و ندامت کا اظہار کرتے ہیں استغفار فرماتے ہیں یہاں تک کہ رونے لگتے ہیں۔ اُن سے وعدہ کرتے ہیں کہ ابن ابی سرح کو بدل کر تمہاری پسند کا حاکم مقرر کر دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ دارالخلافہ واپس جاتے ہیں وہاں مروان بیٹھا ہوتا ہے مروان انہیں بہکا کر ان تمام باتوں سے انہیں پھیر دیتا ہے جن کا ابھی ابھی وہ مصر والوں سے وعدہ کر کے آئے تھے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان اپنے کئے ہوئے وعدوں میں سے ایک وعدہ بھی پورا نہیں کرتے۔

ابوذر اور عبداللہ بن مسعود کا معاملہ اُن کے نزدیک محمد بن ابی بکر کے معاملہ سے آسان نہ تھا اور نہ ان دونوں کی اصلاح کی اپیل ان کے خویش واقارب پر، مصر والوں کے ایک مرتبہ مدینہ کے دارالخلافہ پر اور ایک مرتبہ مصر کے گورنر پر چڑھائی سے زیادہ گراں تھی جب حضرت عثمان اپنے خویش واقارب کی خواہش وارادہ کے مطابق ابوذر اور عبداللہ بن مسعود سے بدسلوکی کر سکتے تھے تو محمد یا مصر والے کس شمار قطار میں تھے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ محمد ابن ابی بکر حضرت عثمان کی سیاست کے مخالفین میں سے تھے اور ابن ابی سرح عثمان کا خاص آدمی تھا ان کی سیاست اور طرز حکومت کو دل وجان سے پسند کرتا تھا۔ لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت عثمان محمد بن ابی بکر کو عبداللہ ابن ابی سرح کی جگہ حاکم مقرر کر کے اور مصر والوں سے ان کے مصائب کی تلافی کا وعدہ کر کے پچھتا رہے ہوں پھر مروان اور اپنے دیگر خویش واقارب کے دباؤ سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی کرنے پر آمادہ ہو گئے ہوں

ہم نے اس خط والے واقعہ کا جو ذکر کیا تو اس سے ہماری غرض ان لوگوں کی تائید وحمایت کرنا نہیں جو دعوی کرتے ہیں کہ خط لکھنے والے حضرت عثمان ہی تھے ہم نے صرف یہ واضح کرنے کے لئے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان کی نرم مزاجی سے مروان اور آل حکم جو حضرت عثمان کے تمام امور کے مالک ومختار بنے ہوئے تھے کتنا فائدہ اُٹھاتے اور کیسے کیسے مکر وفریب کرتے رہتے۔

لہٰذا اگر یہ بات عقل میں آنے والی اور قبول کئے جانے کے لائق نہیں کہ عثمان مسلمانوں کے ساتھ اس طرح مکر وفریب کریں تو یہ بات تو یقیناً عقل میں آنے والی اور قبول کئے جانے کے لائق ہے کہ مروان حضرت عثمان پر دباؤ ڈال کر اپنی رضی وخواہش کے مطابق کام کرالے۔

اب ہم پھر ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی عبارت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ خط کا قصہ سرے سے من گڑھت قصہ ہے دو سببوں سے جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں پھر اس قصہ کے من گڑھت سمجھنے کی تیسری وجہ بھی ہے جو ہمارے خیال میں انتہائی کمزور وجہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:-

نہ یہی بات عقل میں آنے والی اور قبول کئے جانے کے لائق ہے کہ مروان حضرت عثمان کے ساتھ ایسی جرأت کرے اور آپ کی طرف سے خط لکھ کر آپ کی مہر لگا کر آپ ہی کے غلام کے ہاتھ اُسے روانہ کرے۔

ہم کہتے ہیں مروان کا حضرت عثمان کے ساتھ ایسی جرأت وجسارت کرنا اور آپ کی طرف سے خط لکھ کر آپ کے غلام کے ساتھ روانہ کرنا تعجب کی بات نہیں بلکہ تعجب کی بات ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ہے جو مروان ایسے شخص سے اس قسم کی حرکت کے سرزد ہونے کو بعید از عقل قرار دیتے ہیں وہ مروان جو حکومت کو اپنی حکومت اور دنیا کو اپنی دنیا سمجھتا اور عوام الناس کو اپنا غلام اور نوکر چاکر سمجھتا تھا کہ جسے چاہے زندہ رکھے اور جسے چاہے مار ڈالے۔

اب ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے ان روایات کو بعید از عقل سمجھنے پر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جو بتاتی ہیں کہ وہ خط مروان کے ہاتھ کا

لکھا ہوا تھا اور ساری سازش اس کی سیاست اور طرزِ حکومت کا نتیجہ تھی کیونکہ عہدِ عثمان میں عملی حیثیت سے اصل میں وہی حاکم تھا۔ چند باتوں کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

پہلی بات یہ کہ تمام روایات متفقہ طور پر بتاتی ہیں کہ حضرت علی مصر کے ایک وفد کو لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے اس وفد میں عمار بھی تھے اور طلحہ و زبیر بھی اور سعد بن ابی وقاص بھی آپ کے ہاتھ میں وہ خط تھا اور ساتھ میں وہ غلام اور اونٹ آپ نے خود اس بارے میں حضرت عثمان سے بحث کی اور کچھ دیر کے بعد سب کو پتہ چلا کہ یہ خط مروان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ان لوگوں نے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ مروان ہمارے سامنے پیش کیجئے تاکہ ہم اس سے پوچھ گچھ کریں۔ حضرت عثمان مروان کو پیش کرنے پر تیار نہ ہوئے جس پر صحابہ غیظ و غضب کے عالم میں اُن کے پاس سے واپس ہوئے اس روایت کو ہم تفصیل سے گذشتہ صفحات میں درج کر چکے ہیں۔

دوسری بات مروان کا نظریہ ہے عثمان کی خلافت کے متعلق۔ کیا حضرت عثمان مروان کی نظر میں ویسے ہی خلیفہ تھے جیسے ابوبکر و عمر یا مروان کی نظروں میں بنی امیہ کی ایک فرد تھے اور ضروری تھا کہ بنی اُمیہ عثمان کے ذریعہ اس اقتدار و حکومت کو واپس پلٹائیں جسے اسلام نے ملیامیٹ کر دیا تھا موقع غنیمت تھا حکومت بہت طولانی انتظار کے بعد بنی امیہ تک پہنچی تھی لہٰذا اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانے کا سوال ہی نہ تھا۔

مروان کی تاریخ اموی روح سے اسی طرح لبریز تھی جس طرح اسفنج دریا کے اندر پانی سے لبریز ہوتا ہے۔ خلافت کا مسئلہ اس کے دل میں اس کی زبان پر اس کے تصورات میں حضرت عثمان کا مسئلہ نہ تھا وہ عثمان جو قریشی تھے مہاجر تھے پیغمبرؐ کے صحابی اور آپ کی رسالت کے سچے دل سے معتقد تھے اور جنہیں حضرت عمر نے ممبران شوریٰ میں سے رکھا تھا بلکہ حضرت عثمان کا معاملہ مروان کے دل میں اُس کی زبان پر اُس کے تصورات میں اس عثمان کا مسئلہ تھا جو بنی اُمیہ کے چشم و چراغ تھے۔

خلافت کا مسئلہ مروان کے نزدیک عادلانہ حکومت، ظالم کے خلاف مظلوم کی طرفداری حقوق عامہ کی رعایت و نگہداشت اور پیغمبر و شیخین کی سیرت پر چلنے کا معاملہ نہ تھا بلکہ یہ بادشاہت تھی جسے ابوبکر و عمر اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھے اور اپنی اولاد کو اس بادشاہت کا وارث نہ بنایا، حضرت عثمان پر جو اموی تھے لازم تھا کہ وہ اس غلطی کو نہ دہرائیں جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کا احساس رہے کہ خلافت ہم سے اور ہم تک ہے بلکہ حضرت عثمان پر لازم ہے کہ وہ عوام کے ساتھ وہی روش رکھیں جو ایک محتاط بادشاہ کی روش ہوتی ہے اپنے غلاموں اور رعایا کے ساتھ۔ ہوشیار اور دور اندیش بادشاہ اس کا موقع ہی نہیں دیتا کہ وہ کم پر ناراض اور زیادہ کی لالچ کریں اور اگر عثمان اس طرح حکومت کرنے سے عاجز رہیں تو اس کے لئے مروان موجود ہے جو انہیں مشورہ دیتا رہے اور حاکم و رعایا کے ہر چھوٹے بڑے معاملات اس کی نظر سے گذرتے رہیں۔ مروان کی حقیقت و کیفیت اور اپنے زمانہ کے معاملات کے متعلق اس کے جو تصورات تھے اس کو ہم گذشتہ دو فصلوں "قریش کے دو خاندان" اور "قتل عثمان کی حقیقت" میں بیان کر چکے ہیں یہاں ضرورت نہیں کہ ہم ان باتوں کو پھر دہرائیں اس موقع پر اشارۃً اتنا کہہ دینا ضروری تھا اس لئے ہم نے یہ کچھ لکھا۔ مروان کا یہ جملہ ہم بھولے نہیں ہیں جو اُس نے بلوائیوں سے کہا تھا۔

"یہ تم لوگ کس لئے اکٹھا ہوئے ہو، معلوم ہوتا ہے تم ہماری سلطنت و بادشاہت کو ہمارے ہاتھ سے چھیننا چاہتے ہو"

اس وقت خلافت حقیقت میں مروان کی بادشاہت تھی۔ رعیت کا حق نہ تھا کہ وہ سر اٹھائیں اور اپنے بادشاہ سے اپنے معاش اور اپنی آزادی کا تقاضا کریں مروان خاندان بنی امیہ کا بادشاہ تھا اور لوگ اس کے غلام تھے۔

جو شخص خلیفہ اور خلافت کو اس نظر سے دیکھتا ہو اور اپنے انہیں مذکورہ بالا تصورات کے لحاظ سے احکامات صادر کرتا ہو اُسے کیسے یہ بات گوارا ہو سکتی تھی کہ عوام الناس اس حکومت میں جو اس کے رشتہ دار عثمان کی حکومت رہا یوں کہا جائے کہ خود مروان کی حکومت تھی کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں، طمع کریں اور بادشاہ ان کی مرضی کے آگے سر جھکا دے اور اُس عامل کو معزول کر دے جو بنی اُمیہ کا خاص آدمی تھا اور اس کے بدلے محمد بن ابی بکر کو حاکم مقرر کر دے جو عثمان کی حکومت کے مخالف اور علی ابن ابی طالب کے جاں نثاروں میں تھے۔

پھر یہ بات بھی ہم نہیں بھول سکتے کہ بلوائی اور صحابۂ کرام جو عثمان سے ناراض تھے انہیں لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ محمد بن ابی بکر کو عامل مقرر کر دو۔ اس بارے میں مروان سے کوئی رائے نہیں لی گئی تھی اور مروان اپنے اقتدار پر ایسے حملے کو برداشت کرنے پر کسی طرح تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

اور جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مروان کا نظریہ خلافت کے متعلق کیا تھا تو ظاہر ہے کہ وہ اس فضیلت کو نظر انداز کرنے پر ہرگز تیار نہیں ہو سکتا تھا جو چھن کر دوبارہ پلٹ آئی تھی اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ مروان حضرت عثمان کو خلیفۃ المسلمین کے بجائے اموی خاندان کا چشم و چراغ اور اموی ریاست و حکومت کا نمائندہ سمجھتا تھا تو اب یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی کہ مروان اپنے رشتہ دار حمایتی حضرت عثمان پہ ہر طرح کی جرأت کر سکتا تھا لیکن یہ جرأت و جسارت ہمارے آپ کے نزدیک جرأت و جسارت تھی۔ مروان کے نزدیک نہیں بلکہ مروان تو اپنے تصورات کی بنا پر اپنے حق کی حفاظت کر رہا تھا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو یہ بات بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ مروان حضرت عثمان کے خلاف ایسی جرأت کیسے کر سکتا تھا کہ وہ اُن کے نام سے ان کی مہر لگا کر ایسا خط لکھ ڈالے حالانکہ مروان کی جرأت و جسارت کے ایک دو نہیں بیسیوں شواہد تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں مروان ہی نے اصحاب پیغمبر اور عثمان پر جرأت کی تھی جب کہ اسی نے حضرت عثمان کو مشورہ دیا تھا کہ آپ ان تمام صحابہ کو قتل کر ڈالیں جو آپ کی حکومت پر معترض ہیں یعنی علی ابن ابی طالبؑ عمار بن یاسر ابوذر غفاری وغیرہ۔

اس مروان نے حضرت عثمان اور عبداللہ بن مسعود پر جرأت کی جب کہ اُس نے حضرت عثمان کو مشورہ دیا کہ ابن مسعود کوفہ کو آپ کے خلاف کر چکے ہیں اب انہیں اس کا موقع نہ دیجئے کہ یہ شام کو خراب کریں

حضرت عثمان نے اس کے مشورہ کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا تھا۔

اسی مروان نے جناب ابوذر اور اُن کے رخصت کرنے پر علیؑ و فرزندان علیؑ و عقیل و عباس پہ جرأت کی تھی وہ اپنی جرأت سے اُس وقت تک باز نہ رہا جب تک علیؑ نے اُس پر لعنت نہ فرمائی اس کے مرکب تازیانہ سے نہ مارا اور قریب تھا کہ خود اس کی بھی

تازیانہ سے خبر لیتے ۔

اسی مروان نے انتہائی سخت اور نازک موقعوں پر عثمان پر جرأت کی باہر سے آئے ہوئے وفود کو ڈانٹ ڈپٹ کر اور گالیاں دے کر دارالخلافہ سے بھگا دیا اور عثمان اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے رہے۔

اسی مروان نے عمار و عثمان پر جرأت کی جب کہ اُس نے عثمان کو صاف صاف مشورہ دیا تھا کہ عمار کو قتل کروا لیجئے ۔

مروان کی جرأتیں حضرت عثمان پر ان باتوں سے بھی بڑھ کر تھیں اس نے نائلہ زوجہ عثمان تک کے خلاف جرأت کی اور عثمان اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے رہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ نائلہ زیرک دانا خاتون تھیں، انہیں مروان کی سیاست انتہائی ناپسند تھی وہ اپنے شوہر کو برابر نصیحت کیا کرتیں کہ علیؑ کے مشوروں پر عمل کیجئے۔ جب حضرت عثمان نے مصر و کوفہ و بصرہ کے وفود کے سامنے آکر تقریر کی جس میں اپنی کوتاہیوں کا اقرار کیا اور اُن کے متعلق توبہ و استغفار کی اور ان لوگوں سے وعدہ کیا کہ ہم حالات کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کریں گے اور اس تقریر کے بعد جب عثمان گھر میں آئے تو مروان نے کوشش کی کہ عثمان جو کچھ وعدے کر آئے ہیں ان وعدوں سے انہیں برگشتہ کر دے اُس نے اس طرح گفتگو کا آغاز کیا

٭ امیر المومنین میں خاموش رہوں یا کچھ بولوں ٭ نائلہ زوجہ عثمان نے کہا نہیں تم خاموش ہی رہو۔ تم لوگ خدا کی قسم عثمان کی جان لے کر رہو گے ان کے بچوں کو یتیم بنا کر رہو گے عثمان ایسے عہد و پیمان کر چکے ہیں جن سے پھرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ مروان نے کہا تمہیں اس سے کیا سروکار ہے خدا کی قسم تمہارا باپ مر گیا اور اُسے اچھی طرح وضو کرنا بھی نہیں آتا تھا تو جب مروان حضرت عثمان کی موجودگی میں اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کی بیوی کے ساتھ ایسی گستاخی و بے ادبی کر سکتا تھا تو حضرت عثمان کی لاعلمی میں اس کی حضرت عثمان کے نام سے خط لکھ ڈالنے کی جرأت و جسارت کون سے تعجب کی بات ہے۔؟

حضرت عثمان کے عہد کے سبھی لوگ واقف تھے کہ مروان حضرت عثمان کے ساتھ کیسی کیسی گستاخیاں اور کیسی کیسی جرأت کرتا رہتا تھا لوگوں نے مروان کی اُن گستاخیوں کو چھپایا نہیں بلکہ زجر و توبیخ کی حیثیت سے عثمان کو بھی متنبہ کر دیا لیکن پھر بھی حضرت عثمان مروان کے کہنے سے باہر اور اُس کے مشورے پر عمل کرنے سے منکر نہ ہوئے۔ کیا حضرت علیؑ نے عثمان کے پاس آ کر عوام کی ترجمانی کرتے ہوئے نہیں کہا تھا۔

٭ آپ مروان سے بھی خوش ہو گئے اور وہ آپ سے تب ہی راضی ہو گا جب وہ آپ کو دین سے برگشتہ اور عقل سے کنارہ کش بنا دے بلکہ سیدھے اور کمزور اونٹ کی طرح جہاں چاہے لے جائے۔

مروان کی جرأتوں ہی نے دوسروں کو بھی ہمت دلائی کہ وہ بھی عثمان سے اسی طرح گستاخانہ پیش آئیں۔ ہم جبلہ ابن عمرو ساعدی کا واقعہ ذکر کر چکے ہیں کہ ایک مرتبہ عثمان کا گذر کچھ لوگوں کی طرف سے ہوا جن میں جبلہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عثمان نے سلام کیا لوگوں نے جواب سلام دیا جبلہ نے لوگوں کو ٹوکا کہ کیوں تم لوگ ایسے شخص کے سلام کا جواب دیتے ہو؟ مروان ہی کی جرأت و جسارت دیکھ کر جبلہ کی یہ ہمت ہوئی عثمان سے کہنے کی۔

خدا کی قسم میں یہ زنجیر آپ کی گردن میں ڈال دوں گا ورنہ آپ اپنے خبیث رشتہ داروں کو اپنے سے الگ کیجئے۔

کون پوچھے ڈاکٹر طٰہٰ حسین سے کہ جبلہ بن عمرو کی یہ گستاخی زیادہ بعید از عقل ہے یا مروان کی یہ گستاخی کہ اس نے عثمان کی طرف سے اُن کی مہر لگا کر ایسا خط لکھ ڈالا جبکہ عوام الناس کی ایک فرد تھے جب وہ عثمان کے ساتھ ایسی گستاخی ان کے خلاف ایسی جرأت کر سکتے تھے تو پھر مروان جو حضرت عثمان کا بہت ہی چہیتا داماد تھا۔ اُسے بہت کچھ درخور بھی آپ کے مزاج میں حاصل تھا وہ کیوں نہیں ایسی جراءت کر سکتا تھا۔؟

عظیم ترین سازش

ان (بنی امیہ) نے ہر حق کے لئے باطل ہر استقرار کے لئے کج ہر زندہ کے لئے قاتل ہر دروازہ کے لئے کنجی اور ہر رات کے لئے چراغ فراہم کیا۔

(امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ)

ذمہ داران قتل عثمان

وہ مجھ سے ایسے حق کے طلبگار ہیں جس کو خود انہوں نے ادا نہیں کیا۔ اور ایسے خون کا انتقام مجھ سے لینا چاہتے ہیں جس کو خود انہوں نے بہایا ہے۔

(علی ابن ابی طالبؑ)

وائے ہو طلحہ پر میں نے انہیں اتنا اور اتنا سونا دیا اور وہ اب میرا خون بہانا چاہتے ہیں۔

(عثمان)

لیکن اے معاویہ تم نے یہ چاہا کہ میں قتل کر ڈالا جاؤں اور تم یہ دعویٰ کر بیٹھو کہ خون عثمان کا قصاص لینے کا حق دار میں ہوں۔

(عثمان)

نعثل کو قتل کر ڈالو۔

(عائشہ)

خدا کی قسم میں چرواہے تک کو ملاقات کے وقت عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتا۔

(عمرو بن عاص)

ہم مذکورہ بالا صفحات میں پوری وضاحت سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان کے خلاف نفرت و بیزاری کی لہر جس طرح مدینہ کے عوام میں دوڑی اسی طرح دیگر ممالک اور سرحدوں پر مقیم عوام کے دلوں میں بھی پیدا ہوئی۔ شروع شروع تو لوگوں کے دلوں میں کبیدگی اور بیزاری پیدا ہوئی۔ اس کے بعد زبان پر شکایتیں آنی شروع ہوئیں پھر ان شکایتوں نے آگے بڑھ کر نافرمانی کی

شکل اختیار کر لی۔ نافرمانی اس حد کو پہنچی کہ محاصرہ کی نوبت آئی اور محاصرہ کا اختتام ان کی ہلاکت پر ہوا۔ ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان کی سیاست پر جن لوگوں نے اعتراضات کئے اور انہیں نیک مشورے دئے وہ معمولی افراد نہیں تھے۔ بلکہ کبار صحابہ تھے۔ حضرت عثمان بجائے اس کے کہ ان کے مشوروں پر عمل کرتے اپنی قابلِ اعتراض روش اور خاندان پرستی چھوڑتے۔ انہوں نے اور ان کے خویش و اقارب نے ان کبار صحابہ کو طرح طرح کی عقوبتیں اور ہولناک سے ہولناک سزائیں دیں۔ ان کبار صحابہ نے حضرت عثمان کی سیاست اور طرزِ عمل پر اعتراضات کئے تو جاہ و اقتدار کی لالچ مال و دولت کی طمع یا حکومت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض اسلام کا سچا درد دل میں رکھنے عدالت پر جان دینے اور خاندان پرستی اور بلا استحقاق ترجیح سے متنفر ہونے کی بنا پر اعتراضات کئے وہ منتخب روزگار مسلمین تھے وہ صدر اول کے مسلمان تھے ان کا عہد اسلام کا تابناک عہد تھا انہیں اپنی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس تھا۔ ایسی ذمہ داریوں جو پیغمبروں کی ذمہ داریوں سے ملتی جلتی تھیں۔

علیؑ نے عثمان کی اس سیاست اور طرزِ عمل پر جو اعتراض کیا کہ وہ اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو بڑی بڑی جاگیریں بغیر کسی استحقاق کے دے دیتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ علیؑ خود کسی جاگیر و جائداد کے خواہشمند تھے ان کی مالی سیاست پر ان کا اعتراض اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ سرمایہ داری و دولتمندی کی طرف میلان رکھتے تھے، علی کی مال و دولت سے بے نیازی ساری دنیا جانتی ہے اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ خاندان پرستی اور اقربا نوازی کی سیاست جو عثمان اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور وہ اموی ذہنیت جو ان کی سیاست میں صاف نمایاں تھی علیؑ کا اس سیاست اور اس اموی ذہنیت پر اعتراض اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ خود اپنے خاندان والوں کی فلاح و بہبود اور برتری کے خواہاں تھے علیؑ کے متعلق ان باتوں کا وہم و گمان بھی ناممکن ہے۔ علیؑ اسلام کے رکن پیغمبر کے ابن عم ان کے داماد اور ان کے جگر گوشوں کے باپ تھے، علیؑ ہی کا یہ قول تھا قیمۃ الانسان ما یحسنہ ہر انسان کی قدر و قیمت اس کے عمل کے لحاظ سے ہے جس کا عمل جتنا زیادہ بہتر ہوگا اتنی ہی اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوگی۔ آپ کے اس فقرے نے اس تمام خاندانی اور قبائلی شرافت کو خاک میں ملا دیا جو انسان اپنے خاندان و قبیلہ سے بطور میراث پاتا ہے۔

ابوذر و عمار اور انہیں جیسے دیگر صحابۂ کبار کی مخالفت اور عثمانی سیاست سے بیزاری بھی انہیں وجوہ سے تھی جن وجوہ سے علیؑ بیزار تھے موضوع اور غایت کے لحاظ سے کوئی فرق نہ تھا اسی وجہ سے ان حضرات کی مخالفت اس نوعیت کی نہ تھی کہ اس کا اختتام عثمان کی ہلاکت پر ہو۔ ان حضرات کی خواہش محض یہ تھی کہ عثمان اموی ذہنیت سے باز آئیں، خاندان پرستی و اقربا نوازی کی سیاست ترک کر دیں، مظلومین کے ساتھ انصاف ہو، جبر و تشدد دور ہو اور وہ راہِ راست اختیار کریں یہ کوئی نہیں چاہتا تھا کہ وہ قتل کر ڈالے جائیں۔

ایسی سلطنت جیسی حضرت عثمان کے زمانہ میں اسلامی سلطنت تھی اور جس کی حدیں انتہائی وسیع ہو چکی تھیں فطری بات تھی کہ ایسی سلطنت میں ایک اور طرح کی مخالفت جنم لے یہ مخالفت ان لوگوں کی تھی جو حکومت و اقتدار کے طلبگار مزید نعمتوں کے خواہاں اور اپنا دائرۂ اثر و اقتدار بڑھانے کی فکر میں تھے اس امید میں کہ اگر موجودہ حاکم ہٹ جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا شخص

ہماری پسند کا مسند حکومت پر متمکن ہوتا ہے تو ہماری وجاہت ہمارا اثر و اقتدار پہلے سے زیادہ بڑھ جائے گا۔ اس قسم کی مخالفت تاریخ کے ہر دور میں اور روئے زمین کے ہر شہر میں ہوتی رہی ہے اور حاکم وقت کے حوالی موالی اپنا کام نکال لینے کے لئے اپنا طرزِ عمل بدلتے رہتے ہیں جیسا رنگ دیکھتے ہیں ویسا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔

اس قسم کے مخالفین حضرت عثمان کے زمانہ میں ایک ہی جیسے تھے حضرت عثمان کی جن لوگوں پر نظرِ عنایت تھی اور جو ان کی داد و دہش سے اپنا گھر بھر رہے تھے وہ بھی مخالف تھے اور وہ بھی جو کسی مالی منفعت سے محروم ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان سے ناراض و شاکی تھے نیز عثمان کے مخصوص اعزہ و رشتہ داران کے عمال اور ان کے اعوان و انصار بھی جنہیں حضرت عثمان نے لوگوں ہی کی گردنوں پر نہیں بلکہ اپنے اوپر بھی تسلّط دے رکھا تھا حضرت عثمان کے اصل قاتل یہی لوگ ہیں۔

یہ بات کہ حضرت عثمان نے کیونکر خود اپنی ہلاکت کے اسباب فراہم کئے مروان اور حضرت عثمان کے مخصوصین نے کیسے ساری دنیائے اسلام کو عثمان سے برگشتہ و مخالف کیا اس کو ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں اس حقیقت کو ان لوگوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا جو حضرت عثمان سے نزدیکی تعلق رکھنے والے اور ان کی حالت سے زیادہ واقف تھے محمد بن مسلمہ جو حضرت عثمان کے مقربین سے تھے۔ جب مرنے لگے تو کسی نے کہا عثمان قتل کئے گئے انہوں نے جواب دیا عثمان نے خود اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ حضرت عثمان کی بیوی نائلہ مروان اور حضرت عثمان کے مخصوصین کو خطاب کر کے یہ فقرہ کہتی ہیں فانتم واللّٰہ قاتلوہ ومتیموا اطفالہ ۔ خدا کی قسم تم لوگ عثمان کو قتل کر کے اور ان کے بچوں کو یتیم بنا کر رہو گے۔ اور حضرت عثمان سے خطاب کر کے کہتی ہیں۔ فانک متی اطعت مروان قتلک ۔ اگر آپ نے مروان کی بات مانی تو یہ آپ کو قتل کر کے رہے گا رہ گئے حضرت عثمان کے اموی عمال و حکام ان کے وہ اعوان و انصار جنہیں عثمان نے لوگوں کی گردنوں پر سوار کر رکھا تھا اور دیگر مخالفین جنہیں بعض حضرت عثمان کی عنایتوں سے بہرہ اندوز تھے اور بعض ان سے شاکی تھے۔ ان کا ہم عنقریب ایک ایک کر کے ذکر کریں گے۔ کیونکہ انہیں لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے علی ابن ابی طالبؑ کے خلاف ایسی عظیم ترین سازش کی جیسی سازش مشرق میں کبھی نہ ہوئی۔ سازش انہیں لوگوں کی کی ہوئی تھی جنہوں نے عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارا۔ ان کے خلاف صف بستہ کیا اور ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے وہ سازش یہ تھی کہ ان لوگوں نے علیؑ پر یہ تہمت لگائی کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ وہ حضرت عثمان کی خون آلود قمیص لے گئے اور یہ کہنا شروع کیا کہ ہم خون عثمان کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔

معاویہ بن سفیان جو بزعم خویش حضرت عثمان کے قصاص کے طلبگار تھے۔ در حقیقت اپنے اور اپنی اولاد کے لئے شام میں بادشاہت و سلطنت کی بنیاد مضبوط کرنے کی فکر میں تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ پہلے شام میں ہماری حکومت مضبوط ہو جائے پھر روز بروز ہم اس کا دائرہ وسیع کرتے جائیں۔ آس پاس کے ممالک پر قابض ہوں پھر ساری اسلامی سلطنت کے مطلق العنان فرمانروا بن جائیں۔ انہوں نے نہ حضرت عثمان کی ان کی زندگی میں کوئی پروا کی نہ ان کے مرنے کے بعد انہیں بس غرض تھی تو صرف اس

سے کہ حضرت عثمان ہمیں زیادہ سے زیادہ اقتدار کا مالک بناتے جائیں اور ایسا موقع فراہم کر دیں کہ ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر ہو حضرت عثمان کے متعلق انہیں کوئی فکر تھی تو بس یہی فکر کہ وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ آزادی و خود مختاری عنایت کریں ہم جو کچھ کریں اس پر ان کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہو وہ ہمارے لئے آڑ بن جائیں اور ان کی آڑ میں پائدار سلطنت قائم کرنے کی ہماری تمنائیں پوری ہو جائیں

جب حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے تب بھی ان کی ہلاکت کی انہیں اتنی پروا نہ تھی جتنی فکر اس بات کی کہ موقع بہترین ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مرنے والے خلیفہ کا وارث بن جانا چاہیے اور نئے خلیفہ سے گلو خلاصی حاصل کرنی چاہیے۔

جس وقت حکومت ان کے ہاتھ آگئی اور وہ مملکت اسلامیہ کے بلا شرکت غیرے حکمران بن گئے تو انہوں نے قاتلین عثمان کے ساتھ کیا کیا؟ اگر معاویہ کو واقعاً عثمان کی ہلاکت کا صدمہ ہوتا تو اب جب کہ ہر شخص کی جان ان کی مٹھی میں تھی وہ قاتلین عثمان کو چن چن کر قتل کر سکتے تھے۔ حکومت ہاتھ آنے کے بعد وہ عثمان کے قصہ کو اسی طرح بھول گئے جس طرح یہ بھول گئے کہ ہمیں عثمان کے قاتلوں سے انتقام لینا ہے۔ حالانکہ اسی انتقام خون عثمان کے بہانے انہوں نے علم بغاوت بلند کیا لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا اور نئے خلیفہ سے رسہ کشی کی۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں بلوائی حضرت عثمان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے وہ اگر چاہتے تو شام سے بہت بڑا لشکر بھیج سکتے تھے وہ شام کے مستقل گورنر تھے حضرت عثمان نے انہیں بہت ڈھیل بھی دے رکھی تھی وہ جو چاہتے کر ڈالتے تھے ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہ تھا شام کا لشکر موجود ہی تھا وہ پورے لشکر کو حضرت عثمان کی مدد کے لئے بھیج سکتے تھے محاصرہ کے پہلے بھی اور محاصرہ ہو جانے کے بعد بھی بلکہ ان کے لئے تو یہ بھی ممکن تھا کہ وہ حضرت عثمان کو سمجھاتے بجھاتے کہ عامۃ المسلمین کی مخالفت پر اڑے رہنا ٹھیک نہیں رائے عامہ کو ٹھکرانا مناسب نہیں لیکن انہوں نے کوئی بات بھی نہ کی صرف اسی لئے کہ وہ بہت دنوں سے اس لالچ میں تھے کہ عثمان کے بعد یہ حکومت ہمارے ہی ہاتھ آئے ان کی تمام ذہنی صلاحیتیں فکر و تدبر اسی خواہش پر مرکوز تھی کسی اور طرف ان کا دھیان ہی نہ تھا۔

جس دن کہ حضرت عثمان نے بگڑے ہوئے حالات سدھارنے کے لئے اپنے مخصوصین کی کانفرنس کی تھی جس میں معاویہ بھی شریک تھا اور وہ کانفرنس بغیر کوئی تجویز پاس کئے ناکامی پر ختم ہو گئی اسی دن سے معاویہ نے اپنے چنگل خلافت پر گاڑ دیئے کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عثمان عنقریب مارے جائیں گے انہوں نے دیکھا کہ شام ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس کے باشندے ہمارے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اگر عثمان قتل ہو گئے تو ہمیں ایک بہترین حربہ ہاتھ لگ جائے گا اسی حربہ سے کام لے کر اور انتقام خون عثمان کا مطالبہ کر کے ہم اپنا دلی مقصد حاصل کر لیں گے وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت عثمان کے حامیوں میں مجھ سے بڑھ کر قوت و اقتدار والا کوئی نہیں نہ مجھ سے بڑھ کر کوئی لشکر فراہم کر کے معززین و رؤساء و قبائل کو ڈرا دھمکا کر یا داد و دہش کے ذریعہ اپنا طرفدار بنانے پر قادر ہے لہذا اسی دن سے خلافت کا سودا ان کے سر میں سمایا اور وہ اپنی آرزوؤں کی تکمیل میں مصروف ہو گئے خود انہوں نے یہ فقرہ کہا تھا:-

انه لیس احد اقوی منی علی الامارة و ان عمر استعملنی و رضی سیرتی

حکومت کی صلاحیت و قوت مجھ سے زیادہ کوئی نہیں رکھتا حضرت عمر نے مجھے عامل مقرر کیا اور وہ ہماری سیرت پر راضی بھی رہے۔

معاویہ کے دل میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ حضرت عثمان کا قتل ہونا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ انہیں شام میں اتنی قوت و طاقت حاصل ہو چکی تھی کہ وہ حکومت پر آسانی سے قابض ہو سکتے تھے۔

علامہ یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب بلوائیوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا تو حضرت عثمان نے معاویہ کو خط لکھا جس میں تاکید کی تھی کہ میری مدد کو فوراً پہنچو معاویہ ایک بہت بڑی جمعیت سے کر مدینہ روانہ ہوئے۔ جس جگہ سے شام کی سرحد شروع ہوتی تھی وہاں پہنچ کر لشکر والوں سے کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں امیر المومنین (عثمان) کے پاس صحیح صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے جاتا ہوں۔ وہ حضرت عثمان کے پاس پہنچے۔ حضرت عثمان نے اُن سے پوچھا لشکر کیا ہوا معاویہ نے کہا میں لشکر پیچھے چھوڑ کر آپ کے پاس آپ کی رائے معلوم کرنے کے لئے آیا ہوں یہاں سے پلٹ کر جاؤں گا اور لشکر لے کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ حضرت عثمان نے کہا۔

لا الا الله ولکنك یا معاویه اشق ان اقتل فتقول انا ولی الناس ارجع فجئنی بالناس۔

معاویہ ایسا نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم چاہتے ہو میں مارا جاؤں اور تمہیں یہ دعویٰ کرنے کا موقع مل جائے کہ عثمان کے خون کا انتقام لینے کا میں حقدار ہوں۔ فوراً جاؤ اور لوگوں کو میری مدد کے لئے لاؤ۔

حضرت عثمان کے قتل ہونے کے ایک عرصہ بعد جب معاویہ مدینہ آئے تو حضرت عثمان کے گھر میں بھی گئے حضرت عثمان کی صاحبزادی عائشہ وا ابتاہ ہائے بابا جان کہہ کر رونے لگیں۔ معاویہ نے عائشہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا بھتیجی لوگوں نے میری اطاعت کر لی ہے میں نے انہیں امن دیا ہم نے ایسی بردباری کا مظاہرہ کیا جس کے نیچے غیظ و غضب پنہاں تھا لوگوں نے ہماری ایسی اطاعت ظاہر کی جس کے نیچے کینہ و عداوت پنہاں ہے۔ ہر شخص کے ہاتھ میں تلوار ہے اُسے اپنے مددگاروں کا بھی پتہ ہے اگر ہم اُن کے ساتھ غداری کرتے ہیں تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ جیت ہماری ہو گی یا اُن کی اس وقت اس بات کو غنیمت سمجھو کہ امیر المومنین کی بیٹی اور امیر المومنین معاویہ کی بھتیجی کہلاتی ہو اگر میں تمہاری خاطر سے طلب قصاص کے لئے اُٹھوں اور معاملہ دگرگوں ہو کر حکومت میرے ہاتھ سے نکل جائے تو اس وقت تم معمولی عورت رہ جاؤ گی

تو عثمان کا قصہ معاویہ کے دل میں اور اُن کی زبان پر اُس وقت آ کر ختم ہو گیا جب خود امیر المومنین بن گئے اور عثمان کی دختر امیر المومنین کی بھتیجی۔ حالانکہ جب تک خلافت علی کے ہاتھ میں رہی یہی قصۂ عثمان کتنی سخت گتھی بنا ہوا تھا۔ اب حکومت معاویہ کے ہاتھ میں تھی اور معاویہ کے لئے موقع تھا کہ وہ اپنے باپ ابوسفیان کی اس وصیت کو پوری کریں جو اس نے حضرت عثمان کے خلیفہ مقرر ہونے پر کی تھی۔

اے فرزندانِ اُمیّہ اس حکومت سے اس طرح کھیلو جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہمیشہ تمہارے لئے اس حکومت کا آرزو مند رہا۔ اب یہ حکومت تمہارے بچوں تک بطور میراث پہنچے گی۔

معاویہ کے بعد خلافت اس کے فرزند یزید کی طرف پھر امیہ کے سارے بچوں کی طرف جانے والی تھی۔

حضرت علیؑ نے معاویہ کو جو خطوط لکھے اُن میں صریحی تذکرہ اس کا ہے کہ حضرت عثمان نے جب معاویہ سے مدد مانگی تو معاویہ نے اُن کی مدد سے گریز کیا نہ خود آئے نہ کسی لشکر کو روانہ کیا محض اس فکر میں کہ عثمان مارے جائیں اور ان کے بعد یہ حکومت ہمارے ہاتھ آئے۔ ایک خط میں آپ معاویہ کو لکھتے ہیں:

ثم ذكرت ما كان من امري وامر عثمان فلك ان تجاب عن هذه لرحمك فاينا كان اعدى له واهدى الى مقاتله امن بذل له نصرته فاستقعده واستكفه ام من استنصره فتراخى عنه وبث المنون اليه حتى اتى قدره عليه۔

پھر تم نے میرے اور عثمان کے معاملہ کا ذکر کیا ہے تو ہاں اس میں تمہیں حق پہنچتا ہے کہ تمہیں جواب دیا جائے کیوں کہ ان سے تمہاری قرابت ہوتی ہے اچھا تو پھر (سچ سچ) بتاؤ کہ ہم دونوں میں ان کے ساتھ زیادہ دشمنی کرنے والا اور ان کے قتل کا سروسامان کرنے والا کون تھا؟ وہ کہ جس نے اپنی امداد کی پیش کش کی اور انہوں نے اُسے بٹھا دیا اور روک دیا یا وہ کہ جس سے انہوں نے مدد چاہی اور وہ ٹال گیا۔ اور ان کے لئے موت کے اسباب مہیا کئے یہاں تک کہ ان کی مقدر کی موت نے انہیں آگھیرا۔

دوسرے مکتوب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

فانك انما نصرت عثمان حيث كان النصر لك وخذلته حيث كان النصر له۔

تم نے عثمان کی وہاں مدد کی جہاں خود تمہارا کام بنتا تھا اور ان کی مدد سے اس وقت گریز کیا جب عثمان کے کامیاب ہونے کا امکان تھا۔

مطلب یہ ہے کہ عثمان کے مرنے کے بعد تو تم اُن کی حمایت و نصرت پر کمر بستہ ہو گئے کیونکہ اُن کے انتقام کا نعرہ بلند کر کے ہی تم لوگوں کو اپنی غرض پوری کرنے کے لئے اکٹھا کر سکتے تھے لیکن جس وقت عثمان زندہ تھے اور تمہاری مدد ان کو فائدہ پہنچا سکتی تھی تم نے اُن کی مدد نہ کی وہ محاصرہ میں رہے اور تم اپنی فوجوں کو ان تک پہنچنے سے روکے رہے۔

جو کچھ حضرتِ عثمان کی ہلاکت کے بارے میں جو کچھ بنی امیہ اور اُن کے نمودار افراد معاویہ اور مروان کے متعلق کہا گیا

وہی باتیں ان تمام لوگوں کے متعلق کہی جا سکتی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں بلکہ علیؑ کے تمام دشمنوں اور ان کے خلاف سازش کرنے والوں کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہیں۔ حضرت عثمان کی ہلاکت کی ذمہ داری انہیں لوگوں پر تھی نہ کہ علی پر۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی رہے ہوں جن کے ہاتھ خونِ عثمان سے رنگین نہ رہے ہوں۔ مگر یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ وہ عثمان کی ہلاکت پر خوش ضرور ہوئے۔

عمرو بن عاص جن کا علی کے خلاف سازشوں اور ان پر بہتان تراشیوں میں بڑا ہاتھ رہا، یہ ہر شخص کو حضرت عثمان کے خلاف بھڑکاتے اور ان کی ہلاکت کی ترغیب دیتے کیونکہ عثمان نے انہیں مصر کی حکومت سے معزول کر دیا تھا۔ اس غم و حسد میں وہ انتہائی سرگرمی سے لوگوں کو عثمان کی مخالفت پر ابھارا کرتے۔ چنانچہ خود کہا کرتے

معززین و رؤسا کا کیا ذکر میں چرواہوں تک کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتا

جب مدینہ میں فتنہ و فساد کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی تو فلسطین چلے گئے جہاں مکان بنا رکھا تھا۔ وہ اپنے قصر میں ایک دن بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس ان کے لڑکے محمد اور عبداللہ بھی بیٹھے تھے کہ ایک سوار مدینہ سے آتا نظر پڑا۔ لوگوں نے اس سے عثمان کا حال پوچھا معلوم ہوا کہ عثمان مارے گئے۔ عمرو عاص نے کہا میں عبداللہ ہوں جب کسی زخم کو کھرچتا ہوں تو خون نکال کر رہتا ہوں مطلب یہ تھا کہ انہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا اور ان کی اسی حرکت کا ردعمل قتل عثمان کی صورت میں منظر عام پر آیا

طلحہ بن عبیداللہ جنہوں نے پہلے تو علی کی بیعت کی پھر خونِ عثمان کے انتقام کے بہانے علیؑ سے جنگ و جدال پر کمربستہ ہو گئے انہوں نے لوگوں کو قتل عثمان پر ابھارنے میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ راویوں کا بیان ہے کہ عثمان نے طلحہ کے مقابلہ میں علی سے کئی مرتبہ مدد چاہی علی نے ہر مرتبہ ان کی فرمائش پوری کی اور طلحہ کے خلاف عثمان کی مدد کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ عثمان نے علیؑ سے مدد چاہی علی طلحہ کے پاس گئے دیکھا کہ ان کے پاس لڑائیوں کا زبردست ہجوم ہے۔ آپ نے محسوس کیا کہ عثمان کے محاصرہ میں طلحہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور طلحہ عثمان کا قصہ پاک کرنے کی فکر میں ہیں آپ نے انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا طلحہ یہ کیا سلوک تم نے عثمان کے ساتھ کیا ہے؟ آپ نے چاہا کہ طلحہ کو ان کی حرکتوں سے باز رکھیں مگر طلحہ نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ علی نے کیا کیا کہ بیت المال تشریف لائے لوگوں سے کہا اسے کھولو۔ کنجیاں نہیں ملیں تو آپ نے بیت المال کا دروازہ توڑ دیا اور بیت المال میں جتنا درہم و دینار تھا سب ان لوگوں پر تقسیم کر دیا جنہیں طلحہ نے قتل عثمان کے لئے جمع کر رکھا تھا تمام مجمع طلحہ کے پاس سے ہٹ گیا اور طلحہ اکیلے رہ گئے۔ عثمان کو جب معلوم ہوا تو انہیں بے حد مسرت ہوئی اور انہیں احساس ہوا اگرچہ دیر کے بعد ہوا کہ علی سے بڑھ کر خیر خواہ ہمدرد اور مسلمانوں کے معاملات کو سنوارنے والا کوئی نہیں۔ اس واقعہ کے بعد طلحہ عثمان کے پاس پہنچ کر معذرت کرنے لگے میں خدا سے استغفار کرتا ہوں اور تائب ہوں میں نے ایک امر کا ارادہ کیا تھا مگر خدا حائل ہو گیا۔ حضرت عثمان نے کہا تم تائب ہو کر نہیں آئے بلکہ بے بس ہو کر آئے ہو۔ اللہ تم سے سمجھے (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۴)

تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۹۶)

طبری روایت کرتے ہیں کہ بلوائیوں کے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کرتے ہی طلحہ اپنے کو خلافت کے لئے تیار کرنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ عثمان کے بعد لوگ ہم ہی کو خلیفہ بنائیں گے انہوں نے پہلی کارروائی یہ کی کہ بیت المال اور خزانوں پر اپنا قبضہ کرلیا۔ کنجیاں اپنے قبضہ میں کرلیں اور اپنے پہرہ دار مقرر کروئے

محاصرہ کی سختی کے دنوں عثمان کہا کرتے

اللهم اكفني طلحة فانه حمل هولاء والبهم على والله لارجوان يكون منها صفر اليسفك دمه۔

خداوندا طلحہ کے مقابلہ میں میری مدد کر۔ انہیں نے لوگوں کو برانگیختہ اور میرے خلاف صدعت لبتہ کیا۔ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ خلافت سے تو وہ محروم ہی رہیں گے اور ان کی جان بھی جائے گی

حضرت عثمان کا یہ فقرہ ثبوت ہے کہ حضرت عثمان کو پورا یقین تھا کہ طلحہ میرا قصہ پاک ہونے کے بعد خود خلیفہ بننے کے خواہاں ہیں۔ حضرت عثمان نے طلحہ کو بیت المال میں کھلی چھوٹ دے رکھی تھی لیکن وہ ایسے آدمی تھے کہ خلافت سے کم پر راضی ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عثمان محاصرہ کے آخری دنوں میں بار بار یہ فقرہ دہرایا کرتے۔

"خدا طلحہ کو ناس کرے میں نے انہیں اتنا اتنا سونا دیا اور اب وہ میرے خون کے پیاسے ہیں۔

جن لوگوں نے حضرت عثمان کی محصوری کے واقعات قلم بند کئے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ جس دن عثمان قتل ہوئے اس دن طلحہ اپنے منہ پر نقاب ڈالے ہوئے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے اور عثمان کی طرف چھپ چھپ کر تیر چلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں ہے کہ جب محاصرہ کرنے والوں کو عثمان کے گھر میں گھسنے کی راہ نہ ملی تو طلحہ ہی نے کسی انصاری کے گھر کی طرف سے انہیں عثمان کے گھر میں داخل کیا اور ان لوگوں نے جاکر قتل کیا۔

طبری نے حکیم بن جابر کے واسطے سے روایت کی ہے کہ جب عثمان محصور تھے۔ علیؑ نے طلحہ سے کہا میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم عثمان کو لوگوں سے بچاؤ۔ طلحہ نے کہا خدا کی قسم اس وقت تک ایسا نہیں ہو سکتا جب تک بنی امیہ پورا پورا حق ادا نہ کردیں۔ (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۳۹)

عثمان کے مرنے پر حضرت علی کہا کرتے تھے خدا ابن صعبہ (طلحہ) کا برا کرے۔ عثمان نے انہیں اتنا اور اتنا دیا اور انہوں نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔

طلحہ کے متعلق حضرت علیؑ کا ایک جملہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ وہی لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکانے والے تھے اور سب سے زیادہ انہیں کو لالچ تھی کہ کسی طرح عثمان مار ڈالے جائیں۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

والله ما استعجل متجردا للطلب بدم عثمان الا خوفا من ان يطالب بدمه لانه مظنته ولم يكن في القوم احرص عليه منه فاراد ان يغالط بما فيه ليلبس الامر ويقع الشك

قسم بخدا جلدی سے طلحہ نے اس ڈر سے انتقام خون عثمان کا مطالبہ کر دیا کہ کہیں خود ان سے انتقام نہ لیا جائے۔ کیونکہ اُن کی ذات بھی آلودہ ہے لوگوں میں اُن سے بڑھ کر عثمان کے خون کا پیاسا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے انتقام کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا تاکہ حقیقت مشتبہ ہو جائے اور لوگ شک میں مبتلا ہو جائیں۔

زبیر بن عوام کے متعلق راویوں کا بیان ہے کہ بلوائیوں کو عثمان سے دور کرنے میں اُنہوں نے کوئی سرگرمی نہیں دکھائی بلکہ کہنے والے تو یہ کہتے ہیں زبیر کا میلان بلوائیوں ہی کی طرف تھا۔ اُنہوں نے عثمان کے بارے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ عثمان کا قصہ کہیں جلد پاک ہو۔ انہیں بہت توقع تھی کہ عثمان کے بعد مجھی کو خلافت کے لئے منتخب کیا جائے گا۔ اُنہوں نے علیؑ سے صاف صاف کھل کر کہہ بھی دیا تھا کہ ہم خود اپنے لئے خلافت چاہتے ہیں۔ چنانچہ جنگِ جمل چھڑنے سے کچھ ہی لمحہ پہلے جب حضرت علیؑ زبیر سے ملے اور پوچھا کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ آپ ہی باعث ہوئے ہیں ہمارے یہاں آنے کا۔ ہم آپ کو خلافت کا سزاوار نہیں سمجھتے اور نہ اپنے سے زیادہ خلافت کے لئے لائق جانتے ہیں۔

حضرت عائشہ نے لوگوں کو جس شدت سے عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا وہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے انہوں نے بارہا عثمان پر ایسی تنقیدیں کی ہیں جو کلیجہ خون کر دینے والی تھیں، بیسیوں مرتبہ انہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکایا اور ان کی جان لینے کی ترغیب دلائی۔

جس دن سے حضرت عثمان نے اُن کے مشاہرہ میں تخفیف کی تھی اُسی دن سے وہ عثمان سے انتہائی ناراض تھیں۔ اور موقع کی تلاش میں رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے حضرت عثمان کو منبرِ رسولؐ پر تقریر کرتے سنا۔ اُنہوں نے پیغمبرؐ کا کرتا نکالا اور باآوازِ بلند مجمع کو دکھا کر کہا:۔

یا معشر المسلمین ھذا جلباب رسول الله لم یبل وقد ابلی عثمان سنته۔

اے گروہ مسلمین پیغمبرؐ کا یہ پیراہن ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوا۔ اور عثمان نے آں حضرتؐ کی سنت کو خراب و برباد کر دیا۔

ابن ابی الحدید اپنے زمانہ کے علماء کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ جس کو بھی دیکھتیں اُسے عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتیں۔ ابن ابی الحدید بیان کرتے ہیں حضرت عائشہ نے پیغمبرؐ کے لباس میں سے ایک کپڑا نکالا اور اسے اپنے مکان میں لٹکا دیا جو لوگ آپ سے ملنے کے لئے آتے آپ اُن سے فرماتیں یہ پیغمبرؐ خدا کا لباس ہے جو بوسیدہ نہیں ہوا۔ اور آپ کی سنت کو عثمان نے کہنہ اور فرسودہ کر دیا۔

بلاذری روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عباس کا گذر حضرت عائشہ کی طرف سے ہوا۔ اس سال عثمان نے ابن عباس کو افسر حج مقرر کرکے بھیجا تھا عائشہ نے اُن سے یہ صریحی فقرہ کہا۔ ابن عباس! خدا نے تمہیں عقل، سمجھ اور قوتِ تقریر عنایت کی ہے دیکھو لوگوں کو اس سرکش (عثمان) سے روگرداں کردو۔

بلاذری نے حضرت عثمان کے بارے میں عائشہ کا ایک فقرہ ایسا نقل کیا ہے کہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ شاید ہی کسی انسان سے اتنی نفرت و بیزاری رہی ہو جتنی عائشہ کو عثمان سے تھی۔ حضرت عائشہ نے مروان سے کہا تھا۔

یا مروان وددت والله لو انه (ای عثمان) فی غرارة من غرائری هذه وانی طوقت حمله حتی ابقیه فی البحر۔

مروان قسم بخدا میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ عثمان میرے ان تھیلوں میں سے ایک تھیلے میں ہوتے اور میں خود اٹھا کر لے جاتی اور سمندر میں انہیں ڈال دیتی۔

اکثر یہ فقرہ اُن کی زبان پر رہا کرتا۔

اقتلوا نعثلا (ای عثمان فان نعثلا قد کفر۔

نعثل کو قتل کر ڈالو نعثل کافر ہو گیا ہے۔

حضرت عائشہ اتنی شدت سے عثمان کی ہلاکت اور قتل کئے جانے کی خواہش مند تھیں کہ انہوں نے علانیہ لوگوں کو ان کے قتل کا حکم دینا شروع کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں پورا یقین تھا کہ عثمان کے قتل ہونے پر خلافت یقیناً علی کو نہیں بلکہ طلحہ کو ملے گی۔ اُن کی اس خوش خیالی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب مکّہ میں اُنہیں عثمان کے قتل ہونے کی خبر ملی تو برجستہ بولیں۔

بعداً لنعثل ایه یا صاحب الاصبع ایه یا اباشبل! ایه یا بن عم! لکانی انظر الی اصبعه وهو یبایع له حشو الابل۔

نعثل کا ستیاناس ہو۔ آہا انگلیوں والے۔ واہ اے ابو شبل۔ کیا کہنا تمہارا اے چچا کے بیٹے میں گویا اپنی آنکھوں سے ان کی انگلیوں کو دیکھ رہی ہوں اور اُن کی بیعت کی جا رہی ہے۔

انگلیوں والے سے مراد طلحہ ہیں جنگ اُحد میں اُن کی انگلیاں کٹ گئی تھیں۔ اُسی دن سے انگلیوں والے اُن کا لقب مشہور ہو گیا تھا۔

خود طلحہ کے فرزند محمد بن طلحہ جب اُن سے واقعہ قتل عثمان کی تفصیلات دریافت کی جاتیں تو اپنے باپ طلحہ اور حضرت عائشہ کو خونِ عثمان میں شریک قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ صاحب البدء والتاریخ نے بھی صراحت کی ہے کہ:

کان اشدّ الناس علی عثمان طلحة والزبیر و عائشة۔

عثمان کے شدید ترین دشمن طلحہ و زبیر اور عائشہ تھیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اکابر تھے جنہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ اور ان کے خلاف صف آرا کر کے ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے جیسے عبدالرحمان بن عوف جن کی دولت و ثروت عثمان کے زمانہ خلافت میں کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ جب یہ بیمار پڑے اور لوگ ان کی مزاج پرسی کو آئے تو اُن سے عبدالرحمان بن عوف نے کہا عثمان کا قصہ جلد ہی پاک کرو قبل اس کے کہ وہ اپنی حکومت میں ہاتھ پیر پھیلائیں۔ انہیں عثمان کے مخالفین اور اُن کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنے والوں میں سے بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے بعد میں علی سے جنگ کی اور اُن سے خونِ عثمان کا مطالبہ کیا۔

صاحب حلیف مخزوم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :۔

فالاشداء من قريش على عثمان رجعوا اليه بعد مصرعه ولعل موقف عائشة في هذه المأساة أوضح صورة للمتناقض الغريب المدهش في موقف قتلة عثمان من هؤلاء القرشيين الطامعين۔ قتلته عائشة بتحريضها العنيف السافر وسعيها الحثيث النشيط وهي تامل عودة الحكم الى تيم في شخص ابن عمها طلحة وقتله طلحة والزبير وسعد ابن وقاص باموالهم ودسائسهم وقتله معاوية وحزبه بتخليهم وقتله مروان وال الحكم ورفاقهم من ال ابي معيط بانانيتهم واستخفافهم فلما قتل وصار الامر الى علي باجماع المسلمين انقلب هؤلاء جميعا دون توطئة ولا تمهيد فاذا عثمان الظالم الكافر امس شهيد مظلوم اليوم

(حلیف مخزوم صد ۱۸۳)

قریش میں جو لوگ عثمان کے شدید ترین مخالف اور دشمن تھے، عثمان کے مرنے پر عثمان کے ہمدرد بن گئے اور غالباً اس المیہ میں عائشہ کا طرز عمل بہ نسبت ان حریص قریشیوں کے طرز عمل کے حیرت انگیز و دہشت ناک تناقض اور دورنگی کی واضح مثال ہے۔ حضرت عائشہ نے کھلم کھلا لوگوں کو برانگیختہ کر کے اور سرگرم کوشش سے کام لے کر عثمان کو قتل کیا انہیں اُمید تھی کہ حکومت پھر بنی تیم (حضرت عائشہ کے خاندان) میں پلٹ آئے گی اور ان کے ابن عم طلحہ خلیفہ ہو جائیں گے۔ عثمان کو طلحہ و زبیر اور سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا اپنی دولت و سرمایہ اور اپنی سازشی کارروائیوں کے ذریعہ۔ انہیں معاویہ اور ان کی جماعت نے قتل کیا کہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور مدد نہ کی۔ انہیں مروان۔ اولاد حکم اور بنی معیط کے رفیقوں نے قتل کیا۔ اپنی انانیت کی بنا پر اور عثمان کے معاملہ کو اہمیت نہ دے کر۔ جب عثمان قتل ہو گئے اور باجماع مسلمین خلافت علی تک پہنچ گئی تو یہ سب کے سب بغیر کسی تمہید و پیش بندی کے دفعۃً پلٹ گئے اب وہی عثمان جو کل تک ان کے نزدیک ظالم و کافر تھے آج مظلوم و شہید تھے۔

اس موقع پر سعید بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ کے ان فقرات کا نقل کرنا نامناسب نہ ہو گا جو ان دونوں نے حضرت عائشہ کے لشکر سے ملاقات کے وقت خیبر میں کہے تھے جب کہ یہ لشکر علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے مکہ سے بصرہ کی طرف جا رہا تھا۔ ان دونوں کے فقروں میں صاف اقرار ہے اس بات کا کہ قتل عثمان کی ساری ذمہ داری طلحہ و زبیر پر ہے۔ سعید

کی جب اس لشکر سے ملاقات ہوئی تو وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں آیا پوچھا۔

"مادرِ گرامی کہاں کا ارادہ ہے"

عائشہ۔ بصرہ جا رہی ہوں۔

سعید۔ بصرہ جا کر کیا کیجئے گا۔

عائشہ۔ قاتلین عثمان سے انتقام لوں گی۔

سعید۔ قاتلین عثمان تو یہ آپ کے ساتھ ہی ہیں کیوں نہیں انہیں قتل کر ڈالتیں۔

پھر سعید مروان کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ اور کہاں جا رہے ہو۔

مروان۔ بصرہ

سعید۔ وہاں جا کر کیا کرو گے۔

مروان۔ قاتلین عثمان کا قصاص لوں گا۔

سعید۔ قاتلین عثمان تو یہ تمہارے ساتھ ہی ہیں انہیں دونوں طلحہ و زبیر نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ یہ خود خلیفہ بننا چاہتے تھے جب مغلوب ہو گئے اور علی کی بیعت ہو گئی، تو انہوں نے کہا خون کو خون سے دھوئیں گے اور گناہ کو توبہ سے دفع کریں گے

اس کے بعد مغیرہ نے مجمع کو خطاب کر کے کہا۔

اگر تم محض مادرِ گرامی کی بیعت میں نکلے ہو تو اب انہیں پٹا لے جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر قتل عثمان پر غضبناک ہوئے ہو تو تمہارے انہیں سرداروں نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ اور اگر تم علی سے کسی بات پر ناراض ہو تو بتاؤ وہ کون سی باتیں ہیں؟ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں اسی سال بھر میں دو دو ہنگامے۔ (الامامہ والسیاستہ جلد ا صفحہ ۹)

یہ تھا طرزِ عمل اور یہ تھی رفتار ان لوگوں کی جنہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا اور ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اور جب عثمان قتل ہو گئے قرآن کی قسمیں سے کر علیؑ سے انتقام خونِ عثمان کے طالب ہوئے۔ رہ گئے علی تو ہم وہ واقعات اُوپر بیان کر چکے ہیں جو شاہد ہیں کہ اس فتنہ میں علیؑ کی کیا پوزیشن رہی۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ علی کو عثمان کے یہاں قربت و منزلت حاصل نہ تھی اور حضرت عثمان آپ سے حسن ظن نہیں رکھتے تھے۔ مروان برابر عثمان کو مشورہ دیا کرتا کہ جب بھی ممکن ہو علیؑ اور صحابہ کو قتل کر ڈالئے۔ غرض یہ تھی کہ ان پاکیزہ فطرت اور بے لوث انسانوں سے جو بنی امیہ اور ذی وجاہت افراد کی حرکتوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں چھٹکارا ملے اور کوئی ان کے کسی فعل پر خردہ گیری نہ کرے۔ لیکن علیؑ اپنی بلند نفسی اور شرافت طبعی کی وجہ سے کسی کے دشمن نہ تھے نہ انہوں نے اپنی ذات کے لئے کبھی کوئی نزاع و خصومت کی۔

علیؑ کی ذات اس سے کہیں بلند و برتر تھی کہ اگر عثمان اُن سے مشورہ نہ لیتے تو علی ان سے کینہ و عناد رکھتے اور اگر عثمان ان سے مقرب بارگاہ بناتے تو خوش و مسرور ہوتے۔ عثمان کی دوری اور نزدیکی آپ کے نزدیک یکساں تھی۔ علیؑ کو ان سب باتوں کی پرواہ نہ تھی اگر پرواہ تھی تو بس عوام الناس کی فلاح و بہبود درستی و اصلاح کی پرواہ تھی وہ نزاع و تکرار، اعتراض و انکار سے ہمیشہ دور رہے۔ ہاں ظلم و جور کے دور کرنے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرنے سے باز بھی نہ رہے۔

اسی لئے جب بھی عثمان کی نصیحت اور خیر خواہی ممکن ہوئی علی نے اُن کی خیر خواہی اور ناصحانہ مشورہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ چاہے یہ آپ کی خیر خواہی اور ناصحانہ مشورے حضرت عثمان کے خویش و اقارب حوالی و موالی کو ناپسند ہی کیوں نہ ہوئے ہوں اور نہ کبھی آپ نے اُن کی نصرت اور اُن کے دشمنوں کو دور کرنے اور موت کے خطرے سے باہر نکالنے میں کوتاہی کی۔

بیسیوں مرتبہ حضرت عثمان کے مخالفین نے آپ سے خواہش کی کہ کار خلافت آپ اپنے ہاتھوں میں لے لیجئے مگر آپ نے ہر مرتبہ خفگی و برہمی کے ساتھ درخواست رد کر دی اور ڈرا دھمکا کر انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ نہ جانے کتنی مرتبہ آپ نے مخالفین کو فتنہ و فساد سے روکا اور انہیں حضرت عثمان سے جن کے مخصوصین و مقربین خود فتنہ و فساد کا مجسّمہ تھے دور کیا۔

ایک مرتبہ بلوائی حضرت علیؓ کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت عثمان کے مخصوصین اور اُن کے مشیروں کی خیانت و غداری کا ثبوت پیش کیا یعنی وہ خط جو محمد ابن ابی بکر اور اُن کے ہمراہیوں کو مصر جاتے وقت حضرت عثمان کے غلام سے ہاتھ لگا تھا اور اس خط میں حضرت عثمان کی طرف سے عبداللہ ابن ابی سرح عامل مصر کو تاکید کی گئی تھی کہ محمد ابن ابی بکر اور اُن کے ساتھیوں کو کسی بہانے پہنچتے ہی ہلاک کر ڈالنا حالانکہ حضرت عثمان نے ان مصر والوں سے قسمیہ وعدہ اور عہد و پیمان کیا تھا کہ تمہاری شکایتیں دور کر دی جائیں گی اور عبداللہ بن ابی سرح ظالم گورنر کو بدل کر دوسرا حاکم مقرر کر دیا جائے گا۔

جب آپ نے بلوائیوں کی یہ شکایت سنی اور انہوں نے حضرت عثمان کی پیمان شکنی کا جو ثبوت پیش کیا تھا وہ ثبوت دیکھا تو آپ نے اُن ہی مخالفین کو قصور وار ٹھہرایا کہ تم لوگ تو مدینہ سے رخصت ہو کر اپنے اپنے وطن جا رہے تھے پھر ایک جگہ تم لوگ کیسے اکٹھا ہو گئے اور بصرہ و کوفہ جانے والوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ مصر والوں کو ایسا ایسا خط ہاتھ لگا ہے، حضرت علیؑ نے بلوائیوں کو قصور وار ٹھہرا کر ایک حیثیت سے حقیقت حال معلوم کرنی چاہی۔ دوسری حیثیت سے اُن کے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

جس وقت بلوائیوں نے حضرت عثمان کو نرغہ میں لے لیا تھا اُس وقت حضرت علیؓ نے ان کے مشیروں اور خویش و اقارب کی ناراضی کو نظر انداز کر کے جلیلی گراں قدر نصرت و خیر خواہی عثمان کی کی اس کو ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ علی کا مقصد یہی تھا کہ بلوائیوں اور حضرت عثمان کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع نہ ہونے پائے جس کے نتیجہ میں

ایسا حادثہ رونما ہو جس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت علی کو پورا یقین تھا کہ فتنہ و فساد اور مسلمانوں کے افتراق و انتشار کا علاج صرف خون ریزی ہی نہیں بلکہ بغیر خون ریزی کے بھی حالات سدھارے جا سکتے ہیں۔

علیؑ کی عالی ہمتی و پاک نفسی اس حد تک پہنچی تھی جس کا اندازہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جس وقت عثمان دشمنوں کے نرغہ میں تھے اور بلوائیوں نے اُن کا محاصرہ کر رکھا تھا عثمان کبھی تو علی کو حکم دیتے کہ مدینہ سے چلے جائیے اور کبھی اپنے اس حکم پر شرمندہ ہوتے اور قاصد دوڑاتے کہ فوراً مدینہ آجائیے علیؑ اسی حیرانی کے عالم میں عثمان کی ہر فرمائش پوری کرتے آپ نے ایک مرتبہ بھی اُن سے نہ پوچھا کہ مدینہ سے کیوں باہر جانے کا حکم دیتے ہیں اور حکم دے کر پھر بلا کیوں لیتے ہیں۔

علی کی روحانی عظمت یہ تھی کہ اُنہوں نے ہمیشہ دوسروں پر احسان کرنا چاہا اور سختی و پریشانی کے عالم میں ان کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے۔ عثمان نے نہ جانے کتنی مرتبہ آپ کو مدینہ سے باہر چلے جانے کا حکم دیا تاکہ آپ اپنے چاہنے والوں عقیدت مندوں کی نظروں سے دُور رہیں اور لوگ آپ کا نام نہ سننے پائیں۔ آپ نے ہر مرتبہ اُن کی فرمائش بے چون و چرا پوری کی۔ اسی طرح نہ جانے کتنی مرتبہ عثمان نے آپ کو مدینہ بلا بھیجا کہ آکر بلوائیوں کو سمجھائیے اور ان سے میری حفاظت کیجئے اور آپ نے ہر مرتبہ اُن کے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔

ایسا ایک مرتبہ نہیں بارہا ہوا۔ چنانچہ جب ایک مرتبہ ابن عباس علیؑ کے پاس عثمان کا یہ حکم لے کر پہنچے کہ مدینہ سے چلے جائیے تو آپ نے فرمایا:۔

> ابن عباس! عثمان مجھے آب کشی والا اونٹ بنا دینا چاہتے ہیں جو آتا ہے اور جاتا ہے۔ پہلے حکم بھیجا کہ مدینہ سے باہر چلے جائیے پھر کہلا بھیجا کہ جلدی آئیے۔ اُس وقت یہ پیغام بھیجا ہے کہ مدینہ چھوڑ دیجئے خدا کی قسم میں نے ان کی طرف سے اتنا دفاع کیا ہے کہ ڈرتا ہوں میں کہیں گنہ گار نہ قرار دیا جاؤں۔

محمد ابن حنفیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا لو سیرنی عثمان الی کذا السمعت و اطعت اگر عثمان مجھے چلے جانے کا حکم دے دیں تو میں اُن کی اطاعت کروں گا۔ یہ آپ نے صرف اسلام کی حفاظت اور فتنہ و فساد کے اسباب مٹانے کی خاطر فرمایا تھا۔

خون عثمان سے علی کی بے گناہی کی بہترین تصویر کشی آپ کا یہ فقرہ کرتا ہے جو آپ نے اپنے بارے میں معاویہ کو لکھا تھا۔

فطلبتنی بما لم تجن یدی ولسانی تم مجھ سے ایسی چیز کا بدلہ چاہتے ہو جس سے نہ میرے ہاتھ آلودہ ہیں نہ میری زبان ان کانت الذنب الیہ ارشادی وھدایتی فرب ملوم لا ذنب لہ میں نے جو اُن کو نیک مشورے دئے اور انہیں راہِ راست دکھائی اگر یہی میرا قصور ہے تو بہت سے ناکردہ گناہ ناحق قابلِ ملامت قرار دئے جاتے ہیں۔

علیؑ نے عثمان کی اُن کی زندگی میں بھی مدد کی اور اُن کے مرنے کے بعد بھی اُن کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور امکانی کوشش کی کہ اُن کا راستہ سیدھا کر دیں تاکہ عثمان خود بھی استوار ہو جائیں اور عوام الناس بھی اُن کے لئے استوار ہو جائیں۔ آپ نے اپنے دونوں فرزندوں کو اُن کی حفاظت پر متعین کیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ دونو فرزند عثمان کی حفاظت کرنے میں زخمی بھی ہوئے۔ جب عثمان کو اُن کے قاتلوں نے قتل کر ڈالا۔ لوگوں نے از راہِ ظلم و جور علی پر یہ اتہام رکھ دیا کہ علی خون عثمان میں شریک تھے۔ کتنی سچی بات محمد ابن سیرین نے علیؑ اور علیؑ پر تہمت رکھنے والوں کے متعلق کہی ہے۔

ما علمت ان علیا اتهم فی دم عثمان حتی بویع ۔ فلما بویع اتهمه الناس۔

جب تک علیؑ کی بیعت نہ ہوئی تھی میں تو نہیں جانتا کہ کسی نے علیؑ پر خون عثمان کی تہمت رکھی ہو۔ ہاں جب علیؑ کی بیعت ہو گئی تو تہمت رکھنے والوں نے آپ پر تہمت رکھ دی۔

علیؑ کی حکومت کے خلاف تیز و تند ہوائیں

ہم اے علیؑ آپ کے سوا کسی کو نہیں پاتے اور آپ
کے علاوہ کسی اور پر راضی ہیں۔

(مسلمین عثمان)

بیت هذه انطبقت علی هذه

جب علی کی خلافت پر مہاجرین و انصار نے اتفاق کر لیا تو اس خبر
کو سن کر حضرت عائشہ نے کہا کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ
پڑتا۔

(عائشہ)

عثمان تمہارے درمیان تھے تم نے اُن کی نصرت و
یاوری سے پہلو تہی کی تو اب یہ نیا انکشاف تم لوگوں پر کب ہوا
اور کس وقت یہ رائے تم لوگوں کو سوجھائی دی۔

(منذر بن جارود)

جب تک علیؑ کی بیعت نہ ہوئی تھی میں نہیں جانتا کہ
کسی نے علیؑ پر خون عثمان کی تہمت لگائی ہو۔ ہاں جب علیؑ کی
بیعت ہو گئی تو تہمت لگانے والوں نے آپ کو خون عثمان سے
متہم کر دیا۔

(محمد بن سیرین)

حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد مدینہ میں کئی روز سناٹا رہا۔ مہاجرین و انصار باشندگان مدینہ اور باہر سے آئے ہوئے
لوگوں کو تلاش تھی کہ کون یہ بار خلافت اٹھانے پر تیار ہوگا۔ مصر والے خصوصیت کے ساتھ علیؑ کو خلیفہ بنانے کے لئے کوشاں تھے

مگر علیؑ برابر انکار کر رہے تھے۔ اس کشاکش کے عالم میں آپ نے جمہور مسلمین کو خطاب کر کے جو ارشادات فرمائے اس میں آپ کے یہ فقرات بھی تھے۔

"مجھے چھوڑ دو اور اس خلافت کے لئے میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈو۔ اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو تو پھر جیسے تم ہو ویسا میں ہوں اور ہو سکتا ہے کہ جسے تم اپنا امیر بناؤ اس کی میں تم سے زیادہ سنوں اور مانوں۔ میرا تمہارے دنیوی مفاد کے لئے امیر ہونے سے وزیر ہونا بہتر ہے۔"

آپ برابر اپنے انکار پر جمے رہے یہاں تک کہ مدینہ کی ساری آبادی آپ کے دروازہ پر سمٹ آئی سب کا اصرار تھا۔ وہ اس طرح ٹوٹے پڑتے تھے کہ آپ کو اندیشہ ہوا کہ اس ہجوم میں لوگ ایک دوسرے کو کہیں کچل نہ ڈالیں۔ سب کی زبان پر یہی ایک فقرہ تھا۔

"ہم آپ کے علاوہ (اس امر خلافت کے لئے) کسی اور کو نہیں پاتے اور نہ آپ کو چھوڑ کر کسی اور کو خلیفہ بنانے پر ہم راضی ہیں۔ آپ ہماری بیعت قبول کیجئے ورنہ ہم میں اختلاف ہو گا نہ گروہ بندیاں ہوں گی۔"

اشتر نخعی نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت کی اور ان کے ساتھ سارے مجمع نے بیعت کی ہر ایک کی زبان پر یہی ایک بات تھی۔

"خلافت کے لئے علیؑ کے علاوہ اور کوئی موزوں نہیں۔"

اب ہر ایک کی زبان پر علیؑ ہی کا نعرہ تھا۔ لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ ہم نے ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کی ہے جو ہماری مزدوروں سے واقف، ہمارے حقوق کو پہچاننے والا، ہمارا مخلص۔ عالم، حکیم اور بمنزلہ شفیق باپ کے ہے سب کو خوشی تھی کہ علیؑ نے خلافت قبول کر لی۔ چونکہ سبھی ایک طویل مدت تک محرومی اور ذلت کی زندگی تیرہ تاریک اموی دورِ خلافت میں بسر کر چکے تھے اس لئے ہر ایک نے آپ کی ذات سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔

خود امیر المومنینؑ اپنی بیعت خلافت کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"اور میری بیعت پر لوگوں کی مسرت یہاں تک پہنچ گئی کہ چھوٹے چھوٹے بچے خوشیاں منانے لگے اور بوڑھے ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے بیعت کرنے کے لئے بڑھے۔ بیمار بھی اٹھتے بیٹھتے ہوئے پہنچ گئے اور نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل کر دوڑ پڑیں۔"

جب جمعہ کا دن آیا اور امیر المومنینؑ بالائے منبر تشریف لے گئے تو کل تک جن لوگوں کو بیعت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ انہوں نے آج بیعت کی اس مجمع میں سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی پھر زبیر نے وہی طلحہ و زبیر جنہوں نے بیعت کے بعد کہا :

"ہم نے اس عالم میں علیؑ کی بیعت کی کہ تلوار ہماری گردنوں پر تھی۔"

طلحہ و زبیر کے اس فقرہ کا مطلب کیا تھا ؟

یہ نظریہ صرف طلحہ و زبیر ہی کا نظریہ نہ تھا بلکہ قریش کے اکثر و بیشتر افراد آپ کی خلافت کے متعلق یہی نظریہ رکھتے تھے۔ قریش والوں کو علیؑ کی خلافت پسند نہ تھی یا تو حسد کی وجہ سے یا اس اندیشہ کی بنا پر کہ ہم جس ریاست وحکومت جاہ و اقتدار کے خواہاں ہیں، علیؑ ہمیں دینے والے نہیں۔ نہ علیؑ کے ذریعہ ہماری مرادیں بر آئیں گی کیونکہ نامناسب محل و موقع پر اور نااہلوں کے ساتھ نیکی و احسان کرنا علیؑ جائز نہیں سمجھتے وہ بغیر استحقاق کے کسی کو دینے دلانے والے نہیں۔ بیت المال کی دولت جو بھوکوں ننگوں کو ملنا چاہیئے وہ ضائع وبرباد جانے دینا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

اسی کے ساتھ اس بات کو بھی ملا لیجئے کہ ان لوگوں میں جتنے معززین و ذی وجاہت افراد تھے وہ سبھی خلافت کے متمنی تھے بخصوصیت کے ساتھ طلحہ و زبیر قریش والوں کو علیؑ سے جو کینہ و عناد تھا اس کا ذکر آپ نے ایک مرتبہ نہیں بیسیوں بار کیا ہے اور صاف صاف الفاظ میں جن کی نہ کوئی تاویل کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی دوسرے معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ قریش والوں سے متعلق اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

"مجھے قریش والوں سے کیا ربط رہیں نے ان سے کل ان کے کافر ہونے کی وجہ سے جنگ کی اور اب ان کی سرگشتگی کی وجہ سے جنگ کروں گا۔ میں ان کے لئے جیسا کل تھا ویسا ہی آج ہوں"۔

قریش کی اکثریت علیؑ کو ناپسند کرتی تھی نہ جانے کتنے قریشیوں نے آپ پر سرکشی و زیادتی کی تلوار کھینچی جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں۔ نہ جانے کتنے باغی تھے جنہوں نے اپنے جال آپ کے لئے بچھائے سوا اس کے کہ یہ قریش والے جن میں پیش پیش طلحہ و زبیر تھے۔ علیؑ کی بیعت سے بھاگنے کی کوئی راہ فرار ڈھونڈھ نہ سکے۔ اس لئے کہ تمام عربی وغیر عربی مفتوحہ ممالک خصوصیت کے ساتھ مصر کے باشندے علیؑ کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانا ہی نہیں چاہتے تھے علیؑ ہی کی ذات ان تمام صفات پسندیدہ کا مجموعہ تھی۔ جن صفات کو مخالفین عثمان خلیفہ کی شخصیت میں ڈھونڈھتے تھے۔ عدل و انصاف، رعیت کے ساتھ مہربانی، بیت المال کو عوام کے مفاد میں خرچ کرنا اور اُسے اپنے خاندان کے لئے مخصوص نہ کرنا اور رعادلانہ حکومت کی اگر کسی سے توقع کی جا سکتی تھی تو بس علیؑ ہی سے علیؑ کے سوا اور کسی سے ان باتوں کی اُمید نہ تھی۔

علیؑ کے دو بہت بڑے رقیب جو خلافت کے حریص تھے اور دوسروں کی بہ نسبت جنہیں اس خلافت کو پانے کی بہت زیادہ تمنا و آرزو تھی، وہ طلحہ و زبیر تھے۔ مخالفین عثمان خلیفہ کی ذات میں جن صفات پسندیدہ کو دیکھنے کے آرزومند تھے۔ ان میں سے کوئی صفت بھی ان دونوں میں موجود نہ تھی یہ دونوں بھی عثمان ہی جیسے تھے اور جن باتوں کی وجہ سے عوام الناس عثمان سے برگشتہ ہوئے وہ تمام باتیں طلحہ و زبیر میں بھی موجود تھیں یہ دونوں بھی حکومت و سلطنت دولت و اقتدار کے لئے جان دیتے تھے۔ ہم گذشتہ صفحات میں طلحہ کے متعلق عثمان کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ:-

"طلحہ کا ناس ہو میں نے انہیں اتنا اور اتنا سونا دیا اس کے باوجود وہ اب میری جان کے خواہاں ہیں"۔

عوام الناس کو ان اُمیدواران خلافت میں ان باتوں کی موجودگی کا پورا پورا اندازہ تھا اس میں کسی کو شک و شبہ نہ تھا یہی وجہ

تھی کہ سب کے سب علیؑ کی طرف جھک پڑے اور طلحہ و زبیر کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی علیؑ کی بیعت کرلیں۔ (طلحہ و زبیر نے علیؑ کی بیعت خوشی خاطر کی تھی یا جبر و اکراہ سے اس کو ہم حضرت امیر المومنین حصہ ثالثہ میں تفصیل سے ذکر کرچکے ہیں اور مشہور مصری عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا فیصلہ بھی نقل کرچکے ہیں کہ ان دونوں نے علیؑ کی خوشی خاطر بیعت کی اس امید پر کہ علیؑ اپنی خلافت میں ہمیں بھی شریک کرلیں گے لیکن جب علیؑ نے انہیں کار خلافت میں شریک نہ کیا تو نکث بیعت کرکے عائشہ سے جا ملے اور یہ کہنے لگے کہ ہم نے جبر و اکراہ سے علی کی بیعت کی ہے)

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ ان دونوں کے بیعت کرنے اور پھر شکست بیعت کرکے علم بغاوت بلند کرنے کے متعلق فرماتے ہیں۔

"یہ دونوں فاجروں کا منہ لے کر بیعت میں داخل ہوئے اور بدعہدوں کا منہ لے کر نکل گئے۔"

مطلب یہ تھا کہ بگڑے ہوئے حالات کے سدھار کی خاطر جس طرح عوام الناس نے آپ کی بیعت کی تھی ان دونوں نے بیعت نہ کی اور ان دونوں کا خروج محض بدعہدی اور آپ کے صحیح و مناسب مسلک سے غداری ہے۔

علیؑ نے خلافت قبول کرکے پہلے ہی دن سے بگڑے ہوئے حالات سنوارنے کی سرگرمی سے کوشش شروع کردی۔ آپ نے ظالم حکّام کو معزول کیا اور جن حکام کی روش عادلانہ قوانین کے خلاف تھی اُن کی برطرفی کے فرمان جاری کئے اور جن لوگوں نے بیت المال کی دولت غصب کرکے اپنا گھر بھر لیا تھا ان کی تلاش میں لگ گئے دشمنوں کی عداوت اور مخالفین کے کینہ و عناد کی آپ نے ذرہ برابر پروا نہ کی۔

علیؑ کو اپنے عہد خلافت میں تیرہ و تار دنوں کا سامنا کرنا پڑا صاحبان اثر و اقتدار نے آپ کی دشمنی پر ایکا کرلیا تھا اسی طرح ذاتی منفعت کے خواہاں بھی جن کی تعداد بہت زیادہ تھی آپ کے مخالف تھے۔ علیؑ نے طے کرلیا کہ ہم ان دونوں مورچوں پر لڑیں گے چاہے یہ دونوں مورچے کتنے ہی وسیع ہوں اور ان میں کتنا ہی فاصلہ ہو آپ نے طے کرلیا کہ لوگوں میں عدل و انصاف عام اور ظلم و جور دُور کرکے رہیں گے۔ اور ایسی حکومت قائم کریں گے جو اقتصادی و اجتماعی اور صحیح اخلاقی بنیادوں پر قائم ہو۔ آپ ان دونوں مورچوں پر ایسی محیّر العقول ہمّت سے ڈٹ گئے جو تھکنا نہیں جانتی تھی اور ایسی پامردی و ثابت قدمی سے جس کی حدوں کا تصور ناممکن ہے اور ایسے یقین و اطمینان سے جسے مصیبتیں متزلزل نہیں کرسکتی تھیں۔ آپ نے عزم محکم کرلیا کہ تمام تاریکیاں ایک ایک کرکے دور کردیں گے اور آفتاب کی کرنیں ہر ہموار و ناہموار زمین تک پہنچا کر رہیں گے چاہے جس طرح بھی ہو۔

اجتماعی انقلاب نے جیسے ہی علیؑ کو اپنا سردار اور قائد منتخب کیا تاکہ آپ معاشرہ کو راہ راست پر لگائیں، بنی امیہ مدینہ میں اور مدینہ کے علاوہ دیگر شہروں میں اپنے جتنے حوالی موالی تھے، جتنی دولت و ثروت اور جتنے اسلحے ہتھیار تھے، سب سمیٹ کر روپوش ہوگئے اور موقع ملتے ہی سب کچھ اپنے ساتھ لے کر بھاگ نکلے۔ جہاں وہ چھپ کر آپ کی حکومت درہم برہم اور لوگوں کو آپ کے خلاف صف بستہ کرسکتے تھے اور اگر اس میں ناکامی ہوتی تو وہاں سے بھاگ کر معاویہ کے پاس چلے جانا بھی

ممکن تھا۔ اگر ان لوگوں کی نیت خالص ہوتی اور منفعتِ عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت کے یہ لوگ طلبگار نہ ہوتے تو اس قسم کی تدبیریں کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی لیکن حکومت کی تمنا اور اس اُمید نے کہ خلافت پھر ہم تک پلٹ آئے گی۔ اور اگر ہم علیؑ کو اپنی راہ سے ہٹا سکے تو پھر ہمارے ہاتھ سے یہ خلافت کبھی نکلنے نہ پائے گی۔ انہیں ان تمام حرکتوں پر آمادہ کر دیا جو حرکتیں اُن سے ظہور میں آئیں پھر وہ بے تحاشہ دولت جو انہوں نے حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں جمع کی تھی وہ بھی ترغیب دلا رہی تھی کہ سب کچھ لے کر اس عدل گستر خلیفہ کے پاس سے بھاگ نکلو اور اس دولت کے ذریعہ قوت و طاقت میں اضافہ کرنے کی امکانی کوشش کرو۔

بنی اُمیہ نے جو منصوبے بنائے تھے اور مال و دولت اور اسلحے ہتھیار لے کر مکہ بھاگ جانے سے ان کا جو مقصد تھا وہ علیؑ سے مخفی نہ تھا اسی لئے آپ نے قریش کے لوگوں کے ساتھ سختی برتی اور مدینہ سے باہر جانے پر پابندی لگا دی۔ غرض یہ تھی کہ یہ لوگ مدینہ سے باہر جا کر اس نئی حکومت کے لئے خطرہ نہ بن جائیں۔

ایسے سخت حالات میں بعض صحابہ جن میں طلحہ و زبیر بھی تھے۔ امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:۔

ہم نے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ حدود قائم کئے جائیں گے آپ ان لوگوں کو جنہوں نے عثمان پر فوج کشی کی تھی سزا دیں آپ نے فرمایا۔

" اے بھائیو! تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میرے پاس (اس کی) قوت و طاقت کہاں ہے جب کہ آج فوج کشی کرنے والے اپنے انتہائی زوروں پر ہیں وہ (اس وقت) ہم پر مسلط ہیں ہم اُن پر مسلط نہیں اور عالم یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور صحرائی عرب بھی ان سے مل گئے ہیں اور اس وقت بھی وہ تمہارے درمیان اس حالت میں ہیں کہ جیسا چاہیں تمہیں گزند پہنچا سکتے ہیں کیا تم جو چاہتے ہو اس پر قابو پانے کی کوئی صورت نظر آتی ہے۔

ان لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

قسم بخدا جیسا تم لوگ سوچتے ہو ویسا میں نہیں سوچتا۔ جب یہ قصہ چھڑے گا تو اس معاملہ میں لوگوں کے مختلف خیالات ہوں گے۔ کچھ لوگوں کی رائے تو وہی ہوگی جو تمہاری ہے اور کچھ لوگوں کی رائے تمہاری رائے کے خلاف ہوگی۔ اور کچھ لوگوں کی رائے نہ ادھر ہوگی نہ ادھر اتنا صبر کرو کہ لوگ سکون سے بیٹھ لیں اور دل اپنی جگہ پر ٹھہر جائیں اور آسانی سے حقوق حاصل کئے جا سکیں۔

تم میری طرف سے مطمئن رہو اور دیکھتے رہو کہ میرا فرمان تم تک کیا آتا ہے؟ پھر میرے پاس آنا۔"

یہ لوگ امیر المومنینؑ کی خدمت میں شک و شبہ اور آپ کی حکومت اور لوگوں کے معاملہ میں اشتباہی کیفیت لے کر آئے تھے آپ نے ایسا جواب دیا جو شک کو یقین سے بدل دینے والا تھا ان لوگوں نے اگر آپ کی خلافت کی یہ شرط قرار دی کہ ان لوگوں پر حد جاری کی جائے جن پر نہ امیر المومنین ہی کو قابو حاصل تھا نہ خود ان لوگوں کا کوئی بس چل سکتا تھا۔ مخالفین و

قاتلین عثمان میں خود ان لوگوں کے غلام شریک تھے صحرائی عرب شریک تھے آپ نے انہیں ایسا مسکت جواب دیا کہ انہیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ بے شک آپ ان لوگوں سے زیادہ حالات سے واقف تھے آپ کی کوششیں ان لوگوں کی کوششوں سے کہیں زیادہ بڑھی چڑھی تھیں اور آپ حالات کی نزاکت کو ان لوگوں سے زیادہ سمجھتے تھے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ جس بات کو امیر المومنینؑ سمجھ رہے تھے اس سے ان لوگوں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور جب کہ ضرورت صبر و سکون سے کام لینے کی تھی یہ لوگ جلدبازی پر تلے ہوئے تھے۔

ان لوگوں کو یہ خوش فہمی تھی کہ عثمان کے قتل و ہلاکت کو سارے ہی مسلمان ایک نظر سے دیکھتے ہیں سبھی سمجھتے ہیں کہ عثمان مظلوم قتل ہوئے اور اُن کا قصاص لینا ضروری ہے امیر المومنین نے صورت حالات سے زیادہ واقف و خبیر ہونے کی بنا پر اُن کی یہ خوش فہمی دور کر دی اور بتا دیا کہ اگر اس وقت قصاص کی بحث اُٹھائی جاتی ہے اور قاتلین عثمان سے خونِ عثمان کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو عوام کئی حصوں میں بٹ جائیں گے کسی کا نظریہ کچھ ہوگا کسی کا کچھ سب ایک رائے پر نہ ہوں گے ، جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے تھے۔

وہ لوگ جذبات و خواہشیں اور اپنے اغراض لے کر آئے تھے اور امیر المومنینؑ نے اُن کے مقابلہ میں دلیل و منطق پیش کی۔ اُنہوں نے آکر بجائے امیر المومنینؑ سے خطاب کرنے کے یہ کہا اے علیؑ اس جملہ میں جو درشتی و قساوت اور جرأت و جسارت تھی وہ ظاہر ہے امیر المومنینؑ نے اس کا جواب یہ دیا بھائیو یہ لفظ جس نرمی و مہربانی رحم و کرم اور بے پناہ محبت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ لوگ آپ کے پاس یہ مطالبہ لے کر آئے کہ عثمان کے خون کا انتقام لیا جائے حالانکہ ان میں بہت سے ایسے تھے کہ جو خود قتل عثمان میں شریک تھے۔ علیؑ نے اس مطالبہ کے جواب میں وہ بے نظیر عفو و درگذر پیش کیا جس کے سوتے آپ کے دل سے پھوٹ رہے تھے۔

آپ نے قریش والوں پر کڑی نظر رکھنی شروع کی تاکہ یہ لوگ فتنہ و فساد برپا نہ کرنے پائیں اور آپ کا موقف انتہائی درست اور دُور اندیشی پر مبنی تھا۔

آپ نے حضرت عثمان کے عاملوں کو ایک ایک کر کے معزول کرنا شروع کیا اس کا کوئی سوال ہی نہیں تھا کہ کون اس قابل ہے کہ حکومت پر باقی رکھا جائے اور کون اس قابل ہے کہ فوراً معزول کیا جائے۔ اس لئے کہ ظلم و زیادتی فتنہ و فساد شریعت کے ساتھ تمسخر و استہزاء میں سبھی حد سے گذر چکے تھے اُن کی ظلم و زیادتی ہی کی وجہ سے تمام مملکت اسلامیہ میں شدید ہیجان پیدا ہوا اور اس کے نتیجہ میں عثمان کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ آپ ان کے عہدوں پر انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی برقرار رکھنے پر تیار نہ ہوئے حق و باطل ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے اور نہ ظلم و جور کا اس وقت تک انسداد ہو سکتا ہے جب تک اصل سبب ظلم و

جبر کا نہ دور کر دیا جائے۔ ابن عباس نے بھی مشورہ دیا اور بہت سے لوگوں نے رائے دی کہ آپ ان عاملین عثمان کو اس وقت تک ان کے عہدوں پر برقرار رہنے دیجئے جب تک آپ کی حکومت کو استحکام نہ حاصل ہو جائے۔ قدم جم جانے کے بعد ان کے ساتھ جو مناسب کارروائی سمجھئے گا کیجئے گا۔ امیرالمومنینؑ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ اسلامی حکومت کے انتظام میں سیاسی جوڑ توڑ سے کام لیں اسی طرح یہ بات بھی پسند خاطر نہ ہوئی کہ آپ نفع پرستوں کو خوش کر کے اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کی کوشش کریں۔ آپ نے اپنی ذمہ داریوں پر اپنی عقل پر اپنی تلوار پر بھروسہ کیا اور اس بات پر جمے رہے کہ ان تاریکیوں کو ایک ایک کر کے دور کر کے رہیں گے۔

سب سے زیادہ آپ کو فکر شام کے علاقہ کی تھی معاویہ کے متعلق آپ کے جو نظریات وخیالات تھے اس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ آپ نے طے کر لیا کہ معاویہ کو بہرحال شام کی حکومت سے معزول کر کے رہیں گے۔ ادھر معاویہ کو کد تھی کہ ہم آپ کی بیعت نہ کریں گے۔ زیاد بن حنظلہ امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ پتہ چلانے کے لئے کہ آپ نے معاویہ کے متعلق کیا طے کیا تاکہ آپ کے ارادے سے لوگوں کو بھی آگاہ کر دیں۔ امیرالمومنین نے زیاد سے فرمایا۔ زیاد تیار ہو جاؤ زیاد نے پوچھا۔ امیرالمومنینؑ کس بات کے لئے آپ نے فرمایا شام پر فوج کشی کرنے کے لئے زیاد نے کہا حضور نرمی اور بردباری سے کام لینا زیادہ ٹھیک ہوگا آپ نے یہ شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ :-

"تیز فہم دل کاٹنے والی تلوار اور غیرت وحمیت والی ناک جب جمع ہوں گی تب ہی مظالم تم سے دور رہیں گے۔"

علیؑ نے معاویہ کی سرکوبی اور شام پر فوج کشی کی تیاریاں شروع کر دیں آپ کی مستعدی کو دیکھتے ہوئے لوگوں میں بھی حرکت پیدا ہوئی کچھ تو آپ کی حمایت ونصرت پر کمربستہ تھے اور کچھ آپ کی مخالفت کا تہیہ کئے ہوئے طلحہ وزبیر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"امیرالمومنین ہمیں عمرہ بجالانے کے لئے مکہ جانے کی اجازت دیجئے اگر ہماری فراغت تک آپ یہیں مقیم رہے تو ہم آپ کے پاس پلٹ آئیں گے اور اگر آپ بھی ساتھ چلیں تو ہم آپ کی پیروی کریں گے۔"

آپ ان دونوں کی طرف تھوڑی دیر دیکھتے رہے پھر فرمایا:-

"تمہارا اصل مقصد عمرہ بجالانا نہیں ہے بلکہ مجھ سے غداری کرنا ہے جہاں جی چاہے جاؤ۔"

طلحہ وزبیر مکہ روانہ ہو گئے۔

بنی امیہ اور طلحہ وزبیر مل کر آپ کے خلاف سازشی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے وہ ہر قسم کے مکر وفریب پر اتر آئے اور لوگوں کو آپ کے خلاف صف بستہ کرنے میں پانی کی طرح روپیہ بہانا شروع کیا حضرت عثمان کے عاملوں نے جنہیں علیؑ نے معزول کر دیا تھا ان کی پوری پوری مدد کی ان لوگوں نے مکہ کو اپنا مستقر قرار دیا تھا اور ان کے قبضہ میں جتنی دولت جتنے اسلحے تھے

سب مکہ پہنچا دیئے تھے۔ عائشہ بنت ابی بکر اور زوجہ پیغمبر جنگی تیاریوں میں اسی وقت سے سرگرم عمل تھیں جس دن انہیں علیؑ کے خلیفہ منتخب کئے جانے کی خبر ملی تھی۔ عائشہ نے علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر کس طرح سنی اور سنتے ہی اُن کی کیا کیفیت ہوئی اس کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ مکہ سے واپسی میں جناب عائشہ جب مقام سرف میں پہنچیں تو وہاں عبد ابن ام کلاب سے ملاقات ہوئی جو اُن کا ننہالی رشتہ دار تھا عائشہ نے اس سے مدینہ کا حال پوچھا۔

عبد ابن ام کلاب۔ لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا اور قتل کرنے کے بعد آٹھ دن تک ٹھہرے رہے۔

عائشہ۔ اس کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا؟

عبد ابن ام کلاب۔ تمام اہل مدینہ نے متفق ہو کر راستہ پیدا کر لیا۔ سب نے حضرت علیؑ کی خلافت پر اتفاق کر لیا۔

عائشہ۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو خدا کرے آسمان زمین پر پھٹ پڑے۔ واپس لے چلو مجھے واپس لے چلو۔

حضرت عائشہ حج سے فارغ ہو کر مکہ سے مدینہ جا رہی تھیں مگر علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر سنتے ہی پھر مکہ واپس پلٹ پڑیں یہ کہتی ہوئی قتل واللہ عثمان مظلوما بخدا عثمان مظلومی کی حالت میں مارے گئے۔ خدا کی قسم میں ان کا انتقام لوں گی۔ عبد ابن ام کلاب نے پوچھا۔

"یہ کیا؟ خدا کی قسم آپ ہی نے سب سے پہلے اُن کی مٹی پلید کی آپ ہی کہا کرتی تھیں۔ اقتلوا نعثلا فقد کفر۔ نعثل کو مار ڈالو یہ کافر ہو گیا ہے۔

عائشہ۔ لوگوں نے توبہ کرا کے مار ڈالا۔ کہنے کو میں نے بھی کہا لیکن اب میری آخری بات پہلی بات سے بہتر ہے۔

عبد ابن ام کلاب۔ مادر گرامی بہت پھسپھسی معذرت ہے۔

اس موقع پر طبری نے چند شعر عبد ابن ام کلاب کے نقل کئے ہیں جن میں عبد نے قتل عثمان کی ساری ذمہ داری عائشہ پر ڈالی ہے چنانچہ کہتا ہے "آپ ہی کی طرف سے ابتدا ہوئی آپ ہی کی طرف سے تغیرات نمایاں ہوئے آپ ہی سے آندھیاں چلیں آپ ہی سے پانی برسا۔ آپ ہی نے حضرت عثمان کے قتل کا حکم دیا۔ آپ ہی نے کہا کہ عثمان کافر ہو گئے ہم نے آپ کی اطاعت کی اور انہیں مار ڈالا ہمارے نزدیک تو عثمان کا قاتل وہی ہے جس نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ ہم پر نہ آسمان ٹوٹا نہ چاند سورج میں گہن آئے۔ (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ وغیرہ)

حضرت عائشہ مکہ واپس پلٹ پڑیں انہوں نے کسی بات کی طرف دھیان نہ دیا جب آپ مکہ پہنچ گئیں تو طلحہ آکر آپ سے ملے اور انہیں بتایا کہ کیسے کیسے علی خلیفہ ہوئے اور لوگوں نے طلحہ کے ساتھ کیا کیا۔ انہوں نے کہا کہ:۔

لوگوں نے علیؑ کی بیعت کی پھر میرے پاس آئے اور مجھے اتنا مجبور کیا کہ آخر مجھے بیعت کرنا پڑی۔

حضرت عائشہ نے کہا علی ہماری گردنوں پر کیسے مسلط ہو سکتے ہیں جب تک علی کی حکومت مدینہ میں ہے میں تو مدینہ

واپس جانے والی نہیں۔

اُسی وقت سے اُنہوں نے علیؑ کے خلاف ایک زبردست فتنہ انگیز تحریک شروع کی لوگوں کو اُبھارنا شروع کیا کہ عثمان کے بدلہ میں علی کو قتل کر ڈالو۔

اس مرحلہ پر حضرت عائشہ نے جو روش اختیار کی اس کا جائزہ لینے پر ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ علی کی کتنی زبردست عداوت وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھیں۔ اُن کے طرز عمل کی وضاحت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن اسباب کی طرف اشارہ کرتے چلیں جن کی بنا پر عائشہ علی سے کدورت رکھتی تھیں۔

عائشہ کی نفرت و بیزاری علیؑ سے بہت پرانی تھی اس کی تاریخ اس دن سے شروع ہوتی ہے جس دن کہ وہ پیغمبرؐ کے گھر میں آئی تھیں جیسا کہ اکثر مؤرخین کا خیال ہے۔

ایک بڑا سبب اُن کی عداوت کا یہ تھا کہ وہ فاطمہؑ کے شوہر تھے فاطمہؑ خدیجہ کی دختر تھیں اور خدیجہ وہ خاتون تھیں جنہوں نے اپنی شرافت و بزرگی اور پاکیزگی اخلاق کی وجہ سے پیغمبرؐ کے وجدان پر قبضہ کر رکھا تھا جب تک وہ زندہ رہیں پیغمبرؐ کے وجدان پر چھائی رہیں اور اپنے مرنے کے بعد بھی پیغمبرؐ کے دل میں اس طرح گھر کئے رہیں کہ عائشہ اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لینے کے بعد بھی خدیجہ کو پیغمبرؐ کے دل و دماغ سے نکال نہ سکیں۔ جامعہ ازہر کے آرگن مجلہ الازہر کی یہ عبارت غور کے قابل ہے۔

"عائشہ ان خصوصیات کے علاوہ جو اللہ نے انہیں دے رکھی تھیں۔ بڑی بلند ہمت اور بزرگی و شرف کی آخری منزل پر پہنچنے کی انتہائی درپے تھیں بہ نسبت دیگر ازواج پیغمبرؐ کے انہیں پیغمبرؐ سے جو تقرب خصوصی حاصل تھا اسی پر انہوں نے قناعت نہیں کی بلکہ ان کی خواہش ہوئی کہ پیغمبرؐ کے دل میں وہ جگہ حاصل کر لیں جو صدیقہ اولیٰ اور سب سے زیادہ چہیتی خدیجہ کو حاصل تھا جن کا ذکر کرتے پیغمبرؐ نہ تھکتے تھے جن کے ذکر پر خوش ہوتے اور جن کی وجہ سے ان کی سہیلیوں کی عزت کرتے۔ اور ہمیشہ اُن کی مدح و ستائش میں رطب اللسان رہتے۔ حضرت عائشہ اپنے حسین و ناز و ادا لطیف حیلوں اور طرح طرح کی صلاحیتوں اور عقلمندیوں سے کام لے کر حضرت سید المرسلین معزز ترین بنی آدم کو یہ ذہن نشین کرانے کی بے کار ہی کوشش کر رہی تھیں کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو خدیجہ کے بدلے بڑی اچھی بیوی عنایت کی ہے۔ ان کو خدیجہ کی برتری تسلیم کر لینا چاہئے تھا اور حق واضح ہونے کے بعد بھی جھگڑا و تکرار نہ کرنا چاہیے تھا اور یہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ ایسی خاتون کے بارے میں جو تمام شریف و معزز خواتین سے افضل و بہتر تھیں جو صدیقہ کبریٰ اور تمام مسلمانوں سے سب سے پہلے اسلام لانے والی تھیں، جھگڑا و تکرار برتری جتانا رشک و غیرت کرنا۔ بیکار و فضول ہے اس سے خدیجہ کا کچھ نہیں بگڑا بلکہ اُن کی عظمت و جلالت اور آشکارا ہوئی اور ان کا ذکر ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید بن گیا۔

(الجامعۃ الازہر شمارہ ۱۰ جلد ۲۰ مئی ۱۹۵۶ء)

خود حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں:۔

جتنا میں نے خدیجہ پر رشک کیا اتنا پیغمبر کی کسی دوسری بیوی پر نہیں حالانکہ خدیجہ کو میں نے دیکھا بھی نہیں تھا، لیکن پیغمبر اکثر و بیشتر ان کا ذکر کرتے رہتے ربسا اوقات آپ بکریاں ذبح کرتے اور اس کے ٹکڑے خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجتے۔ میں نے کئی مرتبہ کہا بھی کہ معلوم ہوتا ہے خدیجہ کے سوا دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں۔ آں حضرت جواب دیتے، وہ ایسی تھیں اور ایسی تھیں اور مجھے ان سے اولاد بھی ہوئی۔

تو عائشہ اقرار کرتی ہیں کہ پیغمبر خدا خدیجہ کو اپنی تمام ازواج پر فضیلت دیتے تھے اور یہ فطری بات ہے کہ خدیجہ کے ساتھ پیغمبر کی والہانہ محبت و وارفتگی جس طرح سے عائشہ کے دل میں خدیجہ کی طرف سے رشک اور جلن پیدا کرنے والی تھی۔ اسی طرح سے فاطمہ کی طرف سے بھی اُن کے دل میں جلن تھی۔ کیونکہ فاطمہ انہیں سوکن خدیجہ کی بیٹی تھیں۔ اور فاطمہ کی وجہ سے اُن کے شوہر علیؑ اور ان کے بچوں حسنؑ و حسینؑ سے کدورت تھی۔

ایک اور سبب علیؑ سے کینہ وعناد رکھنے کا واقعہ افک بھی ہے جس میں علیؑ نے پیغمبرؐ کو مشورہ دیا تھا کہ یا رسول اللہ خدا نے آپ پر تنگی نہیں کی ہے عائشہ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں آپ کو مل جائیں گی۔ (اس بے سروپا واقعہ افک اور اس کے متعلق حضرت امیر المومنینؑ کا جو طرز عمل رہا ہم اس کو حضرت امیر المومنین حصّہ اولیٰ اور حضرت امیر المومنینؑ حصّہ ثالثہ صفحہ ۱۲۱ تا ۱۴۵ پر وضاحت سے لکھ چکے ہیں) پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ عائشہ کو پوری اُمید تھی کہ عثمان کے مارے جانے کے بعد خلافت پھر اُن کے خاندان بنی تیم میں پلٹ آئے گی اور طلحہ خلیفہ منتخب ہو جائیں گے۔ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان کی خبر ہلاکت سن کر اس اُمید میں کہ لوگوں نے طلحہ کو ضرور خلیفہ بنا لیا ہو گا کس کس طرح اُنہوں نے مسرت کا اظہار کیا اور کیسے کیسے خوشی سے بھرے ہوئے فقرے کہے

حضرت عائشہ نے مکہ پہنچتے ہی جمعیت فراہم کرنی شروع کی۔ حضرت علیؑ اور اُن کی خلافت کے خلاف عائشہ کے اس علانیہ دشمنی وعناد نے بنی اُمیہ، طلحہ و زبیر اور اُن کے ساتھیوں کے بازو اور مضبوط کر دئے۔ علیؑ کی مخالفت اور اُن سے جدال و قتال کرنے میں یہ سبھی متحد و متفق تھے۔ علیؑ کے خلیفہ ہو جانے پر بنی اُمیہ کے جن افراد نے حجاز وغیرہ میں روپوشی اختیار کر لی تھی اس موقع کو غنیمت جان کر سبھی نے سر اُٹھایا۔ انہوں نے نئے خلیفہ کے خلاف قریشیوں کے اس خروج و بغاوت سے جو تہری طاقت پر مشتمل تھی۔ پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بھی طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کے ہمنوا بن گئے اور جتنا زر و مال اُنہوں نے اپنی حکومت و عملداری کے زمانہ میں مختلف ممالک سے ذخیرہ کیا تھا وہ سب ان لوگوں کے حوالہ کر دیا تاکہ جنگی تیاریاں زور و شور سے ہو سکیں اور علیؑ کی حکومت شروع ہی میں شکست و ریخت ہو جائے۔ جن جن مقامات پر وہ چھپے ہوئے تھے نکل کر مدینہ پہنچ گئے اور عوام الناس کو علیؑ کے خلاف صف بستہ کرنے میں عائشہ کا ہاتھ بٹانے لگے بہانہ یہ تھا کہ عثمان مظلوم قتل ہوئے عائشہ طلحہ اور زبیر اُن کا قصاص لینے کے لئے اُٹھے ہیں لہٰذا اُن کا ساتھ دینا ضروری ہے۔ معاویہ بن ابی سفیان نے اس موقع کو خصوصیت کے ساتھ اپنے لئے فائدہ سمجھا۔ اگرچہ معاویہ کا مقصد اور تھا اور طلحہ و زبیر کے مقاصد اور معاویہ خود خلیفہ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے اور طلحہ و زبیر اپنی خلافت قائم کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ معاویہ کی دلی تمنا تھی کہ طلحہ و زبیر علیؑ سے ٹکرا جائیں۔ فریقین میں سے ایک

نہ ایک منزور ختم ہو جائے گا۔ اور جسے فتح ہو گی وہ کمزور پڑ جائے گا جس سے نپٹ لینا آسان اور جس کو ختم کر کے اپنی سلطنت قائم کر لینے میں کوئی دشواری نہ ہو گی۔

حضرت عائشہ نے اپنی شخصیت اور زوجۂ رسول ہونے کی وجہ سے ہزاروں ہزار کا لشکر مکہ میں تیار کر لیا۔ لشکر تیار ہونے کے بعد، داران لشکر طلحہ و زبیر وغیرہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ لشکر روانہ ہو تو کس طرف سب سے پہلے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

اس موقع پر جو حضرات اس جمعیت کے سرغنے بنے ہوئے تھے اور علیؑ کے خلاف جدال و قتال میں پیش پیش تھے۔ اگر اُن کے حالات و واقعات کی چھان بین کی جائے اور یہ پتہ چلانے کی کوشش کی جائے کہ اتنی بڑی جمعیت فراہم کرنے کے لئے ہر ایک کے مقاصد کیا تھے تو یہ حقیقت مخفی نہ رہے گی کہ یہ لوگ حضرت عثمان کے خون کا انتقام لینے کے لئے اکٹھا نہ ہوئے تھے جیسا کہ ان لوگوں کا دعویٰ تھا اور نہ حالات کی درستی و اصلاح کے لئے جو ان کے دعوے کے مطابق علی نہ کر سکے، اور نہ ایسی چیز کے لئے جمع ہوئے تھے جس کو زبان سے کہتے اور اپنی تقریروں میں ظاہر کر کے لوگوں کو علیؑ کے خلاف برانگیختہ کرتے بلکہ یہ لوگ مختلف اغراض و مقاصد کے تحت اکٹھا ہوئے تھے کوئی اس وجہ سے علیؑ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا تھا کہ اُسے خلافت نہ ملی علی کو مل گئی لہذا اپنی آرزوؤں کے خون ہو جانے کا بدلہ علیؑ سے لینا چاہتا تھا۔ کوئی اس وجہ سے آیا تھا کہ اس کے دل میں علی کی قدیمی عداوت و دشمنی تھی۔ کوئی اس فکر میں اس جمعیت میں داخل ہوا تھا کہ کھویا ہوا خاندانی وقار دوبارہ حاصل کرے، جس کا علیؑ کے خلیفہ رہنے کی صورت میں دوبارہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔

حضرت عائشہ کی خواہش تھی کہ یہ ساری جمعیت فوراً مدینہ کی طرف چل پڑے جو اسلامی دارالسلطنت تھا اور قبل اس کے کہ علیؑ ہمارے لشکر سے مقابلہ کرنے کے لئے لشکر فراہم کر سکیں ہم لوگ مدینہ پہنچ کر اُن کی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں بعض لوگوں نے کہا ہمیں شام چلنا چاہیئے کہ وہ بہت محفوظ جگہ ہے۔ بنی اُمیہ نے ایک زبان ہو کر اس رائے کو غلط قرار دیا۔ کیونکہ تمام بنی اُمیہ کا متفقہ نظریہ تھا کہ جن ممالک پر ہمارا اقتدار قائم ہے جہاں ہمارے قدم مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں ان ممالک کو کسی قسم کا خطرہ پیش نہ آنے دینا چاہیئے۔ بنی اُمیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ معاویہ شام پر حکمرانی کر رہے ہیں وہاں کے عوام اُن کے فرمانبردار بھی ہیں اور متحد بھی اسی لئے بنی اُمیہ کی پوری کوشش تھی کہ شام کا علاقہ میدان جنگ نہ بننے پائے۔ ایک وجہ شام جانے سے روکنے کی یہ بھی تھی کہ بنی اُمیہ شام کے علاقہ کو آخری پناہ گاہ سمجھتے تھے انہیں خیال تھا کہ اگر کہیں علیؑ کے مقابلہ میں ہم لوگوں کو ہزیمت نصیب ہوئی تو جان بچانے کی آخری جگہ شام ہی ہے، معاویہ مدتوں سے شام میں اپنی بادشاہت قائم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ لہذا بنی اُمیہ اُن کی راہ میں روڑے کیوں اٹکاتے۔ اور کیوں نہیں علیؑ اور ان کے مخالفین کی توجہ دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کرتے تاکہ شام جو اُن کے لئے جنت کی حیثیت رکھتا تھا میدان جنگ بن کر جہنم نہ بننے پائے

طلحہ و زبیر کی خواہش یہ تھی کہ نہ مدینہ کا رُخ کیا جائے نہ شام کا بلکہ ہم لوگوں کو بصرہ چلنا چاہیئے ان کا کہنا یہ تھا کہ بصرہ اور کوفہ میں ہمارے ہمدردوں کی تعداد زیادہ ہے یہ دونوں شہر بہ نسبت دیگر شہروں کے زیادہ مناسب تھے، طلحہ و زبیر بصرہ چلنے

والوں کی رائے دے کر بہت دُور کی سوچ رہے تھے وہ جانتے تھے کہ اگر باشندگان بصرہ یا باشندگان کوفہ کی مدد سے یہ جنگ ہم جیت لیتے ہیں تو خلافت ہم ہی دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ لگے گی یعنی علیؑ کو ہزیمت دے کر فتح حاصل کرنے میں جس کے اعوان و انصار زیادہ حصّہ لیں گے سو وہی خلیفہ بنایا جائے گا۔

اس رائے کی بنی اُمیّہ نے بھی سرگرمی سے موافقت کی۔ سب نے حضرت عائشہ کی خدمت میں آکر عرض کیا۔

"اُمّ المومنین مدینہ کا خیال چھوڑ دیجئے۔ ہمارے ساتھ جتنے لوگ ہیں وہ وہاں کے بلوائیوں کا مقابلہ نہ کرسکیں گے آپ ہمارے ساتھ بصرہ تشریف لے چلیں۔ ممکن ہے وہاں کے لوگ ہم سے احتجاج کریں اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کی بیعت ہو جانے کا عذر پیش کریں آپ اُنہیں بھی انتقام خون عثمان لینے پر اُسی طرح آمادہ کریں جس طرح آپ نے مکہ والوں کو آمادہ کرلیا۔"

بنی اُمیّہ نے جی کھول کر جنگ کے سازو سامان کی فراہمی میں روپیہ پیسہ خرچ کیا۔ ایک منادی نے مکّہ کی گلی کوچوں میں اعلان کیا کہ:۔

"حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر بصرہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں جس کو اسلام کی ہمدردی اور اعزاز دین منظور ہو ۔ اور مخالفین سے جنگ۔ اور عثمان کے خون کا بدلہ لینا ہو۔ ہمارے ساتھ چلے جس کے پاس سواری اور سامان سفر نہ ہو ہم سے لے۔"

جب حضرت عائشہ لشکر فراہم کر کے بصرہ کی طرف روانہ ہونے پر بالکل تیار ہو گئیں تو جناب اُمّ سلمہ زوجہ پیغمبرؐ نے آکر بہت سمجھانے کی کوشش کی کہا:۔

"کل تم ہی لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتیں اور بد سے بدتر باتیں اُن کے بارے میں کہا کرتیں۔ تم نے اُن کا نام ہی نعثل رکھ چھوڑا تھا اس نام کے علاوہ اور کسی نام سے تم انہیں یاد ہی نہیں کرتی تھیں۔"

پھر انہوں نے بہت زور دیا کہ گھر ہی بیٹھی رہو۔ علیؑ کے خلاف فوج کشی نہ کرو۔ جب دیکھا کہ عائشہ اپنے ارادہ سے باز آنے والی نہیں وہ ضرور ہی علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے نکلیں گی تو آپ نے اپنے فرزند عمر ابن ابی سلمہ کو امیر المومنینؑ کی خدمت میں بھیج دیا اور ساتھ ہی حضرت کو یہ خط بھی لکھا۔

"امیر المومنین اگر خدا کی نافرمانی نہ ہوتی اور اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ میرا ساتھ چلنا آپ کو گوارا نہ ہوگا تو میں بھی اس جنگ میں آپ کے ہمرکاب رہتی۔ میں اپنے لڑکے عمر کو روانہ کر رہی ہوں قسم بخدا یہ مجھے اپنی جان سے پیارا ہے۔ یہ آپ کے ساتھ ساتھ رہے گا اور ہر معرکہ میں شریک ہوگا۔"

حضرت عائشہ نے کوشش کی کہ دیگر ازواج پیغمبرؐ کو بھی اپنے ساتھ لے کر بصرہ جائیں مگر سب نے انکار کیا۔ صرف حفصہ

بنت عمر نے آمادگی ظاہر کی وہ علیؑ سے لڑنے کے لئے عائشہ کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئیں عبداللہ بن عمر ان کے بھائی نے یہ کہہ کر رد کا اور کہا کہ جس طرح دیگر ازواج پیغمبرؐ اپنے گھروں میں بیٹھی ہیں تم بھی بیٹھی رہو۔

حفصہ عبداللہ بن عمر کے کہنے سے مجبور ہوگئیں اور انہوں نے یہ معذرت کہلا بھیجی کہ آپ کے ساتھ چلنے میں عبداللہ روکاوٹ بن گئے ہیں۔

سارا لشکر حضرت عائشہ کے جھنڈے تلے بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں خیبر کے پاس اس لشکر سے اور سعید بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ سے مڈبھیڑ ہوئی اس موقع پر ان دونوں کی حضرت عائشہ طلحہ زبیر مروان وغیرہ سے جو گفتگوئیں ہوئیں۔ ان کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

پھر سعید بن عاص نے بنی امیہ کے عام منصوبے کے مطابق کوشش کی کہ ان لوگوں کو آپس میں ٹکرادے۔ تاکہ دونوں لڑکر اپنی طاقت گنوا بیٹھیں۔ اور حکومت اموی خاندان کی طرف پلٹ آئے۔ اور کسی طرف جانے نہ پائے چنانچہ جب سعید بن عاص طلحہ و زبیر سے تنہائی میں ملا تو پوچھا۔

اگر آپ لوگ کامیاب ہوگئے تو سچ بتائیے کسے خلیفہ بنائیے گا؟

طلحہ و زبیر۔ ہم دونوں میں سے جسے لوگ منتخب کرلیں۔

سعید بن عاص۔ نہیں آپ لوگوں کو چاہیے کہ عثمان کے کسی لڑکے کو خلیفہ بنائیں کیونکہ عثمان ہی کے خون کا انتقام لینے کے لئے آپ لوگ اٹھے ہیں۔

طلحہ و زبیر۔ عثمان کے لڑکے کو؟ ہم شیوخ مہاجرین کو چھوڑ کر ان کے چھوکروں کو خلیفہ بنائیں گے۔

سعید بن عاص۔ تب تو مجھے اسی کی کوشش کرنا چاہیے کہ خلافت عبد مناف کی اولاد سے نہ جانے پائے

جس طرح سعید بن عاص نے اس جمعیت میں تفرقہ اندازی کی کوشش کی اسی طرح مروان نے کئی مرتبہ پھوٹ ڈال کر ان لوگوں کو باہم ٹکرا دینا چاہا ایسی ترکیب سے جو مکر و فریب اور چالبازیوں کا بہترین نمونہ تھیں۔

امیرالمومنین کو اطلاع ملی کہ ایک بہت بڑا لشکر مکہ سے بصرہ روانہ ہوا ہے۔ قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے بہانے آپ کو مسلمانوں کے باہمی افتراق اور آپس کی پھوٹ سے بے حد اذیت ہوئی۔ آپ کو اس بات کا بھی صدمہ تھا کہ مسلمانوں کے اس افتراق و انتشار کی اصلاح و درستی کی وہ تحریک جو ہم نے شروع کی ہے نہ جاری رہ سکتی ہے نہ انجام کو پہنچ سکتی ہے کیوں کہ ان لوگوں کے خروج و بغاوت سے دوسروں کو بھی جرأت و جسارت ہوگی دیگر صوبہ جات کے عثمانی حکام (عمال) بھی معاویہ کی دیکھا دیکھی بغاوت کر بیٹھیں گے۔ آپ کو جیسے ہی یہ خبر ملی آپ نے مدینہ والوں کو جمع کرکے یہ تقریر فرمائی۔

خداوند عالم نے اس امت کے ظالم کے لئے معفو و درگذر اور اطاعت شعار اور استوار انسان کے لئے کامیابی اور نجات قرار دی ہے جو شخص حق کو سہار نہیں سکتا وہ باطل اختیار کرتا ہے۔ دیکھو طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ نے میری حکومت و

خلافت کو ناپسند کرنے پر ایکا کر لیا ہے اور لوگوں کو اصلاح کی طرف دعوت دی ہے۔ جب تک اُن کی طرف سے مجھے تمہارے متعلق خطرہ نہ محسوس ہوگا میں صبر سے کام لوں گا اور جب تک وہ ہاتھ روکے رہیں گے میں بھی ہاتھ روکے رہوں گا اور اب تک اُن کی طرف سے جو خبریں مجھے پہنچی ہیں انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

امیرالمومنینؑ نے چاہا کہ قبل اس کے کہ فتنہ اپنے شباب کو پہنچے شروع ہی میں اس کی روک تھام کر دی جائے آپ نے مناسب سمجھا کہ قبل اس کے کہ مکّہ والے مدینہ پہنچنے پائیں اُن کو راستہ ہی میں روک دیا جائے کہ فتنہ و فساد اور کشت و خون سے بچنے کی یہی بہترین صورت ہے آپ نے مدینہ میں سہل بن حنیف کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور شام پر چڑھائی کرنے کے لئے جو لشکر فراہم کیا تھا۔ اس لشکر کو لے کر مکّہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ کوفہ و بصرہ کے بھی بہت سے لوگ راستہ میں آکر آپ سے مل گئے۔ جب آپ اپنے لشکر کو لئے ہوئے ربذہ پہنچے تو پتہ چلا کہ طلحہ و زبیر مکّہ سے روانہ ہو کر ربذہ سے بھی آگے جا چکے ہیں اُن کی منزل مقصود بصرہ ہے آپ نے ربذہ میں کچھ دن قیام کر کے تیاریاں مکمّل کیں اور اس عرصہ میں امکانی کوشش کی کہ طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ نے حالات جتنے درہم و برہم اور خراب و فاسد کر دیئے ہیں وہ اب بھی سنبھل جائیں، آپ نے حضرت عائشہ کو یہ خط لکھ کر روانہ کیا۔

اما بعد۔ تم نے گھر سے باہر قدم نکال کر خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی ہے۔ تم ایسی چیز کی طالب ہو جس سے تمہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کے ساتھ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا چاہتی ہو۔ مجھے یہ تو بتاؤ کہ عورتوں کو لشکر کی قیادت سے کیا مطلب؟ تم یہ بھی دعویٰ کرتی ہو کہ میں خون عثمان کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔ عثمان بنی امیہ سے تھے اور تم قبیلہ تیم بنی مُرّہ کی ایک عورت ہو۔ خدا کی قسم جن لوگوں نے تمہیں آزمائش میں ڈالا ہے اور خدا و رسول کی نافرمانی کرنے پر تمہیں آمادہ کیا ہے ان کا گناہ قاتلین عثمان کے گناہ سے کہیں زیادہ عظیم و ہولناک ہے۔ تم خود غضبناک نہیں ہوئیں تمہیں غضبناک بنایا گیا ہے اور خود سے ہیجان میں نہیں آئیں دوسرے لوگ تمہارے ہیجان میں آنے کے باعث ہوئے ہیں۔ عائشہ خدا سے ڈرو اور اپنے گھر میں واپس جاؤ اور خانہ نشین رہو۔ والسّلام۔

حضرتؑ کا منشا یہ تھا کہ عائشہ کو ان کے خروج اور لشکر کی کمانداری میں معذور قرار دیں چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم خود غضبناک نہیں ہوئیں لوگوں نے تمہیں غضبناک بنایا ہے اور خود سے ہیجان میں نہیں آئیں۔ دوسرے لوگ تمہارے ہیجان میں آنے کا باعث ہوئے۔ حضرتؑ کے اس فقرے میں خواتین کے شعور و احساسات کا جو لحاظ اور عائشہ کی عزت و توقیر کا جو پہلو ہے وہ ظاہر ہے آپ نے یہ کہہ کر کہ دوسروں نے تمہیں نافرمانی پر آمادہ کیا ہے اُن کے لئے اس فتنہ و فساد سے بچ نکلنے کی راہ بھی پیدا کر دی تھی آپ نے خطاوار ان لوگوں کو قرار دیا جنہوں نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں کی اس حرکت کو آپ نے قاتلین عثمان کے گناہ سے زیادہ عظیم و ہولناک قرار دیا۔ پھر آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم خدا سے ڈرو اور اپنے گھر واپس جاؤ کہ اسی صورت میں ملک میں امن و امان قائم رہ سکتا ہے اور لوگ بھی اسی صورت کو پسند کریں گے مگر عائشہ نے اس نصیحت کی طرف ذرّہ برابر توجہ نہ کی وہ جو ارادہ پہلے سے کر چکی تھیں۔ اسی پر مضبوطی سے جمی رہیں انہوں

نے امیر المومنین کے اس ہمدردانہ پیام کے جواب میں یہ فقرہ کہلا بھیجا جو مختصر ہونے کے باوجود اُن کی ذاتی عداوت جنگ وجدال کے قطعی تہیہ اور علی کے متعلق اُن کے نظریات، خیالات کا پورا پورا ترجمان تھا۔

"ابو طالب کے بیٹے اب صلح ومصالحت کی کوئی گنجائش نہیں ہم تمہارے حلقۂ اطاعت میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے تمہیں جو کرنا ہو کر لو۔ والسلام"

جب حضرت عائشہ کا لشکر بصرہ کے قریب پہنچا تو سرداران لشکر نے آپس میں مشورہ کیا کہ بصرہ میں داخل ہوا جائے یا نہیں۔ ان لوگوں کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ بصرہ میں علی کے اعوان وانصار کی تعداد کچھ کم نہیں، لہذا دور اندیشی یہی تھی کہ وہ پہلے رائے مشورہ کرلیں اور بصرہ والوں سے خط وکتابت کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ کس حد تک علی کے وفادار ہیں طے یہ ہوا کہ بصرہ میں داخل ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ بصرہ کے معززین واکابر کو علی کے خلاف اُبھارا جائے اور انہیں اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ طلحہ وزبیر نے کعب بن سور قاضی کو یہ خط لکھ کر روانہ کیا۔

اما بعد۔ تم حضرت عمر کے مقررہ کردہ قاضی۔ اہل بصرہ کے بزرگ اور یمن والوں کے سردار ہو۔ عثمان نے تمہیں جو اذیتیں پہنچائی تھیں اس پر تم غضبناک ہوئے اب تمہیں چاہیئے کہ جن لوگوں نے عثمان کو قتل کیا ہے اُن پر غضبناک ہو۔"

کعب بن سور نے جواب میں لکھ بھیجا۔

اگر عثمان ظالم ہونے کی وجہ سے قتل ہوئے تو تمہیں اُن کا قصاص لینے کی کیا پڑی اور وہ کب قصاص لئے جانے کے لائق ہیں اور اگر وہ بحالت مظلومی قتل ہوئے تو دوسرے لوگ تم سے زیادہ ان کا قصاص لینے کے سزاوار ہیں اور اگر عثمان کا معاملہ ان لوگوں کے لئے جو اُن کے قتل کے موقع پر موجود تھے مشکل تھا تو اُن لوگوں کے لئے جو اس موقع پر موجود نہ تھے مشکل تر ہے۔

ان دونوں نے منذر بن جارود کو بھی ایک خط لکھا۔

اما بعد۔ تمہارے باپ زمانۂ جاہلیت کے رئیس اور اسلام میں سردار تھے تم کو اپنے باپ سے وہی منزلت حاصل ہے جو گھوڑ دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والے گھوڑے کو اول نمبر آنے والے گھوڑے سے ہوتی ہے۔ عثمان کو ایسے لوگوں نے قتل کیا جن سے تم بہتر ہو اور عثمان کے لئے وہ لوگ غضبناک ہوئے جو تم سے بہتر ہیں۔ والسلام

منذر بن جارود نے جواب میں لکھا۔

اما بعد۔ میں نیکوکار لوگوں سے اسی صورت میں ملحق ہوں گا کہ میں اہل شر سے بہتر رہوں۔ عثمان کا حق جس طرح آج عائد ہوا ہے اسی طرح کل بھی واجب ولازم تھا وہ تمہارے ہی درمیان اور تم ہی لوگوں کے اندر تھے۔ مگر تم لوگوں نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اُن کی کوئی مدد نہ کی۔ اب یہ نیا انکشاف تم پر کب ہوا ہے اور یہ جدید رائے

تمہیں کب سمجھائی دی ہے۔"

حضرت عائشہ نے زید بن صوحان کو لکھا:۔

عائشہ بنت ابی بکر ام المومنین حبیبۂ رسولؐ کی طرف سے اُن کے خالص بیٹے زید بن صوحان کے نام۔

اما بعد۔ میرا یہ خط پہنچتے ہی میری مدد کو روانہ ہو جاؤ اور اگر مدد کو نہ آؤ تو لوگوں کو علیؑ کی نصرت سے باز رکھنا۔

زید بن صوحان نے جواب میں لکھا۔

زید بن صوحان کی طرف سے عائشہ بنت ابی بکر حبیبۂ رسول خدا کے نام۔

اما بعد میں آپ کا خالص بیٹا ہوں بشرطیکہ آپ اس امر سے کنارہ کشی کر کے اپنے گھر واپس چلی جائیں ورنہ سب سے پہلا مخالف آپ کا میں ہی ہوں۔"

عقد فرید، جمہرہ رسائل العرب اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں زید بن صوحان کا جواب ان لفظوں میں مذکور ہے۔

آپ پر سلام ہو۔ اما بعد خداوند عالم نے ہمیں اور آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ گھر سے نہ نکلیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جدال وقتال کریں تاکہ فتنہ برپا نہ ہو جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اُس کو آپ نے ترک کر دیا اور جس بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اس سے آپ ہمیں روک رہی ہیں۔ آپ کی بات مانی نہ جائے گی اور نہ آپ کے خط کا جواب دیا جائے گا۔ والسلام۔

بنی اُمیہ نے طلحہ و زبیر اور عائشہ کی طرح اپنے اعوان و انصار کو علانیہ خطوط نہیں لکھے بلکہ انہیں جس کے متعلق بھی یہ اُمید ہوئی کہ وہ علیؑ کے خلاف ہماری مدد کرنے پر اور اُن کی خلافت کی بنیادوں کو منہدم کرنے پر تیار ہو گا خفیہ خط وکتابت کی۔ اس خفیہ خط وکتابت سے ان کی نفسیاتی کیفیت پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اگر وہ لوگ علیؑ سے عثمان کے خون کا قصاص لینے کے لئے نکلے ہوتے تو انہیں انفرادی طور پر اپنے انصار سے خط وکتابت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور اگر انہوں نے طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کی مدد میں علیؑ کے خلاف خروج کیا تھا تو انہیں عام لوگوں سے الگ رہ کر اپنے معاملات پر غور و فکر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کی ساری کوششیں یہ تھیں کہ معاملات کا رُخ ہماری طرف پھر جائے۔ وہ انہیں لوگوں سے رابطہ پیدا کرتے تھے جن کے متعلق انہیں اُمید ہوتی تھی کہ یہ صرف ہمارے مددگار ہیں۔ اسی لئے ان کی خط وکتابت عام طور پر خفیہ طور پر ہوا کی۔

تو جب کہ سرداران لشکر حضرت عائشہ اہلِ بصرہ سے خط وکتابت کر رہے تھے۔ فرزند ابوسفیان دمشق میں بیٹھے بیٹھے علیؑ کے تمام باغیوں کے حالات کا بھی جائزہ لے رہے تھے۔ اور ان تمام لوگوں کے حالات کا بھی جو علیؑ سے جنگ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے دونوں ہی جماعتوں کے متعلق اُن کے علیحدہ علیحدہ اندازے تھے اور سمجھتے تھے کہ دونوں کا انجام کیا ہو گا۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ طلحہ و زبیر وغیرہ علیؑ سے جنگ کر کے اُن کی حکومت کو کمزور کر دیں پھر تو ہمارے لئے پورا موقع ہے کہ اسلامی سلطنت کو

اموی حکومت کے قالب میں ڈھال لیں کیونکہ بنی اُمیّہ میں اس وقت ہم سے بڑھ کر سطوت واقتدار کا کوئی مالک نہیں۔

معاویہ مخفی طور پر ہر اُس شخص کو علی کے خلاف برانگیختہ کرنے لگے جو علیؑ کی مخالفت پر آمادہ نہ تھا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ عائشہ وطلحہ وزبیر اور اُن کے لشکر کے دُوسرے سرغنہ افراد جیسے ہی علیؑ کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ آپس میں بھڑ جائیں گے اُن کے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی۔ یہ ساری ہنگامہ آرائی اور علیؑ کے خلاف صف بندی محض خلافت کے لئے تھی۔ علیؑ کے مغلوب ہونے کے بعد طلحہ وزبیر کا اسی خلافت کے لئے آپس میں ٹکرا جانا لازمی تھا ایسی صورت میں میدان بنی اُمیّہ کے لئے خالی ہو جاتا طلحہ وزبیر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوتے اور بنی اُمیّہ جن کے راس ورئیس معاویہ تھے جن کی طاقت شروع ہی سے محفوظ تھی۔ بیچ میں کود پڑتے اور خلافت پر قابض ہو جاتے۔ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص کو ایک خط میں لکھا تھا۔

عثمان کی مدد سب سے زیادہ ممبران شوریٰ پر فرض تھی کیونکہ انہیں نے عثمان کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ طلحہ وزبیر نے عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرکے، اُن کی مدد کی یہ دونوں شوریٰ کے ممبر تھے۔ جس طرح آپ تھے اور اسلام میں جو اہمیت آپ کو حاصل ہے وہی ان کو بھی حاصل ہے۔ اُمّ المومنین عائشہ بھی عثمان کی مدد پر کمربستہ ہوئیں لہٰذا آپ اس چیز کو ناپسند نہ کیجئے جسے ان لوگوں نے پسند کیا ہے اور اُس چیز کو نہ ٹھکرائیے جس چیز کو ان لوگوں نے قبول کر لیا ہے۔

ذرا غور فرمائیے اس مکروفریب پر۔ سعد جو ممبران شوریٰ میں سے ایک ممبر تھے اور حضرت عمر نے جنہیں من جملہ دیگر اُمیدواران خلافت کے خلافت کا ایک اُمیدوار قرار دیا تھا ان کے جذبات میں ہیجان پیدا کرکے کس طرح انہیں بہکانے کی کوشش کی گئی ہے پھر یہ بھی دیکھئے کہ کتنی خوبصورتی سے اپنے دلی مدعا کو مخفی رکھ کر انہیں علی کے مقابل کھڑا کرنے پر آمادہ کیا گیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ سعد بن وقاص سے یہ چال بازی یہ مکروفریب مخفی نہ رہ سکا۔ وہ ان کے بچھائے ہوئے دام میں گرفتار نہ ہوئے اور معاویہ نے جس مقصد سے یہ خط بھیجا تھا وہ فوراً ہی تاڑ گئے۔

سعد ابن ابی وقاص بھی آخر قریشی ہی تھے۔ جاہلیت واسلام میں بنی اُمیّہ کی کیا حالت رہی ان کے ظاہری مقاصد کیا تھے اور باطنی مقاصد کیا۔ اپنا کام نکالنے کے لئے سختی درشتی اور چاپلوسی کے مختلف ہتھکنڈوں سے کس کس طرح کام لیتے رہے۔ وہ ان سب سے بخوبی واقف تھے۔ اسی لئے وہ الیا منہ توڑ جواب دینے سے بھی باز نہ رہے جس کا معاویہ کو وہم وگمان بھی نہ رہا ہوگا انہوں نے کھلے لفظوں میں علیؑ کی علوئے منزلت تسلیم کی اُن کے مخالفین پر انہیں ترجیح دی اور تصریح کردی کہ علیؑ کو وہ فضائل و کمالات حاصل ہیں جو کسی کو بھی حاصل نہیں۔ انہوں نے ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ معاویہ جس نیت سے لوگوں کو علیؑ کے خلاف صف بستہ رہے وہ نیت بھی ہمیں معلوم ہے اور وہ نیت یہی ہے کہ یہ خلافت وحکومت ہمارے ہاتھ لگ جائے لیکن اُن کی یہ ساری کوششیں بیکار ہیں کیونکہ خلافت معاویہ جیسے انسان کے لئے جائز نہیں۔ حضرت عمر پہلے ہی اس چیز کو سمجھ چکے تھے اسی لئے اُنہوں نے ممبران شوریٰ میں معاویہ کو نہیں رکھا۔

سعد نے معاویہ کو جواب میں لکھا:۔

أما بعد، حضرت عمر نے ممبران شوریٰ میں انہیں لوگوں کو رکھا جن کے لئے خلافت جائز تھی ہم ممبران شوریٰ میں کوئی بھی دوسرے سے زیادہ حقدار نہ تھا سوا اس صورت کے کہ ہم کسی کی خلافت پر اتفاق کر لیتے۔ البتہ علی کو وہ تمام خصوصیات و کمالات حاصل تھے جو ہم میں موجود تھے، لیکن علیؑ کے جو خصوصی اوصاف تھے اُن سے ہم خالی تھے۔ رہ گئے طلحہ و زبیر تو اگر یہ دونوں گھر میں بیٹھے رہتے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر تھا اور خدا ام المؤمنین کو معاف فرمائے۔

اس جواب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ علی کے خلاف فتنہ کھڑا کرنے والوں کے متعلق سعد کا نظریہ کیا تھا۔

وہ خطوط و مراسلات جو اصحاب جمل اور بصرہ کے درمیان آئے گئے نیز وہ خط و کتابت جو دیگر شہروں کے طرفداران اصحاب جمل اور غیر طرفداروں میں ہوئی۔ ان کے مطالعہ کے بعد ایک طرف تو یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ کے لوگ اس فتنہ و ہنگامہ کے حقیقی اسباب سے بخوبی واقف تھے۔ دوسری علی کی شخصیت بھی واضح ہو جاتی ہے

یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کی نیتیں سالم تھیں وہ علیؑ سے کتنی والہانہ محبت رکھتے تھے اور اُن کے کردار و گفتار کو کتنا حق سمجھتے تھے اسی کے ساتھ ایک اور اہم بات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ علیؑ کے اعوان و انصار نے اصحاب جمل کو فتنہ و فساد سے باز رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے انہیں سمجھایا اور امن و چین سے رہنے کی اور عقل و تدبر سے کام لینے کی دعوت دی۔ گویا وہ سب علیؑ کے قلب و زبان کے ترجمان تھے۔

علیؑ نے اپنے کردار و گفتار سے اُن کے ذہن نشین یہ بات کر دی تھی کہ فتنہ شیطانی عمل ہے، صلح و سلامتی بہترین شے ہے۔ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے اور متمکن ہونے کے بعد علیؑ کا جو طرزِ عمل اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے رہا گویا علیؑ کے سبھی انصار آپ کے طرزِ عمل کو بالکل حق سمجھتے تھے۔

آخر یہ اصحاب جمل علیؑ سے چاہتے کیا تھے جب کہ ابھی اُن کے قدم مضبوطی سے جمنے بھی نہ پائے تھے؟ آخر کس بات پر علیؑ کے انہیں اعتراض تھا جب کہ ان لوگوں نے علیؑ کی خلافت کی خبر سنتے ہی سخت ترین عداوت کا مظاہرہ کرنا اور لوگوں کو اُن کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کر دیا تھا وہ کس بات پر علیؑ سے برہم تھے جب کہ علیؑ کے دلائل و براہین کے مقابلہ میں اُن کا ٹکنا ناممکن تھا۔ بشرطیکہ وہ دلیل و منطق سے کام لیتے۔ ہٹ دھرمی پر اڑے نہ رہتے اور قتل عثمان کی ذمہ داری کیونکر علی پر ڈالتے تھے۔ جب کہ وہ لوگ خود عثمان کے قاتل تھے؟

یہ سوالات برابر ان خطوط میں دُہرائے جاتے جو علیؑ کے انصار اصحاب جمل کے نام لکھتے۔ نیز بصرہ والوں کے وفود جن لوگوں کے پاس آتے اُن کی زبانوں پر بھی یہی سوالات برابر آتے رہتے۔ چنانچہ عائشہ کا لشکر ابھی بصرہ کے جوار میں پہنچا بھی نہ تھا اور اُن کے اور طلحہ و زبیر کے خطوط بصرہ والوں کے نام ابھی راستہ ہی میں تھے کہ عثمان بن حنیف عامل بصرہ نے ابی الاسود دؤلی اور عمران بن حصین کو عائشہ کے پاس روانہ کیا کہ جا کر معلوم کریں کہ انہوں نے علی کے خلاف کیوں خروج کیا ہے اور انہیں رائے دیں کہ آپ جس مقصد سے گھر سے نکلی ہیں اس سے باز آ جائیے۔

پھر انہوں نے طلحہ و زبیر کے پاس بھی دوسرے وفود بھیجے مگر ان حضرات نے وہی جواب دیا جو پہلے کہتے آئے تھے اور بصرہ میں زبردستی داخل ہونے پر تل گئے۔

عثمان بن حنیف کو یہ بات کسی طرح منظور نہیں ہو سکتی تھی انہوں نے لوگوں کو اکٹھا کر کے ہتھیاروں سے لیس کیا اور انہیں لے کر محلہ مربد کی طرف چل کھڑے ہوئے جہاں عائشہ کا لشکر پڑاؤ ڈالے تھا۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو طلحہ آگے بڑھے اور دونوں فوجوں کے درمیان کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد حضرت عثمان کا ذکر کیا۔ اُن کے فضائل بیان کئے۔ اُن کی مظلومیت کے واقعات دُہرائے اس کے بعد لوگوں کو اُن کے خون کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ طلحہ کے بعد زبیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی قسم کی تقریر کی۔ جب یہ دونوں تقریر کر چکے تو دائیں طرف سے اُن کے ساتھیوں نے پکار کر کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا بالکل درست اور سچ کہا لیکن بائیں طرف سے عثمان ابن حنیف کے ساتھیوں نے آواز دی کہ جو کچھ کہا بالکل غلط کہا۔ آپ لوگوں نے پہلے علیؑ کی بیعت کی پھر اُس کو توڑ کر اُن کے خلاف محاذ قائم کر لیا اسی طرح ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے شور و غل مچنے لگا آخر حضرت عائشہ کھڑی ہوئیں آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"لوگ عثمان پر اعتراض اور اُن کے عہدے داروں کی بماشیاں کرتے تھے۔ وہ مدینہ میں آکر ہم سے صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ عثمان کی نسبت جب ہم ان لوگوں کی شکایتوں پر غور کرتے تو انہیں بے گناہ پرہیزگار راست گفتار اور ان ہنگامہ برپا کرنے والوں کو گنہ گار غدار اور دروغ گو پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ اور۔ جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو بے قصور اور بلا سبب عثمان کے گھر میں گھس گئے۔ اور جس خون کا بہانا ناجائز تھا اس کو بہایا۔ جس مال کا لینا درست نہ تھا اُس کو لوٹا۔ جس سرزمین کا احترام ان پر فرض تھا۔ اس کی بے حرمتی کی۔

بصرہ والوں نے ناگواری ظاہر کر کے اور چیخ پکار مچا کر حضرت عائشہ کی بات کاٹ دی۔ اس پر حضرت عائشہ چیخ کر بولیں:۔

لوگو! خاموش رہو۔ مجمع خاموش ہو گیا۔ انہوں نے پھر تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"بتحقیق امیر المومنین عثمان نے تغیر و تبدل کیا۔ پھر وہ برابر اپنی خطاؤں کو، توبہ سے دھوتے رہے یہاں تک کہ وہ بحالت توبہ مظلوم قتل ہوئے۔ اس طرح ذبح کئے گئے جس طرح اُونٹ ذبح کیا جاتا ہے۔ دیکھو قریش نے اپنے تیر نشانوں پر چلائے اور اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے منہ زخمی کر لئے۔ عثمان کو قتل کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور نہ عثمان کے قتل کرنے میں وہ جادہ اعتدال پر گامزن ہوئے خدا کی قسم اُنہیں سخت و ہولناک بلاؤں کا سامنا کرنا ہو گا۔ ایسی بلائیں جو سوتوں کو بیدار کر دیں اور بیٹھے ہوؤں

کو کھڑا کر دیں اور اُن پر ایسی قوم مُسلّط ہو جائے گی جو اُن پر رحم نہ کھائے گی۔ اور اُنہیں سخت ترین عذاب میں مُبتلا کرے گی۔

دیکھو عثمان مظلوم قتل ہوئے ان کے قاتلوں کو ڈھونڈھو اور جب ان پر قابو پالو تو انہیں قتل کر ڈالو پھر خلافت کے معاملہ کو شوریٰ پر رکھو۔ شوریٰ کے ممبران وہ ہیں جنہیں امیر المومنین عمر ابن خطاب مقرر کر گئے تھے۔ اور ان میں وہ شخص داخل نہ ہو جو قتل عثمان میں شریک رہا ہو۔

اسی تقریر میں اُنہوں نے یہ بھی کہا تھا۔

تم لوگوں نے علی ابن ابی طالب کی بیعت کرلی۔ جماعت سے مشورہ کئے بغیر زور و زبردستی سے اور غصبی طور پر۔

اس طرح حضرت عائشہ عوام الناس کو علیؑ کے قتل پر اُبھارنے لگیں ان کا کہنا تھا کہ لوگوں نے علیؑ کی جو بیعت جماعت کے مشورہ کے بغیر کی وہ زور و زبردستی اور غصبی بیعت تھی۔ علیؑ قتل عثمان میں شریک تھے۔ لہٰذا اُن کو قتل کرنا ضروری ہے اور چونکہ وہ قتل عثمان میں شریک تھے لہٰذا خلافت کے مسئلہ کو از سر نو طے کرنے کے لئے حضرت عمر کے منتخب کردہ ممبران شوریٰ کی جو کمیٹی بیٹھے گی اس میں علیؑ شریک نہ کئے جائیں گے۔

حضرت عائشہ کی اس تقریر نے بہت سے سامعین کو وحشت میں ڈال دیا۔ بہت سے لوگوں نے چبھتے ہوئے سوالات اُن سے کئے انہیں سوالات کرنے والوں میں احنف بن قیس تھے، جاریہ بن قدامہ سعدی تھے۔ جاریہ نے حضرت عائشہ کی تقریر ختم ہونے پر ان سے خطاب کر کے کہا:

"اُمّ المومنین خدا کی قسم عثمان کا قتل کیا جانا اتنا اہمیت نہیں رکھتا۔ جتنا یہ امر ہولناک ہے کہ آپ جیسی شخصیت مسلمانوں سے لڑنے کے لئے گھر سے نکلے آپ نے اس پردہ کو جو خدائے تعالےٰ نے آپ کے لئے بنایا تھا چاک کر دیا اور اس حرمت کو جو خدا نے آپ کے لئے مقرر کی تھی توڑ دیا۔ آپ یہ سوچئے کہ جو شخص آپ سے لڑنے کا ارادہ کرے گا۔ وہ ضرور آپ کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کرے گا۔ آپ ان باتوں پر غور کیجئے اگر آپ اپنی مرضی سے اس لشکر کے ساتھ آئی ہیں تو آپ کے لئے بہتر ہے کہ واپس مدینہ تشریف لے جائیں اور اگر ان لوگوں نے جبر کر کے آپ کو اپنے ساتھ ملایا ہے تو اس کے خلاف آپ لوگوں سے مدد طلب کیجئے میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔

اسی طرح اور بہت سے لوگوں نے طلحہ و زبیر پر سوالات کی بھرمار کی ان لوگوں کو جواب دیتے نہ بن پڑا۔ بڑی دیر تک بحث بحثی ہوتی رہی۔ جس کا اور تو کوئی نتیجہ نہیں نکلا سوا اس کے کہ طلحہ و زبیر اور عائشہ غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو کر جنگ و جدال پر پہلے سے زیادہ اڑ گئے۔

اس لشکر کی قائد اعظم خود حضرت عائشہ تھیں چونکہ وہ اونٹ پر بیٹھی فوج کی کمان کر رہی تھیں۔ اس لئے اس جنگ کا نام جنگ جمل پڑ گیا۔ حضرت عائشہ ہی کی طرف سے فرامین جاری ہوتے اور وہی دوسرے درجے کے سپہ سالاروں کا تقرر

کرتی تھیں اور خطوط لکھ لکھ کر اپنے نام سے ان کے اُن کے پاس روانہ کرتیں جن کے متعلق انہیں اُمید ہوتی کہ وہ علیؑ کے مقابلہ میں ہمارا ساتھ دیں گے جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں۔

جناب عائشہ کے خطوط اس مضمون کے ہوا کرتے۔

عائشہ دختر ابی بکر اُمّ المومنین حبیبۂ رسولؐ اللہ کی طرف ان کے فلاں خالص بیٹے کے نام۔

اما بعد۔

جب تم کو میرا یہ خط ملے میری مدد کو چل کھڑے ہو اور آکر میری مدد کرو۔ اور اگر تم میری مدد کو نہ آسکو تو تم کم سے کم اتنا کرو کہ لوگوں کو علیؑ کا ساتھ دینے سے روکو۔

بہت سے لوگوں نے اُن کی دعوت پر لبیک کہی اور بہت سے لوگوں نے لبیک کہنے اور اُن کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

خداوندا گواہ رہنا

اسے (یعنی عثمان بن حنیف کو) مار ڈالو۔

(عائشہ)

ایک ہزار سوار ہوتے تو میں انہیں لے کر علیؑ کی طرف چل کھڑا ہوتا۔ قوی اُمید تھی کہ میں انہیں یہاں پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں قتل کر ڈالتا۔

(زبیر)

میں نے تم لوگوں کو اس لئے بلایا ہے کہ تم ہمارے ان بھائیوں کے حرکات اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اگر یہ لوگ واپس چلے گئے تو یہی ہم چاہتے ہیں اور اگر اپنی ضد پر جمے رہے تو ہم ان کا علاج نرمی و ملائمت سے کریں گے۔

(علیؑ)

کیا تم اے ابوالیقظان (عمارؓ) مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟

(زبیر)

نہیں اے ابو عبداللہ (عمار)

علیؑ نے باغی جماعت پر حملہ کیا معلوم ہوتا تھا کہ آگ کا ایک کوندا ہے۔

حضرت عائشہ کا لشکر انتہائی سرد اور برفیلی رات میں بصرہ کے اندر گھس آیا۔ ان دونوں نے بصرہ کے بہت سے باشندوں کو مسجد کے اندر قتل کر ڈالا۔ پھر عثمان بن حنیف عامل بصرہ کے گھر میں گھسے۔ ان کے ساتھ انتہائی بدسلوکی اور ذلت و تحقیر کی، مارا پیٹا اور جی کھول کر اُن کی درگت بنائی۔

طلحہ وزبیر کو عثمان بن حنیف کے ساتھ لشکر والوں کی یہ بدسلوکی بہت ناگوار گذری کیونکہ یہ بھی پیغمبر کے کبار صحابہ میں سے تھے وہم حضرت امیر المومنین حصۂ ثالثہ میں بہت تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ بصرہ میں عثمان بن حنیف کے ساتھ جتنی بدسلوکیاں ہوئیں وہ سب طلحہ وزبیر کے حکم پر) ان لوگوں نے حضرت عائشہ سے جاکر اپنے رنج کا اظہار کیا۔ حضرت عائشہ نے اس کے جواب میں فرمان صادر کیا کہ ابن حنیف کو قتل کر ڈالو۔ حکم کی تعمیل ہونے ہی والی تھی کہ ایک عورت نے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

امّ المومنین میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں ابن حنیف پر رحم کھایئے ان کے صحابی ہونے کا خیال کیجئے۔

حضرت عائشہ نے کچھ دیر تامل کر کے فرمایا۔ اچھا انہیں قتل نہ کرو قیدی بنالو (تاریخ طبری وغیرہ)

حضرت عائشہ کے لشکر کے کسی افسر نے حکم دیا۔

انہیں خوب مارو اور ان کی ڈاڑھی کے بال نوچ ڈالو۔

لشکر والوں نے خوب جی کھول کر زدوکوب کیا اور سر ڈاڑھی بھنوؤں کے بال اور پلکیں اکھاڑ ڈالیں پھر قید کر دیا۔

طلحہ وزبیر نے دونوں لشکروں کے درمیان گھوم کر پھر سے تقریریں کرنا شروع کیں جن میں لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ علیؑ سے عثمان کے خون کا بدلہ لیں۔ زبیر تقریر کر رہے تھے کہ بنی عبد القیس کا ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے زبیر کو مخاطب کر کے کہا۔ آپ ذرا چپ رہیں میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پھر اُس نے اصحاب جمل میں جو مہاجرین تھے اُن کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے حضرات مہاجرین آپ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دعوت اسلام قبول کی۔ اس فضیلت میں آپ اوروں سے زیادہ ہیں۔ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد آپ نے ایک شخص کو منتخب کر کے خلیفہ بنالیا ہم لوگوں میں سے کسی سے مشورہ نہیں لیا اُن کی وفات کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ بغیر ہم لوگوں کے مشورہ کے کر لیا ہم سب اس امر پر راضی ہو گئے۔ دوسرے خلیفہ کے بعد چھ آدمیوں کے مشورہ پر امر خلافت رہا۔ آپ لوگوں نے پھر بغیر ہمارے مشورہ کے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر آپ ہی لوگ اُن سے بددل ہوئے اور بغیر ہماری صلاح کے ان کو قتل کر ڈالا۔ اب جناب امیرؑ سے بیعت کی اس بارے میں بھی ہم سے کچھ نہ پوچھا۔ ہم لوگوں نے ان دونوں کی امارت سے انکار نہ کیا اور آپ کی تجویزوں کو ہر طرح سے جائز رکھا اب کیا بات ہوئی کہ علیؑ سے آپ لڑائی پر آمادہ ہو گئے ہو؟ کیا انہوں نے مال غنیمت خود لے لیا اور آپ کو اس میں سے کچھ نہ دیا؟ یا کوئی ناحق کارروائی ان سے ظاہر ہوئی؟ یا کوئی ایسا گناہ سرزد ہوا یا وہ کسی فعل ناجائز کے مرتکب ہوئے جس سے استحقاق خلافت باطل ہو گیا۔ اس کے علاوہ سوال یہ بھی ہے کہ آپ ہم کو اپنے ساتھ کیوں لینا چاہتے ہو؟

اس شخص نے اپنی تقریر اس جملہ پر ختم کی۔

جب ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو پھر آخر آپ لوگوں نے یہ کیا ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے۔

اس تقریر کا کوئی جواب بن نہ پڑا سب کے لبوں پر مہریں لگ گئیں مگر زور و زبردستی کی زبان منطقی استدلال کے علاوہ

ہوتی ہے طلحہ و زبیر کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے اور چاہا کہ اُس کا کام تمام کر ڈالیں مگر اُس کے قبیلہ والے اس کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ خوں ریز جنگ ہوئی اور اصحاب جمل نے اس شخص کو اُس کے قبیلہ کے ستر آدمیوں کے ساتھ مار ڈالا۔

اصحاب جمل نے اہم مقامات اپنے ہاتھ میں لے لئے بصرہ کی آمدنی خراج اور بیت المال پر قبضہ کر لیا۔ زبیر اور اُن کے بیٹے عبداللہ بن زبیر نے بیت المال کی ساری دولت کو اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر ڈالا۔

ان حرکتوں پر سب سے زیادہ پریشانی حکیم بن جبلہ کو تھی جو علیؑ کے اطاعت گذار اور محبت کا دم بھرنے والے تھے اُنہوں نے اپنے بہت سے اعوان و انصار کو اکٹھا کیا اور اُنہیں ساتھ لے کر اصحاب جمل سے بھڑ گئے۔ طلحہ و زبیر کے متعلق اُن کہنا تھا۔

"ان دونوں نے خوشی خاطر علیؑ کی بیعت کی اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا۔ اب یہ اُن کے مخالف بن کر جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں اور انتقام خون عثمان کے طالب ہیں ان دونوں نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈال دی حالانکہ ہم ایک ہی شہر کے باشندے اور ایک دوسرے کے پڑوسی تھے۔ خدا ان دونوں کی نیت عثمان کا قصاص لینے کی نہیں۔

حکیم بھی قتل ہوئے اُن کے فرزند اور اُن کے بھائی بھی مارے گئے۔ اُن کے مارے جانے کے بعد طلحہ و زبیر نے بصرہ کے بے شمار باشندوں کو ہولناک طریقہ سے تہ تیغ کیا۔

اصحاب جمل کا اب بصرہ پر مکمل قبضہ تھا یہ لوگ مطلق العنان فرمانروا بنے ہوئے تھے اہل بصرہ نے خوشی خاطر یا بادل ناخواستہ طلحہ و زبیر کی بیعت کر لی۔ بصرہ پر قابض ہو جانے کے بعد جمل والوں پر ایک نشہ کی سی کیفیت طاری تھی۔ طلحہ و زبیر کی بیعت ہو جانے کے بعد زبیر نے کہا۔

"ہزار سوار ہوتے تو میں اُنہیں لے کر علیؑ کی طرف چل کھڑا ہوتا۔ قوی اُمید تھی کہ میں اُنہیں یہاں پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں قتل کر ڈالتا۔"

حضرت عائشہ نے حفصہ بنت عمر بن خطاب کو جو مدینہ میں تھیں اپنی کامیابی کی خوشخبری لکھ بھیجی۔

اما بعد! میں تمہیں مطلع کرتی ہوں کہ علیؑ مقام ذی قار پر آ کر ٹھہر گئے ہیں۔ بہت خائف اور مرعوبیت کے عالم میں مقیم ہیں کیوں کہ انہیں ہمارے ساز و سامان اور بے پناہ جمعیت کی خبر مل چکی ہے اور اس وقت بمنزلہ اشقر کے ہیں اگر آگے بڑھے تو اس کے پیر کٹ جائیں اور اگر پیچھے ہٹے تو نحر ہو جائے۔

طلحہ و زبیر علیؑ کی مخالفت میں انتہائی رکاکت پر اُتر آئے اور اُن کے متعلق نت نئے پروپاگنڈے شروع کئے۔ پروپاگنڈہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق باتیں مشہور کی جائیں۔ باطل کو حق کر کے دکھایا جائے۔ شر کو خیر ظاہر کیا جائے اور رائی کو پہاڑ کر کے دکھایا جائے۔ پروپاگنڈے بازی کی احتیاج اُنہیں لوگوں کو ہوتی ہے جو باطل پرست ہوتے ہیں اور اپنی باطل پرستی

سے فائدہ اٹھانے کے متمنی ہوتے ہیں جن کی کارگذاریوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور جنہیں پروپاگنڈے کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد عوام الناس ہمیشہ کے لئے اپنے ذہن سے نکال باہر کرتے ہیں اس لئے کہ انسانی طبیعت دھوکہ فریب کو قبول نہیں کرتی۔ زندگی مکر و فریب سے استوار نہیں ہو سکتی اور زمانہ حق بات ہی کو قبول کرتا ہے اور حق ہر خیر سے بزرگ و برتر ہے۔

وہ پروپاگنڈہ جس کے ذریعہ طلحہ و زبیر نے بصرہ والوں کو علیؑ کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے مدائنی سے اور واقدی وغیرہ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ طلحہ و زبیر نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا۔

"بصرہ والو! اگر علیؑ کامیاب ہو گئے تو تمہیں وہ چن چن کر قتل کرڈالیں گے تم اپنی عزت و حمیت کی حفاظت کرو۔ علیؑ ہر حرمت کو برباد کر دیں گے اور عزت کو خاک میں ملائیں گے اور ہر ذریت کو قتل کرڈالیں گے۔ عورتوں کو قیدی بنالیں گے ان سے اس طرح لڑو جس طرح انسان اپنی عزت بچانے کے لئے لڑتا ہے اور اپنے اہل و عیال کی رسوائی کے مقابلہ میں جان دے دینے کو ترجیح دیتا ہے۔"

اس کھلی ہوئی عداوت اور اس منظم حملہ کے باوجود امیر المومنینؑ نے فوری کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ منتظر رہے کہ دیکھیں عائشہ و طلحہ و زبیر اور ان کے لشکر والے اس کے بعد کون سا قدم اٹھاتے ہیں شاید اب بھی یہ بغاوت کرنے والے کشت و خون سے پرہیز کریں کیونکہ جس بہانے سے یہ کشت و خون پر کمر بستہ ہوئے ہیں وہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ شاید ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہو جائے اس جنگ و جدال میں جس کی طرف وہ پیش قدمی کر رہے ہیں خلافت کی مٹی پلید ہو جائے گی عوام الناس جنہوں نے علیؑ کی عدالت ان کے زہد ان کی پرہیزگاری اور ثابت قدمی سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔

آپ نے ربذہ سے خطوط اور قاصد کوفہ والوں کی طرف روانہ کئے اور انہیں اصحاب جمل کے مقابلہ پر آنے کی دعوت دی۔ کوفہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری نے آپ کی مدد سے گریز کیا بلکہ دوسروں کو بھی آپ کی مدد کے لئے جانے سے روکا امیر المومنینؑ نے اسی وقت انہیں برطرف کر دیا۔

اصحاب جمل کے بصرہ پر قابض ہو جانے کے بعد بنی عبد القیس بصرہ سے نکل کر ذی قار اور بصرہ کے درمیان ایک مقام پر آ کر مقیم ہو گئے انہیں انتظار تھا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ آجائیں تو ہم ان کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ کوفہ سے ۹ ہزار جنگ آزما سپاہی امیر المومنینؑ کے علم کے سایہ میں آپ کی مدد کے لئے چل کھڑے ہوئے اور مقام ذیقار میں آ کر آپ سے مل گئے امیر المومنینؑ نے ان کے سامنے ایک طولانی تقریر کی جس میں فرمایا۔

"میں نے تمہیں اس لئے بلایا کہ تم اہل بصرہ کے مقابلہ پر میرا ساتھ دو۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں اصلاح کی کوشش کروں اگر اہل بصرہ باز آگئے تو میرا مقصد پورا ہو گیا۔ لیکن اگر انہوں نے کج اختیار کی اور اپنی ضد پر قائم رہے تو

بھی ہم اُن کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں گے اور لڑائی سے اس وقت تک گریز کریں گے جب تک وہ ظلم اور لڑائی کی ابتداء نہ کریں ہم اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور ہر حال میں فساد کے مقابلہ میں اصلاح کو ترجیح دیں گے۔"

اس موقع پر ہر شخص یہ جائزہ لینے پر مجبور ہے کہ دونوں فریق میں کتنا عظیم فرق تھا ایک طرف اصحاب جمل تھے جنہوں نے علیؑ پر ایسا الزام لگایا تھا جو اُنہیں خود اپنے اُوپر لگانا چاہئے تھا علیؑ اس الزام سے قطعاً پاک وصاف تھے ان لوگوں نے ناحق کا اتہام والزام لگا کر علیؑ کی بیعت توڑ دی اور اُن کے حلقۂ اطاعت سے خارج ہو گئے خود بھی ان سے جنگ کرنے پر کمربستہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی اُن کے خلاف صف بستہ کیا حالانکہ وہ تمام لوگ علیؑ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو چکے تھے۔

ان لوگوں نے علیؑ کے ایک شہر پر چڑھائی کر دی وہاں کے عامل کی انتہائی اہانت وتحقیر کی ان کے داڑھی کے بال اکھاڑ ڈالے انہیں مارا پیٹا قید میں ڈال دیا پھر بصرہ سے نکال باہر کیا ان کے اعوان وانصار اور دوست داروں پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے اور بُری طرح اُنہیں تہ تیغ کیا بصرہ کے بیت المال کو آپس میں بانٹ لیا۔ حالانکہ وہ تمام مسلمانوں کا بلافرق وامتیاز مال تھا پھر اور جو کچھ کیا سو کیا ہی یہ بھی چاہا کہ ہزار سوار لے کر علیؑ پر چڑھ دوڑیں اور اُنہیں ناگہانی طور پر قتل کر ڈالیں۔

دوسری طرف امیر المؤمنین تھے امام برحق جن کی تمام لوگوں نے بیعت کر لی تھی حالانکہ علیؑ نے بیعت قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا تھا مگر لوگوں ہی نے اُن پر ہجوم کر کے اُنہیں بیعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہم آپ کے سوا کسی اور کو نہیں پاتے۔ آپ ہماری بیعت قبول کر لیجئے پھر نہ ہم میں افتراق ہو گا نہ اختلاف چنانچہ علیؑ نے مجبور ہو کر لوگوں کی بیعت قبول کی اُنہیں مجبور کرنے والوں نے دوسروں کو علیؑ کی بیعت کرنے کی دعوت دی جس نے خوشی خاطر علیؑ کی بیعت کر لی۔ علیؑ نے قبول کر لیا جس نے انکار کیا علیؑ نے اسے چھوڑ دیا۔ بیعت کرنے پر کوئی زبردستی نہیں کی۔ یہ سب کچھ ہوئے زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ اب علیؑ نے دیکھا کہ کچھ افراد لوگوں کو علیؑ کے خلاف بھڑکا رہے ہیں آپ کے اعوان وانصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور از راہِ ظلم آپ کی جماعت میں فتنہ وفساد برپا کر رہے ہیں۔ آپ کے عاملوں اور خزانچیوں سے متصادم اور آپ کے پیروں پر حملہ آور ہو رہے ہیں کچھ لوگوں کو دھوکہ فریب سے قتل کر ڈالتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو قید کر کے مار ڈالتے ہیں پھر آپ کی گھات میں رہتے ہیں تاکہ آپ کو خلافت سے الگ کر دیں اور از راہِ ظلم وجور آپ کو قتل کر ڈالیں۔ آپ کو یہ سب خبریں ملتی ہیں مگر آپ اپنے ظالموں کے خلاف دل میں انتقام کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے نہ کسی سے کینہ وعداوت رکھتے ہیں اور نہ سختی وبے رحمی سے کام لیتے ہیں بلکہ آپ اپنے اعوان وانصار کو اکٹھا کر کے ایسی تقریر فرماتے ہیں جس کے ایک ایک لفظ سے ایسی انسانیت پھوٹی پڑتی ہے جس سے انبیاء کی انسانیت بھی فوقیت نہیں لے جا سکتی۔ آپ فرماتے ہیں:

اے کوفہ والو! ہم نے تمہیں اس لئے دعوت دی ہے کہ تم بصرہ کے ہمارے بھائیوں کے مقابلہ میں ہمارا ساتھ دو۔ الخ۔

علیؑ نے اتنے ہی رحم وکرم اور محیّر العقول فراخدلی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ایک انسان کا جس قدر عفو ودرگذر سے کام لینا ممکن

ہے اصحاب جمل کے ساتھ آپ نے انتہائی عفو و درگذر سے کام لیا۔ آپ نے طلحہ و زبیر کے پاس بصرہ میں سفیر بھیجے اور انہیں سرکشی و زیادتی سے باز رہنے اور نیکی و بہتری میں تعاون اور ہاتھ بٹانے کی دعوت دی پھر آپ نے دوسرے بہت سے سفیر طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کے پاس روانہ کئے اور محبت و الفت، اتحاد و اتفاق کی دعوت دی۔

ہم ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ علیؑ اپنے مخالفین کے متعلق کیا نظریہ رکھتے تھے اور منصب خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے رعایا اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کے لحاظ سے خود اپنی ذمہ داریاں کیا سمجھتے تھے اور لوگ کیوں آپ کی طرف مائل تھے۔

جب امیر المومنین بصرہ کے قریب پہنچے تو بصرہ کے کچھ لوگوں نے ایک شخص کلیب جرمی کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ آپ کے اور اصحاب جمل کے معاملات کی تحقیق کرے اور یہ اشتباہی کیفیت دور ہو جو ان لوگوں کو تذبذب میں ڈالے ہوئے تھی۔

امیر المومنینؑ نے تمام حالات بے کم و کاست بیان کئے کہ کس طرح ان لوگوں نے خوشی خاطر بیعت کی اور پھر بیعت کر کے امارت و حکومت کے لالچ میں شکست بیعت کر کے اب لڑنے پر آمادہ ہیں کلیب کو یقین ہو گیا کہ علی ابن ابی طالب حق پر ہیں اور اس نے امیر المومنینؑ سے اس کا اقرار بھی کر لیا۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا تو پھر تم بھی میری بیعت کر لو۔ کلیب نے کہا میں کچھ لوگوں کا پیامبر بن کر آیا ہوں۔ جب تک ان کے پاس واپس نہ جاؤں کوئی کام کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ اگر یہی لوگ تم کو سبزہ اور پانی کی تلاش میں روانہ کرتے اور تم واپس جا کر بتاتے کہ فلاں سمت اور فلاں جگہ سبزہ اور گھاس موجود ہے مگر وہ لوگ تمہارے بتائے ہوئے نشان و پتہ پر نہ جائیں بلکہ مخالف راستہ اختیار کریں جہاں نہ سبزہ ہو نہ چشمۂ آب تو اس موقع پر تم کیا کرو گے ان لوگوں کی پیروی میں تم بھی راستہ اختیار کرو گے یا تم ادھر کا رخ کرو گے جدھر تم سبزہ و چشمہ دیکھ آئے تھے اس نے کہا میں تو اسی طرف جاؤں گا جدھر چشمہ و سبزہ ہوگا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تو پھر ہاتھ بڑھاؤ اور میری بیعت کرو۔ اس شخص نے کہا خدا کی قسم آپ کے حجت تمام کر دینے اور قائل کر دینے کے بعد آپ کی مخالفت کرنے کی کوئی گنجائش میرے لئے باقی نہیں رہتی۔ آپ ہاتھ بڑھائیے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

جب اصحاب جمل آپ کے مقابل صف بستہ ہوئے تو آپ نے اپنے لشکر والوں کو خطاب کر کے فرمایا:-

"لوگو! اپنے آپ کو قابو میں رکھو ان لوگوں پر نہ ہاتھ اٹھاؤ نہ زبان سے کچھ کہو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں تم پر جو زیادتی ہو اس پر صبر کرنا اور خبردار اپنی طرف سے پہل نہ کرنا کیونکہ کل بروز قیامت جھگڑا اسی سے ہوگا جس نے آج جھگڑا کیا"

اسی اسلوب سے علیؑ صلح و مصالحت کے ملئے کوششیں کرتے رہے اور یہی خواہش لے کر آپ ۲۰ ہزار سپاہیوں کی جمعیت لے کر بصرہ روانہ ہوئے تاکہ وہاں اصحاب جمل کے آمنے سامنے ہو کر انہیں ظلم و سرکشی سے باز رکھنے اور محبت و یک جہتی پر

آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔

آپ کی نرم مزاجی عافیت پسندی اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ اس وقت بھی جب کہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو چکے تھے اور جھڑپ ہونے والی ہی تھی اور صلح و مصالحت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی آپ نے انتہائی کوشش کی کہ جدال و قتال سے الگ ہی رہیں چنانچہ آپ طلحہ و زبیر کو دیکھ کر آگے بڑھے نہ ہاتھ میں تلوار تھی نہ جسم پہ زرہ، یہ واضح کرنے کے لئے کہ ہم جنگ کے خواہاں نہیں صلح و سلامتی کے خواہاں ہیں ہمارے دل میں نیکی ہی نیکی ہے بدی کا شائبہ تک نہیں آپ نے پکار کر فرمایا۔

"اے زبیر! ذرا ہمارے پاس آنا زبیر ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے امیر المومنین کی طرف بڑھے۔ حضرت عائشہ نے جو زبیر کو علیؑ کی طرف جاتے دیکھا تو چیخ کر بولیں ارے ہائے لڑائی ؟

اُنہیں پورا یقین تھا کہ زبیر علیؑ کے مقابل جاتے ہی یقیناً مارے جائیں گے۔ علیؑ کا دشمن ان سے مقابلہ کر کے موت ہی سے ہمکنار ہو گا چاہے وہ کتنی ہی زبردست شجاعت و بہادری کا حامل کیوں نہ ہو حضرت عائشہ اور اُن کے ارد گرد کے لوگوں نے جب دیکھا کہ بجائے لڑنے بھڑنے کے علی و زبیر ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے ہیں تو اُن کی بدحواسی کا ٹھکانا نہیں رہا۔

علیؑ دیر تک اُنہیں لپٹائے رہے اس لئے کہ بڑے دل میں محبّت کی جڑیں کبھی کٹتی نہیں۔

علیؑ نے بہت ہی محبّت اور برادرانہ لب و لہجہ میں زبیر سے باتیں شروع کیں اور پوچھا۔

وائے ہو تم پر کس سبب سے تم نے ہمارے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا ہے۔

زبیر نے کہا عثمان کے خون نے، ہم انہیں کا انتقام لینے کے لئے آئے ہیں۔

علیؑ نے کہا ہم دونوں میں سے جس کے ہاتھ عثمان کے خون سے رنگین ہوئے ہوں خدا اُسے قتل کرے۔

طلحہ و زبیر نے عثمان کی ہلاکت میں جو کردار ادا کیا تھا۔ اُسے خود جتنا طلحہ و زبیر جانتے تھے۔ اتنا ہی علی جانتے تھے۔ اور دوسرے لوگ بھی اور عبداللہ بن عباس بھی جنہوں نے حضرت علیؑ کو اُن کے خلیفہ ہونے پر رائے دی تھی کہ آپ طلحہ کے فرزند کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیجئے اور زبیر کے فرزند کو کوفہ کا اور معاویہ کو شام کی حکومت پر اس وقت تک باقی رکھئیے جب تک یہ ہیجانی کیفیت فرو نہ ہو جائے اور لوگوں کے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب نہ ہولے اور قاتلین عثمان اور اُن کے طالبان انتقام کا غیظ و غضب برطرف نہ ہو جائے۔

یہ سب باتیں علیؑ کے پیش نظر تھیں، علیؑ کے کانوں میں ابھی تک طلحہ و زبیر کا یہ فقرہ گونج رہا تھا کہ ہم اس شرط پر آپ کی بیعت کر رہے ہیں کہ ہم آپ کے کارِ خلافت میں برابر کے شریک رہیں گے"

تو یہ ساری کارروائیاں حصولِ خلافت کے لئے حیلہ و وسیلہ تھیں، انتقام خون عثمان کسی کے پیش نظر نہ تھا۔

قبل اس کے دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے صف بستہ ہوں، امیر المومنینؑ نے اپنے اصحاب کو

حکم دیا کہ صفیں قائم کرلیں جب صفیں قائم ہوگئیں تو آپ نے تقریر فرماتے ہوئے کہا:۔

"دیکھو کوئی تیر نہ پھینکنا کوئی نیزہ نہ چلانا اور نہ تلوار کا وار کرنا تاکہ حجت تمہاری قائم رہے۔"

چند ہی لمحے گذرے ہوں گے کہ اصحاب جمل نے تیر باراتی کرکے امیر المومنین کے ایک ساتھی کو قتل کرڈالا۔ علیؑ نے باواز بلند کہا "خداوندا! تو گواہ رہنا" پھر دوسرا آدمی آپ کے لشکر کا مارا گیا۔ آپ نے فرمایا خداوندا! تو گواہ رہنا۔ پھر عبداللہ بن بدیل مارے گئے اور اُن کی میت اُن کے بھائی اُٹھائے ہوئے امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا خداوندا! تو گواہ رہنا اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو اذن جہاد دے دیا اور گھمسان کا رن پڑنے لگا۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ باغیوں پر تلوار لے کر ٹوٹ پڑے آپ کی تلوار معلوم ہوتی تھی جیسے آتشیں کوڑا ہو۔ آپ نے قریش کے لشکر کو اُن کی صفوں سے پیچھے دھکیل دیا نہ میمنہ باقی رہا نہ میسرہ نہ قلب لشکر صفیں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ پیادہ فوج جس کے سردار زبیر تھے شکست کھاکر بھاگ نکلی۔ زبیر اب علی کے سپاہیوں کے نرغہ میں تھے مگر کسی نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ نکل جانے کا راستہ دے دیا عمار بن یاسر نے بہت سخت حملہ کیا جب زبیر عمار کی تلوار کی بالکل زد میں آگئے تو بولے ابوالیقظان (عمار کی کنیت) کیا تم مجھے قتل کر ڈالوگے؟ عمار اُن کے پاس سے یہ کہتے ہوئے ہٹ گئے۔ نہیں اے ابوعبداللہ زبیر کی کنیت تمہیں قتل کرنا ہمیں مقصود نہیں۔

عمار کا یہ سلوک زبیر کے ساتھ بالکل اس سلوک جیسا تھا جو عمار کے استاد (علیؑ ابن ابی طالبؑ) نے جنگ صفین میں عمرو عاص کے ساتھ کیا تھا جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ اس لئے کہ وہ مثالی انسانیت کی درس گاہ جس کے علی ابن ابی طالبؑ اس درئیس تھے اس درس گاہ میں لوگوں کے نفوس اچھی طرح خمیر کئے جاتے اور اخلاق کو اُن کے پوری طرح پختہ کیا جاتا زندگی کی عزت و توقیر کی جاتی اور میدان جنگ تک میں اس کا احترام کیا جاتا جہاں قاتل اور مقتول دونوں کی زندگی ذلیل و حقیر ہوتی ہے۔ عمار کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ اپنے دشمن زبیر کی زندگی کی پکار نہ سنیں جب کہ زبیر اُن کی تلوار کی زد میں تھے۔

جیسا کہ خود علیؑ ابن ابی طالبؑ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی تھی کہ وہ عمرو عاص جیسے دشمن کی زندگی کی آواز پر کان نہ دیں۔ لوگوں نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ عمار نے دفعتًہ اپنی تلوار زبیر سے ہٹالی اور بڑی خندہ پیشانی سے کہا۔ نہیں اے ابوعبداللہ میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا۔

زبیر میدانِ جنگ سے ہٹ کر رخصت ہوگئے اور وادی السباع چلے گئے۔ ان کا پہلے ہی سے ارادہ تھا کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوں جیسا کہ بعض رواۃ کا بیان ہے۔ جنگ سے کنارہ کشی کا ارادہ اسی وقت اُن کے دل میں پیدا ہوگیا تھا جب علیؑ ان سے ملے تھے معانقہ کیا تھا اور پرانی محبتوں کی یاد دلائی تھی اور زبیر کے نفس میں انصاف کا احساس جاگ اُٹھا تھا لیکن حضرت عائشہ اور زبیر کے فرزند عبداللہ نے اُن کی اس کنارہ کشی کے ارادے پر خوب خوب طعن و تشنیع کی تھی۔ اسی وجہ سے وہ میدان جنگ میں موجود رہنے پر مجبور ہوگئے یہاں تک کہ عمار اور زبیر میں یہ واقعہ پیش آیا اور وہ اپنے لشکر کو خیرباد کہہ کر وادی السباع روانہ ہوگئے۔

حضرت عائشہ اپنی تقریروں سے فوجیوں کی شجاعت و غیرت کو اُبھارتیں ان کے سینوں میں آتش انتقام کو بھڑکا دیتیں۔ اس

وقت اُن کے لشکر کی تعداد ۳۰ ہزار تھی حضرت عائشہ نے اپنے ہوا خواہ و جاں نثار ایک ایک قبیلہ ایک ایک خاندان کا نام لے کر للکارنا شروع کیا ان کی شجاعت و بہادری کی تعریف کرتیں۔ اُن کے دلوں میں لڑائی کی رغبت پیدا کرتیں ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی کی آگ تیز سے اور تیز تر ہو گئی گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ ہتھیار پھینک پھینک کر جانباز ایک دوسرے سے گتھ گئے۔

حضرت عائشہ کا علم اُن کے اُونٹ پر استادہ تھا اور اس کی حفاظت میں جان دینے والے چاروں طرف سے اُسے اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ ایک جب قتل ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا لڑائی شدت اختیار کرتی گئی مگر فتحیابی کے آثار کسی فریق کو نظر نہیں آتے تھے۔ حضرت عائشہ کے سپاہی بھی اسی شجاعت و مردانگی سے لڑ رہے تھے جس شجاعت و مردانگی سے علیؑ کے سپاہی لڑ رہے تھے۔ ایسی شدید جنگ ہو رہی تھی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ہزاروں نیزے اس طرح ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے کہ ان نیزوں پر سے ہو کر بڑے سے بڑا لشکر گذر سکتا تھا۔ دونوں طرف کے جوانوں کی بہادری و شجاعت کو بڑھانے میں اشعار کا کافی دخل تھا شعر جوانوں کے لئے مہمیز کا کام کرتے تھے ان اشعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دونوں فریق اس جنگ کو کس نظر سے دیکھتے تھے بہت سی روایتیں اس کے متعلق مورخین نے نقل کی ہیں۔ من جملہ ان روایات کے یہ بھی ہے کہ جب حضرت عائشہ کا کوئی جوان یہ رجز پڑھتا:۔

"اے مادر گرامی۔ اے زوجہ پیغمبرؐ۔ اے ہدایت یافتہ رسولؐ کی بیوی ہم فرزندان ضبہ ہیں۔ ہم بھاگتے نہیں جب تک ہم کٹے ہوئے سروں کو زمین پر لڑھکتے نہیں دیکھ لیتے"

تو اس کے جواب میں علیؑ کے لشکر کا کوئی جوان یہ رجز پڑھتا۔

"اے مادر گرامی۔ اے بے رحم و نامہربان ماں جس سے بڑھ کر ہم نے کوئی بے رحم نہیں دیکھا۔ ماں تو اپنے فرزند کو غذا دیتی ہے اور اس پر انتہائی مہربان ہوتی ہے۔ آپ نہیں دیکھتیں کہ کیسے کیسے بہادر مرد زخموں سے سسک رہے ہیں اور ان کے ہاتھ پیر کٹ چکے ہیں"

حضرت عائشہ کے اونٹ کی مہار جو شخص ہاتھ میں لئے ہوئے تھا اُسے قتل ہوتے دیکھ کر قبیلہ ازد کا ایک جوان لپک کر آگے بڑھا تاکہ مرنے والے کی جگہ اُونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لے لے۔ راستہ میں علیؑ کا ایک سپاہی زخموں سے چور پڑا تھا ازدی نوجوان نے علیؑ کے سپاہی پر پیر رکھ کر اس کے جسم کو روندتے ہوئے کہا:۔

"تم نے علیؑ کی بات سنی ان کا حکم بجالائے قبل اس کے کہ تم تلوار کا مزہ چکھتے۔ تم نے ازواج پیغمبرؐ کی نصرت و یاری نہ کی"

پھر اس ازدی نوجوان نے حضرت عائشہ کو خطاب کر کے کہا:۔

"اے مادر گرامی۔ اے عائشہ آپ خوف نہ کریں۔ قبیلہ ازد والے شریف الطبع اور پاکیزہ خصلت ہیں"

اس ازدی کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے لشکر سے ایک نوجوان نکلا اور اس نے جواب میں یہ رجز پڑھا:۔

"ازد والوں کے لئے میں نے اپنی تلوار نیام سے باہر نکال لی ہے۔ اس تلوار سے میں اُن کے جوان و پیر کو ماروں گا۔ جن کے بھی ہاتھ بلند اور دراز ہوں"۔

من جملہ ان بہت سے اشعار کے جو اس موقع پر پڑھے گئے ذیل کے اشعار بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان اور اُن کے عہد کے متعلق لوگوں کے کیا نظریات تھے۔ حضرت علیؑ کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا جس میں عثمان کی حکومت پر طعن و تشنیع تھی۔

" اُن کی حکومت پہلے زمانہ کے طاغوتوں کی حکومت تھی۔ اُنہوں نے مال غنیمت ہتھیایا اور کار خلافت میں ظلم و تعدی سے کام لیا خداوند عالم نے اُن کے بدلے بہترین خلیفہ عنایت کیا۔

اس رجز سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ طلحہ و زبیر نے بصرہ والوں میں علیؑ کے خلاف جو زبردست پروپاگنڈہ کیا تھا کہ اگر علی بصرہ میں داخل ہو گئے تو سب کی عزت لوٹ لیں گے پھر ان دونوں نے بصرہ والوں سے خواہش کی تھی کہ اپنے اہل و عیال کی ذلت و رسوائی دیکھنے سے بہتر یہ ہے کہ مرجانا گوارا کر د۔ یہ پروپاگنڈہ اُن کا بصرہ والوں پر ذرا بھی اثرانداز نہ ہو سکا۔

اسی جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی طرف سے ایک نوجوان نے یہ رجز پڑھا:۔

" اگر آج ہم سے علی بچ نکلے یا اُن کے فرزند حسنؑ و حسینؑ بچ گئے تو زبردست گھاٹا ہے۔ اس صورت میں انتہائی طویل حزن و اندوہ کے ساتھ مروں گا۔

پھر اس نے تلوار سے حملہ کیا اور مارا گیا۔ ایک دوسرا بہادر یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا۔

"میں ان لوگوں کو مارتا ہوں مگر ابوالحسن کو نہیں دیکھتا۔

بے شک یہ بھی ایک رنج و اندوہ ہے منجملہ دیگر آلام کے۔

اس جنگ میں سب سے بہتر و خوبصورت رجز مالک اشتر کا تھا جو جنگ جمل میں حضرت علی کے ایک دستہ فوج کے افسر تھے اور جنہیں بعد میں آپ نے مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔

"جب لڑائی اپنے دانت پوری طرح کھول دیتی ہے اور گھمسان کے دن تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں اور لڑائی غم و غصہ میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتی ہے۔

ہم ایسی لڑائی میں ہمیشہ آگے آگے رہتے ہیں پیچھے نہیں رہتے۔ ہمارے دشمن ہمارے سامنے ہیچ ہیں اور لوگ اس لڑائی کے دن سے ڈرتے ہوں۔ میں تو ہرگز نہیں ڈرتا۔ نہ مجھے نیزے کا ڈر ہوتا ہے نہ تلوار کے واروں کا خوف

اتنے لوگ اس جنگ میں مقتول ہوئے کہ لاشوں سے بصرہ کی زمین پٹ گئی۔ حضرت علیؑ اس صورت حال سے بے حد متردد تھے، آپ نے ایک تجویز سوچی اور اُسی تجویز کے ذریعہ ممکن تھا کہ دونوں طرف کے بچے کھچے افراد زندہ رہ جائیں آپ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عائشہ کے اُونٹ کے پیر کاٹ ڈالو اس حکم کے صادر ہوتے ہی بہادروں نے بڑھ کر اونٹ کے پیر بر کر

تلوار ماری ۔اُونٹ بلبلا کر گرنے لگا جو لوگ اُونٹ کے گرد و پیش تھے ۔اُس کے گرتے ہی بھاگ گئے سارے لشکر نے راہِ فرار اختیار کی ۔طلحہ و زبیر بھی مارے گئے ۔زبیر کی ہلاکت کے متعلق مختلف روایات ہیں ۔ایک روایت یہ ہے کہ عمرو بن جرموز نامی ایک شخص نے وادی السباع تک اُن کا پیچھا کیا اور پیچھے سے اُن کو نیزہ مار کر ہلاک کر دیا ۔حضرت علیؑ کو جب ان کے قتل کئے جانے کی خبر معلوم ہُوئی تو آپ بے حد محزون ہوئے اور آپ نے زبیر کے قاتل پر لعنت فرمائی ۔رہ گئے طلحہ تو انہیں مروان بن حکم نے قتل کیا جو علیؑ سے جنگ کرنے میں طلحہ کے دوش بدوش رہا تھا ۔اُس نے تیر چلا کر انہیں قتل کیا اور کہا کہ آج کے بعد پھر مجھے عثمان کا بدلہ لینے کا موقع نہ ملے گا ۔"

مروان کے نفسیاتی کیفیات اور اُس کے حالات و واقعات سے واقف افراد آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ مروان نے کوئی نئی حرکت نہیں کی تھی بلکہ بنی اُمیّہ کا عام طریقہ اُس نے اختیار کی اور وہ یہ کہ خلافت کی تمنا جو بھی دل میں رکھتا ہو اس کو راستہ سے ہٹا دینا ضروری ہے تاکہ رُوئے زمین بنی اُمیّہ کے لئے خالی ہو جائے ۔رہ گیا خود یہ مروان تو یہ قید کر کے امیر المومنینؑ کے پاس لایا گیا اُسے اُمید تھی کہ علیؑ معاف کر دیں گے ۔چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت علیؑ نے اُسے معاف کر دیا ۔

جنگ کا نتیجہ بڑا ہولناک نکلا ۔سترہ ہزار آدمی حضرت عائشہ کے لشکر کے مارے گئے اور ایک ہزار ستّر آدمی حضرت علیؑ کی سپاہ کے قتل ہُوئے ۔ان غریبوں کا کوئی قصور نہ تھا ۔سوا اس کے کہ علیؑ کے دشمنوں کی حرص و طمع نے انہیں موت سے ہمکنار کیا ۔

حضرت علیؑ کے بعض اصحاب نے چاہا کہ حضرت عائشہ کو قتل کر ڈالیں (کہ وہی اس تمام ہنگامہ و فساد کی بنیاد تھیں) حضرت علیؑ فوراً اس کی روک تھام کی طرف متوجہ ہوئے ۔آپ نے اپنے لشکر والوں میں منادی کرادی ۔

"کسی زخمی کا کام تمام نہ کیا جائے ۔کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے ۔نہ کسی راہ فرار اختیار کرنے والے پر حملہ کیا جائے جو بھی ہتھیار ڈال دے ،اُسے امان ہے جو گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اُسے بھی امان ہے ۔"

دنیا میں آج تک جتنی لڑائیاں ہُوئیں خواہ کسی زمانہ میں یا کسی شہر میں اُن کی پُوری تاریخ دیکھی جائے آپ کو علیؑ جیسا نہ کوئی شریف النفس انسان ملے گا نہ دریا دل اور فیاض طبیعت نہ علیؑ کے طرزِ عمل سے بڑھ کر شریفانہ طرزِ عمل آپ کو نظر آئے گا ۔

جنگ ختم ہونے کے بعد آپ نے ان مقتولین کی لاشوں پر نظر کی ۔جن سے زمین پٹی ہوئی تھی ۔اس اندوہناک منظر کو دیکھ کر آپ کا دل تڑپ اٹھا ۔کتنی کتنی آپ نے کوششیں کیں کہ اس کشت و خون کی نوبت نہ آئے مگر آپ کی کوششیں کامیاب نہ ہُوئیں آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے چہرہ کا رنگ متغیّر ہو گیا ۔آپ نے بارگاہِ الٰہی میں مناجات کرتے ہوئے فرمایا :-

خداوندا ہمیں بھی بخش دے اور ان لوگوں کو بھی یہ ہمارے بھائی تھے مگر ان لوگوں نے ہم پر ظلم و زیادتی کی تھی۔

پھر آپ نے فریقین کے مقتولین کی نماز جنازہ پڑھی۔

عائشہ کو آپ نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ ان کے گھر مدینہ واپس بھیجدیا۔

معاویہ اور عمرو عاص

قریش کا ذکر رہنے دو۔ ان لوگوں نے مجھ سے لڑنے پر اسی طرح ایکا کر لیا ہے جس طرح مجھ سے پہلے رسول اللہ کی جنگ پر ایک ہو گئے تھے۔

(علیؑ ابن ابی طالبؑ)

تم کو میرے متعلق جو خبر ملی ہے اگر وہ سچ ہے تو تمہارے گھر کا اونٹ اور تمہاری جوتی کا تسمہ تم سے بہتر ہے۔

(علیؑ ابن ابی طالبؑ)

ہر شخص حق بات برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا نہ حق بولنے اور حق پر عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

امیر المومنینؑ کے خلاف جو منظم سازش چل رہی تھی وہ جنگ جمل کے خاتمہ اور اصحاب جمل کی ہزیمت ہی پر تمام نہیں ہوئی اس لئے کہ آپ کے خلاف لوگوں کی تمنائیں اور آرزوئیں اور آپ کی عداوت و دشمنی کے اسباب ابھی تک باقی تھے آپ کے خلاف سازشیوں کا ایک گروہ حجاز میں تھا تو ایک گروہ شام میں اور دونوں جگہوں کے سازشیوں کے بے شمار اعوان و انصار تھے حجاز میں عائشہ کے انصار طلحہ کے مددگار اور زبیر کی جماعت تھی۔ ان اعوان و انصار طلحہ و زبیر اور عائشہ کے سرغنہ وہ عمال و ولاۃ تھے جنہوں نے عہد عثمانی میں خوب فائدے اٹھائے عیش و مسرت کا وافر سامان ذخیرہ کیا تھا اور اب علیؑ کی خلافت میں انہیں نہ منفعت کی کوئی امید تھی اور نہ ذخیرہ اندوزی کا موقع تھا۔

علیؑ کے اعوان و انصار جو حجاز میں تھے وہ سب مفلس و نادار خستہ حال مومنین تھے یا صحابہ کرام اور متقی و پرہیزگار افراد علیؑ کی سیرت اہل حجاز والوں میں بعینہ وہی سیرت تھی جو آپ کے ابن عم حضرت محمد مصطفےٰ کی تھی دونوں کی سیرت میں کوئی فرق نہ تھا اگر تھا بھی تو زمانہ کے لحاظ سے تھا۔ اس مشابہت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ علیؑ کے دشمن زیادہ تر قریش کے لوگ تھے اور یہی قریش والے اس سے پہلے پیغمبرؐ کے دشمن رہ چکے تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔

"تم قریش کو گمراہی میں دوڑنے دو۔ افتراق انگیزی کی سرگرمیوں کا خیال نہ کرو نہ غرور میں ان کی منہ زوری کی پرواکرو انہوں نے جنگ پر اُسی طرح ایکا کر لیا ہے جس طرح رسولؐ اللہ کی جنگ پر ایک ہو گئے تھے۔"

شام میں معاویہ خلیفہ برحق علیؑ کے خلاف مکر و فریب میں مصروف اور لوگوں کو اُن کے خلاف بھڑکانے اور برانگیختہ کرنے میں سرگرم تھے اُنہوں نے شام کے خزانوں کے منہ کھول رکھے تھے دونوں ہاتھوں سے، اپنے اعوان وانصار کو دولت لٹا رہے تھے اور زمین کی انواع واقسام کی نعمتوں کے لوگوں سے وعدے کر رہے تھے ان کے پاس بہت بڑا لشکر موجود تھا جس کے قائد اور مطلق العنان فرمانروا وہ خود تھے وہ لشکر ایسا تھا جس کی مختصر تعریف یہ ہے کہ:-

"وہ احمق تنخواہ داروں کا لشکر تھا۔ معاویہ اُن کی تنخواہ کے مالک تھے اور وہی اس بات کے نگران کہ جہاں تک ہو سکے یہ سپاہی عقل سے کورے ہی رہیں۔

ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے معاویہ کے لشکر کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی اور یہ بھی کہ معاویہ کو پورا یقین تھا کہ ہمارے حریف علی ابن ابی طالب حق پر ہیں اور اُن پر میرا فتحیاب ہونا مشکل نہیں، اس لئے کہ میں اُن سے ایسے جاہل اور نادان لوگوں کو لے کر جنگ کروں گا جن میں صلاحیت ہی نہیں کہ وہ ظلم و انصاف یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ علیؑ و معاویہ کے درمیان فرق کر سکیں۔

"صفین سے حضرت علیؑ کا لشکر جب واپس ہو گیا تو ایک شخص کوفہ کا رہنے والا اُونٹ پر سوار دمشق میں آیا ایک شامی شخص اس کے پیچھے پڑ گیا اور کہا یہ اُونٹنی تو ہماری ہے جو جنگ صفین میں تم نے ہم سے چھین لی تھی۔ یہ مقدمہ معاویہ کے سامنے پیش ہوا۔ اس شامی نے دمشق کے پچاس گواہ پیش کر دئے۔ ہر ایک نے گواہی دی کہ ہاں یہ اونٹنی اسی شامی کی ہے۔ معاویہ نے کوفہ والے کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا اور حکم دیا کہ یہ اونٹنی اس شامی کے حوالے کر دی جائے مرد کوفی نے معاویہ سے کہا خدا آپ کا بھلا کرے۔ اونٹ ہے اونٹنی نہیں ہے۔ معاویہ نے کہا اب تو جو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا۔ جب مجمع پراگندہ اور اجلاس برخاست ہو گیا تو معاویہ نے خفیہ طریقہ پر اس مرد کوفی کو دوبارہ بلا بھیجا اور پوچھا کہ تمہارا اونٹ کس قیمت کا جتنی قیمت اُس نے بتائی اس کی دو گنی قیمت معاویہ نے ادا کر دی، اور بھی سلوک کیا پھر کہا کوفہ جب واپس پہنچنا تو علیؑ سے کہہ دینا میں آپ کے مقابلہ پر ایک لاکھ آدمی ایسے لے کر آؤں گا جو اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کرتے۔

شام والوں کے متعلق معاویہ کے اس فقرہ کی تائید جاحظ نے بھی کی ہے اور دکھایا ہے کہ آخر کیوں شام والے معاویہ کے اتنے مطیع و فرمانبردار تھے وہ لکھتے ہیں:-

شام والوں کی اطاعت کا سبب یہ تھا کہ وہ بڑے کودن اور خر دماغ تھے اُن میں تقلید اور ایک رائے پر جمے رہنے کا مادہ بہت تھا نہ تو وہ غور و فکر کرتے اور نہ چھپے ہوئے کی باتوں کے متعلق پوچھ گچھ کرتے۔"

ہم نے ابھی اُوپر کہا کہ علیؑ کے دشمنوں کی اُن کے خلاف سازشیں جنگ جمل ہی تک محدود نہ تھیں بلکہ جنگ جمل تو امیر المومنینؑ اور آپ کی حکومت کے خلاف عظیم ترین سازش کی ایک کڑی تھی۔ حضرت علیؑ نے عائشہ و طلحہ و زبیر کے لشکر کی سرکوبی کے بعد معاویہ کی تادیب کے لئے تیاریاں کرنا شروع کیں۔ علیؑ کا مقصد محض یہ تھا کہ مکارمِ اخلاق اور اعمالِ صالحہ کی طرف لوگوں کی رہبری کریں۔ اور ظالموں کو رعیت پر ظلم کرنے سے روکیں اور ایسی حکومت کی بنیاد رکھیں جو حقوقِ رعیت کے پاس و لحاظ کو اپنا اولین فریضہ سمجھتی ہو۔

علیؑ کا طریقہ اور روش ان لوگوں کی روش اور طریقہ کے بالکل برعکس تھی جو طاقتوروں کی چاپلوسی اور خوشامد کرتے۔ باغیوں کی خطائیں معاف کر کے اُن سے مدد حاصل کرنے اور صاحبانِ نفوذ و اقتدار سے حکومت و بادشاہت قائم کرنے میں اعانت کے خواہاں ہوتے۔

ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ علیؑ رعایا سے اپنی خدمتوں کا کوئی صلہ نہیں چاہتے تھے مگر صرف یہ کہ وہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔

آپ یہ فقرہ اکثر فرمایا کرتے "کیلا بغیر ثمن لو کان لہ وعا"[1] یعنی اگر علم و حکمت اور عدل و داد کسی پیمانہ میں آسکتے تو میں بغیر کسی اجر و صلہ کے تمہارے لئے ناپ دیتا۔ مگر ضرورت اس کی ہے کہ اس کے لئے باصلاحیت نفوس اور سمجھنے والی عقلیں مل جائیں۔

معاویہ ایسا پیمانہ نہ تھے جس میں اس علم و حکمت اور عدل و داد کی گنجائش ہوتی عدالت اور حقوقِ عامہ اُن کے ہاتھوں محفوظ نہ تھے۔ عدالت اور حقوقِ عامہ اگر معاویہ کے ہاتھوں میں چھوڑ دیئے جاتے تو اس کا قطعی اطمینان نہ تھا کہ وہ بے کم و کاست یہ دونوں چیزیں رعیت تک پہنچا دیں گے۔ اسی وجہ سے علیؑ نے انہیں شام کی حکومت پر برقرار نہیں رکھا۔ اگر علیؑ حق میں سستی اور عقل و وجدان کی پسند کے خلاف کام کرنے پر تیار رہتے تو یہ ہو سکتا تھا کہ وہ معاویہ کے ساتھ دنیا سازی اور ظاہرداری کا برتاؤ کرتے۔

معاویہ نے علیؑ کی بیعت نہ کی اور نہ اُن کے کسی حکم کو مانا۔ اُن کا یہ طرزِ عمل بیّن ثبوت ہے اس کا کہ وہ حکومت و بادشاہت پر خود قابض ہونے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کی مخالفت اور جنگ جمل سے انہیں اپنی طاقت بڑھانے کا اور موقع مل گیا۔ جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد امیر المومنینؑ نے معاویہ کے پاس خطوط روانہ کئے جن میں آپ نے اُنہیں سرکشی سے باز آنے کی تلقین کی تھی اور دعوت دی تھی کہ جس طرح سارے مسلمانوں نے میری بیعت کر لی ہے تم بھی میری بیعت قبول کرو من جملہ اور خطوط کے آپ کا یہ خط بھی تھا۔

اما بعد میری بیعت جو مدینہ میں منعقد ہوئی تھی تمہیں بھی شام میں لازم تھی کیونکہ جن لوگوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی اُنہوں نے میرے ہاتھ پر اسی اصول کے مطابق بیعت کی جس اصول پر وہ ان کی بیعت کر چکے تھے اور اسی کی بنا پر جو حاضر ہے اُسے پھر نظر ثانی کا حق نہیں اور جو بروقت موجود نہ ہو اُسے رد کرنے کا اختیار نہیں اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے۔ وہ اگر کسی پر ایکا کرلیں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا اور خوشنودی

[1] اس جملہ کی تشریح حضرت امیر المومنین حصہ ثالثہ صفحہ ۲۴۸ پر دیکھیں۔

مجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی طرف واپس لائینگے جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو اس سے لڑیں گے کیونکہ وہ مومنوں کے طریقہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہو لیا ہے اور جدھر سے وہ پھر گیا ہے اللہ بھی اُسے اُدھر سے پھیر دے گا اور اسے جہنم میں جلائے گا اور یہ کیا ہی بُرا انجام ہے۔

طلحہ و زبیر نے خوشی خاطر میری بیعت کی پھر ان دونوں نے اپنی بیعتیں توڑ ڈالیں ان کا بیعت توڑنا ویسا ہی تھا جیسے سرے سے انکار کرنا میں نے ان کے حیلے حوالے قبول نہیں کئے اُن پر حجت تمام کی جب وہ قائل نہ ہوئے تو مجبوراً ان سے جنگ کی یہاں تک کہ حق غالب ہوا اور خدا کا حکم ظاہر ہو کر رہا اگرچہ ان لوگوں پر انتہائی شاق گذرا۔ اور اے معاویہ جس چیز کو تمام مسلمانوں نے قبول کر لیا ہے۔ تم بھی قبول کر لو مجھے ہر چیز سے زیادہ یہ بات پسند ہے کہ تم سلامتی اور عافیت قبول کرو۔

اور تم نے عثمان کے قاتلوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے تو پہلے میری بیعت میں داخل ہو جاؤ جس میں سب داخل ہو چکے ہیں پھر میری عدالت میں ان لوگوں پر مقدمہ دائر کرنا۔ تو میں کتاب خدا کی رو سے تمہارا اور ان کا فیصلہ کر دوں گا لیکن یہ جو تم چاہ رہے ہو (یعنی خلافت) تو یہ وہ دھوکا ہے جو بچہ کو دودھ سے روکنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ میری جان کی قسم اگر تم اپنی نفسانی خواہشوں سے دور رہ کر عقل سے دیکھو تو سب لوگوں سے زیادہ مجھے خون عثمان سے بری پاؤ گے۔ مگر یہ کہ بہتان باندھ کر کھلی ہوئی چیزوں پر پردہ ڈالنے لگو اور یہ سمجھ لو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں بروز فتح مکہ رسول اللہ نے آزاد کیا تھا ان آزاد کردہ لوگوں کے لئے نہ خلیفہ ہی ہونا جائز ہے۔ نہ شوریٰ کے ممبران ہی سے وہ ہو سکتے ہیں۔ میں تمہارے پاس اور تمہارے علاقہ شام کے لوگوں کی طرف جریر بن عبداللہ کو بھیج رہا ہوں جو مہاجرین مومنین سے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں پر میری بیعت کرو۔ ولا قوۃ الا باللہ۔

معاویہ نے جواب میں لکھا۔

" اپنی جان کی قسم آپ کی بیعت جن لوگوں نے بھی کی ہر آپ عثمان کے خون سے پاک وصاف ہوتے تو آپ مثل ابوبکر و عمر و عثمان کے ہوتے مگر آپ نے تمام مہاجرین کو عثمان کے خلاف بھڑکایا اور انصار کو اُن کی مدد سے روکا جاہلوں نے آپ کی اطاعت کی اور ضعیف آپ کی وجہ سے قوی ہو گئے اہل شام آپ سے لڑے بغیر مانیں گے نہیں جب تک آپ قاتلین عثمان کو اُن کے حوالے نہ کر دیں گے پھر اس کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے شوریٰ سے طے کیا جائے گا حجاز والے اُسی وقت تک لوگوں کے حاکم تھے جب تک کہ وہ حق کے طرفدار تھے۔ لیکن جب وہ حق سے علیحدہ ہو گئے تو اب شام والے لوگوں پر حکومت کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔

طلحہ و زبیر پر آپ نے جو حجت قائم کی تھی وہ شام والوں پر قائم نہیں ہو سکتی ہے۔ طلحہ و زبیر نے آپ کی بیعت کر

لی تھی مگر ہم نے تو آپ کی بیعت نہیں کی۔ رہ گئی آپ کی فضیلت و بزرگی اسلام میں اور پیغمبرؐ سے آپ کی قرابت و رشتہ داری تو یہ ایسی چیز ہے جس کا میں انکار نہیں کر سکتا۔ فقط والسلام۔

معاویہ کے اس جواب سے ان کی اصل نیت ظاہر ہو جاتی ہے وہ ایک کے بعد دوسری رکاوٹ اور ایک گتھی کے بعد دوسری گتھی پیدا کرتے جا رہے تھے تاکہ علی کی بیعت نہ کرنے پر سجے رہیں۔ ایسی رکاوٹیں اور ایسی گتھیاں کہ اگر ایک دور ہو جائے اور معاویہ کے لئے بیعت سے فرار کی راہ مسدود ہو جائے تو وہ دوسری گتھی پیدا کرلیں اور بیعت نہ کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ لیں۔ معاویہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ علیؑ ان کی باتوں سے دھوکہ کھانے والے نہیں۔ علی اپنی جگہ پوری طرح مطمئن ہیں۔ قتل عثمان سے انہیں دُور کا بھی تعلق نہیں یہ حیلہ تو چل نہیں سکتا کہ آپ چونکہ قتل عثمان میں شریک رہے ہیں اس لئے ہم آپ کی بیعت نہ کریں گے۔ اس لئے انہوں نے دوسرا بہانہ تراشا کہ ہم مان بھی لیں کہ آپ قتل عثمان میں شریک نہیں رہے اور جن لوگوں نے ابوبکر و عمر کی بیعت کی تھی انہیں لوگوں نے آپ کی بھی بیعت کرلی ہے اور آپ سزاوار بھی تھے۔ خلافت کے تو آپ نے قاتلین عثمان کو پناہ دے رکھی ہے انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔

پھر خون عثمان سے علیؑ کی برأت اور بے گناہی ثابت ہونے کے بعد بھی معاویہ آپ کی خلافت کا اقرار کرنے پر تیار نہ تھے اُن کا کہنا تھا کہ خلافت کا مسئلہ پھر سے طے ہو اور مسلمان پھر سے مشورہ کر کے کسی کو خلیفہ منتخب کریں اور یہ رائے مشورہ حجاز و عراق میں نہ ہو اس لئے کہ حق کا وجود اب نہ عراق میں رہا نہ حجاز میں بلکہ ان دونوں مقامات سے نکل کر شام میں حق اقامت گزیں ہے اب صرف شام ہی والوں کو حق ہے کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کریں کیونکہ وہی لوگوں کے حاکم و فرمانروا ہیں۔

ان شرائط کے بعد اب معاویہ کے علاوہ اور کون خلیفہ ہو سکتا تھا۔

علی ابن ابی طالبؑ نے غیر معمولی ضبط و تحمّل سے کام لیا لیکن یہ ضبط و تحمّل کسی تردد یا سستی و کاہلی کی بنا پر نہ تھا۔ اس لئے کہ اس وقت عرب والے دو طبقوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان دونوں طبقوں میں سے ایک طبقہ کا غالب یا مغلوب ہونا لازمی تھا چاہے ان دونوں طبقوں میں ہر لحاظ سے کتنا ہی عظیم فرق رہا ہو۔ ایک طرف کمزور و ضعیف ناتوان افراد تھے جو اطمینان و عافیت کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے ایسا اطمینان و عافیت جو انہیں بھی نصیب ہو اور اُن کے بھائیوں کو بھی اور یہ اطمینان و عافیت عدل انصاف کے ذریعہ ہو۔ پیغمبرؐ کے سچے صحابی تھے جو شریفانہ زندگی بسر کرنے اور بھائی چارے کے خواہاں تھے اور پاکیزہ ملک چاہتے تھے جس میں تمام لوگ ایک جگہ رہیں نہ کوئی محروم ہو نہ محروم کرنے والا۔ دوسری طرف وہ ایک تھے جو ظلم و جور کے ذریعہ اپنا گھر بھرنا چاہتے تھے لوٹ مار غصب و ظلم اور بھوکے ننگے عوام کے خلاف راحت کی زندگی بسر کرنے کے متمنی تھے۔

پہلے طبقہ کے سرگروہ علیؑ بن ابی طالبؑ تھے۔ حق و انصاف کے جتنے بھی طلبگار تھے وہ علیؑ پر جان دیتے تھے اور دوسرے طبقہ کے سردار معاویہ ابن ابوسفیان تھے اور ہر وہ شخص جو ظلم و جور کا خوگر تھا وہ اُن کا پیرو تھا۔ پہلے طبقہ والوں کا انعام اُن کا نفس اور

وجدان تھا۔ دوسرے طبقہ والوں کا انعام معاویہ کے خزانے تھے۔ سینکڑوں مثالیں اس کی ہیں کہ معاویہ کی طرف کے لوگ جو عدل گستر اور منصف مزاج تھے۔ معاویہ کا ساتھ چھوڑ کر علیؑ سے آملے اور علیؑ کی طرف جو نفع پرست و جاہ پسند تھے وہ علیؑ کو چھوڑ کر معاویہ کے پاس پہنچ گئے۔ ہم یہاں چند اشخاص کا ذکر کرتے ہیں۔ جنہوں نے علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کی رفاقت اختیار کی اس سے آپ کو اندازہ ہوگا زیادہ تر کس طبیعت کے لوگ تھے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ علیؑ کو چھوڑ کر معاویہ کا ساتھ دینے کی وجہ کیا تھی۔

حضرت علیؑ نے ایک شخص یزید بن حجیہ تمیمی کو رے اور دیگر علاقوں کا عامل مقرر کیا اُس نے مال کثیر اکٹھا کیا اور اپنے لئے خاص کر لیا۔ حضرت علیؑ کو جب خبر ملی تو آپ نے بلا کر اُسے قید کر دیا اور سعد نامی ایک شخص کو پہریداری پر متعین فرمایا۔ سعد جب سو گیا تو یزید قید خانہ سے نکل کر اپنی سواری پر بیٹھا اور دمشق بھاگ کر معاویہ سے جا ملا اور سعد کے متعلق اُس نے یہ اشعار کہے۔

" سعد کو دھوکہ دے کر میں اپنی سواری پر بیٹھا اور شام چلا آیا اور اس شخص کو اختیار کیا جو افضل تھا۔ سعد جب سو رہا تو میں بھاگ نکلا اور سعد تو گمراہ و سرگشتہ غلام ہے۔

اس یزید بن حجیہ نے حضرت علی کے متعلق ہجو پر مشتمل اشعار کہہ کر عراق لکھ بھیجے اور بتایا کہ میں آپ کا دشمن ہوں۔ معاویہ نے انعام و اکرام سے اس کو نوازا جس پر اُس نے معاویہ اور اہل شام کی مدح کی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ شام کی سرزمین مقدس سرزمین ہے اور شام والے اہل ایمان و یقین ہیں۔ کہتا ہے۔

میں نے دیگر لوگوں کے مقابلہ میں شام والوں سے محبت کی اور حزن واندوہ سے عثمان پر رویا۔ شام کی سرزمین مقدس سرزمین ہے اور شام کے رہنے والے اہل یقین اور قرآن کے پیرو ہیں۔

ایک اور شخص قعقاع بن سعد کو حضرت نے کسکر کا حاکم مقرر کیا اُس نے وہاں دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹی اپنا گھر بھرا اپنی ضرورتوں میں صرف کیا اس کے خرچ کا عالم یہ کہ اُس نے ایک عورت سے شادی کی اور مہر میں ایک لاکھ درہم دیئے۔ اور جب اُسے پتہ چلا کہ حضرت علیؑ کو ہماری ان حرکتوں کی خبر پہنچ گئی تو اُسے خوف ہوا کہ حضرت بغیر سزا دیئے نہیں رہیں گے اُس نے اموال مسلمین سے جتنا مال جمع کیا تھا سب لے کر شام کی راہ لی۔

نجاشی کے شراب پینے پر حضرت نے اُس پر حد جاری کی یہ نجاشی حضرت علیؑ کے اعوان و انصار سے تھا اُسے یہ زعم تھا کہ چونکہ علیؑ کے اعوان و انصار سے ہوں لہٰذا مجھے خصوصی مراعات ہونی چاہیے اُسے یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ جس طرح علیؑ دوسرے لوگوں کو اُن کی خطاؤں پر سزا دیتے ہیں اُسی طرح مجھے بھی سزا دی جائے وہ بھاگ کر معاویہ کے پاس چلا گیا کیونکہ معاویہ نے اُسے پناہ دی تھی شام پہنچ کر اُس نے حضرت علیؑ کی ہجو میں یہ شعر کہا۔

میری طرف سے کون یہ خبر علیؑ کو پہنچا دے گا کہ اب میں محفوظ ہوں مجھے کوئی خوف لاحق نہیں۔

نجاشی پر جب حد جاری کی گئی تو بہت سے یمانی لوگ آپ سے بگڑ گئے کیونکہ نجاشی بھی یمانی تھا۔ بہت سے یمانی

آپ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ سے جا ملے۔

جس طرح دنیا کے طلبگار افراد کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اُسی مناسبت سے آپ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے پاس جانے والوں کی تعداد بھی زیادہ تھی ہر شخص نہ تو حق برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ حق کہنا اور حق کرنا ہر شخص کے لئے ممکن ہے اسی طرح ہر شخص کے بس کی بات نہ تھی کہ علیؑ کو دوست رکھے جو حق کے بارے میں بہت سخت تھے اپنے متعلق بھی اپنے عزیزوں رشتہ داروں کے متعلق بھی اور تمام خلائق کے متعلق بھی وہ کسی کے خوشی و رضامندی کے لئے حق سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا جب علیؑ کی یہ کیفیت تھی اور وہ حق کے معاملہ میں اتنے سخت تھے تو آپ کو چھوڑ کر معاویہ سے آپ کا وہ عامل کیوں نہ جا ملتا جسے آپ نے تحریر فرمایا تھا:۔

میں اللہ کی سچی قسم کھاتا ہوں اگر مجھے یہ پتہ چل گیا کہ تم نے مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے ہوئے کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں ہیر پھیر کیا ہے تو یاد رکھو کہ میں ایسی مار ماروں گا کہ جو تمہیں تہی دست بوجھل پیٹھ والا اور بے آبرو کر کے چھوڑے گی:

اسی طرح وہ عامل آپ کا ساتھ چھوڑ کر کیوں نہ بھاگتا جسے حضرتؑ نے لکھا تھا:۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے بیت المال کی زمین کو صفاچٹ میدان کر دیا ہے اور جو کچھ تمہارے پاؤں تلے تھا اس پر قبضہ جما لیا ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں تھا اُسے نوش جان کر لیا ہے تو تم ذرا اپنا حساب مجھے بھیج دو۔

پست فطرت افراد ایک مجسمۂ حق انسان کی بلند منزل تک کیونکر پہنچ سکتے تھے اور اُن کے سردار یا حاکم کو علی کا یہ قول کیونکر گوارا ہو سکتا تھا۔

"تمہارے متعلق مجھے جو خبریں پہنچی ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو تمہارے گھر کا اُونٹ اور تمہاری جوتی کا تسمہ تم سے کہیں زیادہ بہتر ہے

سرمایہ دار صاحبان نفوذ و اقتدار۔ سونا چاندی خزانوں میں جمع کرنے والے جفا پیشہ افراد اُن کے شرکائے کار اور ظلم کو پسند کرنے والے کیونکر گوارا کر سکتے تھے کہ علیؑ خلیفہ مقرر ہو جائیں۔ وہ علیؑ جو دولت و مال کو تمام لوگوں کی بھلائی میں خرچ کرنا چاہتے تھے جو ظالموں اور اُن کے شرکائے کار سے برسر جنگ تھے لوگوں کو اُن کے برخلاف برانگیختہ کرتے اور ظلم پسند کرنے والوں پر لعنت فرماتے تھے غاصبین کیونکر منظور کر سکتے تھے کہ اُن کا حاکم ایسا شخص ہو جس کا مقولہ یہ ہو کہ:۔

بخدا کانٹوں پر سونا اور طوق و سلاسل میں جکڑا جانا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت اس بات کے کہ میں کسی بندے پر ظلم کروں یا معمولی سے معمولی چیز غصب کروں۔

کیونکر نہیں یہ لوٹ کھسوٹ کرنے والے اس شخص سے برگشتہ ہوتے جو علانیہ کہتا تھا کہ ظلم اور ظالمین اور بغیر حق کے مال و جائداد ہتھیا لینے والوں سے جدال و قتال میرا فریضہ ہے مجھ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور مجھے بروز قیامت اس کا جواب دینا ہوگا اگر علیؑ اس ذمہ داری کو لازمی نہ سمجھتے ہوتے تو وہ معاملات کو اسی ڈھرے پر چلنے دیتے جس پر وہ اب تک چلے آ رہے تھے لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیتے کوئی ہڑپ کر جانے والا ہوتا کوئی ہڑپ ہو جانے والا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اگر خداوند عالم نے علماء سے یہ وعدہ نہ لے لیا ہوتا کہ وہ ظالم کی بے انتہا شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون واطمینان سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کاندھے پر ڈال دیتا (یعنی جس طرح خلافت چل رہی تھی اُسی طرح چلنے دیتے) اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابل اعتنا پاتے۔

غدار افراد اپنے معاملات کی باگ ڈور اس شخص کے ہاتھ میں دیتا اور اُسے حاکم تسلیم کرنا کیسے قبول کرتے جو اُن غداروں اور اپنے زمانہ کے لوگوں کے متعلق یہ نظریہ رکھتا تھا کہ :۔

وہ شخص غداری نہیں کرسکتا جو یہ جانتا ہو کہ بازگشت کیونکر ہوگی۔ ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس کے اکثر لوگ عذر و فریب عقلمندی سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور جاہلوں نے اس عذر و فریب کو حیلہ کی خوبی کی طرف نسبت دے رکھی ہے۔

اسی وجہ سے علیؑ سے انحراف کرنے والے صاحبان اقتدار اور ناجائز ذریعہ سے بنے ہوئے سرمایہ دار تھے اور وہ لوگ جن کی تمنا تھی کہ معاویہ بیت المال اور لوگوں کی گاڑھی کمائی سے ہمارا گھر بھر دیں۔

رہ گئے وہ منحرف افراد جو ان صاحبان اقتدار اور دولت مندوں کے علاوہ تھے تو یہ وہ لوگ تھے جنہیں یہ تمیز نہ تھی کہ ہمارے لئے کیا چیز بہتر ہے اور کیا چیز مضرت رساں اُن کے علاوہ اور بہت سے عقل سے کورے افراد۔

ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت عرب والے کئی جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر جماعت کسی صاحب اقتدار یا رئیس قبیلہ کی فرمانبردار تھی یہ لوگ آنکھ بند کر کے اس صاحب اقتدار یا رئیس قبیلہ کی پیروی کرتے کبھی یہ نہ پوچھتے کہ آپ اگر ناراض ہیں تو کیوں ناراض ہیں اور راضی ہیں تو کیوں راضی ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ کے ایسے لوگوں کا بارہا ذکر کیا ہے۔ آپ کے فقرات میں درد و کرب بھی ہے رنج و ملال بھی اور ایک دانشمند چاہنے والے باپ کی ناراضی بھی اپنے نادان فرزندوں پر جو اپنی فلاح و بہبودی سے منحرف ہو کر جانتے ہوئے یا بے جانے ہوئے اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہوں حضرت علیؑ اپنے زمانہ کے لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں :۔

میں خدا سے شکوہ کرتا ہوں ان لوگوں کے متعلق جو جہالت و نادانی . . . کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ان لوگوں کو خطاب کر کے آپ فرماتے ہیں۔

دشمن تمہاری طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتے اور تم ہو کہ غفلت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہو۔

باغیوں کے خلاف جدال و قتال کی جب ان لوگوں کو دعوت دی جاتی اُس وقت ان لوگوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

بعض تو بہت ہی جبر و اکراہ سے آتے ہیں بعض جھوٹے بہانے کرتے ہیں اور بعض جان بوجھ کر نصرت و مدد سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

پھر آپ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ان میں پوچھنے والا اُلجھانا چاہتا ہے اور جواب دینے والا اس بے جانے بوجھے جواب کی زحمت اٹھاتا ہے جو ان میں درست رائے رکھتا ہے اکثر خوشنودی و ناراضگی کے تصورات اسے صحیح راستے سے موڑ دیتے ہیں اور جو ان میں عقل کے لحاظ سے پختہ ہوتا ہے بہت ممکن ہے کہ ایک نگاہ اس کے دل پر اثر کر دے اور ایک کلمہ اس میں انقلاب پیدا کر دے۔

امیرالمومنینؑ نے اپنے اس آخری فقرہ میں اپنے زمانہ کی معتزز شخصیتوں کی مزاجی کیفیت بڑی عمدگی سے بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

اس زمانہ میں اگر کچھ لوگ سوجھ بوجھ والے بھی ہیں تو اُن کی سوجھ بوجھ پر اُن کی ہوا و ہوس غالب ہے۔ اُن کی رائے اُن کی خوشی یا ناراضی کے تابع ہے اگر وہ کسی سے خوش ہو جاتے ہیں تو ناجائز اور بغیر حق کے اس کے موافق فیصلہ صادر کر دیتے ہیں اور جب کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو محض اپنی ناراضی کے سبب غلط اور ناجائز فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔ رہ گئے وہ لوگ جو عقل کے لحاظ سے پختہ ہوتے ہیں تو دل پسند چیزوں پر ان کی ایک نگاہ اُن کے دل کو اس مسلک سے جس پر وہ اب تک قائم تھے موڑ دینے کے لئے کافی ہے اور ایک صاحب اقتدار یا رشوت دینے والے یا ذی وجاہت شخص کا ایک فقرہ ان کو باطل کی حمایت اور ظالم کا مددگار بنا سکتا ہے۔

اصحاب جمل کی شکست کے بعد جب علیؑ ابن ابی طالب کے خلاف سازشی کارروائیوں کا مرکز شام میں منتقل ہو گیا تو بنی اُمیہ کے سرگروہ معاویہ بن ابی سفیان جو پہلے ہی سے سرداران قبائل اور صاحبان اثر و اقتدار کو علیؑ کے خلاف برانگیختہ کرنے میں سرگرم تھے اور شدت اور مستعدی سے کام لینے لگے کوشش تھی کہ جتنا جلد ہو سکے علی پر کاری ضرب لگائی جائے اور پوری تیاریوں سے اتنا سخت حملہ کیا جائے کہ ان کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بج جائے اُنہوں نے حضرت علیؑ کا پہلا خط پاتے ہی جس میں آپ نے انہیں لکھا تھا کہ جس طرح سب نے بیعت کر لی ہے تم بھی بیعت کرو۔ ہر اُس شخص کو جس سے انہیں مدد کی اُمید تھی خطوط لکھے کہ جتنا جلد ہو سکے میرے پاس شام پہنچو۔ جن لوگوں کو انہوں نے خطوط لکھے تھے ان میں سب سے زیادہ اہم شخصیت عمرو عاص کی تھی۔ معاویہ نے حضرت علیؑ کا خط پاتے ہی طلبی کا فوراً ہی اُن کو خط روانہ کیا جس میں لکھا تھا۔

اما بعد، جنگ جمل کے واقعات اور طلحہ و زبیر اور عائشہ کا انجام تمہیں معلوم ہوا ہوگا۔ بصرہ سے بھاگ کر مروان میرے پاس آچکا ہے اب یہ جریر بن عبداللہ بیعت کے متعلق علیؑ کا خط لے کر ہمارے پاس آئے ہیں، میں تم سے بغیر ملے کوئی جواب دینا نہیں چاہتا جلدی آؤ تاکہ رائے مشورہ کر لوں۔

جب عمرو عاص نے معاویہ کا یہ خط پڑھا تو اپنے بیٹوں عبداللہ اور محمد سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا جواب دینا چاہیے۔ عبداللہ نے کہا:۔

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ حضرت پیغمبر خدا نے جس وقت رحلت فرمائی آپ سے راضی تھے ابوبکر و عمر بھی مرتے وقت آپ سے خوش تھے۔ اب اگر معاویہ کا ساتھ دے کر آپ نے تھوڑی سی دنیا کے لئے اپنے دین کو فاسد کر لیا تو کل بروز قیامت آپ بھی جہنم میں ہوں گے اور معاویہ بھی۔

پھر عمرو عاص نے اپنے دوسرے بیٹے محمد سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ محمد نے کہا۔

آپ اس معاملہ میں جلدی کیجئے جا کر معاویہ سے مل جائیے پہلے جا کر اس کے رئیس بن جانا کہیں بہتر ہے کہ بعد میں جا کر دم چھلا بنیے۔

جب صبح ہوئی تو عمرو عاص نے اپنے غلام وردان کو بلا کر کہا سواری تیار کرو تھوڑی دیر کے بعد کہا سواری کھول دو۔ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ ایک مرتبہ کہتے کہ سواری تیار کرو دوسری مرتبہ کہتے کہ سواری کھول دو۔ وردان نے کہا حضور آپ سٹھیا گئے ہیں اگر کہئے تو میں آپ کے دل کی بات کہہ دوں۔ عمرو عاص نے کہا کہو کیا کہتے ہو۔ وردان نے کہا۔

اس وقت دنیا و آخرت دونوں آپ کے دل میں ہیجان برپا کئے ہوئے ہیں۔ آپ سوچتے ہیں کہ آخرت علیؑ کے ساتھ ہے مگر دنیا نہیں، اور معاویہ کے ساتھ دنیا ہے اور آخرت نہیں۔ آپ انہیں دونوں کے درمیان مذبذب ہیں ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ گھر میں بیٹھے رہئے اگر دین والے کامیاب ہوئے تو آپ اُن کے حلقہ میں بسر کیجئے گا اگر دنیا والے غالب ہوئے تو وہ ہر حال میں آپ کے ضرورت مند ہوں گے۔

مگر معاویہ نے جو وعدے عمرو عاص سے کر رکھے تھے وہ ایسے معمولی نہ تھے کہ عمرو عاص انہیں نظر انداز کر دیتے اور اپنے غلام کی نصیحت اور اپنے فرزند عبداللہ کا مشورہ مان کر خاموش گھر میں بیٹھ رہتے وہ علیؑ کے خلاف ہو کر بنی اُمیّہ اور معاویہ سے جا ملے۔

علیؑ کے خلاف سازشی کارروائیوں میں چونکہ عمرو عاص معاویہ سے کم نہیں اُن کے برابر ہی تھے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن کے حالات مختصر طور پر ذکر کرتے چلیں تاکہ آپ کو ان گہرے اسباب کا اندازہ ہو سکے کہ کیوں اُنہوں نے علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کی رفاقت کو پسند کیا اور اس رفاقت کی کیا قدر و قیمت تھی۔

اسلام لانے سے پہلے ہی عمرو عاص کی سیاست کا پہلا نمونہ جو دیکھنے میں آیا وہ سودے بازی اور منفعت پرستی تھی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اُنہوں نے اپنے اس سودے بازی کی کیفیت کو خود واضح طریقہ پر بیان کیا ہے

جنگ خندق سے واپسی پر میں نے قریش کے بعض ایسے آدمیوں کو جمع کیا جو اکثر میری رائے سے اتفاق کیا کرتے تھے اور میری بات توجہ سے سُنا کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا خدا کی قسم مجھے تو اب یہ دکھائی دے رہا ہے کہ محمدؐ ستارہ عروج پر پہنچنے والا ہے اس حالت میں ہمارے لئے بہتر ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں سکونت اختیار کرلیں کیونکہ نجاشی کی حکومت میں رہنا محمدؐ کے تابع ہو کر رہنے سے بہتر ہے اگر محمدؐ نے ہماری قوم

پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس طرح ہم اُن کی دسترس سے باہر رہیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو پھر ہمارے وارے نیارے ہیں۔ اُنہوں نے میری تائید کی اور کہا کہ آپ کی رائے بہت درست و صائب ہے میں نے اُن سے کہا اچھا نجاشی کے لئے کچھ سوغاتیں لے چلو...... الخ۔

مصر کے ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن جو عمرو عاص کے بڑے مداح ہیں اور جنہوں نے عمرو عاص کتاب لکھ کر لندن سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ عمرو عاص کے اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

قریش کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اُن کا چھوٹا بڑا اسلام کو مٹانے کے درپے تھا لڑائیوں میں رسول اکرم کی ہر فتح اور اُن کی ہر شکست اُن کی ہمتوں کو پست کرنے کے بجائے ان کے جوش کو اور زیادہ بھڑکانے کا موجب ہوتی تھی لیکن جب اُنہیں پے در پے شکستوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا اُن کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے اور تمام سربرآوردہ اشخاص اُنہیں داغ مفارقت دے گئے تو اُن کے نوجوانوں میں سخت اضطراب برپا ہوا اور اُنہوں نے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچنا شروع کیا ایک طرف اُنہیں تاریکی ہی تاریکی دکھائی دیتی تھی۔ دوسری جانب اُمید کی روشن کرن جلوہ دکھا رہی تھی اُنہیں معلوم تھا کہ اگر اب بھی وہ اسلام کی روز افزوں قوت کا ساتھ دیں تو بالآخر وہ فائدے میں رہیں گے لیکن ساتھ ہی وہ ڈرتے بھی تھے کہ ایسا کرنے سے عزت و وجاہت جو اُنہیں اپنی قوم میں حاصل ہے جاتی رہے گی اور وہ آزادی بھی اُن سے چھن جائے گی جس سے وہ اب تک بہرہ ور ہوتے رہے تھے بعض لوگ تو ایسے تھے جنہوں نے تمام مشکلات و خوف و خطر کو نظر انداز کرتے ہوئے مدینہ جا کر رسول اللہ کی بیعت کر لی اور بعض جو تردد میں بہت بڑھے ہوئے تھے اُنہوں نے اسلام کے خلاف تمام سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور جب اُن پر عین الیقین کی طرح یہ ظاہر ہو گیا کہ محمد بہر حال قریش پر غالب آنے والے ہیں تو اُنہوں نے بھی موقع کھو جانے سے پہلے فائدہ حاصل کرنے کی ٹھان لی اور فتح مکہ سے پہلے اسلام میں داخل ہو گئے پہلے گروہ میں سرفہرست خالد بن ولید اور دوسرے گروہ میں عمرو بن العاص جو جزیرۂ عرب کو چھوڑ کر سرزمین حبشہ میں چلے گئے تھے تاکہ وہاں جا کر حالات کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ اور نجاشی کے باہمی تعلقات بہت اچھے ہیں۔ عرب میں اسلام کی کامیابی عروج کو پہنچنے والی ہے اور مکہ کا سقوط اب کچھ دنوں کی بات ہے تو خیال کیا کہ کیوں نہ وہ بھی ان لوگوں میں اپنی جگہ بنا لیں جو سبقت کر کے اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور وہ کام جو آخر کار مجبوراً کرنا پڑے گا پہلے ہی سے برضا و رغبت کر لیں۔

(عمرو عاص۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ترجمہ شائع کردہ ادارہ مکتبہ جدید لاہور صفحہ ۴۱ و ۴۲)

موقع و محل سے فائدہ اٹھانے کی خواہش عمرو عاص کے دل میں ہمیشہ زندہ رہی اس معاملہ میں ان کی کیفیت ٹھیک ان سرداران قبائل اور ذی وجاہت افراد جیسی رہی جن سے ابوبکر نے بھی جنگ کی اور عمر و علی نے بھی۔ ہم گزشتہ صفحات میں بیان

کر چکے ہیں کہ عمرو عاص نے مصر کی گورنری کے زمانہ میں جتنی دولت اکٹھا کی تھی حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ نصف دولت بیت المال میں داخل کر دو۔ عمرو عاص نے حیلے بہانے کئے مگر حضرت عمر کی تسلی نہیں ہوئی اُنہوں نے عمرو عاص کو لکھا۔

خدا کی قسم تمہارے جعل وفریب اور طمع کی ہوئی باتوں سے میں دھوکہ کھانے والا نہیں ہوں . . . . تم لوگ مالوں کے خزانوں پر چڑھ بیٹھے ہو تم لوگوں کو کسی امر کا خوف نہیں ہوتا . . . . سنو تم لوگ عار کو جمع کرتے اور نار کو میراث میں چھوڑتے ہو۔ میں محمد بن مسلمہ کو تمہاری طرف روانہ کرتا ہوں اپنی دولت کا آدھا حصہ ان کے حوالے کر دو ؏

جب یہ خط لے کر محمد بن مسلمہ عمرو عاص کے پاس پہنچے تو عمرو عاص نے اُن کے لئے رنگ برنگ کے کھانے پکوائے مگر محمدؐ بن مسلمہ نے اس کے کھانے سے انکار کیا۔ عمرو عاص نے پوچھا کیا تم ہمارے ہاں کھانا حرام سمجھتے ہو۔ محمدؐ ابن مسلمہ نے کہا اگر تم میرے سامنے وہ کھانا رکھتے جو عام طور پر مہمانوں کے لئے رکھا جاتا ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوتا لیکن تم نے میرے پاس وہ طعام منگایا ہے جو شر کا مقدمہ (یعنی رشوت کی غذا) ہے۔ یہ کھانا میرے سامنے سے ہٹاؤ اور جتنا مال و اسباب تمہارے پاس ہو آدھا میرے حوالے کر دو۔ مجبوراً عمرو عاص نے اپنی کل چیزوں سے آدھی آدھی اُن کے حوالے کر دیں یہاں تک کہ اُن کے پاؤں کی دو جوتیاں رہ گئیں۔ محمد بن مسلمہ نے اس سے بھی ایک پاؤں کی لے لی اور دوسرے پاؤں کی عمرو عاص کے لئے چھوڑ دی۔ عمرو عاص نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اُن سے برداشت نہ ہو سکا۔ محمد بن مسلمہ سے کہا :۔

خدا لعنت کرے اس زمانہ پر جس میں میں عمر بن خطاب کی طرف سے عامل بنایا گیا۔ خدا کی قسم مجھے عمر کے باپ خطاب کی حالت بھی معلوم ہے کہ اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے پھرتا تھا اور اس کے بیٹے عمر کے سر پر بھی ویسا ہی ایک گٹھا ہوتا اور ان دونوں کو اتنا کپڑا بھی میسّر نہیں تھا کہ اپنا بدن ڈھانپ سکتے بس ایک لنگوٹی تھی جو ان کی پنڈلی تک بھی نہیں پہنچتی تھی اور خدا کی قسم میرے باپ عاص کی یہ شان تھی کہ سونے کی گھنڈیاں لگی ہوئی ریشمی قبائیں پہننے پر بھی خوش نہیں ہوتے تھے۔

اس واقعہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ عمرو عاص مال و دولت اور حکومت و اقتدار سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے کتنے حریص تھے۔ نیز اس واقعہ سے معززین اور ذی وجاہت لوگوں کی پیچیدہ ذہنیت بھی بہت کچھ الم نشرح ہو جاتی ہے۔ اُنہیں حضرت عمر اور اُن کے باپ خطاب میں اس کے سوا اور کوئی قابل اعتراض بات نظر نہ آئی کہ وہ دونوں مفلس و قلاش تھے اُنہیں اتنا کپڑا بھی میسّر نہ تھا کہ وہ اپنا پورا جسم ڈھانک سکتے وہ دونوں اپنے ہاتھ سے کام کرتے لکڑیوں کا گٹھر سر پر لاد کر لاتے اور اپنے باپ عاص میں اُسے کوئی خوبی نظر نہ آئی سوا اس کے کہ وہ ریشم کے کپڑے پہنتا تھا۔

یہ خیال کرنا نادانی ہے کہ عمرو عاص نے حضرت عمر کے اس سلوک پر جو باتیں زبان سے نکالیں وہ فوری ہیجان اور وقتی غم و غصہ کا نتیجہ تھیں ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ چونکہ حضرت عمر اور اُن کے باپ دونوں غریب تھے لہٰذا حقیر تھے اور میرا باپ چونکہ دولت مند تھا لہٰذا وہ خطاب سے بہتر تھا اور میں عمر سے بہتر ہوں

عمرو عاص کا نظریہ ہی یہ تھا کہ سب انسان ایک جیسے نہیں بلکہ ایک شریف ہے دوسرا ذلیل اور شرافت کا معیار صرف نسب ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ جس کا خاندان اونچا اور جس کے گھر میں دولت کی ریل پیل ہے وہ شریف ہے اور جس کا خاندان گھٹیا ہے وہ ذلیل ہے۔ شریف کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو غیر شریف کو حاصل نہیں اور لوگوں کا فریضہ ہے کہ شریف کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے اس پر کہ مصر کے انتظام و انصرام کے بارے میں عمرو عاص کا نظریہ یہ تھا کہ جو شخص بلاد مصر کی اصلاح و ترقی کا خواہاں ہو اُس کے لئے ضروری ہے کہ پست طبقہ کے لوگ اونچے طبقہ کے لوگوں کی اگر کچھ شکایت کریں تو اُس پر دھیان نہ دے۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۲ صد ۱۲۵)

اس طرح قدیمی ہوا و ہوس عمرو عاص کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ نسب والے کو لوٹ کھسوٹ نخوت اور سربلندی کے وہ تمام حقوق حاصل تھے جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہ تھے موافق حالات اور موقع محل سے فائدہ اٹھانا ان کا پیدائشی حق تھا۔ عمرو عاص کے دل میں کچھ دیر کے لئے یہ کشاکش رہتی کہ اپنے ضمیر و وجدان کو زندہ رکھیں یا نفع اندوزی کے لئے ضمیر و وجدان کا گلا گھونٹ کر نفع اندوزی پر کمربستہ ہو جاتے جیسا کہ معاویہ کے بلانے پر اُن کے نفس کی کشاکش ہم بیان کر چکے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے تو اُن کے دل میں یہ کش مکش ضرور پیدا ہوئی کہ علی کا ساتھ دیں یا معاویہ کا لیکن یہ کش مکش فوراً ہی دُور ہو گئی اور اُنہوں نے شام جانے پر کمر باندھ لی۔

مورخین و رواۃ عمرو عاص کی طرف چند اشعار بھی منسوب کرتے ہیں جو اُنہوں نے معاویہ کے یہاں جاتے ہوئے راستہ میں کہے تھے ان اشعار میں اُنہوں نے کھل کر علی و معاویہ دونوں کے متعلق اپنے نظریات بیان کر دئے ہیں۔ علیؑ اُن کی نگاہ میں بہت کچھ تھے اور معاویہ دوسری چیز تھے اُن کے سینہ میں گویا دو دل تھے۔ ایک ان کو معاویہ کے پاس جانے سے روکتا تھا۔ اور دوسرا حکم دیتا تھا کہ معاویہ سے ضرور جا ملو۔ وہ اپنے قصیدہ کو ان اشعار پر ختم کرتے ہیں۔

فاخترت من طمعی دنیا علی ابصر	وما معی بالذی اختار برهان
انی لاعرف ما فیها و ابصره	وفی ایضاً لما اهواه الوان
لکن نفسی تحب العیش فی شرف	ولیس یرضی بذل العیش انسان

میں نے سمجھتے بوجھتے ہوئے بھی اپنی لالچ کے سبب، دنیا اختیار کی حالانکہ دنیا اختیار کرنے کے لئے کوئی مضبوط وجہ نہ تھی۔
دنیا اختیار کرنے میں جو نقصانات ہیں ان کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس دنیا کی رنگ برنگی خواہشیں مجھ میں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ میرا نفس عزت و شرف کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے ذلت کی زندگی بسر کرنے پر کون انسان راضی ہوگا

عزت و شرف کی زندگی عمرو عاص کے خیال میں آج کے دن منحصر تھی۔ مادی منافع اور اموی وعدوں میں جیسا کہ پہلے حضرت عمر کے عہد میں عزت و شرف کا معیار اُن کے نزدیک یہ تھا کہ اُن کا باپ حریر و ریشم کا لباس پہنتا تھا اور دولت کی زندگی

آج ان کے نزدیک علیؑ کی نصرت و یاری تھی جو نہ خود سودا بازی کرتے نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے کہ وہ آپ سے سودا بازی کریں جس طرح کل اُن کے نزدیک حضرت عمر اور اُن کے باپ کا فقیرانہ لباس پہننا ذلت و خواری تھی۔

جس وقت عمرو عاص معاویہ کے یہاں پہنچے تو معاویہ نے کہا:۔

اے ابو عبداللہ میں تمہیں اس شخص (علیؑ ابن ابی طالب) سے جہاد کی طرف دعوت دیتا ہوں جنہوں نے خدا کی نافرمانی کی۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی۔ فتنہ و فساد برپا کیا اور جماعت کو پراگندہ کیا۔ الخ۔

عمرو عاص نے کہا اگر میں علیؑ سے جنگ کرنے میں تمہارا ساتھ دوں تو تم مجھے دوگے کیا؟ یہ جانتے ہی ہو کام کتنا ہولناک و خطرناک ہے۔

معاویہ نے کہا جو تم مانگو۔ عمرو عاص نے کہا میں تو مصر کی حکومت مانگتا ہوں۔

اس کے بعد معاویہ اور عمرو عاص میں بہت سی مکر و فریب کی باتیں ہوئیں۔ دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے تھے ہر ایک کو اپنا فائدہ مدنظر تھا۔

اس باہمی دھوکا دہی اور ایک دوسرے کو فریب دینے کا خاتمہ سودے بازی پر ہوا۔ عمرو عاص نے معاویہ کو خلیفہ مان کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور معاویہ نے عمرو عاص کو مصر اور مصر کے باشندے حوالے کر دئے اور پوری طرح خود مختار بنا دیا کہ مصر اور باشندگانِ مصر کے ساتھ جو سلوک چاہتا کرتا مجھے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ یہ سودے بازی علیؑ کی نظروں میں کیسی تھی؟ آپ ان دونوں شاطروں کی باہمی ملاقات کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اُس نے اُس وقت تک معاویہ کی بیعت نہیں کی جب تک یہ شرط اس سے منوا نہ لی کہ وہ اس بیعت کی قیمت ادا کرے اس بیعت کرنے والے کے ہاتھوں کو فتح و فیروزمندی نصیب نہ ہو اور خریدنے والے کے معاہدے کو ذلت و رسوائی حاصل ہو لو اب وقت آگیا کہ تم جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور اُس کے لئے ساز و سامان مہیا کرلو۔

اس سودے بازی کے متعلق آپ مزید فرماتے ہیں:۔

مجھے خبر ملی ہے کہ عمرو عاص نے معاویہ کی بیعت یوں ہی نہیں کی بلکہ پہلے اس سے یہ شرط منوالی کہ اس کے بدلے میں صلہ دینا ہوگا اور دین کے چھوڑنے پر ایک ہدیہ پیش کرنا ہوگا۔"

عمرو عاص نے نفع پرستی اور اپنا کام نکالنے پر اسی حد تک اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے معاویہ کو آمادہ کیا کہ علیؑ کے خلاف پروپاگنڈہ کی ایک باقاعدہ و منظم مہم چلائی جائے تاکہ آگے چل کر اُن سے جب لڑائی کی نوبت آئے تو اس پروپاگنڈے سے خاصی مدد ملے۔ چنانچہ من جملہ اور مشوروں کے اُنہوں نے معاویہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ:۔

"اپنے بھروسے کے لوگوں کو تمام شہروں میں بھیج دو۔ یہ لوگ جا کر اس بات کا پروپاگنڈہ کریں کہ علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے"

حالانکہ عمرو عاص اچھی طرح جانتے تھے کہ علیؑ عثمان کے خون سے بالکل پاک و صاف ہیں جس طرح انہیں یہ معلوم تھا کہ خود ہمارا

عثمان کے قتل میں بہت بڑا ہاتھ رہا ہے جیسا کہ ہم گذشتہ فصل "قاتلین عثمان" میں بیان کر چکے ہیں۔

اور جب صفین کی لڑائی ٹھنی اور معاویہ نے عمرو عاص سے خواہش کی کہ شام والوں کو علی کے مقابلہ میں صف بستہ کرو تو اس وقت بھی انہوں نے معاویہ کی درخواست اُس وقت تک منظور نہ کی جب تک اپنے صلہ اور معاوضہ کے متعلق پھر سے بات پکی نہ کر لی اور پختہ عہد و پیمان نہ لے لیا انہوں نے معاویہ سے کہا۔

"میں اسی شرط پر تمہارا ساتھ دوں گا کہ جب علیؑ قتل ہو جائیں اور تمہاری حکومت مستحکم ہو جائے تو مصر میرے حوالے کر دیا جائے گا۔"

ایک اور ثبوت اس بات کا کہ سودے بازی اور اپنا فائدہ مدنظر رکھنے میں عمرو عاص امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ بھی ہے کہ جب مشہور واقعہ تحکیم میں عمرو عاص اور ابو موسیٰ اکٹھا ہوئے اور دونوں طرف سے آئے ہوئے لوگوں میں سے کچھ لوگوں نے اپنی رائیں دیں کہ کس کو خلیفہ بنانا چاہیے۔ ابو موسیٰ نے عبداللہ بن عمر بن خطاب کا نام پیش کیا اور لوگوں سے شد و مد سے کہنا شروع کیا کہ بیعت کئے جانے کے لائق اگر کوئی ہے تو وہ عبداللہ بن عمر ہیں اور انہوں نے کئی مرتبہ یہ بھی کہا۔

"خدا کی قسم اگر میرا بس چل جائے تو میں عمر ابن خطاب کا نام زندہ کر کے رہوں۔"

اس وقت عمرو عاص نے ابو موسیٰ سے کہا۔

"اگر آپ عبداللہ بن عمر کو محض ان کی دینداری ہی کی وجہ سے خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو پھر میرے بیٹے عبداللہ کو کیوں نہیں بناتے اس کی صلاحیت اور فضل و شرف کو آپ بخوبی جانتے ہیں۔"

یہ کیفیت تھی کہ عمرو عاص کے سودے بازی کی کہ گئے تھے معاویہ کی طرف سے حکم بن کر مگر ذرا سی گنجائش جو اپنے فائدے کی نظر آئی تو معاویہ کے برخلاف اپنے بیٹے کا نام پیش کر دیا انہیں اس کا بھی خیال نہ رہا کہ ہم جنگ صفین میں معاویہ کے لشکر کے سپہ سالار تھے اور ان سے کامیابی کی صورت میں مصر کی حکومت کا عہد و پیمان لے چکے ہیں اُن کی طرف سے اس معاملہ تحکیم میں وکیل بن کر آئے ہیں اور اس تحکیم کی نوبت ہماری تدبیروں اور چالاکیوں سے پیش آئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاویہ۔ عمرو عاص دونوں ہی کو اس بات کا یقین تھا کہ ہم علیؑ پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں۔ دونوں اپنے دل کی گہرائیوں سے معتقد تھے کہ علیؑ ہم سے بہتر ہیں دونوں اپنے اپنے ذاتی فائدے کے لئے کوشاں تھے۔ دیکھنے میں معاویہ و عمرو عاص ایک دوسرے کے رفیق اور ہم دم و دمساز تھے لیکن باطناً دونوں ایک دوسرے سے شدید عداوت رکھتے تھے ان کے چہروں کے رنگ زبان سے نکلے ہوئے فقرات دونوں کی اندرونی عداوت کو ظاہر کر دیتے تھے۔ جنگ صفین کے بعد ایک مرتبہ معاویہ نے اپنے ہم نشینوں سے پوچھا۔

"سب سے زیادہ حیرت انگیز کیا چیز ہے۔؟"

حاشیہ نشینوں میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ جب عمرو عاص کی نوبت آئی تو وہ بولے۔

سب سے عجیب ترین چیز یہ ہے کہ باطل حق پر غالب آجائے۔
عمرو عاص کا اشارہ معاویہ و علی کی طرف تھا۔
معاویہ نے فوراً جواب دیا نہیں سب سے عجیب ترین چیز یہ ہے کہ ایک شخص کسی شخص سے بے خوف ہوتے ہوئے بھی کہ وہ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اُسے ایسی چیز دے دے جس کا وہ مستحق نہ ہو۔ یہ اشارہ عمرو عاص کی طرف تھا جنہیں معاویہ نے حکومت مصر حوالے کر دی تھی حالانکہ معاویہ کو عمرو عاص سے کوئی خطرہ لاحق نہ تھا اور نہ عمرو عاص مصر کی حکومت کے سزاوار تھے۔
دوسرا ثبوت اس بات کا کہ عمرو عاص علی و معاویہ کے متعلق کیا نظریہ رکھتے تھے وہ خود عمرو عاص کا اقرار و اعتراف ہے کہ ہم دھوکا کھا گئے اور ہم سے بڑی غلطی ہو گئی کہ علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر ہم نے معاویہ کا ساتھ دیا۔ عمرو عاص کے اس اقرار و اعتراف سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کے اعوان و انصار اخلاقی حیثیت سے کتنی پستی میں تھے اور جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنے نفس کے ساتھ خیانت کر رہے تھے۔ جب حضرت علیؑ کی شہادت ہو گئی اور معاویہ بلا شرکت غیرے تمام ممالک اسلامیہ کے مالک بن بیٹھے تو انہوں نے عمرو عاص کو مصر کی حکومت حوالے کرنے میں ٹال مٹول شروع کی۔ ادھر عمرو عاص کے تقاضے بڑھنے لگے کہ جو وعدہ کر چکے ہو اُسے پورا کرو۔
معاویہ بھی ٹال مٹول کرتے رہے اُن کا دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا تھا کہ مصر کی حکومت عمرو عاص کے حوالے کی جائے اس پر عمرو عاص نے ایک طولانی قصیدہ لکھ کر معاویہ کے پاس بھیجا جس کے چند اشعار یہ تھے۔

معاویۃ، الفضل لا تنس لی	وعن منهج الحق لا تعدل
نصرناك من جهلنا یا ابن هند	علی السید الاعظم الافضل
وما کان بینکما نسبة	فاین الحسام من المنجل
واین الثریا واین الثری	واین معاویة من علی

معاویہ وہ انعام جس کا تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو اُسے بھولو نہیں۔ راہ راست سے منحرف نہ ہو۔
اے ہند کے بیٹے ہم نے جہالت کے سبب بزرگ ترین اور افضل ترین سردار (علیؑ ابن ابی طالبؑ) کے خلاف تمہاری نصرت و یاری کی۔
تم کو علیؑ سے نسبت ہی کیا کہاں تلوار اور کہاں ہنسیا۔ کہاں کہکشاں اور کہاں زمین کا آخری طبقہ اور کہاں معاویہ اور کہاں علیؑ۔
اسی قصیدہ کے فوراً ہی بعد معاویہ نے عمرو عاص کو مصر کی حکومت حوالے کی۔
معاویہ و عمرو عاص جنہیں لین دین کے مصالح نے ایک جگہ اکٹھا کر دیا تھا۔ اندرونی طور پر ایک دوسرے سے کتنی شدید نفرت کرتے تھے۔ اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ جس وقت معاویہ نے تحکیم کی سازش کو مضبوط کرنے اور ابو موسیٰ اشعری کی حماقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے عمرو عاص کو روانہ کیا تو کوئی ایسا فقرہ کہہ گئے جس سے عمرو عاص کو رنج پہنچا اُس پر عمرو عاص نے معاویہ

کی ہجو میں ایک شعر کہا جو کافی مشہور ہے اس پر معاویہ نے اپنے ہم نشین عبدالرحمان ابن ام حکم کو حکم دیا کہ اس شعر کا جواب دو اور تم بھی اس کی ہجو کہو۔ عبدالرحمان نے عمرو عاص کی ہجو میں بہت سے اشعار کہے۔ ان اشعار میں دھمکیاں بھی دی گئی تھیں رلعنت بھی کی گئی تھی اور علیؑ کے مقابلہ سے بروز صفین بھاگ نکلنے پر طعن و تشنیع بھی کی گئی تھی۔ عبدالرحمان نے کہا تھا۔

دع البغی الّذی اصبحت فیہ ۔۔۔ فان البغی صاحبہ لعین

الم تھرب بنفسك من علی ۔۔۔ بصفین وانت بھا ضنین

حذاران تلاقیك المنایا ۔۔۔ وکل فتی سیدرکہ المنون

یہ جس بغاوت و سرکشی میں تم پڑے ہوئے اسے چھوڑ دو۔ بغاوت کرنے والا ملعون ہے۔ کیا تم روز صفین علیؑ کے مقابلہ سے اپنی جان لے کر بھاگے نہیں۔ تمہیں اپنی جان کی بڑی پروا تھی اور ڈرتے تھے کہ کہیں موت کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ حالانکہ ہر جوان کو ایک دن موت پا لینے والی ہے۔

ایسے دونوں شخصوں کے متعلق کوئی شخص کیا کہہ سکتا ہے کہ کہاں تو دونوں مقتول خلیفہ کے خون کے طالب اور علیؑ کو ظالم قرار دے کر ان سے انتقام لینے پر باہمی سمجھوتا کئے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کو ایسی دھمکیاں دیتے ہیں۔ ایک دوسرے پر سب و شتم کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔

پہلے زمانہ کے لوگوں کو جو ان حادثات اور فتنہ و فساد رونما ہونے کے پہلے ہی دنیا سے گذر چکے تھے۔ انہیں معاویہ کی حقیقت بھی اچھی طرح معلوم تھی اور عمرو عاص کی بھی، وہ بخوبی آگاہ تھے کہ یہ دونوں کتنے حریص اور فوائد و منافع کی لالچ میں کس حد تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر جو بڑے قیافہ شناس اور لوگوں کی طبیعتوں سے بخوبی واقف تھے انہوں نے اپنے مرنے سے چند لمحے پہلے لوگوں کو معاویہ اور عمرو عاص کی طرف سے پوری طرح ہشیار کر دیا تھا۔ آپ نے کہا تھا:

"اے اصحاب محمدؐ ایک دوسرے کے خیر خواہ رہنا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم پر عمرو عاص اور معاویہ بن ابی سفیان غالب آجائیں گے۔"

بعد میں آنے والوں نے بھی حضرت عمر کی اس قیافہ شناسی اور دور بینی کی تائید و توثیق کی۔ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی بھی گذری ہے جو بہت سے امور و معاملات میں عقل و وجدان کو حکم بناتے اور ان دونوں کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرتے ہیں ان لوگوں نے معاویہ و عمرو عاص دونوں کو اس بناء پر خائن قرار دیا ہے کہ انہوں نے علیؑ سے جنگ کی جو خلیفہ برحق تھے۔ جیسا کہ فرقہ معتزلہ کا مسلک ہے۔ معتزلی حضرات لوگوں کے اعمال و افعال کے تجزیہ اور تنقید میں بہ نسبت دیگر اسلامی فرقوں کے زیادہ بے باک گذرے ہیں ان میں سے اکثر حضرات نے معاویہ و عمرو عاص سے اظہار بیزاری کیا ہے جیسا کہ صاحب المنیۃ والامل نے تصریح کی ہے اور ان دونوں کو اموال عامہ کا چور اور ڈاکو قرار دیا ہے۔ (دیکھئے کتاب فجر الاسلام صد ۲۷۲)

معاویہ ٹھیک ویسے ہی تھے جیسا کہ علیؑ نے ان کی تصویر کشی کی ہے۔ "رحب البلغوم مندحق البطن

یا کل ما یجد و یطلب ما لا یجد۔ وسیع حلقوم اُبھری ہوئی توند والے جو پاتے کھا جاتے اور جو نہ پاتے اُس کی تلاش میں رہتے اور عمرو عاص کے متعلق آپ فرماتے ہیں :۔

جھوٹ بات کہتے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرتے اگر کسی سے کوئی چیز مانگتے تو اس کے لئے پیچھے پڑ جاتے۔ اور جب خود اُن سے کوئی چیز مانگی جاتی تو بخل سے کام لیتے اور اگر عہد و پیمان کرتے تو اُس کو توڑ ڈالتے۔

یہ تمام صفتیں دونوں میں مشترک تھیں ان صفات میں شریک ہونے کی وجہ سے دونوں ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔ وسیع حلقوم والا جب بڑے شکم کا ہو گا تو لازمی ہے کہ جو پائے وہ چٹ کر جائے اور جو نہ پائے اس کی فکر میں رہے اسے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام اور نہ وہ عدل و انصاف کے مفہوم سے آشنا ہوتا ہے نہ ظلم و جور کے نہ اُسے حسن و قبح کی خبر ہوتی ہے نہ فضیلت و کمینگی کی اور انسان جب دروغ گو ہوتا ہے وعدہ خلافی کرتا ہے۔ کوئی چیز مانگتے وقت پیچھے پڑ جاتا ہے خود بخالت سے کام لیتا ہے۔ عہد و پیمان کر کے توڑ ڈالتا ہے تو اس کی یہ تمام حرکتیں ذاتی منفعت اور شخصی فائدہ کے لئے ہوتی ہیں تو امیر المومنین کے فقرات کا مفہوم یہی نکلا کہ ان دونوں کے عمل کا دارو مدار ذاتی منفعت تھی۔ لہٰذا ان دونوں کو غدّاری و خیانت پر ایکا کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی اور وہ بھی اُس وقت جب کہ ایکا کرنے ہی میں دونوں کا فائدہ تھا اگرچہ اندرونی طور پر ایک کو دوسرے سے کوئی قلبی لگاؤ نہ ہو اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر المومنینؑ فرماتے ہیں :۔

”میں نے ان دونوں بدکاروں کا خط پڑھا جو خدا کی نافرمانی کرنے میں ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے ہیں الخ (یعنی معاویہ و عمرو عاص)

علیؑ کے دشمنوں نے علیؑ کے خلاف بہت مستحکم اور منظّم طریقہ پر سازش کی۔ سازش کرنے والے بے شمار تھے اور اُن کی غرض و غایت بھی جداگانہ تھیں۔ کوئی کسی وجہ سے علیؑ کے خلاف سازش کر رہا تھا کوئی کسی غرض سے لیکن اس بات پر سب متفق تھے کہ علیؑ ہم پر حکمرانی نہ کرنے پائیں وہ حاکم اور ہم اُن کے تابع فرمان نہ ہوں۔ اس سازش کو منظّم اور مضبوط بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ معاویہ کا تھا۔ اصل کرتا دھرتا وہی تھے۔ دوسرے لوگ اُن کے اعوان و انصار تھے اسی موقع پر کہنا پڑتا ہے کہ جنگ جمل بھی جو ہوئی تو معاویہ ہی کی وجہ سے ہوئی اگر پردہ کے پیچھے بیٹھ کر معاویہ اس جنگ کے سامان فراہم نہ کرتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے ہی علیؑ کی بیعت ہوئی فوراً ہی معاویہ نے بنی عمیس کے ایک شخص کو خط دے کر زبیر کے پاس روانہ کیا جس میں لکھا تھا۔

”معاویہ بن ابوسفیان کی طرف سے امیر المومنین عبداللہ الزبیر کے نام۔

بعد سلام واضح ہو کہ میں نے آپ کے لئے اہل شام سے بیعت لے لی ہے اُنہوں نے بڑی خوشی سے آپ کو امیر المومنین بنا لیا ہے۔ اب آپ کو چاہیے کہ کوفہ و بصرہ والوں کو اپنے ساتھ ملا لیں کیونکہ اگر ان دونوں شہروں کے لوگوں نے

آپ کی اطاعت قبول کر لی تو آپ کے لئے راستہ بالکل صاف ہے۔ آپ کے بعد میں نے طلحہ بن عبید اللہ کے لئے بیعت لی ہے اب آپ کو چاہیئے کہ علیؑ سے عثمان کے انتقام کا مطالبہ کریں اور لوگوں کو اپنی طرف بلائیں۔ آپ دونوں کی طرف سے اس معاملہ میں پوری کوشش اور جلدی ہونی چاہیئے۔ خدائے تعالیٰ آپ دونوں کو کامیاب اور آپ کے دشمنوں کو خائب وخاسر کرے۔"

جب یہ خط زبیر کے پاس پہنچا تو وہ بے حد خوش ہوئے اور طلحہ کو بھی یہ خط دکھایا۔ معاویہ کی خیر خواہی سے دونوں دھوکا کھا گئے۔ اسی وقت ان دونوں نے معاویہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنی بیعتیں توڑ دیں۔ اور حضرت علیؑ سے آمادۂ پیکار ہو گئے جس کے نتیجہ میں جنگ جمل پیش آئی۔ معاویہ کی مراد بر آئی کہ خلیفۂ وقت علی ابن ابی طالب اور طلحہ و زبیر امیدواران خلافت آپس میں لڑ جائیں اور دونوں کی طاقت کمزور ہو جائے۔ جنگ جمل کا خاتمہ ہوتے ہی معاویہ نے ذی اثر سرداران قبائل اور معززین قریش کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ ایک کا سیم و زر سے گھر بھر دیا تو دوسرے سے طرح طرح کے وعدے کئے۔ جس کسی سے بھی توقع ہوئی کہ وہ علیؑ کے خلاف ہماری مدد کرے گا یا مدد نہ بھی کرے تو نہ ہمارا ساتھ دے گا نہ علیؑ کا اُسے مالا مال کر دیا اور جس کے متعلق یہ نہیں اندازہ ہوا کہ یہ نہ تو ہماری مدد کرے گا اور نہ ہماری بغاوت اور سرکشی پر چپکا تماشائی بنا رہے گا اُسے نت نئے وعدے دیئے اور گمراہ کرنے کی امکانی کوشش کی۔ علیؑ کے خلاف معاویہ کی سازشی کارروائیوں میں سب سے بڑے مددگار عمرو عاص تھے وہ عمرو عاص جن کا معاویہ کے ساتھ گٹھ جوڑ معلوم ہونے پر بھی آپ کو گوارا نہ ہوا کہ آپ اُن کی چاپلوسی اور انہیں راضی کرنے کی کوشش کریں۔ جس طرح آپ سخت سے سخت وقت پڑنے پر بھی ہر قسم کی سازشی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے پاک و صاف رہے۔ صداقت و حقانیت کا دامن آپ سے چھوٹنے نہ پایا اسی طرح معاویہ اور عمرو عاص کا گٹھ جوڑ بھی آپ کے پائے ثبات میں تزلزل پیدا کرنے سے قاصر رہا چنانچہ آپ نے عمرو عاص کو خط میں لکھا:۔

"تم نے اپنے دین کو ایک ایسے شخص کی دنیا کے پیچھے لگا دیا ہے جس کی گمراہی ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے جس کا پردہ چاک ہے جو اپنے پاس بٹھا کر شریف انسان کو بھی داغدار اور سنجیدہ و بردبار شخص کو بے وقوف بناتا ہے تم اس کے پیچھے لگ گئے اور اس کے بچے کھچے ٹکڑوں کے خواہشمند ہو گئے جس طرح کتا شیر کے پیچھے ہو لیتا ہے اس کے پنجوں کو امید بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا۔ اور اس انتظار میں کہ اُس کے شکار کے بچے کھچے حصہ میں سے کچھ آگے پڑ جائے۔ اس طرح تم نے اپنی دنیا و آخرت دونوں کو گنوا دیا حالانکہ اگر حق کے پابند رہتے تو بھی تم اپنی مراد کو پا لیتے۔ اب اگر اللہ نے مجھے تم پر اور فرزند ابو سفیان پر غلبہ دیا تو میں تم دونوں کو تمہارے کرتوتوں کا مزا چکھا دوں گا اور اگر تم میری گرفت میں نہ آئے اور میرے بعد زندہ رہے تو جو تمہیں اس کے بعد درپیش ہو گا وہ تمہارے لئے بہت برا ہو گا۔ والسلام۔"

گرد آلود ہوائیں

وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے جن کی تلوار تاریکیوں کو چاک چاک کر دیتی اور دشمنوں پر بجلی کی کڑک کی طرح ٹوٹتی اور تیز و تند ہواؤں کی طرح انہیں تتر بتر کر دیتی ان کے آنکھوں کے آنسو اب شراروں سے بدل چکے تھے اور اُن کے دل کی نرمی اور مہربانی آگ برسا رہی تھی۔

وہ فقیروں کے لئے آندھیوں کے مقابلہ میں سر چھپانے کی جگہ کمزوروں کے لئے سیلاب کے مقابلہ میں دیوار تھے اور بے بسوں کے لئے مہلکوں سے بچنے کا ذریعہ تھے اور چلچلاتی دھوپ میں رات جیسا سایہ تھے۔

وہ علی ابن ابی طالب تھے جن کے بارے میں اور جن کی تلوار کے بارے میں لوگوں کے ساتھ زمانہ بھی عنقریب پکار اُٹھے گا۔ لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی۔ کوئی تلوار نہیں سوا ذوالفقار کے اور کوئی جوان نہیں سوا علیؑ کے۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد معاویہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار سے زیادہ جنگ جو شامیوں کا لشکر لے کر منزلیں طے کرتے ہوئے عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ اور صفّین کی وادی میں پہنچ کر نہر فرات کے کنارے رقہ سے قریب ٹھہرے اور پیش دستی کر کے کشادہ اور ہموار زمین پر اپنی فوجیں اتار دیں۔ صفین ایک وادی ہے فرات کے نزدیک اس وادی اور فرات کے درمیان بکثرت درخت اور پانی کے چشمے تھے۔

حضرت علیؑ بھی کوفہ سے اپنا لشکر لے کر مدائن اور رقہ ہوتے ہوئے صفّین کی طرف بڑھے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ شفقت و

مدارات سے کام لے کر معاویہ کو سرکشی سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے اور اگر نہ مانیں گے تو بدرجۂ مجبوری تلوار کے ذریعہ ان کو سیدھا کرنے کی کوشش کریں گے جب آپ صفین پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ معاویہ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر ہے جس نے دریا کی طرف اپنے مورچے قائم کر لئے ہیں تاکہ آپ کا لشکر پانی تک نہ پہنچنے پائے آپ نے معاویہ کے پاس کہلا بھیجا۔

ہم لوگ یہاں پانی کے لئے لڑنے نہیں آئے ہیں اگر تم سے پہلے ہم یہاں پہنچ گئے ہوتے تو تمہیں کبھی پانی سے نہ روکتے۔

عمرو عاص نے معاویہ کو بہت سمجھایا کہ علیؑ اور ان کے لشکر کو پانی سے نہ روکو۔ علیؑ کی شجاعت و بہادری سے دنیا واقف ہے ان کے ساتھ جنگ آزما بہادروں کا لشکر ہے یہ ناممکن ہے کہ وہ پیاسے رہیں۔ معاویہ نے کہا خدا کی قسم یہ پہلی کامیابی ہے خدا مجھے حوضِ کوثر سے سیراب نہ کرے اگر یہ لوگ اس دریا کا پانی پی لیں ہاں ہم سے جیت جائیں تو بات دوسری ہے۔ معاویہ کے ہمراہیوں کی ہمتیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ انہوں نے علیؑ کے منہ پر یہ فقرہ کہا " ایک قطرہ بھی تمہیں نہیں ملے گا یہاں تک کہ تم پیاسے مرجاؤ " فوجی لحاظ سے علیؑ کی پوزیشن بہت کمزور تھی لیکن آپ نے مالک اشتر کو گھاٹ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور انہوں نے اپنی محیر العقول شجاعت سے کام لے کر معاویہ کے سپاہیوں کو دریا سے مار بھگایا اب دریائے فرات امیرالمومنینؑ کے لشکر کے قدموں میں تھا۔ علامہ ابن قتیبہ کی روایت کی بنا پر عمرو عاص نے معاویہ کی اس ہزیمت پر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

" معاویہ! اب بتاؤ اگر یہ لوگ تم پر اسی طرح پانی آج بند کر دیں جس طرح تم نے بند کر دیا تھا تو کیا ان کی طرح پانی کے لئے تم بھی لڑ سکتے ہو؟ لیکن جو حرکت تم نے مباح سمجھی علی کبھی مباح نہیں سمجھیں گے۔

امیرالمومنینؑ کے بعض ساتھیوں نے چاہا کہ ہم بھی معاویہ اور اُن کے لشکر کے ساتھ وہی برتاؤ کریں اور پانی بند کر دیں جس طرح انہوں نے ہم پر پانی بند کر دیا تھا لیکن اس مردِ عظیم و بزرگ نے ان ساتھیوں کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور آپ نے اپنے دشمنوں کے لئے بھی پانی اسی طرح کھلا رکھا جس طرح آپ کے ساتھیوں کے لئے تھا آپ کے ہمراہیوں نے بہت اصرار کیا کہ " امیرالمومنینؑ آپ بھی ان پر اسی طرح پانی بند کر دیجئے جس طرح انہوں نے آپ پر پانی بستہ کر دیا تھا۔ ایک قطرہ بھی انہیں پینے نہ دیجئے۔ انہیں پیاس کی تلوار سے مار ڈالئے۔ جنگ و جدال کی ضرورت ہی نہیں۔ انہیں ہاتھوں سے پکڑ لیجئے "

آپ نے فرمایا:۔

انہوں نے جیسی حرکت کی ویسی حرکت میں نہیں کر سکتا ان کے لئے گھاٹ کا راستہ کھول دو۔"

اگر معاویہ کے لشکر والوں میں ذرا بھی شرافت ہوتی تو وہ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ کر سکتے تھے کہ علیؑ کیا ہیں اور معاویہ کیا! کون حق پر ہے اور کون باطل پر اور یہ سمجھ سکتے تھے کہ علیؑ کے مقابلہ میں معاویہ کی نصرت و مدد کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے اس شخص کی مدد کرنا جو پیغمبر سے برسرپیکار ہو اور جیسے چور ڈاکوؤں کی مدد کرنا۔

عمرو عاص تو جو کچھ دین و ایمان رکھتے تھے وہ بہت پہلے سے مصر کی حکومت کے بدلے فروخت کر چکے تھے۔ ورنہ

معاویہ کی نصرت و مدد پر اُن کے جمے رہنے کی اور کیا توجیہ کی جا سکتی ہے۔ جب کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ایسے مجسمۂ حق کے مقابلہ میں معاویہ پرِ مگس برابر بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

صفین کی لڑائی میں شام والوں نے علیؑ کو گالیاں دیں، آپ کے شان میں نا سزا کلمات کہے۔ معاویہ نے یہ سب کچھ سُنا اور پسند کیا بلکہ غالباً خود لوگوں کو اُکسایا یا صاف لفظوں میں حکم دیا جیسا کہ اُنہوں نے اپنے دورِ حکومت میں علیؑ پر سبّ و شتم کرنے کا دستور ہی مقرر کر رکھا تھا۔ یہ حرکت معاویہ کی پیشانی پر وہ کلنک کا ٹیکہ ہے جو مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ اسی حرکت سے اُنہوں نے ہمیشہ کے لئے لوگوں کی نگاہوں میں اپنے کو ذلیل و خوار بنا لیا۔

عراق والوں نے جب اہلِ شام کو اس طرح سبّ و شتم کرتے سُنا تو اُنہوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہا۔ آپ کو جب یہ خبر ملی تو اُسے آپ نے اپنے لشکر والوں کی ذلت اور اُن کی شرافت و فضیلت کو داغدار بنانے والی حرکت سمجھا، آپ نے اپنے اصحاب کے سامنے تقریر کی جو آپ کے دستور اور نظامِ حکومت میں ایک تابناک اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے اپنے ہمراہیوں کو تلقین کی کہ تمام خلائق سے خواہ وہ دوست ہوں یا دشمن خوش اخلاقی اور حسنِ سلوک سے پیش آئیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے لگو۔ اگر تم ان (شام والوں) کے کرتوت کھولو اور اُن کے صحیح حالات پیش کرو تو یہ ایک ٹھکانے کی بات اور عذر تمام کرنے کا صحیح طریق کار ہوگا۔ تم گالم گلوچ کے بجائے یہ کہو:۔

خدایا ہمارا ایمان بھی محفوظ رکھ اور اُن کا بھی اور ہمارے اور اُن کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا تا کہ حق سے بے خبر حق کو پہچان لیں اور گمراہی و سرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑ لیں۔"

علیؑ نے جیسا کہ ان کی ہمیشہ کی عادت تھی انتہائی کوشش کی کہ جدال و قتال کی نوبت نہ آئے بلکہ صلح و صفائی ہو جائے مگر آپ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک عرصہ تک آپ نے مروت و مردانگی کا دروازہ کھلا رکھا لیکن شامیوں میں عقل و شعور کا اتنا فقدان تھا کہ ان میں نیک و بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے پر آپ قادر نہ ہو سکے۔

آپ کے ہمراہیوں کو بڑی حیرت تھی کہ آخر آپ جنگ شروع کرنے میں اتنی تاخیر کیوں کر رہے ہیں کیوں نہیں ہمیں "دو دو ہاتھ" کرنے کی اجازت دیتے۔ آپ نے فرمایا:۔

"تم لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ پس و پیش کیا۔ اس لئے ہے کہ میں موت کو ناگوار جانتا ہوں اور اس سے بھاگتا ہوں تو خدا کی قسم مجھے ذرا برابر پروا نہیں کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف بڑھے اور اسی طرح تم لوگوں کا یہ کہنا کہ مجھے اہلِ شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ تامل ہے تو خدا کی قسم میں نے جنگ کو ایک دن کے لئے بھی التوا میں نہیں ڈالا۔ مگر

اس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آکر مل جائے اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں انہیں قتل کر دینے سے کہیں زیادہ پسند ہے اگرچہ اپنے گناہوں کے ذمہ دار بہر حال یہ خود ہوں گے۔"

جب حضرت علیؑ کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ شام والے اپنی گمراہی سے ہرگز باز نہ آئیں گے وہ فسق و فجور کو نہ چھوڑیں گے وہ فسق و فجور کو نہ چھوڑیں گے بلکہ اس میں اور ڈوبے رہیں گے اور جنگ لامحالہ ہو کر رہے گی تو آپ نے دونوں صفوں کے درمیان اور معاویہ کے لشکر والوں کے سامنے فرمایا:-

"خداوندا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری خوشنودی اسی میں ہے کہ میں نوکِ شمشیر اپنے شکم پر رکھوں اس پر جھک جاؤں اور اتنا زور ڈالوں کہ وہ میری پیٹھ توڑ کر باہر نکل جائے تو تو بہتر جانتا ہے کہ میں ضرور ایسا کر گذرتا۔ خداوندا میں وہی کچھ جانتا ہوں جو تو نے ہمیں تعلیم کیا ہے آج کے دن اس سے بڑھ کر کوئی نیک کام میں نہیں جانتا کہ ان بدکاروں سے جہاد کیا جائے اگر اس کے علاوہ کوئی اور عمل زیادہ موجب ہوتا تیری رضا کا تو میں یقیناً اس کے کرنے سے باز نہ آتا۔"

پھر آپ نے فرمایا:-

"اے اس زمین کے پروردگار جسے تو نے انسانوں کی قیام گاہ اور حشرات الارض اور چوپایوں اور لاتعداد دیکھی اور ان دیکھی مخلوق کے چلنے پھرنے کا مقام قرار دیا ہے۔ اے مضبوط پہاڑوں کے پروردگار جنہیں تو نے زمین کے لئے میخ اور مخلوقات کے لئے (زندگی) کا سہارا بنایا ہے (اے اللہ) اگر تو نے ہمیں دشمنوں پر غلبہ دیا تو ظلم سے ہمارا دامن بچانا اور حق کے سیدھے راستہ پر برقرار رکھنا اور اگر دشمنوں کو ہم پر غلبہ دیا تو ہمیں شہادت نصیب کرنا اور فریب حیات سے بچائے رکھنا۔"

جنگ شروع ہونے سے کچھ ہی دیر پہلے عمرو عاص نے بطور رجز کچھ اشعار نظم کئے جن میں اپنے مکر و فریب اور چالاکیوں کا بڑے فخر سے ذکر کیا تھا یہ اشعار لکھ کر انہوں نے حضرت علیؑ کے پاس بھیجے۔ ان میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

ابوالحسن ہماری طرف سے بے خوف نہ رہنا۔ ہم جب کسی معاملہ کو ہاتھ میں لیتے ہیں تو اسے خوب مضبوط کر دیتے ہیں

اس کا جواب حضرت علیؑ کے کسی ہمراہی نے دیا۔

اپنی لڑائی میں ابوالحسنؑ سے بچ کے رہنا جو شیر بیشہ شجاعت اور شیروں کے باپ ہیں چوکنے اور انتہائی ہوشیار ہیں۔ تمہیں اس طرح پیس کر رکھ دیں گے جس طرح ہاون دستہ میں کوئی چیز کوٹی جائے۔ اے نادان! تیری عقل کیسی ماری گئی یہاں تک کہ تو ہاتھ کاٹتا اور دانت پیستا ہے۔

قبائل ربیعہ و مضر کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علیؑ کے طرفداروں میں تھے انہوں نے ایک دوسرے کو پکار کر کہا واسے ہو تم پر کیا تم کو جنت کا اشتیاق نہیں۔

یہ کہہ کر پوری طاقت سے شام کے لشکر پر وہ چل پڑے ان کی صفیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیں۔ اتنے آدمی مارے کہ شامیوں

کے لشکر میں نمایاں کمی محسوس ہونے لگی سارا لشکر بدحواس ہوگیا۔ قبیلہ ربیعہ کے ایک شخص محرز بن ثور نے رجز کے یہ اشعار پڑھے۔

میں ان شامیوں کو اپنی تلوار سے مارتا ہوں مگر ان میں معاویہ نہیں دکھائی دیتے۔ جو کج نگاہ اور بڑے شکم والے ہیں۔ انہیں آتش جہنم نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ وہاں بھونکنے والے کتے ان کے پڑوسی ہیں۔ وہ انتہائی سرکش اور باغی اور گمراہ ہیں۔

قبائل ربیعہ و مضر والوں کو یقین محکم تھا کہ ہم حق کی مدد کر رہے ہیں۔ ان کا ایک شاعر کہتا ہے:۔

حق کی حمایت و نصرت میں قبیلہ ربیعہ والوں نے انتہائی سرعت سے کام لیا۔ حق ہی ان کی شاہراہ ہے۔

فریقین کے درمیان انتہائی ہولناک اور سخت ترین جنگ ہوئی اور بہت بڑی تعداد میں لوگ مقتول ہوئے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ شام والوں پر ناگہانی موت کی طرح ٹوٹ پڑے جس پر بھی وار کیا اُسے واصل جہنم کیا۔ وہ نیزہ نہیں چلا رہے تھے بلکہ قضا و قدر نیزہ زنی کر رہی تھی۔

فتنہ کے جس سرغنہ پر حملہ آور ہوئے وہ موت کو اپنے سر پر دیکھ کر بزدلی کے مارے بھاگ نکلا۔ ڈر کی یہ کیفیت کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

علیؑ کی محیر العقول شجاعت و دلیری ہر لحظہ تازہ نمونے اور نئے نئے معجزے پیش کر رہی تھی۔ اُس وقت علیؑ زرہ بھی تھے قلعہ بھی تھے اور سپر بھی، اُنہیں دشمن کے حملے کا کوئی خوف نہ تھا وہ انتہائی بے پروائی و بے خوفی سے نیزہ و شمشیر کے مقابلہ پر ڈٹ جاتے اور اپنی پیشانی سے نور کی بجلیاں بدکاروں پر گرا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ بڑے بڑے سورما بدحواس ہو کر بھیڑ بکریوں کی طرح آپ کے سامنے سے بھاگتے تھے۔

میری آنکھیں گویا کہ وہ منظر دیکھ رہی ہیں کہ آپ سپید رنگ کے گھوڑے پر سوار ہیں جس جس طرف گھوڑا رخ کرتا ہے ہمائے سعادت اپنے پر پھیلائے اُس کے سر پر سایہ فگن ہے اور جہاں جہاں اُس کی ٹاپیں پڑتی ہیں وہاں وہاں اُس کے آتشیں نقش ابھر آتے ہیں۔

میری آنکھیں آپ کے دستِ مبارک کو دیکھ رہی ہیں کہ جب آپ ذوالفقار کو بلند کرتے ہیں تو وہ دراز ہو کر پوری فضا پر چھا جاتی ہے یہاں تک اُفق کے کناروں کو چھونے لگتی ہے اور ہر جگہ حق کے نور کی بہت سی نشانیاں چھوڑ جاتی ہے۔

میری آنکھیں ایک جنگ آزما بہادر کو دیکھ رہی ہیں جو موت کے جھکڑوں میں بار بار ڈوب جاتا ہے اور صحیح و سالم نکل آتا ہے وہ جب تلوار یا نیزے کا وار کرتا ہے یا دشمن کی طرف لپکتا ہے تو بڑے بڑے بہادروں کے کلیجے منہ کو آجاتے ہیں۔ سروں کی بوچھار ہونے لگتی ہے۔ لاشوں سے زمین پٹ جاتی ہے۔ ہر جانب اور ہر سمت لوگوں کے لب و زبان اور حلقوم سے ہزاروں ہزار فریادیں بلند ہوتی ہیں کہ یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ یہ اسلام کے شہسوار اور حق و عدالت کے علمدار ہیں۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جنہوں نے جزیرۂ عرب کے ہولناک شیر عمرو بن عبدود کو اُس دن جب کہ جنّت زیرِ سایۂ شمشیر تھی خاک میں ملا دیا تھا علیؑ اُس دن کم سن تھے مگر ایمان کے لحاظ سے بہت ہی بزرگ۔

یہ وہی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جنہوں نے قلعہ خیبر کا در اکھاڑ لیا تھا ایسے وقت میں جب کہ بڑے بڑے سورماؤں کے بدن میں خوف و دہشت کے مارے تھرتھری پڑی ہوئی تھی۔ علیؑ نے قلعہ کا دروازہ اُکھاڑ کر اُس کو سپر بنا لیا وہ دروازہ اپنی غیر معمولی گراں باری کے باوجود علیؑ کے ہاتھ میں اتنا ہی سُبک تھا جیسے طائر کا پر و بال۔

یہ وہی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں کہ اگر انہیں تن تنہا رُوئے زمین کے باشندوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑے تو انہیں پروا نہ ہو۔ نہ ذرا بھی ہراساں ہوں اور اپنی مُحیّر العقول دلیری سے کام لیتے ہُوئے اُن سب پر ٹوٹ پڑیں۔

یہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں جنہیں کوئی پروا اس کی نہ ہوتی کہ وہ خود موت پر جا پڑے ہیں یا موت اُن کی طرف نکل پڑی ہے

یہ علی ابن ابی طالب ہیں جو جہاد و قتال کے اس مفہوم و معنی سے واقف تھے جس سے دوسرے آگاہ نہ ہو سکے دُوسرے اور مقصد سے جنگ کرتے تھے علیؑ اور مقصد سے۔

علیؑ نے زہد کے ذریعہ جہاد کو سربلندی عنایت کی اور دوسرے زاہدوں نے گوشۂ عافیت کو۔ بے بسوں کمزوروں کی محبت و ہمدردی نے علیؑ کو مضبوط قلعوں کے سر کرنے پر آمادہ کیا۔ غریبوں ناداروں کی محبت میں انھوں نے دشمنوں کے محلات زمین کے برابر کئے انھوں نے جنگ اس لئے کی کہ مکارمِ اخلاق کے بلند ترین منزل پر فائز تھے۔ عوام کی محبت نے انہیں اس ہولناک لڑائی لڑنے پر مجبور کیا۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جن کی تلوار کی بجلیاں تاریکیوں کو روشن کر دیتی ہیں اور دشمنوں کے سروں پہ بجلیاں گراتی ہے اور گرد آلود ہواؤں کے جھکڑ چلاتی ہے۔

بڑے بڑے ہولناک و مہیب دشمن علیؑ کی ہیبت سے راہِ فرار اختیار کرتے آپ کی آنکھوں سے بجائے آنسوؤں کے چنگاریاں جھڑتیں اور عوام کی محبت آپ کے سینہ میں مثلِ آتش فروزاں تھی۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں کہ جب اپنی تلوار بے دینوں پر کھینچ لیتے ہیں تلوار ان بے دینوں کے منہ پر خندہ زن ہوتی ہے جس طرح مرد پارسا شوخ چشم گنہگار پر متبسم ہوتا ہے۔

یہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں کہ جب آپ کی شمشیر فضا میں چمک کر گرتی ہے تو بنو امیہ کے چنگل میں گرفتار عوام چیخ پڑتے ہیں ہماری جانیں تجھ پر قربان اے حق کی تلوار اور ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے والے۔

یہ علی ابن ابی طالب ہیں جو فقیروں کے لئے آندھیوں کے مقابلہ میں سر چھپانے کی جگہ ہیں کمزوروں کے لئے سیلاب کے مقابلہ میں دیوار ہیں اور بے بسوں کے لئے مہلکوں سے بچنے کا ذریعہ ہیں اور چلچلاتی دھوپ میں راحت بخش سایہ ہیں۔

یہ علیؑ ابن ابی طالب کہ جن کے قدم جہاں پڑتے ہیں زمین سبزہ سے لہلہا اُٹھتی ہے اُس زمین پر بارانِ رحمت ہوتا ہے۔ چہرۂ مبارک کے آپ سے نہریں رواں ہیں اور آپ کی محبت کے سبب دریا کی موجوں میں جوش و خروش ہے۔

یہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں کہ ہر پاک دل آپ کا نام سُن کر خوش ہوتا ہے لیکن ناپاک دل اندوہ گیں اور افسردہ ہو جاتے ہیں۔

یہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں جن کے بارے میں اور جن کی تلوار کے بارے میں زمانہ عنقریب پکار اُٹھے گا کہ "لا سیف الا ذوالفقار و لا فتی الا علی۔ کوئی تلوار، تلوار کہے جانے کی مستحق نہیں سوا ذوالفقار کے اور کسی کو جواں مرد کہنا زیبا نہ ہوگا سوا علیؑ ابن ابی طالب کے۔

یہ علی ابن ابی طالب ہیں، اے فتنہ پرور ندہ بھاگ ان سے ورنہ تمہیں نہ کسی پہاڑ پر پناہ ملے گی نہ کسی ہموار زمین میں۔

زمین کے گوشہ گوشہ سے یہ صدائیں جو بلند ہوئیں وہ قطعی و یقینی ہیں۔ شامیوں کو اہلِ عراق کی شجاعت اور قوتِ ایمان کے سبب شدید ترین نقصانات پہنچے۔ تلواروں کی ضرب اور نیزوں کے وار سے اُن کا دم نکل گیا اور زمین اُن کے پیروں کے نیچے ہلنے لگی۔ جو نیزہ کی زد پر آیا اُسے عراق والوں نے نیزہ سے مار گرایا اور جو تلوار کے سامنے آیا تلوار نے اُس کا سر اُڑا دیا۔ اُن کی صفیں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ اُن کی آگ بجھ گئی۔ وہ سرکش ظالم اور راہ راست سے منحرف تھے اُن کا سپہ سالار بھوکوں کو بھوکا اور پیاسوں کو پانی سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

۳ مہینے، ۲۰ دن صفین میں دونوں فوجیں برسرپیکار رہیں۔ ۹۰ جھڑپیں ہوئیں۔ اس مدت میں طولانی جنگ ہوتی رہی مگر سب سے سخت اور گھمسان کی لڑائی مکمل دو ہفتے ہوئی یہ وہی گھمسان کی لڑائی ہے جو واقعہ ہریر کے نام سے موسوم ہے اس گھمسان کی لڑائی اور خونیں جنگ میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی دونوں طرف کے قتل ہوئے۔ دونوں طرف لڑنے والوں میں بھائی بھائی تھے، دوست دوست تھے، خاندانی اعزہ تھے، ایک نے دوسرے کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ قبیلہ ازد والوں نے اس جنگ کے موقع پر کہا تھا، ہم خود اپنے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ کاٹ رہے ہیں یہ ہمارے دست و بازو ہیں جنہیں ہم اپنی تلواروں سے قطع کر رہے ہیں جنگ کے دوران میں حضرت علیؑ کے سپاہی چار مرتبہ معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گئے اور قریب تھا کہ انہیں گرفتار کر لیں۔ جب معاویہ کو یقین ہو گیا کہ ہمارے لشکر کی ہزیمت و پسپائی کوئی گھڑی کی بات ہے ان کے ہاتھ کانپنے لگے دل بیٹھنے لگا خوف و دہشت کے مارے ہاتھ پیر ڈھیلے ہونے لگے دل کو قابو میں رکھنے کی کوئی صورت ہی نظر نہ آتی تھی سوا اس کے کہ جس طرح بن پڑے جان بچا کر بھاگ نکلیں۔ انہوں نے اپنا گھوڑا منگایا اور بیٹھ کر بھاگ نکلنے کے لئے بالکل تیار ہو گئے اُدھر علیؑ ابن ابی طالب اپنی شمشیر زنی سے صفوں پر صفیں اُلٹتے جاتے تھے جو جماعت بھی سامنے آئی ٹوٹ پھوٹ گئی پیر جمنے بھی نہ پائے کہ راہِ فرار اختیار کرنی پڑی معاویہ

نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جہاں تک ہو سکے لڑتے جاؤ، علیؑ کے حملوں کو روکتے رہو، اُنہیں اُمید تھی کہ شیطان اُن کے لئے اور عمرو عاص کے لئے کوئی راہ نکال دے۔ اب دونوں فریق پھر سے ایک دوسرے پر پل پڑے اور تین روز تک ہولناک جنگ ہوتی رہی، مؤرخین کا بیان ہے کہ ان آخری تین دنوں میں جیسی گھمسان کی جنگ ہوئی اور جتنے لوگ قتل ہوئے اسلام میں کبھی بھی ایسی جنگ نہیں ہوئی۔

ابن قتیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے نصف شب میں کوچ کرنے کی منادی کرائی۔ جب معاویہ نے اونٹوں کی آواز سُنی تو فوراً عمرو عاص کو بُلا کر پوچھا کہ یہ کیا قصّہ ہے؟ عمرو عاص نے کہا میرا خیال ہے کہ علیؑ بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں جب صبح ہوئی تو دیکھنے میں آیا کہ علیؑ اپنے ہمراہیوں کو لے کر اُن کے سر پر آپہنچے ہیں۔ معاویہ نے عمرو عاص سے کہا تم تو کہہ رہے تھے، علیؑ بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں؟ عمرو عاص ہنسے اور کہا یہ علیؑ کی تدبیروں میں سے ایک تدبیر ہے۔ اُس وقت معاویہ کو یقین ہو گیا کہ اب موت سر پر آپہنچی اُسی وقت اہل شام نے فریاد بلند کی، "ہمارے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے"

شام والے انتہائی خستہ حال ہو چکے تھے اُن میں جنگ کرنے کی ذرا بھی صلاحیت باقی نہ رہی تھی اُنہوں نے نیزوں پر قرآن باندھے اور پہاڑ کی بلندی پر جا کر پناہ لی اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابوالحسن کتاب خدا نہ ٹھکرائیے آپ کتاب خدا پر عمل کرنے کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اور اس کے فیصلہ کی پابندی کرنے کے سب سے زیادہ سزاوار ہیں۔

یہ چال عمرو عاص نے چلی تھی، علیؑ کے ہمراہی عمرو عاص سے شدید نفرت کرتے تھے کیونکہ بقول مؤرخین اُنہوں نے اپنا دین دنیا کے عوض میں بیچ ڈالا اور معاویہ کو علیؑ پر ترجیح دی تھی۔

علیؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ صرف جان بچانے کے لئے تدبیر کی گئی ہے قرآن سے ان لوگوں کو واسطہ نہیں یہ تو صرف چال بازی ہے اس لئے آپ نے تحکیم کو قبول نہیں کیا مگر آپ کے ہمراہیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ کیا قرآن سے فیصلہ کرنے کو قبول کر لیا جائے؟ اس لئے کہ لڑائی تو اسی لئے لڑی جا رہی تھی کہ کتاب خدا پر عمل ہو اور اب شام والے خود کتاب خدا پر عمل کرنے کی دعوت دے رہے تھے یا شام والوں کی درخواست ٹھکرا دی جائے؟ اس نظریہ والوں کو احساس ہو گیا تھا کہ اب جب کہ فتح و کامرانی ہمارے قدم چوم رہی ہے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اہل عراق کے یہ دونوں فریق اپنی اپنی رائے پر سختی سے جمے ہوئے تھے ایک فریق کا اصرار تھا کہ لڑائی بند کر دی جائے دوسرا فریق لڑائی جاری رکھنے پر تُلا ہوا تھا لیکن علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اپنے دشمنوں سے وہ مصیبتیں نہ اُٹھائیں جو اُنہیں اپنے ہمراہیوں کی طرف سے اٹھانی پڑیں۔

جبران خلیل کہتا ہے علیؑ کی کیفیت اس پیغمبر جیسی تھی جو اپنے قوم کے علاوہ دوسری قوم کے لئے اور اپنے زمانہ کے علاوہ دوسرے زمانہ کے لئے مبعوث ہوا ہو۔ کیونکہ آپ سے قریب ترین تعلقات رکھنے والے اصحاب بھی آپ کو پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ آپ کے لشکر میں ہمیشہ کچھ ایسے لوگ رہے جو خشک مزاج اور درشت خصلت تھے وہ عہد و پیمان کر کے پیماں شکنی کرتے اور آپ کے خلاف ہنگامے کھڑے کرتے رہتے، وہ لوگ بھی جو آپ کی محبت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور وہ

لوگ بھی جو بادل ناخواستہ آپ کی مدد کر رہے تھے۔ دونوں کی ایک ہی کیفیت تھی۔ انہیں لوگوں میں سے ایک اشعث بن قیس بھی تھا جو انتہائی حریص اور ہوا و ہوس کا مجسمہ تھا۔ اُس کی نیتیں ہمیشہ خراب رہیں اور اُس نے علیؑ کے ساتھ ایک دو مرتبہ نہیں کئی مرتبہ غداری کی لیکن سب سے بڑی اور نمایاں غداری اُس کی جنگ صفین میں ظاہر ہوئی۔

جب معاویہ کی فوج والوں نے قرآن نیزے پر بلند کئے اور ہر طرف سے یہ دہائی آنے لگی کہ یہ قرآن ہمارے تمہارے درمیان ہے آؤ اس کے ذریعہ ہم فیصلہ کرلیں تو یہ حضرت علیؑ کے پاس پہنچا اور کہا۔

"میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ اس پر رضامند ہیں کہ شام والوں کی بات مان لی جائے اور قرآن سے فیصلہ کرانے کو قبول کر لیا جائے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں معاویہ کے پاس جاؤں اور پوچھوں کہ ان کا منشا کیا ہے؟

اس موقع پر اہل عراق کے دونوں گروہوں (ایک وہ جو جنگ جاری رکھنے پر مُصِر تھا۔ دوسرا وہ جو جنگ بند کرنے اور قرآن سے فیصلہ کرانے پر اصرار کر رہا تھا) میں نزاع و تکرار حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اشعث نے دوبارہ آکر حضرت علیؑ سے ضد کی کہ قرآن سے فیصلہ کرانے کی درخواست منظور کرلینی چاہیے۔ حضرت علیؑ اور آپ کے اصحاب کسی طرح اس پر تیار نہیں ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ اشعث کے ہم خیالوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ بعض لوگوں کی تو جرأت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے علی ابن ابی طالبؑ کو دھمکیاں بھی دے ڈالیں اور کہا:۔

"اے علیؑ آپ کتاب خدا کے فیصلہ کی طرف آیئے جب کہ آپ کو اس کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ ورنہ ہم انہیں تلواروں سے آپ کو قتل کر ڈالیں گے جس طرح عثمان کو قتل کیا تھا یا آپ کو پکڑ کر معاویہ کے حوالے کر دیں گے۔ معاویہ نے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم کتاب خدا کے فیصلہ پر عمل کریں ہم نے اُن کی یہ درخواست منظور کرلی ہے۔ خدا کی قسم آپ کو بھی یہ بات ماننی ہی پڑے گی ورنہ ہم آپ کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو کہہ چکے ہیں۔

حضرت علیؑ کی پوزیشن اس وقت انتہائی نازک ہوچکی تھی دو ہی صورتیں تھیں یا تو آپ ایسی صورت اختیار کرتے جس کے نتیجہ میں خود آپ ہی کے لشکر میں فتنہ و فساد پھوٹ پڑتا یا پھر ان بلوائیوں کی مرضی کے آگے سر جھکا دیتے۔

صورت حال کی نزاکت اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب اشعث بن قیس کی سرکردگی میں بلوائی آپ کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ اپنے سپہ سالار مالک اشتر کو میدان جنگ سے واپس بلا لیجئے ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے یا قتل کر ڈالیں گے۔

حضرت علیؑ نے بادلِ ناخواستہ مالک اشتر کو واپس بلا لیا اور بے بس مجبور ہو کر تحکیم قبول کرلی۔

معاویہ اور شام والوں نے اپنی طرف سے عمرو عاص کو حکم مقرر کیا۔ اشعث نے حضرت علیؑ سے کہا ہم آپ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کرتے ہیں۔

عمرو عاص مکر و فریب کا پتلا تھے اور ابو موسیٰ بیوقوفی کی حد تک سادہ لوح، علیؑ عمرو عاص کو اچھی طرح جانتے تھے اور ابو موسیٰ کو بھی آپ نے فرمایا:۔

"ابو موسیٰ اشعری مجھے پسند نہیں اس شخص نے عین وقت پر میرا ساتھ چھوڑا اور لوگوں کو میری مدد سے روکا پھر جان بچا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ میں نے ہی اُسے امان دی۔ البتہ میں ابن عباس کو حکم مقرر کرتا ہوں۔

اشعث اور اُس کے ساتھیوں نے کہا۔

ہم تو بس ایسے آدمی کو چاہتے ہیں جو آپ اور معاویہ دونوں کے لئے یکساں ہو۔ کسی سے کوئی وابستگی نہ رکھتا ہو۔

اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؑ سے کس حد تک غداری کرنے پر تل گئے تھے یہ فقرہ کہنے والے یا تو معاویہ کی طرف سے کام کر رہے تھے یا معاویہ کی مدد کرنا انہیں منظور تھا۔

امیر المومنینؑ کسی طرح ابو موسیٰ کو حکم بنانے پر تیار نہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔

"اچھا اگر تم ابن عباس کو حکم بنانا نہیں چاہتے تو اشتر کو بنالو۔"

مگر بلوائیوں کو یہ بات بھی منظور نہ ہوئی کیونکہ اشعث بن قیس حد سے زیادہ مالک اشتر سے جلتا تھا۔ مالک اشتر مجسمۂ صدق و وفا تھے۔ ارادوں میں اٹل۔ دُور اندیش اور میدانِ جنگ کے ہیرو۔ ان میں سے کوئی بات بھی اشعث میں نہ تھی۔ اُنہیں صفات کی وجہ سے علیؑ کے دل میں وہ جگہ پیدا کرلی تھی جو نہ اشعث کو نصیب ہوئی نہ کسی دوسرے کو۔ اشعث نے پھر کہا۔

"یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ ہم تو اشتر ہی کے حکم کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔"

حضرت علیؑ کے رفقاء کی ایک نہ چلی وہ تھک کر عاجز آگئے مخالفین کی تعداد حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ غالباً لڑائی کا طویل عرصہ تک جاری رہنا بھی ایک سبب تھا آپ کے ہمراہیوں کی انقلاب ماہیت کا۔ مدت دراز تک جنگ جاری رہنے کی وجہ سے وہ تھک گئے تھے اُن کی ہمتیں پست ہوچکی تھیں اور وہ دل و جان سے چاہتے تھے کہ لڑائی رُک جائے۔ اسی وجہ سے اُن لوگوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار کیا اور آپ کے خلاف اشعث کی ہمنوائی کی۔ جب امیر المومنینؑ نے ان لوگوں کی یہ ضد اور ہٹ دھرمی دیکھی اور اپنے رفقاء انصار کی کمی کا اندازہ کیا تو آپ نے فرمایا۔

"تم لوگ ابو موسیٰ ہی کو حکم بنانے پر تلے ہوئے ہو؟" ان لوگوں نے کہا جی ہاں۔

آپ نے فرمایا۔ جب مجھے کچھ اختیار ہی نہیں تو تم جاؤ جو جی چاہے کرو۔

حضرت علیؑ کے لشکر میں سے جن سپاہیوں نے تحکیم قبول نہیں کی تھی اور وہ لڑائی ہی جاری رکھنے پر تلے ہوئے تھے اُنہوں نے اس بات پر بے حد ناپسندیدگی ظاہر کی کہ کتاب خدا کے بارے میں کسی کو حکم بنایا جائے ان کا نظریہ انتہائی غلط نظریہ ہے جب کہ معاملہ پوری طرح واضح و روشن تھا تو پھر کس بات کے لئے حکم بنایا جائے اور کیوں بنایا جائے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کہ علیؑ حق پر تھے اور معاویہ اور اُن کے ہمراہی گمراہی اور باطل پر تھے اسی وجہ سے معاویہ اور اُن کے ساتھیوں سے جنگ کی گئی بیشمار افراد امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں کے مقتول ہوئے اور وہ سب کے سب دل سے اعتقاد رکھتے تھے کہ ہم علیؑ کی مدد کر کے حق کی مدد کر رہے ہیں۔ لہذا پھر علیؑ اپنے حق پر ہونے میں شک کیوں کر رہے ہیں اور انہوں نے حکم بنانا منظور کیوں کر لیا۔؟

ان سپاہیوں میں سے کسی ایک نے ایک فقرہ ایجاد کیا لا حکم الا للہ فیصلہ کا حق بس خدا ہی کو ہے یہی فقرہ آگے چل کر خارجیوں کا نعرہ بن گیا اور اس میں اُن کے مختلف عقائد سمٹ کر آ گئے۔

کہنے والے کے منہ سے یہ فقرہ نکل کر بجلی کی طرح سارے لشکر میں سرایت کر گیا جتنے سپاہی جنگ جاری رکھنے پر مصر تھے اُن میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی نعرہ تھا لا حکم الا للہ ہر طرف اسی نعرہ کی گونج سنائی دینے لگی۔ بہت تیزی سے لشکر کے ایک سرے سے دوسرے تک لہر سی دوڑ گئی اور تحکیم کے مخالفوں نے اسی نعرہ کو اپنی علامت بنالیا اور آگے چل کر یہی اُن کا لائحہ عمل رہا اور اُن کے نئے مذہب کے دستور اساسی کی حیثیت اُسے حاصل ہوئی۔

یہ لوگ حضرت علیؑ کے علانیہ دشمن بن گئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ آپ اپنی غلطی بلکہ اپنے کفر کا اقرار کیجئے کیونکہ آپ نے حکم بنانا منظور کرلیا حالانکہ فیصلہ کا حق بس خدا ہی کو ہے دوسرے یہ کہ آپ نے معاویہ سے جو قول و قرار کیا ہے اس سے پھر جائیے اگر آپ ایسا کیجئے تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کے ساتھ ہو کر معاویہ سے جنگ کریں گے ورنہ ہم آپ ہی کے خلاف لڑنے پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔

امیر المومنینؑ نے ان کی تجویز قبول نہیں کی اب تو جنگ بند ہو چکی تھی۔ فریقین میں معاہدہ ہو چکا تھا کہ دونوں طرف کے حکم جو فیصلہ کر دیں گے اس کی پابندی فریقین پر لازم ہوگی اب عہد و پیمان کر کے اُس کو کیونکر توڑا جا سکتا تھا جب کہ وفائے عہد آپ کی سرشت میں داخل تھے پھر علیؑ اپنے کفر کا اقرار کیونکر کر سکتے تھے جب کہ آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی کفر نہیں کیا اور نہ کبھی بھی ناپسندیدہ فعل کے مرتکب ہوئے نہ کسی کے ساتھ آپ نے بدسلوکی کی۔ اگر علیؑ بھی انہیں لوگوں میں سے ہوتے جنہیں عہد و پیمان قول و قرار کی کوئی پروا نہیں ہوتی جیسے معاویہ و عمرو عاص تو خوارج کی پیش کش پر آپ ضرور راضی ہو جاتے انہیں طرفدار بنا لیتے اور اُن کو ساتھ لے کر معاویہ سے جنگ جاری رکھتے اور بالآخر فتحیاب ہو کر رہتے۔

ایسی ہی نازک صورت حال میں امیر المومنینؑ نے اپنی بے بسی اور خوارج کی سرکشی و بغاوت کو پیش نظر رکھ کر دکھے ہوئے دل سے فرمایا۔

> اے وہ قوم جسے دھوکا دیا گیا اور دھوکا کھا گئی، دھوکا دینے والے کے مکر و فریب کو جانتے سمجھتے ہوئے بھی مبتلائے فریب ہوئی اور اسی پر ضد اور ہٹ دھرمی سے اڑی رہی۔ اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی اور گم کردہ راہ ہو کر ادھر ادھر بھٹکنے لگی۔ حالانکہ حق پوری طرح روشن و آشکار تھا۔ پھر بھی اس سے روگردانی کی راستہ نمایاں اور واضح تھا مگر اُسے چھوڑ کر غلط راستہ پر جا پڑی۔ قسم اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح خلق فرمائی اگر تم علم کو اس کے معدن سے حاصل کرتے اور بھلائیوں کو اس کی جگہ سے جمع کرتے اور واضح و نمایاں راستہ اختیار کرتے اور حق کی شاہراہ پر گامزن ہوتے تو راستے تمہیں خوش آمدید کہتے اور حق کی نشانیاں تمہارے لئے نمایاں ہو جاتیں۔ پھر تم میں کوئی نادار ناداری کا شکار نہ ہوتا اور نہ کسی مسلم یا کافر پر ظلم ہوتا۔

تحکیم کا جو نتیجہ ہوا وہ معلوم ہے۔ خوارج نے امیر المومنینؑ کے خلاف بغاوت کر دی۔ آپ نے اپنی قدیمی عادت کے مطابق انتہائی کوشش کی کہ یہ لوگ بغاوت سے باز آ جائیں اور اُن سے جنگ کی نوبت نہ آئے۔

خوارج کا کہنا تھا کہ ان دونوں ابوموسیٰ اور عمرو عاص نے خدا کے حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور ان کو حکم مان کر ہمارے بھائی یعنی حضرت علیؑ کے لشکر والے کافر ہو گئے۔ کیونکہ یہ اپنے دین میں انسانوں کو حکم بنانے پر راضی ہو گئے۔ ہم اب اُن سے جدا ہو رہے ہیں اور خدا کا شکر کہ بہ نسبت تمام خلائق کے ہم ہی حق پر ہیں۔

جو کچھ ہوا غلط ہوا یا صحیح

دونوں فریق میں سے کسی فریق نے بھی علیؑ کو ٹھیک سے نہیں پہچانا۔

سلسلۂ کلام کو جاری رکھنے اور خوارج کی سرگذشت ذکر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم دو خاص واقعوں پر روشنی ڈالتے چلیں جو جنگ صفین میں پیش آئے کیونکہ ہمارے خیال میں یہ دونوں واقعات واضح ثبوت ہیں اس کا کہ علیؑ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ کیونکہ اصل کامیابی دلوں کا جیتنا ہے نہ کہ دشمن کے شہر کے قلعہ پر اپنا علم نصب کر دینا۔

ان دونوں واقعات کو خصوصیت کے ساتھ ہم اس لئے وضاحت سے پیش کر رہے ہیں۔ کہ بہت سے محبان علیؑ اور آپ کی سیرت کے دلدادہ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ان دونوں واقعات میں مصلحت کے خلاف عمل کیا آپ نے معاویہ اور اُن کے فوجیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس برتاؤ کے وہ مستحق نہ تھے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ چاہتے تو بغیر لڑے بھڑے کامیاب ہو جاتے اور جنگ کی نوبت بھی آتی تو ایسی خون ریز جنگ نہ ہوتی نہ لڑائی اتنا طول پکڑتی۔

پہلا واقعہ تو وہ ہے جو ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرات پر قبضہ پانے کے بعد فرات کا پانی دشمنوں کے لئے بھی اُسی طرح کھلا رکھا جس طرح اپنے ساتھیوں کے لئے حالانکہ پہلے انہیں دشمنوں نے آپ پر بندش آب کر دی تھی اور کہا تھا کہ ہم ایک قطرہ بھی نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ آپ پیاسے مر جائیں لیکن علیؑ نے معاویہ کے لشکر کو دریا سے مار بھگایا اور دریا پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد اُن کے لئے گھاٹ کا راستہ کھلا رکھا۔

معاویہ نے جس وقت گھاٹ پر قبضہ کیا تھا تو کہا تھا کہ یہ پہلی کامیابی ہے اور ہمیں ہرگز منظور نہیں کہ عراق والے دریا سے پانی لینے پائیں لڑ بھڑ کر غالب آ جائیں تو بات دوسری ہے۔ معاویہ نے اس کے لئے سخت قسمیں بھی کھائی تھیں لیکن علیؑ نے جب بہادرانہ طریقہ پر شامیوں کو دریا سے بھگا دیا تو فرمایا کہ جس طرح ہم پانی پی رہے ہیں تم بھی پی سکتے ہو۔

دوسرا واقعہ عمرو عاص کا ہے کہ وہ اثنائے جنگ میں علیؑ کے ہاتھ لگ گئے۔ مگر آپ نے اُنہیں قتل نہیں کیا۔ اس

کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے جب گھمسان کا رن پڑتے اور کثرت سے لوگوں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ نے ایک ٹیلہ کی بلندی سے پکار کر کہا اے معاویہ! معاویہ نے جواب دیا، آپ نے فرمایا ہم لوگوں کی وجہ سے خواہ مخواہ یہ لوگ ایک دوسرے کا خون کیوں بہائیں، لوگوں کو چھوڑ دو خود میدان میں آؤ ہم تم لڑ کر اس کا فیصلہ کر لیں جو فتحیاب ہو وہی خلیفہ ہو۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا ٹھیک تو ہے علی نے بڑے انصاف کی بات کہی ہے۔

معاویہ نے ہنس کر کہا عمرو عاص تم لالچ میں پڑ گئے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر وہ علیؑ سے لڑنے کے لئے نکلتے ہیں تو لامحالہ مارے جائیں گے اور اُن کے مارے جانے پر عمرو عاص اُن کی تمنائے خلافت کے وارث بن جائیں گے۔ یعنی خلافت کے لیے راستہ ہموار ہو جائے گا۔

عمرو عاص نے کہا خدا کی قسم تمہاری عزت اسی میں رہے گی کہ تم ضرور علیؑ سے مقابلہ کرو۔ معاویہ نے کہا بخدا تم تو مذاق کر رہے ہو۔ ہم علیؑ کا مقابلہ اپنی پوری جمعیت لے کر کریں گے۔ مطلب یہ تھا کہ انفرادی طور پر علیؑ سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کی جا سکتی ان سے جمعیت ہی کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ عمرو عاص نے معاویہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا افسوس علیؑ کے مقابلہ میں بزدلی دکھاتے ہو اور اپنے خیر خواہ پر تہمت دھرتے ہو خدا کی قسم اگر مجھے ہزار مرتبہ بھی مرنا پڑتا تب بھی میں علیؑ سے لڑنے سے گریز نہ کرتا۔

عمرو عاص علیؑ کے مقابلہ کو نکلے پلک جھپکتے ہی آپ نے نیزہ کا وار کر کے زمین پر گرا دیا پھر شعلۂ آتش کی طرح آپ کی تلوار اُن کے سر پر چمکی اور قریب تھا کہ اُن کا قصہ پاک ہو جائے مگر عمرو عاص برہنہ ہو گئے۔ علیؑ منہ پھیر کر وہاں سے ہٹ گئے اس لیے کہ علیؑ شرم و حیا اور طبعی شرافت کی وجہ سے کسی کی شرمگاہ پر نظر نہیں کرتے تھے۔

دوستداران علیؑ ابن ابی طالبؑ اور آپ کی کامیابی کے متمنی حضرات میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں آپ نے ان دونوں مواقع پر اپنے مصالح نظر انداز کر دیئے جس وقت آپ نے دشمن سے جنگ کر کے دریا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس وقت آپ کا حق تھا کہ آپ بھی اسی طرح بندش آب کر دیتے جس طرح کچھ دیر پہلے ان لوگوں نے بندش آب کر رکھی تھی۔ یہ حق آپ کا دو حیثیتوں سے تھا۔

ایک تو یہ جنگ میں ہر وہ حیلہ و تدبیر جائز ہے جس کی وجہ سے دشمن سپر ڈال دے لڑائی سے کنارہ کشی کرنے پر مجبور ہو جائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ لڑنے بھڑنے کی اس میں طاقت نہ رہے۔ معاویہ نے انہیں باتوں کو پیش نظر رکھ کر دریا پر قبضہ کر لیا تھا اور کہا تھا یہ پہلی کامیابی ہے۔

دوسرے یہ کہ علیؑ نے بزور شمشیر دریا پر قبضہ کیا تھا اب یہ دریا آپ کے ہاتھوں میں مال غنیمت کی حیثیت رکھتا تھا اور جنگی قوانین کے مطابق آپ کا حق تھا کہ آپ معاویہ کو اُس پانی سے محروم کر دیتے۔

اسی طرح عمرو عاص کو بھاگنے کا موقع دے کر بھی آپ نے اپنے مصالح کے خلاف کام کیا۔ عمرو عاص دشمن کی

فوجوں کے سپہ سالار تھے سیاسی جوڑ توڑ کے ماہر اور آپ کے جانی دشمن تھے انہوں نے لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کر کے بہت بڑی جمعیت آپ کے مقابل لا کر کھڑی کر دی تھی جب آپ کی ذوالفقار ان کے سر پر پہنچی اور آپ کے نیزے نے انہیں پچھاڑ دیا اگر آپ اُنہیں قتل کر ڈالتے تو تین حیثیتوں سے آپ اُنہیں قتل کر دینے کے حقدار تھے۔

ایک تو یہ کہ جنگی قوانین کے مطابق عمرو عاص کا قتل کرنا درندگان شام سے ایک ہولناک درندہ کا قتل کرنا ہوتا اُن کے قتل ہو جانے پر اُن کے ماتحتوں کے پیر اُکھڑ جاتے وہ بھاگ نکلتے۔ معاویہ کا دستِ راست کٹ جاتا اور آپ سب سے بڑے مکار دغا باز اور با اثر دشمن کو ہلاک کئے ہوتے۔

دوسرے یہ کہ عمرو عاص ایسے لشکر کے سردار تھے جو آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے حلقہ سے باہر اور آپ کے اور آپ کے رفقا کے خون کا پیاسا تھا۔

تیسرے یہ کہ مذکورۂ بالا باتوں کے علاوہ خود عمرو عاص علیؑ کے مقابلہ پر نکلے تھے اور جنگ کے لئے انہوں نے للکارا تھا۔ اگر عمرو عاص بہادری میں علیؑ کے ٹکر کے ہوتے اور ان کو موقع ملتا تو یقیناً وہ علی کو زندہ نہ چھوڑتے اور نہ علیؑ ان کی تلوار سے بچ پاتے اس صورت میں علیؑ بھی اگر اپنے دشمن کو قتل کر ڈالتے تو کوئی بھی ان کی ملامت نہ کرتا۔

اس حیثیت سے کہ علی سردارِ لشکر تھے اور ان دونوں مواقع پر کامیابی اُن کے ہاتھ میں تھی لہٰذا ان کے لئے لازم تھا کہ وہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ جنگ کا دستور یہی ہے سپہ سالاران فوج کی اصل خوبی یہی ہے کہ وہ جنگ جیتنے کا معمولی سے معمولی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

اس نقطۂ نظر سے اعتراض کرنے والوں کا اعتراض صحیح ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا علیؑ صرف سردار لشکر تھے۔

کیا ہم اب تک علیؑ کے متعلق جتنا لکھ چکے ہیں اس کو دیکھنے کے بعد اُن کی شخصیت میں ذرا بھی دورنگی کسی طرح کا بھی تضاد نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو وہ تمام فضائل انسانی میں درجہ کمال پر فائز ہوں اشیا اور اُن کے وجود اور معانی کو وسیع النظری سے دیکھیں اور دوسری طرف اتنے تنگ نظر اور مفاد پرست ہوں کہ فتحیابی و کامرانی کی طمع ان کے تمام افکار اور اصولوں کو ان سے چھین لیتی ہو؟ دوسرے سردارانِ لشکر کی طرح لڑائی جیت لینے اور موقع سے فائدہ اُٹھانے ہی پر اُن کی نظر نہیں رہتی تھی بلکہ عقلی و انسانی اصول کی حفاظت و رعایت اور انسانی اقدار کا پاس و لحاظ بھی انہیں ملحوظ رہتا تھا۔

علیؑ ہمیشہ علیؑ رہے اپنے تمام مکارم و فضائل و کمالات سے وابستہ اور اپنے تمام اخلاقی اصول کے حامل ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کے صفات و کمالات اُن سے جُدا نہیں ہوئے جیسے وہ جنگ جمل میں تھے ویسے ہی جنگ صفین میں رہے۔

علیؑ جنہوں نے اپنے خون کے پیاسوں اور ایسے دشمنوں کے لئے جنہوں نے آپ پر پانی بند کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم ایک قطرہ پانی کا نہیں دیں گے یہاں تک کہ تم پیاسے مر جاؤ وہی علیؑ ہیں جو پند و نصیحت کے موقع پر فرماتے ہیں:

"اپنے ناراض بھائی کو نیکی و احسان کر کے راضی کرو اور اس پر انعام و اکرام کر کے اُس کے شر کو اپنے سے دور کرو۔"

نیز یہ کہ "اس بھلائی کا کیا فائدہ جسے برائی کے ذریعہ حاصل کرو۔"

نیز یہ کہ "نیکی و احسان کرکے دشمن کو قابو میں لاؤ کہ اس طرح کی کامیابی زیادہ شیریں ہے۔"

وہی علیؑ جنہوں نے عمرو عاص کو چھوڑ دیا تھا انہیں کا مقولہ تھا۔

"راہ خدا میں جہاد کرکے درجۂ شہادت پر فائز ہونے والے کا درجہ اُس شخص سے بڑھا ہوا نہیں جو دشمن پر قابو پانے کے بعد اُسے گزند نہ پہنچنے دے۔ ایسا شخص ملائکہ سے قریب تر ہے۔"

یہ وہی علیؑ ہیں جنہوں نے اپنے قاتل کے بارے میں جنگ صفین کے بعد کہا تھا۔

"اگر تم اس کو معاف کردوگے تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہوگا۔"

علیؑ جنہوں نے جنگ صفین کے مذکورۂ بالا دونوں واقعوں میں اپنے مصالح نظرانداز کردیئے وہی علیؑ تھے جنہوں نے جنگ جمل میں اپنے مقتول اعداء پر گریہ کیا تھا۔

بے شک ایک عظیم شخصیت کے حدود وہ نہیں ہیں جو بعض محبان علیؑ، علیؑ کے لئے چاہتے ہیں۔ علیؑ کے صفات و مکارم ذات کسی سردار لشکر جیسے نہیں جس کی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ دشمن پر جس طرح بھی ہو غلبہ حاصل کیا جائے وہ فتحیابی و کامرانی سے بہتر اور اہم کسی چیز کو سمجھتا ہی نہیں۔ مکارم اخلاق اور فضائل انسانی جن کا جنگی قوانین میں کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا اور نہ عوام الناس انہیں کوئی اہمیت دیتے ہیں شریف و بلند ہمت انسانوں کے اخلاق اور نیک طبیعت انسان کے وجدان اور عقلیں اُن کا پاس و لحاظ ضروری و لازم سمجھتی ہیں۔

بے شک علیؑ کے مکارم اخلاق اس سے کہیں بلند و برتر تھے کہ آپ انسانوں کو پانی سے محروم کرتے چاہے وہ آپ کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں اور آپ کو یقین ہی اس کا کیوں نہ ہو کہ پانی بند کرکے اُن پر فتح پالینا بہت آسان ہے اور دشمن لامحالہ سپر ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا۔ مروجہ قوانین ان اقسام کی تدبیروں کو صلح و حرب میں جائز قرار دیتے ہیں مگر علیؑ اپنے لئے اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ آپ کے مکارم اخلاق نے نفوس بشر کے احترام و مراعات میں خود ایسے دستور اور قوانین وضع کئے تھے جو تمام تر مروجہ قوانین سے بلند و بالا تھے۔

علیؑ کے اخلاق کی پاکیزگی اور شریف النفسی اس سے بہت ارفع و اعلیٰ تھی کہ محض اس وجہ سے کہ مروجہ قوانین اور جنگی اصول کے مطابق عمرو عاص کو مار ڈالنا جائز تھا۔ آپ دشمن کی زندگی کو حقیر و ذلیل سمجھتے اور جب کہ عمرو عاص آپ کی تلوار کی زد پر تھے ان کو ہلاک کر ڈالتے آپ کی شرم و حیا بلند ہمتی اور شرافت طبعی ہرگز اجازت نہ دیتی تھی کہ آپ حیا اور کرم کے مخالف کوئی کام کریں۔

علیؑ نے ان دونوں مذکورۂ بالا واقعات میں محیر العقول طرز عمل اختیار کرکے تاریخ بشر میں کئی زریں اوراق اور درخشندہ صفحات کا اضافہ کردیا۔ مردانگی اور چیز ہے اور دلیری اور چیز، مردانگی پورے طور پر دلیری کے مفہوم کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اور

مزید برآں شریف النفسی پاکیزگی اخلاق بندگانِ خدا کے ساتھ محبت و شفقت خلائق کے ساتھ حسن سلوک کو بھی شامل ہے۔ ایسا شخص جو ان تمام صفات کا جامع ہو وہ عام انسانوں کے مقابلہ میں مافوق العادت انسان ہے اور دنیا کے تمام ارباب عقل و دانش کے نزدیک مبارک و محترم ہے۔

دلیری اگر صرف دشمن پر چڑھ دوڑنے اور لڑ بھڑ کر فتحیاب ہو جانے کا نام ہے تو مردانگی صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں دشمن پر چڑھ دوڑنے اور لڑ بھڑ کر فتحیاب ہو جانے کے ساتھ ساتھ خدا ترسی، حلم و بردباری، محبت مہربانی اور فداکاری کی بھی شرط ہے۔ دلیر شخص فتحیابی اور تسلط و غلبہ حاصل کرنے کے لئے کسی حد بندی یا کسی شرط کا قائل نہیں ہوتا اُسے تو محض اس سے غرض ہوتی ہے کہ جس طرح بھی ہو اپنے دشمن پر حملہ کر کے اُسے زیر کرے لیکن جوانمرد دشمن کی طرف پیش قدمی کرنے اور فتحیابی کے لئے ایک مخصوص روش اور قاعدہ کا پابند ہوتا ہے۔ جوانمرد انسان اس کامیابی سے ہرگز خوش نہیں ہوتا جو مکارمِ اخلاق اور انسانی شرافت کے مطابق نہ ہو وہ جان دے دینا قبول کرتا ہے مگر اخلاقی اقدار اور انسانی شرافت پر آنچ آنے دینا اُسے گوارا نہیں ہوتا۔ اگر جوانمردی اور مردانگی کے اوصاف ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک کسی ذات میں جمع ہوئے ہیں تو وہ فقط علیؑ کی ذات ہے۔

کتنی حیرت کی بات ہے؟ کیا علی ابن ابی طالب ایسے انسان سے یہ بات ممکن تھی کہ وہ آدمیوں کو خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوں اس پانی سے روک دیں جس سے وحوش و طیور چرند و پرند اور جانور تک سیراب ہوتے ہیں۔

کیا علیؑ ابن ابی طالبؑ کو یہ بات گوارا ہو سکتی تھی کہ وہ ایسے آدمی کو قتل کروا دیں جو علیؑ سے اس بات کا خواہش مند ہو کہ دوسروں کے ساتھ وہ بھی زندہ رہے دوسروں کی طرح وہ بھی چاند سورج کو دیکھے روٹی کھائے پانی پیئے خواہ یہ شخص کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

کیا صفین کے ان دونوں واقعات کو دوستداران علیؑ ان باتوں سے بالکل ملتا جلتا نہیں پاتے جن باتوں کی وجہ سے آپ کے معترضین و ناقدین آپ کی سیاست پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان معترضین کا کہنا ہے کہ علیؑ نے ایک سے زیادہ غلطیاں کیں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ نے خلیفہ ہوتے ہی معاویہ کو معزول کر دیا جب کہ ضروری تھا کہ آپ کچھ دن توقف کر لیتے اور اپنی حکومت کو مستحکم بنا لیتے۔ دوسری غلطی یہ کہ آپ نے طلحہ و زبیر کو ناراض کر دیا اُن کو ملائے رکھتے تو نہ جنگ جمل برپا ہوتی نہ آپ کی طاقت کمزور ہوتی تیسری غلطی یہ کہ آپ اپنے ولاۃ و عمال پر بہت سختی کرتے انہیں لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہ دیتے حالانکہ آپ کو چاہیے تھا کہ اُن کو راضی رکھتے تاکہ وہ دل و جان سے آپ کی نصرت پر کمربستہ رہتے۔

یہی باتیں جن پر معترضین اعتراض کرتے ہیں میرے عقیدہ و خیال میں علیؑ کے ان بہترین اور پسندیدہ ترین کاموں میں سے ہیں جو آپ کے نازک احساسات اور سلامتی ضمیر کی پیداوار ہیں۔ اعتراض کرنے والے جو یہ اعتراضات کرتے ہیں تو ہمارا خیال ہے کہ وہ علی کے افعال و اعمال کو اس زمانہ کے معیار پر جانچنے کی کوشش کرتے ہیں جس زمانہ میں نہ امانت باقی رہ گئی تھی نہ ضمیر و وجدان کوئی چیز تھی، بنی اُمیہ اور بنی عباس کے دور کے لحاظ سے جب کہ سیاست مکر و فریب کی مترادف بن چکی تھی اور انسانی اقدار خاک میں

ہو چکے تھے۔ اس قسم کے افعال تو قابل اعتراض ہو سکتے ہیں لیکن علی جس زمانہ میں تھے اس زمانہ کے لحاظ سے یہ افعال ہرگز قابل اعتراض نہیں۔

علی تدبیر و سیاست میں اس درجہ پر فائز تھے جو عرب کے بڑے بڑے مدبرین اور سیاسی شخصیتوں کو حاصل نہ ہوا سیاسی معاملات اور جنگی امور میں وہ اتنے دُور بین اور گہری نظر رکھنے والے تھے لوگوں کے نفوس کی حالت اور اُن کی اندرونی کیفیت سے اتنے باخبر تھے، عواقب و نتائج کے اتنے پیش بیں اور لوگوں کی ہوا و ہوس اور اُن کے ہتھکنڈوں سے اتنے واقف تھے جتنے معاویہ تھے نہ اُن کے جیسے دوسرے مکار و شاطر افراد۔ لیکن علیؑ سیاسی جوڑ توڑ اور موقع سے فائدہ اٹھانے کو انتہائی عیب سمجھتے تھے اور ہر اُس بات سے متنفر تھے جو انسان کو شرمندہ اور بے آبرو کر دے۔ وہ مکر و فریب سے خواہ وہ کتنا ہی کامیابی کا باعث کیوں نہ ہو اپنے نفس کو پاک رکھتے تھے انہیں صرف صداقت و استواری پسند تھی خود اس زمانہ میں جب کہ معاویہ کے مکر و فریب کی بڑی شہرت تھی اور عام چرچا تھا کہ علیؑ ایسی چالبازیاں نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں لیکن وہ غدار و بدکار ہیں اگر غداری سے مجھے نفرت و بیزاری نہ ہوتی تو میں عرب کا چالاک ترین انسان ہوتا۔"

اس بحث کو ہم صراحتہً اور ضمناً گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہم یہاں صفین کے مذکورہ بالا دونوں واقعات کے سلسلہ میں اشارۃً ذکر کر رہے ہیں صرف یہ دکھانے کے لئے کہ آپ کے مخالفین ہی نہیں بعض چاہنے والے بھی آپ کی شخصیت اور روح کو صحیح طور پر سمجھنے سے کتنے قاصر ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں سیاسی میدان میں آپ نے انتظام مملکت اس طرح نہ کیا جس طرح کرنا چاہیئے تھا اور کچھ لوگ افسوس کرتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں آپ کو فتح و ظفر کے مواقع ہاتھ آئے مگر ہر موقع کو آپ نے کھو دیا۔ یہ دونوں جماعتیں حقیقت یہ ہے کہ علیؑ کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر رہیں اس لئے کہ سیاست کے مفہوم و معنی لشکر کشی کے قواعد دونوں کا سرچشمہ امیر المومنینؑ کے نزدیک ایک ہی تھا وہ سرچشمہ شخصیت علویہ یا یوں کہئے روح علویہ تھی جس کے مختلف مظاہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔ حسن و قبح۔ خیر و شر جائز و ناجائز کی کسوٹی آپ کے نزدیک وجدان سلیم اور خلق کریم تھا اور آپ کے ہر قانون و قاعدہ اور ہر دستور پر انہیں دونوں وجدان سلیم اور خلق کریم کی چھاپ ہے۔

ہمارے ایک ادیب دوست نے جنہیں تاریخ اسلام سے گہری دلچسپی ہے اور مطالعہ بے حد وسیع ایک مرتبہ مجھ سے کہا:-

"تم مجھے قائل نہیں کر سکتے کہ علیؑ سیاسی احوال سے واقف اور لوگوں کے معاملات کے انتظام و تدبیر کی ویسی صلاحیت رکھتے تھے جیسی کہ تم کہتے ہو۔"

میں نے اس ادیب سے کہا:-

فرض کیجیے کہ ابن ملجم نے امیرالمومنین کے قتل کا ارادہ نہیں کیا ہوتا یا فرض کیجیے کہ جس وقت ابن ملجم نے امیرالمومنینؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا آپ کے اصحاب آپ کے اردگرد موجود ہوتے اور آپ کو اس کی ضربت سے بچا لیتے آپ کی جان بچ گئی ہوتی اور آپ معاویہ کی سرکوبی پر پھر کمربستہ ہو جاتے جیسا کہ آپ کا پہلے ہی سے ارادہ بھی تھا اور میدان جنگ میں فتح و ظفر آپ کو نصیب ہوتی جیسا کہ قرینہ غالب تھا۔ یا ہم یہ فرض کریں کہ تحکیم کا فریب جو معاویہ نے جنگ صفین میں کھیلا تھا وہ ناکام رہتا علیؑ کے لشکر میں پھوٹ نہ پڑ جاتی اور آپ کا لشکر دو حصوں میں تقسیم نہ ہو جاتا اور وہ لڑائی بند کرنے کے بجائے لڑائی جاری ہی رکھنے پر تلے رہتے اور معاویہ و عمرو عاص کو گرفتار کر لیتے اور نتیجہ جنگ وہی ہوتا جو جنگ جمل کا ہوا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں فرض کر لی جائیں۔ اس کے علاوہ اور بھی جو چاہے آپ کا فرض کر لیجیے اور علیؑ آخرکار اسی طرح معاویہ کے مقابلہ میں کامیاب ہوتے جس طرح طلحہ و زبیر کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے تھے (اور اگر نہ بھی کامیاب ہوتے تو اس کی ذمہ داری اتفاقات پر ہوتی یا قضا و قدر پر) تو اس وقت آپ علیؑ کی سیاست کے متعلق کیا کہتے۔ اور آپ کی جنگی تدابیر پر کیا اعتراض وارد کرتے؟

کیا آپ بھی ہماری طرح یہ نہ کہتے کہ علیؑ باوجود غیر معمولی بلاغت و حکمت شرافت نفس اور اخلاق کریمانہ کے سیاست میں معاویہ سے زیادہ زیرک و چالاک تھے اور گتھیوں کے سلجھانے اور مشکل مسائل سے نپٹنے میں عمرو عاص سے زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ لہٰذا اگر علیؑ معاویہ پر فتحیاب نہ ہوئے تو آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ اس کا سبب سیاست سے نابلدی اور جنگی تدابیر سے آپ کی ناواقفیت تھی یہ کیوں نہیں کہتے کہ ناکامی کا اصل سبب اتفاقات تھے۔ صفین کے واقعات کے سلسلہ میں ہم نے علیؑ کی سیاست کے متعلق جو کچھ کہا وہی ان اعتراضات کے جواب میں کہا جا سکتا ہے جو معاویہ اور دیگر عمال کی معزولی کے متعلق آپ پر کئے جاتے ہیں جس طرح صفین کی ناکامی اتفاقات اور ناگہانی حادثات کا نتیجہ تھی اسی طرح معاویہ اور دیگر عمال کی معزولی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔ حادثات و اتفاقات روزگار حضرت عثمان کی سیاست اور لوگوں کے بدلے ہوئے حالات و اطوار نے مکر و فریب ظلم و بیداد کے ایسے اسلحے ان عمال و ولاۃ کے ہاتھ میں دے دیئے تھے کہ علیؑ اپنی پاک طینت، حسن سیرت، عقل و خرد اور شرافت و بزرگی کے سبب ویسے اسلحوں سے کام نہیں لے سکتے تھے۔

تمام لوگ جن میں صاحبان بحث و نظر بھی شامل ہیں اور مورخین بھی معاملات کو دیکھنے اور ان کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرنے میں عام روش میں بہہ جانے کے عادی ہو چکے ہیں اور عظیم المرتبت شخصیتوں کی اہلیت و صلاحیت کا اندازہ ان کی فتح و شکست سے لگاتے ہیں وہ نہ اس پر غور کرتے ہیں کہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے کیسے وسائل کام میں لائے گئے اور نہ دوسرے بہت سے احتمالات کو مدنظر رکھتے ہیں وہ نہ مکارم اخلاق کو خاطر میں لاتے ہیں نہ کمینہ خصائل کی پروا کرتے ہیں اور نہ اتفاقات اور ناگہانی امور کو کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ بڑے بڑے ماہر سیاست دان اور چوٹی کے مدبرین اتفاقات و ناگہانی حادثات کی وجہ سے شکست کھا گئے اور نہیں اتفاقات اور ناگہانی حادثات کی وجہ سے معمولی سے معمولی افراد فتحیاب ہو گئے۔ نہ وہ بڑے ماہر سیاست داں اس پر قادر ہو سکے کہ ایسے اتفاقات و ناگہانی حادثات کو پیش آنے

سے باز رکھیں نہ معمولی افراد اپنے اختیار و ارادہ سے اپنے موافق اتفاقات پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

بہر حال یہ دوستداران علیؑ چاہتے ہیں کہ آپ بھی ڈپلومیسی اور مکر و فریب کی پالیسی اختیار کرتے اور کامیابی کے موقع کو ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دیتے لیکن علیؑ صداقت و راستی سے منحرف ہونے پر قطعی تیار نہ ہوئے۔

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علیؑ بھی معاویہ ابن ابی سفیان بن جاتے۔ حالانکہ وہ علی ابن ابی طالبؑ تھے۔

مشیّتِ الٰہی

اب ہم پھر ان واقعات کی طرف پلٹتے ہیں جن کو ہم بیچ سے چھوڑ آئے تھے۔ حضرت علیؑ سے برہم و ناراض جماعت "یعنی خوارج" کوفہ سے نکل کر اس سے قریب ہی ایک جگہ حروراء میں فروکش ہوئے۔ اسی گاؤں میں فروکش ہونے کی مناسبت سے اس جماعت کا نام حروریہ پڑا۔ جس طرح لاحکم الا اللہ کا نعرہ بلند کرنے کی وجہ سے محکّمہ بھی اس جماعت کا نام ہے۔ زیادہ مشہور نام ان کا خارج ہے۔

حضرت علیؑ اپنے لشکر سمیت ان کی طرف بڑھے مگر آپ نے امکانی کوشش کی کہ بغیر لڑے بھڑے ان کو پھر اپنے حلقۂ اطاعت میں واپس کر لیں اور ان کے باطل عقیدے کے متعلق ان سے بحث کر کے اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

آپ نے ان کے مقابل پہنچ کر یہ تجویز ان کے سامنے رکھی کہ تم اپنی جماعت میں جس شخص کو زیادہ عقلمند اور معاملہ فہم سمجھتے ہو اس کو مجھ سے بحث کرنے کے لئے بھیجو اگر وہ مجھ کو قائل کر دے تو میں تمہارے کہے پر عمل کروں گا اگر وہ ہار جائے تو تم سب میرے مطیع ہو جانا۔

خوارج نے اپنے امام و پیشوا عبداللہ بن الکوا کو اپنا نمائندہ بنا کر آپ کے مقابل بھیجا۔ بہت دیر تک آپ میں اور ابن الکواء میں بحث و مباحثہ ہوتا رہا ابن الکواء نے جتنے سوالات کئے آپ نے سب کے مسکت اور تسلی بخش جوابات دیئے۔ اور طویل گفتگو کر کے خوارج کو ہر طرح قائل کر دیا۔ ابن الکواء نے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ کر انہیں بحث و مباحثہ کی تفصیل سنائی اور کہا کہ علیؑ ہی حق پر ہیں اور ہم میں اور ان میں جو گفتگو اتنی دیر تک ہوا کی ہے علیؑ نے ہمیں ہر طرح قائل کر دیا ہے۔ خوارج اپنی ضد پر اڑے رہے وہ کسی طرح قائل ہونے پر آمادہ نہ ہوئے ان کا کہنا تھا کہ جب ہم علیؑ کو کافر قرار دے چکے ہیں تو اب ہم ان کی اطاعت کسی طرح نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں نے ابن الکواء کو عیب لگایا کہ تم میں علیؑ سے بحث کرنے اور ان کو قائل کرنے اور اپنے اس عقیدہ کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں کہ علیؑ تحکیم قبول کر کے کافر ہو گئے، یہ سب اچھی طرح جانتے تھے کہ علیؑ کا مثل و نظیر دنیا میں کوئی نہیں۔ ان خوارج نے ابن الکواء پر زور دیا کہ تم اب علیؑ سے نہ تو بحث کرنا اور نہ اب تک تم میں اور ان میں جو گفتگو ہوئی ہے اسے کسی کے سامنے ذکر کرنا۔

اتمام حجت ہونے کے بعد بھی خوارج اپنی سرکشی اور عناد و عداوت پر اڑے رہے وہ اسی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے آپ کو کافر قرار دیتے اور آپ کے انصار و رفقاء اور لشکر والوں کے ساتھ زندیقوں اور ملحدوں جیسا برتاؤ کرنے پر مصر رہے۔

علیؑ کو اس کا بے حد رنج و ملال تھا کہ کل جو ہمارے رفیق و جاں نثار تھے وہی آج ہم سے اس طرح جدال و قتال پر کمربستہ ہیں میری روشن واضح دلیلیں بھی اُن کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتیں یہ سب ہوا و ہوس کے بندے بنے ہوئے ہیں اور نفسانی خواہشوں نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ آپ نے یقین کر لیا کہ اب ہمارے اور ان کے درمیان تلوار ہی فیصلہ کر سکتی ہے یہ اس لئے بھی زیادہ ضروری ہے کہ اب یہ لوگ امن عامہ کو تباہ کرنے پر تل گئے ہیں۔ انسانی جانوں کی کوئی قدر و قیمت ان کے نزدیک باقی نہیں رہی ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم رکھا ہے جس کو پاتے ہیں قتل کر ڈالتے ہیں۔ جس آبادی میں پہنچ جاتے ہیں تباہی پھیلا دیتے ہیں۔

پھر بھی آپ نے سمجھانے اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی عادت ترک نہ کی۔ آپ نے اپنے سپاہیوں کو تاکید کی کہ دیکھو جب تک وہ خود جنگ و جدال کا آغاز نہ کریں تم اپنی طرف سے ابتداء نہ کرنا۔ دفعۃً خوارج نے اپنا نعرہ بلند کیا۔ لا حکم الا للہ اور اس نعرہ کے ساتھ ہی حضرت علیؑ اور آپ کے لشکر پر وہ ٹوٹ پڑے اور انتہائی عداوت و عناد اور پورے جوش و خروش کے ساتھ شمشیر زنی کرنے لگے اب امیر المومنینؑ نے بھی تلوار اٹھائی اور ہولناک جنگ چھڑ گئی جسے جنگ نہروان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دونوں طرف کی فوجیں مرنے مارنے پر تل گئیں جب لڑائی کی آگ فرو ہوئی تو خوارج سب کے سب قتل ہو چکے تھے صرف چار سو خوارج زندہ بچے مگر زخموں سے چور چور اور مردوں سے بدتر۔ اگر وہ زخموں سے ادھ موئے نہ ہو گئے ہوتے تو وہ سب یا تو لڑ بھڑ کر جان دے دیے ہوتے یا لڑائی جیت ہی کر دم لیتے۔ حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ ان زخمیوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا جائے۔ ہر زخمی کو اس کے خاندان اور قوم قبیلہ کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اس کا علاج معالجہ ٹھیک سے ہو سکے۔

خوارج کی سرکوبی کے بعد حضرت علیؑ نے چاہا کہ یہیں سے شام کی طرف بڑھ چلیں تاکہ معاویہ کی سرکوبی بھی ہو جائے۔ اشعث بن قیس نے اس مرتبہ پھر مکر و فریب کی چال چلی اور ایسی تدبیریں کیں کہ آپ اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکیں۔ اُس نے اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشی حرکتوں سے آپ کی فوج کے غالب حصہ کو اس پر آمادہ کر لیا کہ فوج سے نکل بھاگیں اور آس پاس کے شہروں میں جا چھپیں۔ اشعث کا کہنا یہ تھا کہ عرصۂ دراز تک لڑتے بھڑتے رہنے کی وجہ سے سپاہی بے حد تھک چکے ہیں۔ تھوڑی مہلت انہیں دے دیجئے کہ پھر تر و تازہ ہو جائیں اس کے بعد یہ سب آپ کے لشکر میں آ پہنچیں گے۔

امیر المومنینؑ کوفہ پلٹ آئے تاکہ از سر نو تیاریاں کر کے شام پر چڑھائی کریں۔

معاویہ کے سپاہی اُن کے وفادار تھے ہی خوارج نے بھی امیر المومنینؑ سے جنگ کر کے لاشعوری طور پہ معاویہ کی مدد کی۔ اور اشعث بن قیس تو جیسا کہ مورخین کا کہنا ہے پس پردہ اُن کا مخلص مددگار تھا ہی بعض مورخین نے صراحت کی ہے کہ یہ شام جا کر

معاویہ سے ملا اُن سے بے شمار دولت حاصل کی اور آئندہ کے واقعات کا انتظار کرنے لگا۔

اس موقع پر قضا و قدر نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر علیؑ کی طرف پھینکا وہ عظیم ترین انسان اس تیر کا نشانہ بن گیا اور دشمن اپنے دلی مراد کو پہنچے مگر دشمن کی یہ کامیابی اس کے مکر و فریب، ہوشیاری و دانائی قوت و طاقت یا عقل و تدبیر کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ ناگہانی حادثہ اور اتفاق نے اس کی کامیابی کی راہ پیدا کر دی۔ چند کٹر قسم کے خوارج ایک جگہ اکٹھا ہوئے ان اعزّہ و رشتہ دار اور رفقاء و انصار کا ذکر چھڑا جو جنگِ نہروان میں مارے گئے تھے طے یہ ہوا کہ یہ جتنا کشت و خون ہوا ہے اور ہمارے جتنے مقتولین مارے گئے ہیں ان سب کی ذمہ داری تین شخصوں پر ہے جو ضلالت و گمراہی کے پیشوا ہیں جیسا کہ ان خوارج کا نظریہ تھا ایک علیؑ دوسرے معاویہ تیسرے عمرو عاص۔ ایک خارجی جس کا نام برک بن عبد اللہ تھا اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا میں معاویہ بن سفیان کا کام تمام کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ دوسرے خارجی عمرو بن بکر نے کہا میں عمر و عاص کا قصہ پاک کروں گا۔ عبد الرحمان بن ملجم نے علیؑ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی۔

ان تینوں خارجیوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ علیؑ و معاویہ و عمرو عاص کو ایک ہی شب میں قتل کیا جائے۔

یہ تینوں عقیدہ میں سخت متعصّب انتقام لینے پر جان و دل سے تیار اور اپنے منصوبہ کو جان پر کھیل کر پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے تھے۔ البتہ عبد الرحمان بن ملجم کے متعلق ایک ایسا عجیب اتفاق پیش آیا جس نے مہمیز کا کام کیا اور اُس کے ارادہ کو ایسا مستحکم کر دیا کہ بقیہ دونوں خارجی معاویہ و عمرو عاص کو قتل کرنے میں کچھ ہچکچائیں بھی تو یہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے۔ یہ ابن ملجم مکہ سے چل کر کوفہ آیا وہاں اپنے ایک ساتھی کے پاس ٹھہرا۔ وہاں ناگہانی طور پر اس کی ملاقات قطام بنت الاخضر سے ہوئی جو اپنے وقت کی بے نظیر حسین و جمیل عورت تھی اس کے باپ اور بھائی دونوں جنگ نہروان میں مارے گئے تھے۔ ابن ملجم اس کو دیکھتے ہی جی جان سے اُس پر فریفتہ ہو گیا۔ اُس نے پیغام نکاح دیا۔ اُس نے پوچھا تم مجھے مہر کیا دو گے۔ ابن ملجم نے کہا جو تم مانگو۔ اس نے کہا میں اپنے مہر میں ۳ ہزار درہم ایک غلام ایک کنیز مانگتی ہوں اور علی بن ابی طالبؑ کا قتل۔ ابن ملجم نے کہا ۳ ہزار درہم ایک غلام ایک کنیز کا دینا تو آسان ہے مگر علیؑ کو میں کیسے قتل کر پاؤں گا اُس نے کہا انہیں دھوکے سے قتل کر ڈالو اگر انہیں مار ڈالو گے تو تمہارا بھی کلیجہ ٹھنڈا ہو گا اور میرا بھی پھر ایک مدت تک میرے ساتھ عیش کرو گے۔

ابن ملجم قطام سے ملنے اور اس سے گفتگو کرنے سے پہلے اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے میں متردد تھا۔ اس لئے کہ کسی شخص کا ضمیر خواہ کتنا ہی پست و ذلیل ہو جائے کوئی شخص کتنا ہی کمینگی پر اُتر آئے پھر بھی اس کے لئے آسان نہ تھا کہ علیؑ کو ایسے جرم کی بنا پر قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے جس سے علیؑ کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اسی طرح کسی انسان کے لئے یہ بھی آسان بات نہ تھی کہ وہ ایسا ہولناک اقدام کر بیٹھے جس کے متعلق اُسے یقین ہو کہ اس کا نتیجہ انتہائی خطرناک ہو گا۔ لیکن تقدیر یہی تھا کہ ابن ملجم جس کام کو انجام دینے میں متردد تھا اب اُس کے لئے جان و دل سے کوشش کرے اور انتہائی ہولناک جرم کرنے پر آمادہ ہو جائے

قضا و قدر نے اپنے ترکش سے ایک نیا تیر نکال کر ابن ملجم کے ہاتھ میں دے دیا کہ امام کے سینہ کو نشانہ بنائے۔

ابن ملجم کو قضا و قدر اس کے دوست کے گھر لے گئی ٹھیک اُسی وقت قضا و قدر نے قطام کو بھی وہاں پہنچا دیا اور ان دونوں کے درمیان اس عجیب و غریب مہر پر سوال و جواب اور قول و قرار ہوئے۔

اسی کے متعلق کہا گیا ہے۔

فلو ار مهرا ساقه ذو سماحة	کمهر قطام من فصیح و اعجم
ثلاثة الاف وعبد و قنیة	وضرب علی بالحسام المصمم
ولا مهر اغلی من علی وان غلا	ولا فتك الاد ون فتك ابن ملجم

میں نے عرب و عجم میں کوئی ایسا فیاض و دریا دل نہیں دیکھا جس نے کسی عورت کو قطام کے مہر جیسا مہر دینے کا وعدہ کیا ہو ۳ ہزار درہم ایک غلام ایک کنیز اور علیؑ کو شمشیر تیز سے ہلاک کرنا۔ کوئی مہر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو علیؑ سے زیادہ بڑا نہیں اور ہر قتل آسان تر ہے بہ نسبت علیؑ کے قتل کے جس کا مرتکب ابن ملجم ہوا۔

ابن ملجم اور قطام کی گفتگو اس مرحلہ پر آکر ختم ہوئی اچھا جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہوگا میں علیؑ کو قتل کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔

یہ تینوں خارجی جنہوں نے آپس میں سازش کی تھی مقررہ شب کا عہد و پیمان کر کے اپنے اپنے منزل مقصود کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

اس غدار روزگار نے عجیب اتفاق دکھلایا اور فلک کج مدار نے بڑی حیرت انگیز بد رفتاری کا نمونہ پیش کیا۔ جس کا قصوروار کسی کو بھی ٹھہرایا نہیں جا سکتا۔ ایسے اتفاقات زمانہ میں شاید ہی کبھی پیش آتے ہوں۔

جو شخص عمرو عاص کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلا تھا وہ کامیاب نہ ہوا۔ اتفاق ایسا ہی پیش آیا اور مقدر یہی تھا کہ وہ عمرو عاص پر فتح یاب نہ ہو۔ ٹھیک اُسی رات کو عمرو عاص کی کچھ طبیعت خراب ہو گئی اور یہی چیز اُن کی سلامتی کا باعث بن گئی وہ نہ نماز کے لئے گھر سے نکلے نہ کسی اور کام کے لئے اُنہوں نے کوتوال شہر کو حکم دے دیا کہ میری جگہ تم جا کر صبح کی نماز پڑھا دینا۔ وہ کوتوال شہر جس کا نام خارجہ بن حذافہ تھا جب نماز کے لئے باہر نکلا عمرو بن بکر نے سمجھا کہ یہی عمرو عاص ہے وہ اُس کے قریب گیا اور تلوار کا بھرپور وار رسید کیا وہ اُسی وقت ختم ہو گیا۔

جب قاتل کو پکڑ کر عمرو عاص کے پاس لے جایا گیا۔ عمرو عاص نے کہا تم نے مجھے قتل کرنا چاہا مگر خدا کی مشیت یہ تھی کہ خارجہ قتل ہو جائے۔ اس کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔

معاویہ بن ابی سفیان مسجد میں آئے برک بن عبداللہ کی نظر پڑی اس نے تلوار کا وار ان کے سر پر کیا مگر وہ تلوار بجائے سر کے اُن کے سرین پر پڑی اور وار ناکام رہا اُن کی سرین اُن کی سپر بن گئی اور معاویہ کی جان بچ گئی۔

لوگ پکڑ کر برک بن عبداللہ کو معاویہ کے پاس لے گئے۔ برک نے کہا میں آپ کو بہترین مژدہ سناتا ہوں۔ معاویہ نے پوچھا وہ کیا؟ برک نے ساری روئداد بیان کی اور کہا آج ہی شب علیؑ ہلاک کردئے گئے ہوں گے۔ آپ مجھے اپنے ہی پاس قید رکھیئے اور دیکھیئے میری بات صحیح نکلتی ہے یا غلط۔ اگر صحیح نکلی تو آپ کو اختیار ہے میری جاں بخشی کر دیجئے گا یا قتل کر ڈالئے گا اور اگر غلط نکلی تو میں آپ سے پختہ عہد و پیمان کرتا ہوں کہ میں خود جا کر اس کام کو اپنے ہاتھ سے انجام دوں گا پھر آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ جو سلوک چاہیے گا میرے ساتھ کیجئے گا۔ معاویہ نے اُسے قید کر دیا۔ جب علیؑ کی شہادت کی خبر انہیں مل گئی تو اُنہوں نے برک کو آزاد کر دیا۔

یہ وہ روایت ہے جو ابوالفرج اصبہانی نے اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں درج کی ہے لیکن بعض مورخین کہتے ہیں کہ معاویہ نے برک کی جاں بخشی نہیں کی بلکہ اُسے قتل کر ڈالا۔

انہیں نہ ہٹاؤ کیونکہ یہ نوحہ کرنے والیاں ہیں

امام علیہ السّلام اپنے دشمنوں کو تباہ حال چھوڑ کر خود سلامتی کے ساتھ دنیا سے اُٹھ گئے۔

زمین کے ایک گوشہ میں خلائق سے دُور ایک مردِ غریب اقامت گزیں ہے۔ اس کی غربت انتہائی اندوہناک ہے وہ ایک گوشہ میں تنہا بیٹھا ہوا ہے اس کی تنہائی اُس پر اتنی شاق ہے کہ بیان سے باہر۔

وہ اپنی قوم میں رہتے ہوئے بھی اجنبی اور غریب ہے لیکن قوم کی بدبختی ان کی پریشاں حالی کی وجہ سے اس کا دل حزن و اندوہ سے پُر ہے زمانہ نے اُسے نہیں پہچانا حالانکہ وہ تمام زمانہ پر چھائے ہوئے تھا۔

زمین نے اُسے نہیں پہچانا حالانکہ یہ زمین اُس کے شیریں اور حکیمانہ کلمات سے برابر گونجتی رہی اور اُس کے بڑے بڑے کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

یہ مردِ غریب و اجنبی دوسروں پر اپنا کل مال و متاع لٹا دیتا تھا لیکن کسی سے کسی چیز کا طلبگار نہ ہوا۔ اس پر لوگوں نے ظلم کے پہاڑ ڈھائے وہ کبھی اپنے دل میں انتقام کا خیال بھی نہیں لایا۔ اپنے دشمنوں پر فتحیاب ہونے کے بعد بھی اُس نے انہیں معاف کر دیا۔ اپنے بدخواہوں اور دشمنوں کے ساتھ کبھی زیادتی نہیں کی۔ اپنے چاہنے والوں کے لئے کبھی کسی ناروا فعل کا مرتکب نہیں ہوا وہ ضعیفوں کا مددگار غریبوں کا بھائی یتیموں کا باپ اور زندگی سے تنگ آئے ہوئے لوگوں کے لئے مہربان و شفیق تھا وہ ہر مشکل میں اُسی سے مشکل کشائی کی توقع کرتے اور ہر مصیبت میں اُسی سے ڈھارس پانے کی اُمید کرتے۔ علم اس کا بہت زیادہ تھا اس کا حلم بہت عظیم۔ اس نے اپنی عظمت و جلالت سے کوہ و دشت کو بھر دیا تھا لیکن اس کا دل غم و اندوہ سے مملو تھا۔ بڑے بڑے دیووں کے سر اُس نے اپنی شمشیر سے کاٹے لیکن شفقت و محبّت کے لحاظ سے خود مغلوب ہو گیا۔ دن کے وقت وہ عدل و انصاف خلائق کی دادرسی کرتا احکامِ حق کے نفاذ پر کمربستہ رہتا اور جب رات آتی تھی اور تاریکی شب اپنے شباب پر ہوتی تو غریبوں اور بے کسوں کے حال پر زار و قطار رویا کرتا۔

روئے زمین پر ایک غریب و اجنبی تھا کہ جب بھی کسی مظلوم نے اس سے ظلم و زیادتی کی شکایت کی اُس نے اپنی کڑکتی ہوئی آواز سے ظالموں کے گھروں میں زلزلہ پیدا کر دیا جب بھی کسی فریادی نے اُس سے فریاد کی برقِ شمشیر اُس کی چمکی اور مکر و فریب کرنے والوں کی تاریکیوں کو نگل گئی جب کسی محروم نے اُسے آواز دی اُس کے دل سے شفقت و عطوفت کی بارشیں ہونے لگیں اور ان بارشوں نے خشک و بنجر اور قحط زدہ کو ڈھانک لیا۔

وہ زمین میں ایسا غریب و اجنبی تھا جس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ درست تھا وہ کھردرے کپڑے پہنتا عاجزی و خاکساری کے ساتھ چلتا اور جب بھی لوگ پستی کی طرف چلے اس نے اپنا رُخ ہمیشہ بلندی کی طرف رکھا۔

اجنبی اور اکیلا انسان جس نے خود ہر قسم کے دکھ جھیلے صرف اس لئے تاکہ عوام النّاس مسرّتوں سے نہال رہیں۔

یہ مردیگانہ و دلیر اور اجنبی و یکتا انسان کون تھا جو ہر چیز سے واقف تھا اور ہر جانب جس کی نگاہ تھی جس نے دنیا کی نعمت اور آخرت کی بہشت ایسے لوگوں کے لئے چاہی جو اُسے ہمیشہ رنج و اذیت پہنچایا کئے۔

یہ کون مردیگانہ اور روح قدسی والا انسان تھا جس کے دشمنوں نے حسد اور حرص و طمع کی وجہ سے اُس کی فضیلتوں کا انکار کیا اور جس کے دوستوں نے خوف و ہراس کی وجہ سے جسے بے ناصر و مددگار چھوڑ دیا اُس نے فتنہ و فساد اور تباہی و بربادی سے تن تنہا جنگ کی خلائق کے ساتھ صداقت و راستی کے ساتھ پیش آیا اور اپنی روش ہمیشہ استوار رکھی جو فتحیابی و کامرانی پر کبھی فریفتہ نہ ہوا نہ شکست سے کبھی دل شکستہ ہوا اور مجسمۂ حق تھا اور سوا حق کے کسی اور چیز کی طرف دھیان نہ دیتا تھا خواہ کچھ لوگ اس کی بزرگیوں کے منکر اور کچھ لوگ اس سے خوف زدہ و ہراساں ہی کیوں نہ رہیں۔

یہ مردیگانہ و بے نظیر کون ہو سکتا ہے؟ سوا علیؑ ابن ابی طالبؑ امیر المومنین آزردہ اور اندوہ گیں دل والے کے جن سے ایک خبیث و ناپاک انسان ایک خبیث و ناپاک عورت کے عشق کے لئے عنقریب فریب کرنے والا اور ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنے والا۔

رات تاریک اور ڈراونی تھی آسمان پر ابر سیاہ محیط تھا کبھی کبھی بجلی چمک جاتی تھی جس کی روشنی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اجالا پھیلا دیتی تھی۔ عقاب اپنے گھونسلوں میں سوئے ہوئے اور سر نیہوڑائے ہوئے تھے کہ کل ان کے پر و بال جھڑ جانے والے تھے اور وہ سرور جہاں کے غم میں سوگوار ہونے والے تھے۔

امام جاگ رہے تھے آنکھیں خواب سے محروم تھیں کیونکہ روئے زمین پر دکھ کے مارے ظلم کے پنجہ میں تھے اور جینا ان کا دو بھر ہو گیا تھا کچھ لوگ لہو و لعب اور سرکشی میں مبتلا تھے۔ قوت و طاقت والے ایک طرف ظلم و جور کا بازار گرم کئے ہوئے تھے اور کمزور و ناتوان طاقتوروں کا لقمہ بنے ہوئے تھے آپ کے دشمن شر و فساد میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا رہے تھے کچھ بدکار تھے جو تعصب و نافرمانی کے کاموں میں ایک دوسرے کی محبت کا دم بھرتے تھے کچھ آپ کے یار و انصار تھے جنہوں نے حق کو چھوڑ دیا تھا اور ایک دوسرے کی مدد و نصرت سے گریزاں تھے۔

امام بیدار تھے آنکھوں میں نیند کا پتہ نہ تھا کیونکہ عدل و انصاف سے منہ موڑ لیا گیا تھا نیکی کو خیر باد کہہ دیا گیا تھا اور عوام النّاس کی تقدیر فسادیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی خلائق کی جان خونریز مفسدوں کے اختیار میں تھی روئے زمین پر نفاق کی بہتات تھی۔

امام جاگ رہے تھے نیند کے ذائقہ سے محروم وہ دنیا میں ہمیشہ حق و انصاف کے مددگار اور دست و بازو رہے مصیبت زدہ و پریشاں حالوں کے لئے بمنزلہ شفیق و مہربان بھائی کے تھے۔ ظالموں اور سرکشوں کے سروں پر مثل صاعقہ کے تھے۔ آپ اپنی زبان

اور اپنی شمشیر دونوں سے ظالموں سے برسرپیکار رہے۔

اس شب آپ نے اپنی پوری زندگی پر نظر کی اگلے پچھلے حالات کا جائزہ لیا۔ بچپن ہی سے آپ کے ہاتھوں میں شمشیر براں رہی۔ اور آپ اپنی قوم قریش والوں کا کلیجہ بہاتے رہے ان کے منہ پر تلوار لہرایا کئے اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی، آپ کی قوم والے آپ کے ان کاموں کو کھیل سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے لیکن آپ اپنے راستہ پر ثابت قدم اور نورِ رسالت کی خدمت میں جان لڑاتے رہے آپ نے اپنے متعلق یاد کیا کہ شب ہجرت بستر پیغمبرؐ پر تلواروں کے سایہ میں محوِ خواب رہے جب کہ آپ کے سر پر آتشِ انتقام کے شعلے لپک رہے آپ کو امید تھی کہ ابوسفیان اور دیگر مشرکین بھٹک جائیں گے اور پیغمبرؐ تک نہ پہنچ سکیں گے، آنحضرتؐ ان دشمنوں کے ہاتھ نہ لگ پائیں گے اور آپ کا نورِ رسالت جاہلیت کی تاریکیوں کو کافور کر دے گا۔

آپ نے پھر اپنی گذشتہ صعوبتوں اور ان لڑائیوں کا تصور کیا جن میں آپ یکہ تازِ عرصہ شجاعت اور مردِ میدان وغا تھے جس نے اپنے ایمان اور پیغمبرؐ کی محبت کی قوت و طاقت کے ذریعہ قلعوں کو منہدم اور ہر خبیث کو واصل جہنم کیا آپ کے اردگرد غریب و نادار رفقاء و انصار تھے جو آپ کی ہر ضربت پر سجدۂ شکر کرتے اور زمین کے بوسے لیتے وہ دیکھتے تھے کہ ظالم و سرکش آپ کے سامنے سے یوں بھاگ رہے ہیں جس طرح ٹڈیاں آندھیوں میں تتر بتر ہو جاتی ہیں۔

اپنے ابن عم پیغمبر خدا کا تصور کیا جو کمال شفقت و محبت سے آپ کو دیکھ رہے تھے اور آپ کو اپنے کلیجہ سے لگا کر ارشاد فرما رہے تھے یہ میرا بھائی ہے آپ نے وہ وقت یاد کیا جبکہ پیغمبر خدا آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ محوِ استراحت تھے جناب سیدہؑ نے چاہا کہ آپ کو نیند سے بیدار کر دیں پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا انہیں سونے دو کہ انہیں میرے بعد طولانی مدت تک خواب سے محروم رہنا ہے اس پر جناب سیدہؑ زار و قطار گریہ کیا کیں آپ نے اس وقت کا تصور کیا جب کہ پیغمبر خدا آپ سے فرما رہے تھے اے علیؑ خدا نے تمہیں اس زینت و آرائش سے آراستہ کیا ہے جو اس کے نزدیک سب سے بڑی زینت تھی تمہیں خداوند عالم نے فقیروں کمزوروں کی محبت بخشی وہ تمہیں اپنا امام بنانے پر راضی اور تم انہیں اپنا پیرو دیکھ کر خوش ہو پھر آپ نے پیغمبرؐ کی رحلت کا وقت یاد کیا جو آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوئی پیغمبرؐ نے اپنی آخری نگاہ آپ کے چہرہ پر کی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں فاطمہ زہراؑ کا وہ بے پناہ حزن و اندوہ یاد کیا کہ وہ باپ کے مرنے کے بعد چالیس روز کے اندر ہی گھل گھل کر مر گئیں جبکہ آپ کی عمر ۲۰ برس سے زیادہ کی نہ تھی۔ محققین علمائے امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ جناب سیدہؑ کی عمر بوقت وفات ۱۸ سال کی تھی اور آپ نے پدر عالیمقدار کے مرنے کے بعد ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد دنیا سے رحلت کی) آپ نے سیدہؑ کو سپرد لحد کیا اور انتہائی حرقت قلب سے گریہ کناں ہوئے فاطمہ کو سپرد لحد کرنے کے شب میں جبکہ آپ گھر واپس آئے تو دائمی رنج و اندوہ لے کر پلٹے فرط الم سے حالت غیر اور آنکھوں سے نیند اڑ گئی ہوئی۔

آپ نے عمر ابن خطاب کا تصور کیا جو اپنے مرنے کے وقت آپ سے فرما رہے تھے۔

خدا کی قسم اگر آپ مسلمانوں کے حاکم ہو گئے تو آپ انہیں واضح حق اور روشن شاہراہ پر چلایا کریں گے:

تمام صحابہ کی صورتیں یاد کیں جو یہ فقرہ ہر وقت دہراتے رہتے کہ:

کنا لا نعرف المنافقین فی عہد رسول اللہ الا ببغض علی ۔ عہد پیغمبرؐ میں ہم منافقوں کو ان کی علیؑ دشمنی سے پہچانا کرتے تھے۔

پیغمبر خدا نے ایک مرتبہ نہیں بارہا فرمایا تھا۔

یا علی لا یبغضک الا منافق اے علی تم کو منافق ہی دشمن رکھے گا۔

انہیں لمحوں میں آپ نے اپنے جہاد کے رفقاء و انصار کو یاد کیا جو پیغمبرؐ کی زندگی میں باہم متفق تھے۔ ایک دوسرے کے مددگار تھے علیؑ اور پیغمبرؐ کے سایہ میں انہوں نے رشتۂ برادری استوار کر رکھا تھا آج انہیں میں سے کچھ لوگ آپ کے ساتھ تھے کچھ مخالف کچھ لوگوں نے حکومت کی طمع کی جن میں سے بعض اپنی طمع کی بدولت موت سے ہم کنار ہوئے کچھ ابھی بقید حیات تھے۔ وہ پاک طینت اصحاب جو وفاداری و صداقت کے حمایتی اور نیکیوں کا قول و قرار کئے ہوئے تھے خداوند عالم ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ وہ اس دنیا میں اجنبی و بیگانہ تھے انہوں نے عدل و وفاداری کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی اور دشمنوں کے جور و ستم نے انہیں زمین کی گہرائیوں میں پوشیدہ کر دیا۔

ابوذر غفاری پیغمبرؐ کے بزرگترین صحابی جن سے زندگی کی ذلت و اہانت برداشت نہ ہو سکی اور وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے وہ معزز ترین انسان جن کی حق پرستی کی وجہ سے علیؑ کے سوا ان کا کوئی دوست نہ رہا ہائے کتنا اندوہناک انجام ان کا ہوا۔

علیؑ نے اس وقت کا تصور کیا جب ابوذر اپنی پھٹی پرانی عبا پہنے پیغمبرؐ کی خدمت میں پہنچے اور ہر خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا اسی وقت سے وہ جی جان سے حق کے سرگرم حمایتی رہے یہاں تک کہ انہوں نے عہد عثمان میں مظلومین و محرومین کی خاطر سارے ہی لٹیروں کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ پھر حضرت عثمان اور مروان بن حکم کے ہاتھوں ان کا وہ اندوہناک انجام۔ مدینہ سے جلا وطنی اور ربذہ ایسے بے آب و گیاہ مقام پر ان کی بیکسی کی موت وہ بھی ایسے عالم میں کہ ان کی اولاد ان کے آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر ختم ہو گئی ان کی بیکس و لاچار رفیقۂ حیات اپنی آنکھوں سے انہیں مرتے دیکھ رہی تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی کہ ابوذر سے پہلے میں مر جاؤں ابوذر کی مفارقت کا صدمہ مجھے اٹھانا نہ پڑے کہ اس طرح میری موت دہری موت ہوگی ابوذر بنی امیہ کے ہاتھوں نان شبینہ کو محتاج ہو کر بھوک سے مر گئے در انحالیکہ بنی امیہ کے قدموں میں زمین کی ساری دولت تھی۔

ایسی ہی رات میں چند دن پہلے علیؑ کے رفیق و جاں نثار بلکہ ان کے متقی و پرہیز گار اور دکھ اٹھانے ہوئے جانی عمار یاسر شہید ہوئے ان کو باغی جماعت اور جفا پیشہ لوگوں نے صفین کی لڑائی میں شہید کیا تھا۔

ہاں آج کہاں تھے علی کے وہ برادران جاں نثار جنہوں نے ایثار شعار اختیار کیا جو حق پر تھے اور راستی پر جنہوں نے باہم عہد و پیمان کیا تھا وہ نہ فضول گفتگو کرتے نہ کسی کی غیبت سے زبان آلودہ کرتے اور نہ مکر و فریب سے کام لیتے۔

کہاں تھے آج وہ نیکو کار مردم! وہ سب کے سب رخصت ہو چکے تھے ظلم و ستم اور ظالم و جفا پیشہ افراد سے خونیں جنگ اور ہولناک لڑائی لڑنے کے لئے صرف علی باقی بچ رہے تھے، اگر خداوند عالم علیؑ کو باغیوں پر قدرت عنایت کرتا تو وہ بغاوت کو جلا کر خاک کر دیتے اور باغیوں کو پھونک کر ان کی راکھ دریا میں اڑا دیتے۔

یہ ایسی جنگ تھی جس میں حق ایک طرف یکہ و تنہا تھا جب کہ اس کے بے شمار اعوان و انصار رہ چکے تھے ایسی جنگ جس میں آپ سے وہ قوم برسر پیکار تھی جن کے بچے گمراہ تھے جن کے جوان قاتل تھے اور جن کے بوڑھے نہ امر بالمعروف

کے خوگر نہی عن المنکر کے عادی وہ قوم جو صرف اُسی شخص سے خائف تھی جس کی زبان سے اسے خوف ہوتا اور صرف اُسی کی عزت کرتی جس سے کچھ ملنے ملانے کی اُمید ہوتی اگر آپ اُنہیں چھوڑ بھی دیتے تو وہ آپ کو نہیں چھوڑتے اور اگر آپ ان کا پیچھا کرتے تو وہ ناگہانی طور پر آپ پر حملہ کر بیٹھتے وہ گمراہی پر ایک دوسرے کے ساتھی تھے اور جب جدا ہوتے تو ایک دوسرے کی مذمت کرتا۔

وہ ہولناک جنگ جس کے لئے علیؑ کو اُن کی مرضی کے خلاف مجبور کیا گیا موج دریا کے مانند تھی جسے کسی کے ڈوبنے کی پروا نہیں ہوتی اور اُس چنگاری کے مانند تھی جو خس وخاشاک پر جا پڑی ہو اور جسے جلانے اور جلا کر راکھ کر دینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔

یہ جنگ تھی علیؑ کے درمیان جو دنیا کی نعمتیں اور آسائشیں دوسروں کے لئے چاہتے اور ان لوگوں کے درمیان جو رعیت کو سرسبز اور مرغزار زمینوں سے نکال کر بنجر بے آب وگیاہ اور بادِ سموم میں دھکیلنا چاہتے تھے۔

ہائے کیا زندگی تھی علیؑ کی جو یا تو جہاد کرتے گذری یا مصائب وآلام جھیلتے گئی۔

ہائے وہ کیسے کیسے نیکوکار اور درست کردار لوگ دنیا میں تھے جو ایک ایک کر کے اُٹھ گئے اور علیؑ کو تنہا چھوڑ گئے۔ اُن کے اُٹھ جانے کے بعد ظلم وستم کا بازار گرم ہو گیا اور جور وجفا سے دنیا بھر گئی۔

اس مردِ بے مثل ونظیر اور غریب وابنبی نے آنے والے کل کے دن کا تصور کیا جس کی تاریکی ناداروں کی راتوں کی تاریکی سے بڑھکر دیر پا اور جو بدعہدوں کے ضمیروں سے زیادہ سرد ہو گا جو اپنے بھاری بوجھ سے بدبختوں کو چھاپ لے گا۔

وہ کل کا دن جس میں رعایا کی ان لوگوں کے نزدیک کوئی قدر وقیمت نہ ہو گی جو مکر وفریب سے کام لے کر خود سے لوگوں کے حاکم بن بیٹھیں گے۔ ان خود ساختہ حاکموں کے یہاں تقرب بس اُنہیں لوگوں کو نصیب ہو گا جو چغل خور ہوں مکر وفریب کے پتلے ہوں اور پکے فسادی ہوں جس دن کہ صرف ظالم وجفا پیشہ افراد سردار بنائے جائیں گے اور ان وجیہوں کی زندگی وہی بسر کر سکے گا جو بے حیا کمینہ اور حمیت وغیرت کی حرارت سے بالکل خالی ہو گا۔

کل کا دن ہائے وہ بے غیرتی کا دن جس کا علیؑ اپنے قلب وعقل سے تصور کر رہے تھے۔ اب رات کے بعد کوئی بھی بڑا آدمی علانیہ کو معزز نہ کر کذب پر ترجیح نہ دے گا جب کہ اس کذب سے اُسے خامۂ پہنچنے کی امید ہو۔ اب رات کے بعد کوئی ایسا حاکم نہ ہو گا جو لوگوں کے لئے بمنزلہ باپ کے ہو جو باطل کی لذتوں کے مقابلہ میں حق کے مصائب وآلام کو دوست رکھتا ہو۔ اب رات کے بعد بے قلب وعقل کا وجود نہ رہے گا جو خلائق کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کریں۔ حق پر عمل پیرا ہوں چاہے پہاڑوں کو زلزلہ آ جائے اور زمین کا سینہ شق ہو جائے۔

کل کا دن ہائے کل کا دن جس میں ناوان ظلم وستم کی انتہا پر اُتر آئے گا یہاں تک کہ مغرور وسرکش بادشاہ آ جائے اور شریف انسان ظالموں کے مظالم کی بیخ کنی کرتے ہوئے تباہی وبربادی اور موت سے ہمکنار ہو جائے گا۔

امیرالمومنینؑ نے اپنی ریشِ مبارک پر ہاتھ مارا اور دیر تک روتے رہے۔

آپ نے آسمان کی طرف نظر کی اور لکہ ہائے ابر اور ستاروں کو اس تاریک شب میں دیکھا کہ اُن کے عکس سرمایہ داروں کے اونچے اونچے محلات پر پڑ رہے ہیں۔ اسی طرح فقیروں کی جھونپڑیوں پر بھی اور جس طرح فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کے فتنہ وفساد کو اپنی تاریکیوں میں

چھپائے ہوئے ہیں اسی طرح نیکوکاروں کے مصائب وآلام کو بھی آپ نے دنیا پر اپنے چشم دل سے نظر کی اور فرمایا: "اے دنیا میرے علاوہ کسی اور کو فریب دینا"

وقت پر وقت گذرتا گیا اور رات تاریک سے تاریک ہوتی گئی علیؑ ابن ابی طالبؑ نے محسوس کیا وہ اس دنیا میں یکہ و تنہا رہ گئے ہیں ہائے زمین کیسی تنہائی کا گھر وحشت کی جگہ اور اجنبی و بیگانہ منزل ہے۔

آپ کو تھوڑی دیر کے لئے نیند آگئی گویا جتنے خیالات آپ کے دل میں گذر رہے تھے اس ہولناک تاریک شب میں آپ کی آنکھیں ان خیالات کو اپنے اندر سموئے تھیں زیادہ دیر آنکھ لگے نہ گذری تھی کہ آپ نے پیغمبر خدا کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا:

یا رسول اللہ میں نے آپ کی اُمت والوں کی طرف سے کیسے کیسے مصائب وآلام جھیلے کیسے کیسے اختلافات و نزاع کا مجھے ان کی طرف سے سامنا کرنا پڑا۔ پیغمبر خدا نے فرمایا۔ ان پر بددعا کرو۔ آپ نے فرمایا۔ خداوندا! مجھے ان لوگوں کے بدلے بہترین مصاحب عنایت فرما اور میرے بدلے بدترین حاکم ان پر مسلط کر۔

اُسی رات کی صبح سبک رفتار ہوائیں چل رہی تھیں اور آسمان قطرہائے اشک برسا رہا تھا۔ علی ابن ابی طالبؑ آہنگی سے مسجد کی طرف روانہ ہوئے گویا آپ کے قدم زمین سے ہمکلام اور ان اندوہگیں لمحات کی سرگذشت بیان کر رہے تھے طائروں پر بھی ایسا ہی حزن واندوہ طاری تھا ابھی آپ مسجد کے صحن میں بھی نہ پہنچے تھے کہ بطیں آپ کی طرف دوڑ کر چیخنے چلانے لگیں اور اُن کے ساتھ اس برفیلی صبح کو ہواؤں نے بھی فریاد وزاری کی صدائیں بلند کیں۔

نمازی سکوت وخاموشی کے ساتھ آپ کی طرف بڑھے اُنہوں نے بطوں کو امام کے پاس سے ہٹانا چاہا بطیں نہ آپ کے پاس سے دور ہٹیں نہ اُنہوں نے چیخنا چلانا بند کیا اسی طرح ہوا بھی سنسناتی رہی گویا ان بطوں اور ہواؤں کو احساس ہو گیا تھا کہ امیر المومنینؑ اس مصیبت کی طرف بڑھ رہے ہیں جو دنیا میں آپ کی آخری مصیبت ہوگی۔

امیر المومنینؑ نے ان چیختی چلاتی بطوں کی آواز بڑی توجہ سے سنی اور لوگوں کی طرف مڑ کر فرمایا: "انہیں نہ ہٹاؤ کہ یہ نوحہ کرنے والیاں ہیں۔"

امیر المومنینؑ کا یہ فقرہ آنے والی مصیبت کی پیشین گوئی تھا۔

یہ بطیں آخر کیوں نہ نوحہ کناں ہوتیں؟ اور لوگ ان بطوں کو چیخنے چلانے سے کیوں روکنے کی کوشش کر رہے تھے؟ علیؑ ابن ابی طالبؑ دیدۂ دل سے ان بطوں کی طرف کیوں نہ نظر کرتے۔ اس سے پہلے ہزاروں صبحیں آپ پر گذریں لیکن آج کی صبح اپنے اندر وہ راز چھپائے ہوئے تھی جس راز سے دوسری صبحیں خالی تھیں آج آپ جو کیفیت محسوس کر رہے تھے اس سے پہلے آپ نے کبھی محسوس نہ کی تھی کیا اس مرد عظیم و بزرگتر کا یہ حق نہ تھا کہ اپنی موت کا مرثیہ بطوں کی چیخ اور ہواؤں کی کراہ میں سنتا۔ کیا اس مرد عظیم و بزرگتر کا یہ حق نہ تھا کہ آفتاب اور سایہ کو آج وداع کرے جنہیں پھر دیکھنے کی امید نہ تھی؟ کیا اس مرد عظیم و بزرگتر کا یہ حق نہ تھا کہ آخری نگاہ اُن منازل پر ڈال لے جن میں وہ دوسروں کو غنی بنانے کی خاطر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتا رہا وہ آپ کی شجاعت و بہادری کے بہت سے نمونے اور آپ کی محیر العقول شخصیت کے بہت سے مظاہر اور آپ کے آلام و مصائب کے گوناگوں مناظر دیکھ چکے تھے جن منازل میں آپ طول طویل راتوں میں گریہ کناں رہے اور اپنے آنسوؤں سے انہیں سیراب کرتے رہے اگر دنیا کے رہنے والے حق کا دامن پکڑے ہوئے اور دین و وجدان سے تمسک ہوتے تو آپ کو اس دنیا کے روز و شب کو رخصت

کرتے ہوئے دکھ نہ ہوتا۔ یہ دنیا مردم خوار بھوت اور پر فریب دیو ہے اس کے حلال و حرام آپس میں خلط ملط ہیں۔ خود امیرالمومنینؑ کا نفس تنگی و آسائش دونوں حالتوں میں یکساں رہا اگر موت مقدر نہ ہو چکی ہوتی تو آپ کی روح تن مبارک میں ایک لمحہ کے لئے بھی سکون و اطمینان سے نہ رہتی آپ کو صدمہ اس کا تھا کہ بدکار اور غدّار افراد سے یہ زمین چھلک رہی ہے۔

دنیا اُن کے دست درازیوں سے نوحہ کناں ہے اور اُن کے مظالم سے لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو رہے ہیں عراق و حجاز و شام میں محروم عوام کی زندگی دوبھر ہو رہی ہے منافقین اپنے نفاق کے پھلوں سے پوری طرح بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ دنیا کا کیا بگڑتا اگر وہ علیؑ دو قدم اور اٹھانے کا موقع دے دیتی اور آپ کچھ چیزوں میں تبدیلی پیدا کر دیتے۔ مگر دنیا کو یہ بات کہاں گوارا کہ چیزوں میں تبدیلی پیدا کی جائے۔

اس روح قدسی اور مرد بزرگ نے محسوس کیا کہ میرے قدم مجھے دُور دراز کے سفر پر لے جا رہے ہیں آپ تھوڑی دیر مسجد کے دروازہ پر ٹھہرے ان نوحہ کناں بطوں کی طرف نظر کی اور اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ سے کچھ دور کھڑے تھے اور کئی مرتبہ یہ فقرہ دہرایا

دعو ھن فانھن نوائح انہیں نہ ہٹاؤ یہ نوحہ کرنے والیاں ہیں۔

علیؑ مسجد میں آئے ربّ العالمین کے حضور دوزانو ہوئے۔ ابن ملجم زہر آلود تلوار ہاتھ میں لئے مسجد میں آیا اور حضرت کے سر پر ایسا وار کیا جس کے متعلق اس کا کہنا تھا کہ اگر یہ وار سارے شہر کے باشندوں پر پڑے تو ایک شخص بھی زندہ نہ بچے خدا کی لعنت ہو ابن ملجم پر اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔ دنیا میں ہر آنے والے اور دنیا سے ہر جانیوالے کی لعنت ہو ہر اس شخص کی لعنت اس پر ہو جو حکم خدا سے پیدا ہوا۔ خداوند عالم ابن ملجم پر ایسی لعنت کرے کہ اگر ویسی لعنت دریاؤں پر پڑے تو وہ خشک ہو جائیں کھیتوں پر پڑے تو وہ نیست و نابود ہو جائیں اور سرسبز پودوں کو زمین کے اندر ہی جلا دے۔ خداوند عالم جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے اس پر مسلط فرمائے اور ہزار شیطان اس پر مسلط کرے جو اُسے منہ کے بل جہنم میں ڈالے رہیں اس جگہ جہاں آگ کے شعلے لپک رہے ہوں اور قہر الٰہی کا جوش و خروش ظاہر کر رہے ہوں

چیختی چنگھاڑتی ہوائیں چلیں تیز و تند آندھیاں اُٹھیں ہر چیز درہم و برہم اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئی۔ ہر طرف سے غبار اٹھا اور جس کی طرف سے گذرا اُسے اپنی جگہ سے ہٹنے پر مجبور کر دیا جیسے آسمان سے بجلیاں گرنے لگی ہوں

روز روشن اندھیری رات کی طرح تاریک ہو گیا آفتاب کی روشنی اندھیرا دور کرنے سے قاصر رہی اجالا غائب ہو گیا۔ بڑا ہولناک اور اندوہگیں منظر تھا زمین سے نالہ و فریاد کی صدائیں بلند تھیں آسمان کو تاریک ابر ڈھانکے ہوئے تھا اور بجلیاں سردم آتشیں آہیں بھر رہی تھیں۔ حیوانات کو عظیم ترین صدمہ پہنچا زمانے نے علیؑ پر گریہ کیا اور آنے والی صدیاں بھی ان پر گریہ کریں گی طیور غبار آلود پروں کے ساتھ اپنے بازوؤں میں سر چھپائے اپنے گھونسلوں کو روانہ ہوئے۔ اشجار بے چین تھے کہ کس طرح اپنے جڑوں سمیت اکھڑ پڑیں ان میں اس طرح تھرتھراہٹ پیدا تھی جیسے طائر پھڑپھڑا رہے ہوں انہوں نے اپنے سرسبز پتے شہید کے قدموں پر نچھاور کئے

دنیا کی ہر چیز دل شکستہ و اندوہگیں ہوئی سوا علیؑ ابن ابی طالبؑ کے چہرے کے کہ وہ ہشاش بشاش تھا انہوں نے نہ انتقام کی خواہش کی نہ غیظ و غضب ظاہر کیا لوگ آپ کے دروازے پر عیادت کی غرض سے کھڑے تھے سبھی افسردہ و ملول گریاں و نوحہ کناں اور بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا کہ خداوند عالم امیرالمومنینؑ پر رحم فرمائے انہیں شفا عنایت فرما کر خلائق کے آلام و مصائب دور فرمائے ان لوگوں نے ابن ملجم پر حملہ کر کے اُسے گرفتار کر

یا جب اُسے امیر المومنین کی خدمت میں لائے تو آپ نے فرمایا " اسے عمدہ غذائیں اور نرم بستر دینا"

لیکن آپ کے چہرے کی بشاشت و خرمی تمام مصائب و آفات سے بڑھ کر اندوہناک تھی اس وقت آپ کا چہرہ سقراط کے چہرے کے مشابہ تھا جس وقت کہ جاہل و نادان عوام نے انہیں زہر پلا نا چاہا تھا۔ عیسیٰ بن مریم کے چہرے جیسا تھا جب کہ قوم یہود آپ کو کوڑوں سے اذیت پہنچاتی تھی محمد مصطفےٰ کے چہرے جیسا تھا جب کہ آپ پر طائف کے نادان سنگباری کرتے اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ ہم کس بزرگترین خلائق پر سنگباری کر رہے ہیں کوفہ کے بہترین طبیبوں کو امیر المومنین کے علاج کے لئے بلایا گیا اُن میں سب سے زیادہ حاذق اثیر بن عمرو بن ہانی نام کا ایک شخص تھا جب اُس نے حضرت کی پیشانی کے زخم کا بغور معائنہ کیا انتہائی حزن و اندوہ اور ناامیدی سے بولا امیر المومنینؑ جو کچھ وصیتیں کرنا ہوں کرلیں کہ ابن ملجم کی ضربت مغز راس تک پہنچ چکی ہے۔ امام طبیب کے جواب سے دل تنگ نہ ہوئے نہ حرف شکایت زبان پر لائے۔ اپنا معاملہ خدا کے حوالے کیا آپ نے اپنے دونوں فرزند حسنؑ و حسینؑ کو پاس بلایا اُن سے وصیتیں فرمائیں اور تاکید کی کہ میرے قتل کی وجہ سے ہنگامہ نہ کھڑا کرنا نہ خونریزی کرنا قاتل کے متعلق فرمایا کہ اگر اُسے معاف کر دو گے تو یہ تقوی سے قریب تر ہوگا۔

امیر المومنینؑ نے حسنؑ و حسینؑ کو جو وصیتیں فرمائیں اُن کے چند فقرے یہ تھے۔

تم کو خدا کی قسم اپنے پڑوسیوں کا لحاظ کرنا تمہیں خدا کی قسم فقراء و مساکین کا خیال رکھنا اور ان کو بھی اپنی روزی اور معاش میں شریک رکھنا اور جیسا کہ خدا نے تمہیں حکم دیا ہے جس سے بات کرو میٹھی زبان میں اور جب بولو اچھی ہی بات بولو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چھوڑنا

تمہارا فرض ہے کہ آپس میں میل جول اور لطف و مہربانی سے پیش آیا کرو اور بے تکلفی اور سادگی برتا کرو اور خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ الگ الگ رہنے کی روش اختیار کرنا اور نہ متفرق ہونا۔

لوگوں نے آپ سے پوچھا یا امیر المومنینؑ کیا آپ کے بعد ہم امام حسنؑ کی بیعت کرلیں آپ نے جواب میں فرمایا:۔
نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں (فرقہ امامیہ کا مسلک ہے کہ امام حسنؑ اور تمام آئمہ طاہرینؑ بہ نص پیغمبرؐ امام تھے اور ان کی اطاعت فرمانبرداری خلق پر واجب تھی مسیحی فاضل جارج جرداق نے یہ روایت کتب اہلسنت سے نقل کی ہے اور اس پر ہم سلسلہ اکبر سوانح عمری امام حسنؑ میں تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں)
حضرت نے گوارا نہ کیا کہ کسی کو زبردستی لوگوں کا حاکم مقرر کریں اس کے ساتھ یہ بھی آپ نے نہ چاہا کہ لوگوں کو اُن کے انتخاب و اختیار سے منع فرمائیں آپ نے اپنے فقرہ سے یہ حقیقت واضح کر دی اور لوگوں کو متنبہ کیا کہ عوام اپنے والی و حاکم کے انتخاب میں آزاد ہیں اور حکومت و خلافت جمہور اور عامۃ المسلمین کا حق ہے۔
تھوڑی دیر کے بعد آپ نے لوگوں کی طرف نظر کی اور فرمایا۔

"میں کل تمہارا حاکم تھا اور آج تمہارے لئے سبب عبرت ہوں اور کل تم سے جدا ہو جاؤں گا خدا مجھے بھی بخشے اور تمہیں بھی"

بروز جمعہ صبح کے وقت حضرت کے فرق مبارک پر ضربت لگی تھی اس کے بعد دو روز تک انتہائی کرب و اذیت کے عالم میں زندہ رہے مگر آپ نے اپنے کرب و اذیت پر اُف نہ کی خدا سے سہارے اور ڈھارس کی تمنا کرتے لوگوں کو احسان و نیکی اور بے بس لاچار لوگوں پر

رحم و کرم سے پیش آنے کی وصیت فرماتے۔ ماہ رمضان سنہ ۴۰ھ کی اکیسویں شب میں آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

وہ مرد یگانہ و بزرگ جسے دشمنوں نے بھی دکھ پہنچائے اور دوستوں نے بھی دنیا سے اٹھ گیا وہ مرد بزرگ و غریب جو جیتے جی شہید تھا اور مرتے وقت شہیدوں کا پدر۔

استقامت و استواری اور خیر خواہی کے شہید نے وفات پائی۔ پاکیزگی اور بزرگی کا شہید جس نے حق و اخلاص کے معاملہ میں ذرا بھی سستی گوارا نہ کی۔

وہ مرد عظیم و بزرگ دنیا سے اُٹھ گیا۔ افسوس کہ دنیا نے اُسے مہلت نہ دی کہ وہ ایسی حکومت کی بنیاد رکھ سکے جسے بعد کی آنے والی صدیاں پاتیں اور حکومت آپ کی روش اور طرز حکومت کو اپنے پیش نظر رکھتیں اور عوام الناس آپ کے مبارک نام کی برکت سے امن کی زندگی گذارتے اور مفسد و فتنہ انگیز ظالموں کو ذلت و رسوائی کی خاک میں ملاتے۔

آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے بعد ایسا خاندان چھوڑ گئے جس کا ایک ایک فرد راہ حق کا شہید ہوا۔ اپنے بعد دکھیاری بیٹی زینبؑ کو دنیا بھر کے مصائب و آلام جھیلنے کے لئے چھوڑ گئے اور دنیا نے ان کے ساتھ وہ بے رحمی و شقاوت کا سلوک کیا جیسا کسی کے ساتھ نہ کیا ہوگا۔ حسنؑ و حسینؑ کو فرزند ابوسفیان اور دیگر خون کے پیاسے دشمنوں میں چھوڑ گئے۔

علیؑ اور فرزندان علیؑ کے خلاف سازش کا پہلا دور تمام ہوا اس کے بعد بیشمار دور آئے اور ہر دور اپنی آغوش میں ہولناک تر اور سخت و شدید مصائب لئے ہوئے تھا۔

اونچے محلات امیر المومنینؑ کی شہادت سے یوں جگمگا اُٹھے جس طرح خشک ریگستان میں سراب جگمگاتے ہیں پانی کے چشمے سوکھ گئے کھیتیاں ویران ہو گئیں۔ غداروں مکاروں کی حکومت مضبوط ہوئی وہ لوگ جو حکومت قائم کرنے کے لئے غداری و خیانت کو جائز سمجھتے تھے آپ کے انتقال کے بعد ہی سرگرم کار ہو گئے وہ حکومت کتنی منحوس ہے جس کی بنیادیں بزرگوں کے قتل و ہلاکت کے ذریعہ استوار ہوں۔

کیسی عظیم ناکامیاں تھیں کہ امیر المومنینؑ کی مصیبت دوستوں کے سینے میں باقی چھوڑ گئیں کتنا زبردست حزن و اندوہ تھا جو نیکو کاروں کے دلوں میں اس ہولناک حادثہ سے باقی رہا کیسی زبردست مصیبت تھی جس کی وجہ سے صدیوں عرب کی سرزمین فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنی رہی۔ کیا حزن و اندوہ تھا جو مسلسل بڑھتا اور سخت ہوتا ہی گیا اور اس نے ظالموں اور اُن کے مددگاروں کے پر و بال جلا دئے اور ان کی حکومت اور بزرگیوں کے ایوان کو منہدم کر دیا کیا فائدہ ایسی حکومت کا جو غریبوں بیکسوں کے آنسوؤں سے قائم ہو جو کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے غم میں اشک فشانی کر رہے تھے۔

علیؑ ان کی آنکھوں کے آنسو پونچھتے غریبوں بیکسوں کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے ضعیفوں بیچاروں پر شفیق و مہربان تھے تمام دنیا کی دولت اور روئے زمین کے سارے خزانے اس مرد عظیم کی جوتی کے تسمے کے برابر نہ تھے۔ تمام ظالم خلفاء اور اُن کی ساری دولت نہج البلاغہ کے ایک کلمہ اور آپ کے تصورات کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور آپ کے ایک قطرہ اشک کے مقابلہ میں بے قدر و قیمت۔

وہ مرد عظیم و بزرگ دنیا سے اُٹھ گیا اور وہ لوگ جو ناحق اپنے کو بزرگ سمجھتے تھے باقی رہ گئے۔ ایک انسان مر گیا اور سربلند ہوا اور ایک جماعت زندہ رہی اور حقیر و ذلیل ثابت ہوئی امام اپنے دشمنوں کو دنیا میں زندہ چھوڑ گئے لیکن ان کی زندگی عین ہلاکت تھی۔

ختم شد